جھوٹے نبیوں کا انجام

سید ارتضیٰ علی کرمانی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جھوٹے نبیوں کا انجام

Marfat.com

☆......ملنے کے پتے......☆

خزینہ علم وادب الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
اسلامی کتب خانہ، فضل الٰہی مارکیٹ اردو بازار، لاہور
اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک راولپنڈی
احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک، اقبال روڈ، راولپنڈی
رحمٰن بک ہاؤس اُردو بازار، کراچی
علی سٹیشنرز، حیدری چوک، لالہ موسیٰ
مسٹر بکس سپر مارکیٹ اسلام آباد
مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار، راولپنڈی
گڈ بکس شاپ صدر بازار، راولپنڈی
بختیار سنز قصہ خوانی بازار، پشاور
بنگش بکڈ پو اردو بازار، سیالکوٹ
ماڈرن بکڈ پو سیالکوٹ کینٹ
کھوکھر بکسٹال مسلم بازار، گجرات
بلال بکڈ پو، گجرات
کتاب مرکز امین پور بازار، فیصل آباد
کتب خانہ مقبول عام امین پور بازار، فیصل آباد
شریف سنز کارخانہ بازار، فیصل آباد
کارواں بک سنٹر، ملتان کینٹ
دارالکتاب کالج روڈ، لیہ
الیاس کتاب محل کچہری بازار، جڑانوالہ
ڈار برادرز تحصیل بازار، جہلم
جالندھر بکڈ پو، ڈسکہ
یونائیٹڈ بک ہاؤس، کچہری روڈ، منڈی بہاؤالدین
شمائلہ بک ایجنسی محلہ چوہدری پارک، ٹوبہ ٹیک سنگھ
میاں ندیم مین بازار، جہلم
اسلامی کتب خانہ، حافظ آباد
کارواں بک سنٹر، بہاولپور
گلیکسی بکس، خان آرکیڈ، کچہری روڈ، سرگودھا
النور بک کارنر محمدی پلازہ، میر پور آزاد کشمیر

مکتبہ قابل اردو بازار، لاہور
کتاب سرائے الحمد مارکیٹ اردو بازار، لاہور
فہیم بکڈ پو، رجپوت مارکیٹ اردو بازار، لاہور
کتاب گھر کمیٹی چوک، راولپنڈی
فضلی سنز اردو بازار، کراچی
ویلکم بک پورٹ اُردو بازار، کراچی
کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
سعید بک بنک اسلام آباد
کیپٹل بکڈ پو، اردو بازار، راولپنڈی
سعید بک بنک، پشاور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار، پشاور
حافظ بک ایجنسی اقبال روڈ، سیالکوٹ
بک سنٹر اردو بازار، سیالکوٹ
پنجاب بکڈ پو سرکلر روڈ، گجرات
سلطان بک پیلس، گجرات
فائن بکس امین پور بازار، فیصل آباد
نیو مکتبہ دانش امین پور بازار، فیصل آباد
مقبول بک ایجنسی چوک پاک گیٹ، ملتان
الکریم نیوز ایجنسی، اوکاڑہ
چوہدری بکڈ پو مین بازار، دینہ
عمر بک سنٹر جی ٹی روڈ، سرائے عالمگیر
شکیل بکڈ پو، سمندری
مسلم بک لینڈ، بینک روڈ، مظفر آباد
نیو وہاڑی کتاب گھر، جناح روڈ، وہاڑی
حمید برادرز مال روڈ، مری
شاہد بک ڈپو اگوکی سیالکوٹ فون: 3513872
خالد کتاب محل، سیالکوٹ روڈ، اگوکی
پاکستان بکڈ پو مین بازار، جلال پور جٹاں
جہلم بک کارنر، جہلم
منور بک ڈپو گجرات

Marfat.com

جھوٹے نبیوں کا انجام

مصنف

سیّد ارتضٰی علی کرمانی

علم و عرفان پبلشرز
34- اردو بازار' لاہور فون: 7352332

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

98336

نام کتاب	....	جھوٹے نبیوں کا انجام
مؤلف	....	سیّد ارتضٰی علی کرمانی
ناشر	....	گل فراز احمد
		علم وعرفان پبلشرز' لاہور
کمپوزنگ	....	ظفر اقبال، صدیق احمد صدیقی
پرنٹرز	....	جوہر رحمانیہ پرنٹرز، لاہور
اشاعت اوّل	....	اکتوبر 2004ء
اشاعت دوم	....	اپریل 2011ء
قیمت	....	-/400روپے

☆...... ملنے کے پتے ......☆

علم وعرفان پبلشرز

34- اُردو بازار، لاہور فون: 7352332

سیونتھ سکائی پبلیکیشنز

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ، 40۔اُردو بازار، لاہور

موبائل:0300-4025230

Marfat.com

انتساب!

مسعود مفتی

کے نام

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	آئینہ	صفحہ
	میری عرض	11
	مقام نبوت	17
1-	طلیحہ اسدی	29
2-	مسیلمہ کذاب	61
3-	سجاح بنت الحارث	95
4-	صاف بن صیاد	113
5-	مرزا علی محمد باب شیرازی	131
6-	اسود عنسی	157
7-	مغیرہ بن عجلی	205

Marfat.com

-8	اسحاق اخرس	233
-9	حکیم بن مقنع (نقاب پوش پیغمبر)	267
-10	جلال الدین اکبر	289
-11	حسن بن صباح	303
-12	ابو طاہر قرمطی	325
-13	محمد عبداللہ بن تومرت	333
-14	بہاء اللہ نوری	351
-15	عبید اللہ مہدی	363
-16	عبداللہ میمون اہوازن	377
-17	سید محمد جونپوری	385
-18	مہدی سوڈانی	397
-19	مرزا غلام احمد قادیانی	415
-20	یوسف کذاب	445

Marfat.com

جھوٹے لوگوں پر سچی کتاب

سادگی، متانت، درویشی اور محبت، یہ چار عناصر اکٹھے ہوں تو ذہن کے قرطاس پر جناب سید ارتضیٰ علی کرمانی کی خوبصورت تصویر ابھرتی ہے۔ وہ بڑی سندر، زندہ دِل اور من موہنی شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کا مطالعہ اور مشاہدہ بھی بے پناہ ہے۔ ان کی گفتگو ان کی تحریروں کی طرح بڑی دلچسپ، جاندار اور حساس ہوتی ہے۔ وہ تاریخ، ادب، مذہب، سیاست، تصوف، فلسفہ بلکہ ہر موضوع پر خاصی دسترس رکھتے ہیں۔ اِن موضوعات پر ان کی کئی ایک کتابیں شائع ہو کر ہر خاص و عام سے دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ''جھوٹے نبیوں کا انجام'' ان کی تازہ ترین کاوش ہے جسے انہوں نے بڑی محنت اور جذبے سے تیار کیا ہے۔

عقیدہ ختم نبوت ہمارے دین اسلام کی بنیاد ہے۔ اگر اس عقیدہ میں ذرا سی بھی کجی آ جائے تو مسلمان اپنے قیمتی ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرمایا کرتے تھے:

''جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب و کمالات کا سلسلہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود مسعود پر ختم ہو جاتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نبوت و ہدایت کے وہ مہر درخشاں ہیں کہ جس کے طلوع ہونے کے بعد اب کسی دوسری روشنی کی مطلق ضرورت نہیں رہی۔ سب روشنیاں اسی نور اعظم میں محو و مدغم ہو گئی ہیں۔ اسی لیے تو سید المرسلین حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام زمین پر زندہ ہوتے تو انہیں بھی بجز میری اطاعت و اتباع کے چارہ کار نہ تھا۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام جب آخر زمانہ میں تشریف لائیں گے تو نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ امتی کی حیثیت سے۔''

Marfat.com

شاہ جی نے مزید فرمایا:

"تکمیل دین کے بعد اجرائے نبوت کے قائل لوگ گویا تاج محل پر مٹی کا بھدا گھروندا تیار کر کے ذوقِ سلیم کی توہین کرنا چاہتے ہیں۔ جس طرح فن تعمیر کے ماہر ایسے کور ذوق لوگوں کو برداشت نہیں کر سکتے، اسی طرح سچے مسلمان ایسے کور ذوقوں کو بھی قبول نہیں کر سکتے...... اگر لا نبی بعدی کا مفہوم سلامت نہیں تو ایمان کے جز کا کروڑواں حصہ بھی نہیں رہے گا۔ جڑ کو گھن لگے تو شاخ اور پتیاں بھی سلامت نہیں رہتی۔ عقیدے کو درخت سمجھو، جب تک جڑ مضبوط نہ ہو۔ درخت بارآور نہیں ہو سکتا۔ اب وہ ناں مر گئی ہے جو نبی جنا کرتی تھی۔ مشاطہِ ازل نے وہ کنگھی ہی توڑ ڈالی جو زلف نبوت سنوارا کرتی تھیں"۔

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں، نہ دوکان آئینہ ساز میں

عقیدۂ ختم نبوت مسلمانوں کی وحدت اور یگانگت کی سب سے بڑی علامت ہے۔ دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کے اس غیر متزلزل اور بنیادی عقیدے پر ہر دور میں مختلف روپ بدل کر بے شمار حملے کیے، مگر انہیں ہمیشہ منہ کی کھانی پڑی۔ جھوٹ، آخر جھوٹ ہوتا ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں جھوٹے نبی اپنے نام اور عقائد کے لحاظ سے مسخروں کا کردار ادا کرتے رہے۔ ان کے نظریات اور عقائد ایسے ہیں کہ انہیں پڑھ کر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ ان جھوٹے نبیوں نے اپنے منحوس چہروں پر اسلام کا عارضی ماسک اوڑھ رکھا تھا اور معاشرے میں مصنوعی طور پر اپنا قد اونچا کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن ہمیشہ خائب و خاسر رہے۔ ان جھوٹے نبیوں کا ایسا بھیانک اور عبرتناک انجام ہوا کہ خدا کی پناہ!

جناب ارتضیٰ علی کرمانی کی زیر نظر کتاب جھوٹے نبیوں کے حالات و واقعات اور ان کے عبرتناک انجام کا احاطہ کرتی ہے۔ جناب ارتضیٰ نے جس جانفشانی سے تاریخ کے ان جھوٹے اور خبیث ترین لوگوں کی زندگیوں اور عقائد کا پوسٹ مارٹم کیا ہے، وہ قابل صد ستائش ہے۔ میں ان کو اس تاریخی کاوش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

محمد متین خالد

Marfat.com

بسم اللہ ارحمٰن الرحیم

میری عرض

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اما بعد، بلا شبہ تمام تر تعریفوں کا مالک اللہ رب العزت ہے کہ جس نے تمام تر عالمین جو ہمیں دکھائی دیتے ہیں اور جو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں، تخلیق فرمائے۔ اسی کے قبضہ قدرت میں تمام عالمین کا ذرہ ذرہ ہے۔ وہ تھا اس وقت بھی جب کچھ نہ تھا اور وہ اس وقت بھی ہوگا جب کچھ نہ ہوگا۔ اس کی کبریائی بیان کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔

اللہ رب العزت کی بے پایاں عنایات کریمانہ اس جنت ارضی پر ہیں جن میں سے ایک عنایت کریمانہ ازل سے ہی اس نے اپنے بندوں پر فرمائی کہ اس نے اپنے بندوں کی اصلاح کی خاطر انہی میں انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ یہ نہیں ہوا کہ ایک قوم سے چل کر کوئی نبی دوسری قوم میں مبعوث ہوگیا ہو۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ زبان و بیاں کا بڑا فرق ہوتا ہے۔ بے شک محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل ایک نبی ایک قوم ہی کے لئے مبعوث ہوتا تھا۔

اس سلسلہ کو بعثت نبوی ﷺ کے ساتھ ہی اس طرح ختم کر دیا گیا کہ چونکہ اب کسی مزید نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا محمد رسول اللہ ﷺ تمام عالمین کے ہی نبی تا قیامت ہوں گے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی نبوت چونکہ تا قیامت قائم ہے اس لئے اب کوئی بھی نبی نہیں آ سکتا۔ آپ ہی کی شریعت تا قیامت قائم و دائم رہے گی لہٰذا کسی دوسری شریعت کی بھی ضرورت نہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگیوں کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ وہ سب اپنی اپنی قوم کو سدھارنے کے لئے صدیوں تک سرگرداں رہے مگر انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا۔ تا آنکہ محمد رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

کی ذات اقدس کا ظہور قدسی ہوا۔ بلاشبہ آپ نے محض 23 برس میں وہ تمام تر کامیابیاں حاصل کیں جن کو دوسرے انبیاء سینکڑوں برسوں میں بھی حاصل نہ کر پائے تھے۔

اگر دیکھا جائے تو یہ بات ہمیں بالکل صاف دکھائی دے گی کہ اکثر و بیشتر انبیاء کی رحلت کے بعد ان کے عقیدت مندوں نے سینکڑوں برسوں کے بعد ان کی ترویج و تبلیغ کی۔ مگر سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں ہی وہ تمام کامیابیاں اور فضیلتیں حاصل کر لیں۔ آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ہی اسلام کو مضبوط بنیادوں پر استوار دیکھ لیا تھا اور جب آپ نے پردہ فرمایا تو بلادعرب میں کوئی مشرک نہ تھا۔

بعثت نبوی ﷺ سے قبل بلادعرب میں ہر طرف جہالت و ضلالت کی ہی حکمرانی قائم تھی۔ وہاں ہر طرف بغاوت و سرکشی کا دور دورہ تھا۔ پورا معاشرہ ایک طرح سے تباہی و بربادی کے دہانہ پر کھڑا تھا۔ بیت اللہ شریف کو جو کہ محض عبادت الٰہی کے لئے تعمیر کیا گیا تھا اب پوری طرح بتوں سے بھرا پڑا تھا۔ اب طواف انہی بتوں کا کیا جاتا تھا۔ یقینی بات ہے کہ یوں دین ابراہیمی کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا گیا تھا۔

عورتوں کا کوئی بھی پرسان حال نہ تھا انہیں محض جنس تصور کیا جاتا تھا۔ قبائلی عزت کے نام پر بیٹیوں کو زندہ زمین میں دفن کر دیا جاتا تھا۔ مساوات، عدل و انصاف اب صرف باتیں ہی تھیں وگرنہ ان پر عمل نہیں ہوتا تھا۔

بلادعرب میں ظہور قدسی سے قبل مذہبی حالت بھی انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔ مختلف عرب قبائل نے اپنے اپنے خود ساختہ مذاہب اور اپنی اپنی خود ساختہ مذہبی اقدار کو اپنایا ہوا تھا۔ اس دور میں اگر کہیں بت پرستی ہو رہی تھی تو کہیں آتش پرستی بھی موجود تھی۔ کہیں دیکھا جا سکتا تھا کہ لوگ سورج کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھے تو کہیں ستاروں کی پوجا ہو رہی تھی۔

سب سے زیادہ جہالت کا مظاہرہ تو خانہ کعبہ میں دیکھنے کو ملتا تھا جہاں 360 بتوں کو کسی نہ کسی طرح رکھا گیا تھا اور ان کی پوجا ہر قبیلہ اپنے انداز میں کیا کرتا تھا۔ خانہ کعبہ میں اس وقت رکھے گئے مشہور بتوں کے نام یہ تھے۔ لات، عزیٰ، ہبل، نائلہ، یعوق اور نسر۔ انہی کے آگے سجدہ ریز ہوتے اور اپنی مرادیں مانگتے۔ انہی کو وہ لوگ اپنا حاجت روا کہتے اور انہی کو اپنا ملجا و ماویٰ تسلیم کرتے۔

Marfat.com

بلادعرب میں بت پرستی کا بانی عمرو بن الحیٰ کو کہا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ عمرو سے پہلے خانہ کعبہ کے متولی بنی جرہم تھے۔ عمرو نے ایک جنگ کے بعد بنی جرہم کو شکست دے کر کعبہ سے نکال دیا اور خود متولی بن گیا۔ ایک مرتبہ یہ ایک خطرناک بیماری کا شکار ہوگیا۔ اس کو کہا گیا کہ اگر تم ملک شام میں بلغاء کے مقام پر موجود ایک گرم چشمہ کے پانی سے غسل کرو تو تندرست ہو جاؤ گے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور تندرست ہوگیا۔

تاریخ اسلام کی جلد اول کے صفحہ 49 پر درج ہے کہ اس نے وہاں کے باشندوں کو دیکھا کہ وہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ تم لوگ یہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم ان بتوں کے ذریعہ بارش طلب کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ دشمنوں پر فتح حاصل کرتے ہیں۔

اس نے کہا کہ مجھے بھی ان بتوں میں سے چند بت دے دو، چنانچہ انہوں نے چند بت اس کو تحفے میں دے دیئے۔ اس نے وہ بت خانہ کعبہ کے گرد نصب کر دیئے اور یوں خانہ کعبہ میں بت پرستی کا رواج ہوا۔ چونکہ خانہ کعبہ عربوں کا مرکز تھا۔ چنانچہ بلاد عرب میں اس کا رواج عام ہوگیا۔ اس کے باوجود کہ بت پرستی پھیل چکی تھی مگر بلاد عرب میں یہودی، عیسائی اور مجوسی بھی کہیں کہیں آباد تھے۔

عیسائیوں کے دو بڑے قبائل ربیعہ اور غسان موجود تھے۔ اس کے علاوہ بنو قضاء میں بھی بہت سے لوگ عیسائی تھے اسی طرح مکہ مکرمہ میں کچھ خاندان عیسائیت اختیار کر چکے تھے جن میں ورقہ بن نوفل بھی تھے۔ یہودی قبائل میں حمیر، کنانہ، حرث اور کندہ شامل تھے۔ یہودیوں کی اکثریت مدینہ طیبہ میں زیادہ تھی۔ وہاں انہوں نے اپنی درسگاہیں، بیت المدارس کے نام سے کھول رکھی تھیں۔ ان میں صرف یہودیت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ خیبر کی تمام تر آبادی یہودیوں ہی کی تھی۔

مجوسیوں کا قبیلہ بنو تمیم تھا۔ یہ لوگ آتش پرست تھے اور آگ کی ہی پوجا کیا کرتے تھے۔ اس ماحول میں بھلا کیونکر اللہ عزوجل کی وحدانیت پر یقین کیا جا سکتا تھا یا یہ کہ اس کی صفات لازوال پر پختہ ایمان قائم کیا جا سکے۔

اسی پرفتن دور میں ظہور اسلام ہوا۔ ظہو اسلام سے قبل تو ایک نبی ایک ہی قوم کی اصلاح اور تربیت کے لئے مبعوث ہوتا تھا مگر یہاں تو صورت حال ہی دیگر تھی۔ یہاں تو لا

Marfat.com

تعداد قبائل اپنے اپنے مذاہب کو سینوں سے لگائے بیٹھے تھے۔ کوئی ایسی برائی نہ تھی کہ جس کو ختم کرنے کے لیے اسلام آیا تھا بلکہ لا تعداد برائیاں تھیں کہ جن کو ختم کرنا مقصود تھا۔

ان تمام تر برائیوں کو ختم کرنا ہی دراصل اسلام کی کامیابی تھی۔ اسی کامیابی کو دیکھتے ہوئے آپ اگر غور فرمائیں تو آپ کو یہ کامیابی حضور اکرم ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی رکتی نظر نہیں آئے گی۔ آپ کے غلاموں نے آپ کے اس جہاں سے پردہ فرمانے کے بعد مسلسل فتوحات حاصل کیں اور اسلام کو پوری طرح ہر طرف پھیلا دیا۔

اسلام کی کامیابی دراصل محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی کامیابی تھی۔ جسے دیکھتے ہوئے آپ کے پردہ فرمانے کے ساتھ ہی کاذبین کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ یہ تمام تر لوگ اپنے اپنے زمانے کے شاطر اور چالباز لوگ تھے۔ جنہوں نے اسلام کو کسی بھی طرح کوئی نقصان نہیں پہنچایا مگر لا تعداد سادہ لوح اہل اسلام کو پراگندہ خیال ضرور کر دیا۔ زیر نظر کتاب انہی بدطینت لوگوں کی زندگیوں کی مختصر روداد ہے۔ جنہوں نے اپنے اپنے طور پر نبی اور مہدی بن کر عزت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ عزت تو یہ کیا حاصل کرتے انہیں اپنی زندگی میں ہی ذلتوں کا طوق پہننا پڑا۔

یہ فقیر نہایت عاجزانہ انداز میں اہل اسلام سے یہ گذارش کرنا چاہتا ہے کہ ہمیں مختلف طبقات اور گروہوں کی بجائے ایک جگہ یا ایک جماعت کی صورت میں دکھائی دینا چاہیے۔ کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا ہے کہ ہم اپنے نقصانات کا من حیثیت القوم اندازہ کر سکیں کہ یہ جو ہم مختلف طبقات اور گروہوں میں منقسم ہو چکے ہیں یہ نقصانات انہی کا نتیجہ ہیں۔ مگر شائد ہمارے اکابرین کے پاس ابھی وقت نہیں کہ وہ اس دردناک صورت حال پر سوچ و بچار کر سکیں۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ امت مسلمہ گذشتہ چند صدیوں سے محض دعاؤں پر ہی گزارا کرتی چلی آ رہی ہے۔ اور عملی طور پر یہود اور نصرانی انہیں اپنے دام فریب میں جکڑتے چلے آ رہے ہیں۔ اے مسلمانو! افغانستان اور عراق کے مسلمان امریکی غلامی میں نہیں چلے گئے؟ کیا اب ہم دیگر مسلمان ممالک کو بھی اس طرح غلام بنتا دیکھیں گے اور یہود و نصرانیوں کی بربادی کے لئے دعائیں کریں گے؟ نہیں بلکہ ہمیں اپنی شناخت کو تسلیم کروانا پڑے گا اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب ہمارے درمیان تفرقہ بازی ختم ہو

Marfat.com

جائے۔

اللہ رب العزت ہمیں اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق جلیل عطا فرمائے۔ یہ بندۂ ناچیز اس کتاب کو تحریر کرنے کے سلسلہ میں اللہ عزوجل کا شکریہ ادا کرتا ہے جس کے حکم کے بغیر پتہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ یہ فقیر اللہ عزوجل کے نیک بندے محمد گل فراز احمد کا بھی مشکور وممنون ہے کہ جن کی اعانت نے اس کتاب کو آپ تک پہنچایا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ، علیم وخبیر محمد گل فراز احمد اور ان کے ادارہ کو اسلام کی خدمت کرنے کی مزید توفیق عطا فرمائے اور ان کے درجات میں سر بلندی عطا فرمائے۔

سیّد اِرتضیٰ علی کرمانی۔ عفی عنہ

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقام نبوت

ہمارا موضوع چونکہ جھوٹے مدعیان نبوت ہے چنانچہ مناسب خیال کیا جاتا ہے کہ اس پر بھی غور کر لیا جائے کہ دراصل نبی کون ہوتا ہے اور لفظ نبی کا مطلب کیا ہے۔ عرض یہ ہے کہ نبی کے معنی ہوتے ہیں خبر دینے والا۔ عربی زبان میں ایک مادہ ہے نباء اس کے معنی ہوتے ہیں خبر دینا۔ اور نبی کا لفظ بھی اس مادہ سے ہی نکلتا ہے۔ زبان انگریزی میں نبی کو پرافٹ (Prophet) کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں پیشین گوئیاں کرنے والا یعنی ایسا منتخب شخص جو علوم انسانی کی سطح سے بلند ترین مقام پر فائز ہے۔

یاد رہے کہ کلام اللہ شریف میں یہ لفظ منتخب شخصیات کے لیے مستعمل ہوا ہے۔ ایسی شخصیات جن کو بارگاہ الٰہی سے وحی آتی ہو۔ بلاشبہ اس کا یعنی وحی کا سرچشمہ علم انسان سے بہت ہی بلند اور ماورا ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ شخصیات بڑی ہی بلند رتبہ اور اعلیٰ ترین مقامات پر فائز ہوتی تھیں۔ وحی الٰہی میں اگر احکامات ہوتے تھے تو ماضی کے وہ واقعات بھی شامل ہوتے تھے جن کا علم اس وقت تک کسی کو نہیں ہوا ہوتا تھا۔ اسی کے ساتھ مستقبل کے بھی بعض واقعات کا تذکرہ ہوتا تھا جن کو ہم پیشین گوئی بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر جب ہم وحی کا یا نبی کا ذکر کرتے ہیں تو پھر ہم ان پیش گوئیوں کو بشارتوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

ان باتوں کی روشنی میں ہم ایک غیب کی خبریں دینے والا یا مطلع کرنے والا ہی کہہ سکتے ہیں۔ مگر کلام اللہ شریف میں ان کو یعنی خبروں کو غیب کے علم سے تعبیر کیا گیا

Marfat.com

ہے۔ یقیناً نبی کو علم غیب بھی بذریعہ وحی ہی دیا جاتا تھا۔ کلام اللہ شریف میں اس کو بہ صراحت ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ

ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک (۳۱۴۴)

یعنی یہ خبریں غیب کی ہیں جنہیں وحی کے ذریعہ بتایا جاتا ہے۔

بندگان خدا کی رہنمائی کے لیے اللہ رب العزت نے جو سلسلہ شروع فرمایا اس کو زبان ربانی میں ہم وحی الٰہی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وحی دراصل وہ پیام ربانی ہے جو رب کریم منتخب بندے کے ذریعہ اس کی قوم تک پہنچاتا ہے۔ پیغامات ربانی لانے اور منتخب بندے تک پہنچانے کے لیے صرف ایک ہی برگزیدہ فرشتہ متعین تھا۔ جس کا نام جبرئیل امین علیہ السلام ہے۔ اس سلسلہ کو نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی نبوت کے ساتھ ہی ختم کر دیا گیا یعنی اب نبوت بھی ختم اور سلسلہ وحی بھی ختم۔ چنانچہ ثابت یہ ہوا کہ وحی کا سلسلہ نبوت کے ساتھ ہی مشروط ہے۔

نبی پر وحی الٰہی دراصل حدود الٰہی کے تعین کا علم ہوتی تھی۔ جس کے ذریعہ اس معاشرہ کو سدھارا جاتا تھا۔ اس کے ذریعہ اس معاشرہ کی تشکیل نو کی جاتی ہے اور اس طرح بے جا آزادیوں کو اصول اور اخلاق کی قید میں لایا جاتا تھا۔ معاشرہ میں جاری بے راہروی کی روک تھام کے لئے ہی نبی مبعوث ہوتے تھے اور پھر بذریعہ وحی ان کو یہ بتلایا جاتا تھا کہ ان کے معاشرہ کو کسی طرح اخلاقی برائیوں سے پاک کیا جائے۔

وحی الٰہی سے صاحب وحی معاشرہ کی بداعمالیوں کو طشت ازبام کرتا تھا اور ان پر پابندی عائد کرتا تھا جب کہ اس کے کردار میں ان برائیوں کی کوئی جگہ نہیں ہوا کرتی تھی۔ یہ سلسلہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت کے ساتھ ہی ختم کر دیا گیا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ جو بھی پابندیاں لگائی جاتی تھیں ان پر پابندی لگا کر اسے کلام اللہ شریف میں جمع کر دیا گیا۔

ہاں مگر کوئی شخص بھی اگر یہ چاہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے عین مطابق اپنی زندگی بسر کرے تو اس کو کلام اللہ شریف کو پڑھے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی حدود میں مقید رکھے اپنے آپ کو ان حدود سے ماورا نہ خیال کرے۔ رسول کریم ﷺ

Marfat.com

چونکہ آخری نبی ہیں چنانچہ اب کوئی نبی نہیں آ سکتا۔
نیا نبی ضرور آ سکتا ہے اگر حضور اکرم ﷺ کی نبوت ختم ہو جائے مگر آپ تو نبی ہیں اور تا قیامت رہیں گے تو پھر کوئی بھی نیا نبی کیسے آ سکتا ہے۔ جیسا کہ بعض نادان لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بعد۔ یعنی آپ کے وصال کے بعد۔ تو یہ بات طے ہے کہ آپ نبی تھے اور نبی ہیں۔ نبی تو آپ اس وقت بھی تھے جب کہ آپ نے اعلان نبوت نہیں فرمایا تھا اور نبی تو آپ اس وقت بھی ہوں گے جب کچھ بھی نہ ہوگا۔ آپ کی نبوت کسی زمانہ یا علاقہ تک ہی محدود تو نہیں ہے یہ تو عالمین کے لئے اور تا قیامت بلکہ بعد از قیامت بھی قائم ہی رہے گی۔

فقیر کی اس بات کا ثبوت ہی کلمۂ طیبہ ہے جس میں ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ ہاں اگر یہ بات سوچ لی جاتی کہ آپ کا تو وصال ہو چکا ہے تو پھر ہم یہ تو کبھی نہ پڑھتے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں بلکہ یوں پڑھتے کہ معاذ اللہ آپ اللہ کے رسول تھے۔ چنانچہ یہ بات ثابت ہوئی کہ آپ رسول تھے اور آپ رسول ہیں۔

تو جب آپ کی رسالت نبوت قائم ہے تو پھر بھلا آپ کی موجودگی یعنی آپ کی نبوت کی موجودگی میں کوئی نبی کس طرح آ سکتا ہے وہ بھی اس طرح کہ آپ ہی کی شریعت پر عمل بھی کرنے کا اعلان کرے تو پھر وہ کس قسم کا نبی ہوگا۔

تمام انبیاء و رسل کے بعد حضور اکرم ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے اور آپ پر ہی یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ اسی طرح تمام مذاہب کے بعد اسلام آیا اور پھر یہ سلسلہ بھی بند کر دیا گیا اور کہا گیا کہ اے لوگو! جس کا تمہیں انتظار تھا وہ نبی آخر الزمان آ گیا۔ آپ کی نبوت و رسالت کسی ایک قوم کسی ایک محدود وقت یا زمانہ کے لئے نہیں بلکہ تا قیامت ہے۔

اسی طرح قرآن کریم بھی آخری الہامی کتاب ٹھہری۔ جس میں انسانیت کی بھلائی کے لیے تمام تر اصول اور قواعد و ضوابط دے دیئے گئے جن کی ضرورت تھی۔ اس کتاب میں جو کہ وحی الٰہی کا مجموعہ ہے اس میں تمام تر انسانی مسائل کا حل موجود ہے۔ علمائے کرام اور مشائخ عظام نے ارشاد فرمایا ہے کہ نبی وہ ہے جس میں درج ذیل باتیں مجتمع ہوں وہ یہ ہے (۱) جس کو غیب کی باتوں کی خبر ہو (۲) جس کو فرشتے دکھائی دیں اور

Marfat.com

وہ ان سے باتیں کر سکے (۳) جس سے خوارق عادات اعمال سرزد ہوں۔

ان تین صفات یا اوصاف ہی کی بنا پر کسی کو درجۂ نبوت کا اہل سمجھا جاتا ہے۔ بعض کاذبین نے بعض سفلی علوم حاصل کر کے چند پیشین گوئیاں کے پورا ہونے پر خود کو نبی کہلوانا چاہا مگر ازاں بعد وہ خود ہی اپنے عقیدت مندوں کے ہاتھوں ذلیل ہوئے۔ نبوت تو دراصل سنت الٰہی ہے اور جب دنیا میں ہر طرف ظلم و گمراہی پھیل جاتی ہے تو اس کی وجہ سے اچھائی اور برائی کی تمیز ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔

بسا اوقات تو یہ ہونے لگتا ہے کہ برے کو اچھوں سے بھی اچھا خیال کیا جاتا ہے اور اچھوں کے مقابلہ میں بروں کو مقام فضیلت سے سرفراز کیا جانے لگتا ہے۔ قدرت کا قانون تو یہ ہے کہ ہدایت و نور کا ہی سورج طلوع ہوتا ہے جس کے بعد ظلمتوں کے اندھیرے ختم ہو جاتے ہیں۔ یعنی جب گمراہی اور ظلمت کی اندھیری رات گہری ہو جاتی ہے تو پھر ہدایت ہی کا سورج طلوع ہوتا ہے اور اندھیری رات کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

ہدایت کا سر چشمہ بے شک نبی ہی کی ذات اقدس ہوتی ہے۔ عام مصلحین تو محض اپنی عقل و فہم کے مطابق لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں مگر نبی کی ذات تو اللہ کریم کے حکم کے مطابق لوگوں کو نصیحت کرتی ہے۔ نبی کو جو کچھ دکھائی دیتا ہے وہ عام انسان نہیں دیکھ سکتا۔ وہ جو سن سکتا ہے وہ عام بندہ نہیں سن سکتا۔ بلا مبالغہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ پیغمبر یا نبی یا رسول کے تمام تر خصائص کی اصل روح عالم ناسوت سے اور عالم غیب کے ساتھ تعلق و رابطہ ہوتا ہے۔

انبیاء کرام سے معجزات ظاہر ہوتے ہیں۔ معجزہ دراصل وہ امر ہوتا ہے کہ جس کو عقل تسلیم نہ کرے۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ فطرت کے قوانین بلا شبہ اٹل ہوتے ہیں اور ان میں تغیر و تبدل کا تو سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ مگر نبی کی ذات سے یہ کام ہو جاتا ہے کہ عقل بھی دنگ رہ جاتی ہے۔

ایک مشہور حدیث ہے کہ ایک سفر میں بہت بڑی تعداد میں صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ مگر اشیائے خورد نوش بہت کم مقدار میں تھیں یہ بات جب آقائے تاجدار ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ جو کچھ بھی ہے ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس کے بعد آقائے

Marfat.com

نادار ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آؤ سب مل کر کھاؤ۔ وہاں پر موجود تمام صحابہ کرام نے اسی میں سے کھایا اور خوب پیٹ بھر کر کھایا مگر اس میں ابھی بہت کچھ باقی تھا۔ اگرچہ یہ سب کچھ اتنا ہی تھا کہ جتنی جگہ پر ایک بکری بیٹھ سکتی ہے۔

اسی طرح ایک معجزہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کا انجیل مقدس میں بھی موجود ہے کہ پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں سے پانچ ہزار آدمیوں کا پیٹ بھر گیا تھا پھر بھی اتنے ٹکڑے بچ گئے کہ ان کو جب جمع کیا گیا تو ان سے بارہ بڑی ٹوکریاں بھر گئیں۔

اس معجزہ پر بھی بعض نادانوں نے اعتراض کیا کہ کیا کھلانے سے پہلے مچھلیوں کا وزن کیا گیا تھا اور روٹیاں کتنی بڑی تھیں۔ مگر ایک بات طے ہے کہ معجزات کے لئے کسی بھی غیر معمولی شہادت کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یقیناً کسی بھی انسان کے پاس کسی کو معجزہ کا یقین دلانے کے لیے کوئی بھی ایسی دلیل یا منطق یا عقلی استدلال نہیں ہوتا جو کہ ہر کس و ناکس کو معجزہ کا یقین دلا سکے۔ مثلاً بعض لوگ تو معجزہ کا واقعہ کو سن کر سرے سے اس کا ہی انکار کر دیا کرتے ہیں۔ پھر ایسی حالت میں ان جہلا کا کیا جا سکتا ہے۔ بات تو دراصل ہے یقین کی۔

کسی بھی چیز پر کامل یقین کے لئے لازمی بات یہ ہے کہ پہلے بندے کے دل میں اس پر یقین کرنے کی خواہش یا ارادہ موجود ہو۔ کیونکہ یہ ایک کلیتاً نفسیاتی امر ہے اور اس کے لئے طلب یا تشنگی بھی ضروری ہے کیونکہ اگر یہ موجود ہی نہ ہو تو پھر یقین کی کیفیت پیدا کیسے ہوگی۔

ان سب باتوں کے باوجود معجزہ ہی کسی نبی کی نبوت کی منطقی دلیل نہیں کہی جا سکتی۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جو بندہ مذہب کا قائل ہو، غیب پر یقین رکھتا ہو اور سنت الٰہی کا معتقد ہو تو اللہ رب العزت ایسے بندوں کی ہدایت و راہبری کے لئے انہی میں سے ایک برگزیدہ بندہ اپنے پیغام کے ساتھ مبعوث فرماتا ہے۔ جسے عام طور پر نبی، رسول یا پیغمبر کہا جاتا ہے۔

انہی بندوں میں سے جب کسی کے سامنے کسی نیک اور پارسا انسان کی طرف سے یہ پیغام سنایا جاتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی مبعوث کیا ہے تو وہ بندہ دیکھتا ہے کہ دعویٰ کرنے والا عام انسانوں سے برتر و اعلیٰ دکھائی دیتا ہے تو وہ اس پر بہت ہی

Marfat.com

جلد ایمان لے آتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال سیدنا و مولانا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس ہے کہ جنہوں نے حضور اکرم ﷺ پر سب سے پہلے اور بلا شرط ایمان لانے کا شرف حاصل کیا۔ دوسرے عام لوگوں کی بہ نسبت آپ نے آقائے نامدار ﷺ سے کوئی بھی معجزہ وغیرہ نہیں طلب کیا تھا بلکہ آپ نے صرف یہی فرمایا کہ جو بھی آپ فرما رہے ہیں وہ بالکل درست اور حق ہے۔

چنانچہ یہ بات تو صاف ظاہر ہو چکی کہ معاندین اور جاہلین وخراب ذہنیت کے حاملین کو تو یہ معجزات بھی کلی طور پر مطمئن نہیں کر سکتے۔ وجہ یہی ہوتی ہے کہ ان کے قلوب و اذہان میں تو کوٹ کوٹ کر کھوٹ بھرا ہوتا ہے ان بدبختوں کے ذہنوں میں تو یہ بات راسخ ہو چکی ہوتی ہے کہ ان کی ہی عقل و فہم درست ہے اور جو یہ معجزہ نظر آیا ہے یہ تو کھلا جادو ہے۔ یہ اس کو خدا تعالیٰ کی قوت سے تعبیر نہیں کرتے۔

جیسا کہ فرعون ملعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کئی ایک معجزات دکھائے مگر اس نے تو نہ ایمان لانا اور نہ لایا۔ اگرچہ اس کے مستند اور نامور جادوگروں نے ایمان قبول کر لیا تھا۔ اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بھی بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کو متعدد معجزے دکھلائے مگر انہوں نے بھی ایمان قبول نہیں کیا۔ یہی حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کا تھا کہ انہوں نے بھی لاتعداد معجزے دیکھ کر بھی ایمان لانا گوارا نہیں کیا۔

اسی طرح ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی جیسے لوگ بھی تھے جنہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کے روشن اور کھلے معجزات کو بھی تسلیم نہ کیا۔ بلکہ نبی کریم ﷺ کو بھی سابقہ انبیاء کے کرام کی طرح انہوں نے جادوگر کہہ کر پکارا۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ایسے لوگ نہ صرف نبی کا انکار کرتے ہیں بلکہ یہ تو سرے سے اللہ رب العزت ہی کا انکار کرتے ہیں کیونکہ نبی تعارف ہی کرواتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا نبی ہے یا یہ کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے نبی مبعوث فرمایا ہے۔ اپنا نام تو وہ بعد میں لیتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا نام وہ پہلے لیتا ہے اور بار بار یہ کہتا ہے کہ اے میری قوم میں اللہ کا بندہ ہوں۔ یہی سب کچھ تمام انبیائے کرام نے اپنی اپنی قوم سے فرمایا تھا۔ مگر صرف انہی لوگوں نے ایمان لانا گوارا کیا جن کا باطن صاف و شفاف تھا۔

98336

Marfat.com

یقیناً اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ کوئی بھی شخص از خود یا اپنی محنت و ریاضت سے کبھی بھی درجۂ نبوت حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ تو خالصتاً امرِ ربی ہے وہ جسے چاہتا ہے نبوت کے لیے چن لیتا ہے۔ اس کی تمام تر راہنمائی و تربیت وہ خود ہی فرماتا ہے۔

بعثت نبوی ﷺ سے قبل یہ ہوتا تھا کہ انبیائے کرام پہلے تو اپنی قوم کو راہ ہدایت دکھلاتے اور اس کے بعد توحید الٰہی کی دعوت دیتے۔ ان کی قوم میں سے جو لوگ ایمان و حق کو قبول کر لیتے اور ان کا شمار صالحین میں کیا جاتا مگر جو باقی ہوتے وہ مخالفین میں شمار کئے جاتے اور ان پر عذاب الٰہی نازل کر دیا جاتا۔ مگر یہ صورت حال اسلام میں نہیں آئی اور آپ ﷺ کی امت کو عذاب الٰہی سے آپ نے رو رو کر بچا لیا۔ آپ ﷺ نے عذاب کی دعا نہیں فرمائی بلکہ اپنی امت کی ہدایت کی دعا فرمائی۔

عقیدۂ ختم نبوت:

قبل ازیں تو ہم مقام نبوت کی بات کر چکے ہیں مگر اب ہم بات کریں گے کہ ختم نبوت کا عقیدہ کیا ہے اور اس کے بارہ میں کلام پاک میں کیا ارشادات ربانی نازل ہوئے ہیں۔ عقیدۂ ختم نبوت پر ہی اسلام کی بنیادیں قائم ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم فرقان حمید میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ

ما کان محمدٌ اباء احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبین و کان اللہ بکل شئی علیما

ترجمہ: محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ہاں اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

اس آیت مقدسہ کی تشریح و تفسیر میں متعدد احادیث مبارکہ اور مستند روایات تواتر کے ساتھ موجود ہیں۔ جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ارشاد فرمایا کہ "لو کان نبیا بعدی لکان عمر" یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔

درج بالا آیت کریمہ اور حدیث مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی بھی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ کسی بھی مدعیٔ

Marfat.com

نبوت سے نبوت کی دلیل طلب کرنے والا بھی اسلام سے فوراً خارج ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کے ارشاد عالیشان کی رو سے اگر نبوت کے تسلسل کا کوئی امکان ہوتا تو پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی نبی ہوتے۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائیں اس پر جو (اے نبی ﷺ) آپ کی طرف نازل ہوا اور جو آپ سے پہلے انبیاء پر نازل ہوا۔

اس آیت شریفہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کلام اللہ شریف میں جو ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ اے نبی کریم ﷺ جو آپ سے پہلے انبیائے کرام پر احکامات نازل ہوئے۔ یہ نہیں فرمایا گیا کہ آپ کے بعد بھی جو نبی آئیں گے ان پر بھی نازل ہوگا۔ چنانچہ یہ بات ثابت ہوئی کہ یقیناً حضور اکرم ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی بھی نبی نہیں آئے گا۔ یعنی آپ کی نبوت جاری ہے اور اس دوران جو کوئی بھی دوسرا شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ اگر تو مسلمان ہے تو پھر فوراً ہی دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

1935ء میں بہاولپور کی ایک عدالت میں مرزائی شوہر اور اس کی مسلمان بیوی کے درمیان مقدمہ چل رہا تھا۔ یہ مرزائیت کے خلاف سب سے پہلا مقدمہ تھا۔ عدالت کے ایک انگریز رکن نے شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد گھوٹوی سے کہا کہ آپ اپنا بیان قلمبند کروانے آئے ہیں تو کیا آپ اپنی مقدس کتاب قرآن مجید سے عقیدۂ ختم نبوت کو ثابت کر سکتے ہیں۔ مولانا صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا ”صاحب بہادر! صرف ایک آیت ہی نہیں بلکہ میں تو عقیدۂ ختم نبوت قرآن کریم کی ہر آیت سے بآسانی ثابت کر سکتا ہوں۔

انگریز رکن عدالت نے ایک مسلمان وکیل سے کہا کہ قرآن کریم لائے جب وہ قرآن کریم لے آیا تو اس نے سب سے پہلے والی آیت کے بارہ میں کہا کہ اس آیت سے ثابت کریں۔ آیت مبارکہ یہ تھی۔

Marfat.com

الذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من
قبلک و بالآخرۃ ھم یوقنون (البقرہ. ۴)

ترجمہ: مسلمان وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اس پر (اے حبیب ﷺ) جو ہم نے آپ پہ نازل فرمایا اور اس پر جو آپ سے پہلے والوں پر نازل فرمایا تھا۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ اگر حضرت محمد ﷺ کے بعد بھی کچھ نازل ہونے والا ہوتا تو ضرور اللہ تعالیٰ اس کا بھی ذکر فرماتا اور مسلمان کو اس پر ایمان لانے کا پابند فرماتا۔ اگر اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور کریم ﷺ ہی اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں نہ تو آپ کے بعد کوئی نبی آئے گا اور نہ کسی پر نزول وحی ہونے کا امکان ہے۔

وہ انگریز رکن اردو زبان سے واقف تھا۔ اس نے جو حضرت مولانا کی ایمان افروز باتیں سنیں تو بے ساختہ چلا اٹھا واہ مولانا صاحب آپ نے کمال ہی کر دیا۔ اسی بیان کے بعد اس اولین مقدمہ کا فیصلہ ہوا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کے بعد اب جو کوئی بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ بلا شبہ کافر ہوگا۔ اس مقدمہ کی تفصیل آپ میری کتاب ''مرزائی کافر کیوں'' کے صفحہ 244 تا 256 پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ

واذ قال عیسیٰ بن مریم یبنی اسرائیل انی رسول
اللہ الیکم مصدقاً لما بین یدی من التوراۃ و مبشراً برسول
یاتی من بعدی اسمہ احمد فلما جاء ھم بالبینت قالو ھذا
سحر مبین (الصف: ۲۸)

ترجمہ: عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوں اور بشارت دیتا ہوں صرف ایک رسول کی جو کہ میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہے۔ پس جب وہ ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے تو

Marfat.com

انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے ایک نبی کی بشارت دی اور ان کی اطاعت کا بھی اپنی قوم سے وعدہ لے لیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے بعد ایک نبی نے مبعوث ہونا تھا۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے تو از خود اس بات کی تصدیق فرمائی کہ چونکہ آپ آخری نبی ہیں اس لیے اب کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں متعدد مقامات پر وارد ہے کہ آنحضور ﷺ آخری نبی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص حضور اکرم ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ دجال و کاذب ہوگا۔ اس کا مقابلہ کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ کی امت کو میں نے سب سے آخر میں بھیجا اور حساب اور انعام میں سب سے پہلی (یعنی افضل) ہو گی اور میں نے آپ کو تمام انبیاء میں سب سے پہلے پیدا فرمایا اور سب سے آخر میں بھیجا۔ (اخرج ابو نعیم من الخصائص صفحہ 197 جلد دوم)

ابن ابی شیبہ نے فتح الباری کی دوسری جلد کے صفحہ نمبر 278 پر حدیث بیان کی ہے کہ ''روز قیامت لوگ آنحضور ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کریں گے کہ اے اللہ کے نبی آپ وہ ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے نبوت کا شروع کیا اور جن پر ختم کیا ہے۔''

مجمع الزوائد کے صفحہ نمبر 27, 28 پر درج ہے کہ ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث معراج بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ فرشتوں نے حضرت جبرئیل سے دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ یہ کون ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور خاتم النبین ہیں۔''

کنز العمال کے صفحہ نمبر 112 پر رقم ہے کہ ''حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب معراج کی رات مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو میرے پروردگار نے مجھے قریب بلایا اور بہت قریب بلایا اور کہا اے حبیب محمد ﷺ میں نے کہا حاضر ہوں اے میرے پروردگار۔ ارشاد ہوا کہ اگر ہم تمہیں خاتم النبیین بنا

Marfat.com

دیں تو تم ناخوش تو نہ ہو گے۔ میں نے عرض کیا نہیں اے میرے پروردگار اور ارشاد باری تعالیٰ ہوا اچھا تو تم اپنی امت کو میرا سلام کہنا اور انہیں بتا دینا کہ میں نے انہیں آخری امت بنا دیا۔"

خصائص کی جلد دوم کے صفحہ نمبر 193 پر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے ایک روایت درج ہے کہ "حضرت جبرئیل نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کا پروردگار کہتا ہے کہ اگر میں نے آدم کو صفی اللہ کا خطاب دیا ہے تو آپ ﷺ کو تمام انبیاء پر فضیلت عطا کر کے خاتم النبیین کا خطاب دیا ہے اور میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی جو مجھے آپ سے زیادہ عزیز ہو۔"

درج بالا حدیث مبارکہ کی رو سے معلوم ہوا کہ آپ کا تمام نبیوں میں آخری ہونا محض ایک فرمانی تاثر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ خاص فضیلت ہے جو دیگر انبیائے کرام کی خصوصیات کے بالمقابل آپ ﷺ کو مرحمت ہوئی۔ عالم کا تدریجی ارتقاء بھی تو اسی بات کا متقاضی تھا کہ اس کی آخری کڑی سب میں کامل و برتر ہے۔ اس لیے آخر نبی وہ ہونا چاہیے جو سب میں کامل ہو اور سب میں اکمل ہو۔

Marfat.com

Marfat.com

طلیحہ اسدی

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ ہی میں اس ملعون زمانہ نے اسلام قبول بھی کیا اور پھر مرتد بھی ہوگیا تھا۔ اس کا نام طلیحہ بن خویلد اسدی تھا اور مرتد ہونے کے بعد یہ سمیرہ میں آکر سکونت پذیر ہوگیا تھا۔ یہیں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ جگہ دراصل مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے تقریباً درمیان میں واقع ہوئی تھی۔ اس جگہ کو عمدہ ترین پڑاؤ کہا جاتا تھا چنانچہ اسی جگہ قبیلہ اسد کے اکثر لوگ مقیم ہوگئے تھے۔

سمیرہ میں تو بنو اسد آباد ہو گئے تھے جبکہ اس کے اردگرد بنو غطفان اور بنو ہوازن وغیرہ آباد تھے۔ ان تینوں میں اکثر بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس فتنہ کی خبر موصول ہوئی تو اس کی سرکوبی کے لیے حضرت ضرار بن ازورؓ کو مسلمانوں کے ایک دستہ کے ہمراہ روانہ کرنے کا حکم فرمایا۔ ابھی ان کی سرکوبی ہوئی نہ تھی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جہاں سے پردہ فرمالیا۔

یہ بڑی ہی حیران کن حقیقت ہے کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو اپنے ہی قبیلے سے بڑی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ مخالفت بلا مبالغہ فتح مکہ تک متواتر جاری رہی۔ مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان جھوٹے نبیوں کے قبائل نے ان کی ہرگز مخالفت نہیں کی بلکہ شروع دن سے ہی ان کی حمایت و اعانت کرتے رہے۔

یوں دکھائی دیتا ہے کہ جیسے یہ قبائل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت

Marfat.com

زیادہ رشک کرتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ جس طرح صحابہ کرام نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی متابعت کر کے اور اپنی جانثاری کے طفیل پورے عرب کی قیادت کا تاج اپنے سروں پر سجایا ہے وہ بھی اپنے اپنے نبیوں کی نصرت سے اسی درجۂ کمال کو پہنچ جائیں گے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جہاں کہیں ان کے سرداروں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا وہاں پر سرداروں نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔

جیسا کہ تحریر کیا جا چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے طلیحہ اسدی کی سرکوبی کے لیے حضرت ضرار بن ازورؓ کو بنو اسد کی طرف روانہ کیا تھا، ان کے ساتھ مسلمانوں کی ایک مختصر سی جماعت تھی مگر بنو اسد نے شکست کھائی اور طلیحہ بڑی چالبازی کے ساتھ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ یہ فتنہ وقتی طور پر ایک طرح سے دب سا گیا مگر ہوا یہ کہ طلیحہ نے اپنا کام جاری رکھا اور اپنی جمعیت کو مضبوط کرتا رہا۔

اسی عرصہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس جہان سے پردہ فرمایا چنانچہ اس فتنہ نے دوبارہ سر اٹھانا شروع کر دیا مگر اس مرتبہ اس کے انداز میں خاصی تیزی تھی۔ اسی زمانہ میں بنو غطفان اور بنو ہوازن نے طلیحہ کی کھل کر حمایت کا اعلان کر دیا جس کی وجہ سے اس کی قوت خاصی حد تک بڑھ گئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بنو ہوازن نے اور بنو عامر نے اس دوران خاموشی اختیار کیے رکھی تھی۔ مگر بنو طے یعنی حاتم طائی کے قبیلے نے طلیحہ کی حمایت کر دی تھی۔

دراصل یہ وہ زمانہ تھا کہ جب اکثر قبائل نے یہ دیکھ کر کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پردہ فرمالیا ہے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ان میں سے اکثر قبائل زکوٰۃ اور نماز کی ادائیگی کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان سے جان چھڑوالی جائے۔ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو ان کو یہ موقع مل گیا۔ اسی صورتحال سے فائدہ اٹھانے کی خاطر ان قبائل نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا۔ ان کا یہ خیال بھی تقویت رکھتا تھا کہ چونکہ اس وقت حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نئے نئے خلیفہ بنے ہیں چنانچہ ان کیخلاف جنگی کارروائی نہیں کریں گے۔

یہی خیال یا اس سے ملتا جلتا خیال حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے اکثر مشیروں کا بھی تھا۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ عرب قبائل وحشی فطرت رکھتے ہیں اور

Marfat.com

مختلف قبائل نے سرکشی اختیار کی ہے نیز یہ کہ خود ساختہ نبی بھی اپنے اپنے علاقوں میں نبوت کے دعوے کرتے پھر رہے ہیں اور یہ بھی کہ یہودی اور عیسائی بھی اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے بے تاب ہیں چنانچہ مصلحت کا تقاضہ یہی ہے کہ فوری طور پر ان قبائل کو نہ چھیڑا جائے بلکہ خلافت کو ہر لحاظ سے مضبوط و مستحکم کیا جائے جس کے بعد ان کی سرکوبی کی جائے۔

اگرچہ سیاسی لحاظ سے یہ خیالات بالکل درست تھے مگر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو کوئی سیاسی شخصیت نہ تھے کہ مصلحت اندیشی سے کام لیتے بلکہ آپؓ تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اعلیٰ تربیت یافتہ تھے پھر بھلا مصلحت اندیشی سے کام کیوں کر لیتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''سنو اے اہل اسلام! جیسا کہ تم لوگ بخوبی جانتے ہو کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے وصال فرمایا جس کی وجہ سے نبوت منقطع ہوگئی ہے اور وحیٔ الٰہی کا سلسلہ بھی بند ہوگیا ہے۔ اس کے بعد اب پورا عرب ہی دشمنی پر آمادہ ہو چکا ہے۔''

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے مزید ارشاد فرمایا کہ ''میں اپنی فوجی قوت کی کمزوری سے بخوبی آگاہ ہوں مگر میں یہ ہرگز برداشت نہیں کروں گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو جو قبائل جس قدر زکوٰۃ روانہ کرتے تھے اس میں ایک حبہ بھی کم ہوجائے۔ میں ایسے قبائل کے ساتھ ضرور جنگ کروں گا۔ اگر آپ لوگ میرا ساتھ نہ بھی دیں گے تو میں اکیلا ہی ان کے ساتھ جنگ کروں گا اور زکوٰۃ وصول کروں گا۔ یہ تو کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے کہ دین کا کوئی رکن توڑا جائے اور میں خاموش رہوں۔ کیا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد اسلام کو یتیم خیال کیا جائے گا اور اس کو ایک طرح سے بے یارومددگار چھوڑ دیا جائے گا۔''

جب آپ سے یہ کہا گیا کہ یا امیر المومنین آپ نے بالکل درست ارشاد فرمایا ہے مگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ غیر اہل اسلام سے اس وقت تک جنگ وقتال کرو جب تک وہ کلمۂ طیبہ نہ پڑھ لیں۔ یہ قبائل تو کلمۂ طیبہ پڑھتے ہیں پھر ان کے خلاف کیسے جنگ کی جاسکتی ہے۔

جانشینِ مصطفیٰ نے ان کو ارشاد فرمایا: ''ہاں ہاں! وہ کلمۂ طیبہ تو ضرور پڑھتے

Marfat.com

ہیں مگر نماز اور زکوٰۃ کے منکر ہیں چنانچہ ان کے خلاف ضرور جنگ ہو گی جو کلمۂ طیبہ میں اور نماز و زکوٰۃ میں فرق پیدا کرنا چاہتے ہیں"۔

ان تمام باتوں سے بے خبر مدعیان نبوت اور منکرین زکوٰۃ خود کو آزاد و مستحکم اور مدینہ طیبہ کو بے یارو مددگار خیال کیے بیٹھے تھے۔ مدینہ طیبہ کی اصل صورتِ حال سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے طلیحہ اسدی نے اپنے بھائی حبال کو مدینہ طیبہ بھیجا تاکہ وہ دیکھ سکے کہ حضرت اسامہؓ کی مدینہ طیبہ سے روانگی کے بعد مدینہ طیبہ کی فضا اب کیسی ہے۔

حبال کا مدینہ طیبہ میں آنے کا یہ مقصد بھی تھا کہ وہ دیکھ سکے کہ مدینہ طیبہ میں اب کس قدر سپاہی موجود ہیں اور کس قدر قبائل ابھی تک اسلام کے حمایتی ہیں اور کس قدر منحرف ہو چکے ہیں۔ طلیحہ کا دراصل یہی خیال تھا کہ وہ ان منحرف قبائل کو اکٹھا کر کے اسلام کے خلاف ایک مضبوط محاذ قائم کر سکے۔

جب حبال شہر میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر اسے ازحد خوشی ہوئی کہ شہر ایک طرح سے سپاہیوں سے خالی ہے۔ یہ تو وہ جانتا ہی تھا کہ جیشِ اسامہ روانہ ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ طلیحہ کا بھائی حبال مدینہ طیبہ میں آیا ہے تو آپ نے کسی کو بھیج کر اپنے پاس بلوایا۔ جب وہ آپ کے پاس آیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: "کہو تمہارا یہاں آنا کیسے ہوا۔ تم تو باغیوں کے ساتھی ہو پھر تم یہاں پر کیوں آئے ہو۔ یقیناً تمہارا کوئی خاص مقصد ضرور ہوگا"

حبال نے بڑے شاطرانہ انداز میں کہا کہ "یا امیر المومنین! آپ میری فکر کرنا چھوڑیں، میں تو دیکھ رہا ہوں کہ مدینہ تو بالکل ویران ویران سا دکھائی دے رہا ہے اور اہل اسلام کا شیرازہ بکھرتا جا رہا ہے۔ آپ اس طرف دھیان دیں۔"

سیدنا صدیق اکبرؓ نے ارشاد فرمایا: "اچھا تو تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ اہلِ اسلام میں شان و شوکت باقی نہیں رہی یا یہ کہ ان کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔ کیا تم یہ نہیں بتلاؤ گے کہ تم نے یہ اندازہ کس طرح لگایا ہے۔ ذرا میں بھی تو سنوں؟"

حبال کو معلوم تھا کہ اس سے یہی سوال کیا جائے گا چنانچہ اس نے فوراً جواب دیا کہ "جی ہاں میں ضرور عرض کروں گا۔ عرض ہے کہ مجھے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اکثر

Marfat.com

قبائل نے زکوۃ دینے سے صاف انکار کردیا ہے اور ان کے خیال میں یہ تو ایک طرح سے محکومی کا ہدیہ ہے۔"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اچھا تم ان کی بات چھوڑو یہ بتلاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے ہو"۔ اس نے جواب دیا "میں یہاں پر صرف اسی لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کو یہ بتاؤں کہ ہمارا قبیلہ یعنی بنو اسد اور ہمارے حلیف قبائل آئندہ آپکو زکوۃ ادا نہیں کریں گے"۔

جب اس سے یہ پوچھا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے تو اس نے کہا کہ "جنابِ عالی! ہمارا نبی طلیحہ بن خویلد حیات ہے۔ بنو اسد اور حلیف قبائل کو اس پر مکمل اعتماد ہے اور یہ بھی بالکل درست ہے کہ آپ کے نبی کا تو وصال ہو چکا ہے مگر ہمارا نبی زندہ ہے۔ چنانچہ ہم اپنے نبی کی بات مانیں گے۔"

اس کی یہ بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ "احکامِ الٰہی میں کسی بھی طرح کی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ اگر تم لوگوں کا یہ فیصلہ ہے تو ہمارا بھی یہ فیصلہ ہے کہ اگر تم لوگ زکوۃ میں سے اونٹ کی رسی بھی دینے سے انکار کرو گے تو میں جہاد کروں گا۔ یاد رکھو کہ زکوۃ دین کا ایک اہم رکن ہے لہٰذا کسی بھی رکن سے انکار کفر ہے۔"

حضرت عروہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات اور اسامہ کی روانگی کے بعد اکثر عرب عام اور خاص مرتد ہو گئے تھے۔ مسیلمہ اور طلیحہ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ان کی جماعت اور طاقت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ طے اور اسد نے طلیحہ کا ساتھ دیا اور اسی طرح بنو اشجع اور غطفان کے اکثر خاندانوں نے طلیحہ کی بیعت کرلی۔ اہل ہوازن ابھی متردد تھے مگر انہوں نے بھی زکوۃ دینے سے انکار کردیا تھا۔

مگر ثقیف اور ان کے تابع قبائل اسلام پر قائم رہے اور ان کی ہی اقتداء میں بنو جدیلہ اور بنو اعجاز بھی اسلام پر قائم رہے جبکہ بنو سلیم کے خواص مرتد ہو چکے تھے۔ یمن، یمامہ سے بھی فتنہ ارتداد کی خبریں آرہی تھیں۔

حبال جو پیغام سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دے کر گیا تھا وہ کوئی معمولی

Marfat.com

پیغام نہ تھا۔ آپ نے فی الفور مدینہ طیبہ کی حفاظت کو یقینی بنانے کی تدبیر فرمائی۔ آپؓ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے بزرگوں کو اس اہم کام کے لیے مقرر فرمایا۔ اس کے بعد آپؓ نے اہل مدینہ کا اجلاس طلب فرمایا جس میں آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ ''جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ پورا ملک مرتد ہو چکا ہے۔ یہ لوگ آپ کی قلیل تعداد کو دیکھ گئے ہیں۔ وہ ضرور کسی بھی وقت مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوں گے۔ یاد رہے کہ دشمنوں کی سب سے قریبی جماعت صرف ایک منزل کے فاصلہ پر موجود ہے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ ہم ان کی بدترین شرائط پر ان سے سمجھوتہ کرلیں مگر ہم نے ان کی شرائط تسلیم نہیں کیں چنانچہ اب آپ لوگ مقابلہ کے لیے دل و جان سے تیار ہو جائیں۔''

آپؓ کی اس تقریر نے اہلِ مدینہ میں گویا نئی قوت بھر ڈالی۔ اہلِ مدینہ نے مقدور بھر تیاری کرلی۔ ابھی فقط تین راتیں ہی گزری تھیں کہ مرتدین نے رات کے وقت مدینہ طیبہ پر چڑھائی کردی۔ اپنی ایک مسلح جماعت کو بطور احتیاط وہ لوگ ذی حسیٰ میں چھوڑ آئے تھے تاکہ بوقت ضرورت بطور کمک کام آئے مگر انہیں اس وقت شدید حیرانی کا سامنا کرنا پڑا جب انہیں اہلِ مدینہ کی طرف سے مدافعت کا سامنا کرنا پڑا۔

مرتدین کے بھرپور حملہ کی اطلاع امیر المومنین تک پہنچائی گئی تو جواب آیا کہ اپنی جگہ پر ثابت قدمی سے جمے رہو۔ آپ نے مسلمانوں کو اپنے ساتھ لیا اور بھرپور طریقہ سے جواب دینے کے لیے چل دیئے۔ دشمن درحقیقت اس صورتِ حال کے لیے قطعاً تیار نہ تھا وہ تو بس آسانی کے ساتھ مدینہ پر قبضہ کے لیے آئے تھے مگر اس وقت انہیں پسپا ہونا پڑا۔ اسلامی فوج انہیں دھکیلتی ہوئی ذی حسیٰ تک لے گئی جہاں ان کی امدادی فوج موجود تھی۔

اب مرتدین نے ایک حربہ اختیار کیا کہ بڑی بڑی کپیوں کو مسلمانوں کے اونٹوں کے آگے لڑھکا دیا جس کی وجہ سے اونٹوں میں شدید بھگدڑ مچ گئی اور اسلامی فوج واپس مدینہ طیبہ چلی آئی۔ مسلمانوں کی اس طرح پسپائی نے مرتدین کے حوصلے بلند کردیئے اور انہوں نے خیال کیا کہ اب مسلمانوں میں مقابلہ کرنے کی ہرگز تاب نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے ذی القصہ میں موجود اپنے ساتھیوں کو ایک طرح سے یہ خوشخبری

Marfat.com

سنائی کہ چلے آؤ اب ہم ہی فتح حاصل کریں گے۔

دوسری طرف ہوا یوں کہ پوری رات امیر المومنین اپنی فوج کی تیاری میں ہی مصروف رہے۔ رات کے آخری پہر آپ نے دشمن پر حملہ کردیا۔ آپ خود پیدل چل رہے تھے جبکہ حضرت نعمان بن مقرنؓ میمنہ پر، حضرت عبداللہ بن مقرنؓ میسرہ پر اور حضرت سوید بن مقرنؓ ساقہ فوج میں تھے۔ ان کے ساتھ شتر سوار دستہ بھی تھا۔ ابھی صبح نمودار بھی نہیں ہوئی تھی کہ مسلمانوں نے مرتدین کے سامنے صف بندی کرلی تھی۔ یہ پیش قدمی اس قدر خاموشی اور سرعت کے ساتھ ہوئی تھی کہ مرتدین کو عین وقت پر ہی معلوم ہوا کہ اسلامی فوج آچکی ہے۔

مرتدین ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ مسلمانوں نے ان پر بڑا ہی شدید حملہ کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتارنا شروع کردیا۔ ابھی آفتاب طلوع بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مرتدین شکست کھا کر راہِ فرار حاصل کر چکے تھے۔ طلیحہ کا بھائی حبال بری طرح قتل ہوا تھا۔ اہلِ اسلام کی مرتدین کے خلاف یہ پہلی اور مکمل فتح تھی۔ جہاں اس فتح نے مسلمانوں کو حوصلہ بخشا وہیں مرتدین نے مسلمانوں پر ظلم وستم کا بازار گرم کردیا۔ بنو ذبیان اور بنو عبس نے اپنے علاقے کے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر کے شہید کردیا۔

اس مختصر سی جنگ کے بعد فوری طور پر کوئی بھی بڑی کارروائی نہیں کی گئی۔ مگر اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ہر قبیلہ میں اسلام میں خلوص و استقامت میں بہتری آ گئی۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ مرتدین بھی اسلام کی طرف لوٹنے لگے۔ مدینہ طیبہ جو کہ ایک وقت میں بالکل ویران ویران سا دکھائی دیتا تھا اب یہاں مختلف قبائل کے وفود آنے لگے۔ سب سے پہلے یہاں صفوان، زبرقان اور بنو عدی کی جماعتیں داخل ہوئیں۔ بنو صفوان سرِ شام ہی آئے جبکہ بنو زبرقان آدھی رات کو پہنچے مگر بنو عدی کی آمد فجر سے کچھ ہی پہلے ہوئی۔

بنو صفوان کی آمد کی اطلاع حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، زبرقان کی اطلاع حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اور بنو عدی کی آمد کی اطلاع حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے امیر المومنین تک پہنچائی۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب یہ جماعتیں مدینہ طیبہ میں داخل ہو رہی تھیں تو بعض لوگوں نے یہ شور مچایا کہ یہ تو دشمن کی جماعتیں ہیں مگر سیدنا ابوبکر رضی

Marfat.com

اللہ عنہ نے ہر موقع پر یہی فرمایا کہ نہیں صبر کرو کیونکہ یہ تو ہمارے دوست ہیں اور حمایت کے لیے آئے ہیں ہمارے نقصان کے لیے نہیں۔

جب باقاعدہ طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ تمام جماعتیں دوست تھیں تو لوگوں نے آپ سے کہا کہ یا امیر المومنین آپ تو بہت ہی مبارک شخصیت ہیں۔ آپ ہمیشہ بشارت دیتے چلے آئے ہیں یعنی آپ جو فرماتے ہیں وہ ضرور پورا ہو جاتا ہے۔ اسی دوران حضرت اسامہؓ بھی واپس آ گئے اور یوں مسلمانوں کی فوجی قوت میں قابل قدر اضافہ ہوگیا۔ ایک شدید جنگ میں ذی حسیٰ اور ذی القصہ کے علاقوں کو اہل اسلام نے خالی کروالیا اور وہاں پر حارث اور عوف کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ یہاں سے شکست کے بعد بنی عبس اور بنی بکر نے راہِ فرار حاصل کی۔

ان علاقوں پر بنی زبیان نے تصرف حاصل کرلیا تھا اور مرتدین کو خوار ہونا پڑا تھا۔ ان میں سے چند لوگ مدینہ طیبہ آئے اور امیر المومنین سے عرض کیا کہ ہمیں ہماری زمینوں سے کیوں بے دخل کیا گیا ہے تو ان کو جواب دیا گیا کہ اب یہ علاقے تمہارے نہیں بلکہ اہلِ اسلام کے ہیں۔ اس جنگ کے بعد بنی عبس اور بنی زبیان نے شکست کے بعد طلیحہ کے ساتھ سمیرا سے چل کر بزاخہ پہنچ کر تعلقات استوار کر لیے۔

اس جنگ کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد امیر المومنین نے مرتدین اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کی سرکوبی کے لیے گیارہ فوجیں تشکیل دیں۔ ایک جمعیت کے سردار حضرت خالد بن ولیدؓ تھے۔ آپؓ کے ذمہ طلیحہ بن خویلد کی سرکوبی کرنا تھا۔ اس کے بعد آپ نے مالک بن نویرہ کا قلع قمع کرنا تھا۔ مگر حضرت خالدؓ سے پہلے یہ مہم عکرمہؓ کے ذمہ تھی۔

حضرت قاسم بن محمدؓ، حضرت بدر بن الخلیلؓ اور حضرت ہشام بن عروہؓ سے روایت ہے کہ جب بنو عبس کا زبیان اور ان کے تابع قبائل نے اپنا اجتماع بزاخہ میں کرلیا تو طلیحہ نے بنی جدیلہ اور غوث کو پیغام بھیجا کہ تم سب فوراً میرے پاس چلے آؤ۔ ان قبائل میں سے چند لوگ تو فوراً اس کے پاس آ گئے جبکہ دوسرے لوگوں نے آنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کی روانگی سے قبل حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عدی بن حاتمؓ کو بنو طے کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ اپنی قوم کو جا کر سمجھائیں ایسا نہ

Marfat.com

ہو کہ وہ سب اس فتنہ میں تباہ و برباد ہو جائیں۔ حضرت خالدؓ کو امیر المومنین نے حکم دیا کہ پہلے حملہ طے سے شروع کرنا اور پھر بزاخہ کا رخ کرنا اور سب سے آخر میں بطاخ کی طرف جانا۔

اسی اثنا میں حضرت عدی بن حاتمؓ نے اپنے قبیلہ والوں کو سمجھایا کہ اپنی ان حرکات سے باز آ جائیں وگرنہ نقصان اٹھائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں چند دن دیئے جائیں تا کہ ہم بزاخہ میں مقیم اپنے آدمیوں کو واپس بلوا لیں یہ نہ ہو کہ طلیحہ ان سب کو قتل کروا دے۔ حضرت عدیؓ نے حضرت خالدؓ کے پاس پہنچ کر یہی تجویز پیش کی تو حضرت خالدؓ نے انہیں تین روز کی مہلت دے دی۔

چنانچہ حضرت عدیؓ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ جاؤ اور اپنے آدمیوں کو بزاخہ سے نکال لاؤ۔ وہ لوگ بڑی تدبیر سے اپنے آدمیوں کو نکال لائے۔ حضرت عدیؓ نے ان تمام لوگوں کو ایک مرتبہ پھر کلمہ پڑھوایا اور اس کے بعد انہیں حضرت خالدؓ کی خدمت میں لے کر آئے۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے جدیلہ سے مقابلہ کرنے کے لیے النسر کی طرف کوچ کرنا چاہا تو حضرت عدیؓ نے آپ سے کہا کہ اگر آپ مجھے صرف چند یوم کی مہلت دیں تو شاید میں انہیں بھی قائل کر لوں۔

اس کے بعد حضرت عدیؓ جدیلہ کے پاس آئے اور ان کو ایمان درست کرنے پر آخر قائل کر ہی لیا۔ ان کے اسلام میں دوبارہ آنے سے اہل اسلام کو بہت فائدہ ہوا۔ کیونکہ یہ جب مسلمانوں کے ساتھ آ کر ملے تو ان کے ساتھ ایک ہزار اونٹ سوار جانباز بھی تھے۔ یہ صرف اور صرف عدی بن حاتمؓ ہی کی فہم و فراست کا نتیجہ تھا کہ بغیر ذرا سی بھی جنگ کے بہت بڑی کامیابی اہل اسلام کو نصیب ہو گئی تھی۔

دراصل یہ قبیلہ یعنی بنو طے حضرت عدی بن حاتم کا ہی قبیلہ تھا جہاں ان کے والد کے اثرات بہت زیادہ تھے۔ چنانچہ ان کی بات کو بہت کم ہی لوگ ٹالتے تھے۔ ہشام بن کلبی کی روایت ہے کہ جب حضرت اسامہؓ اور ان کی تمام فوج واپس آ گئی تو امیر المومنین نے مرتدین کے خلاف کارروائی کا آغاز فرمایا۔ ذی القصہ جو کہ نجد کی جانب مدینہ طیبہ سے محض ایک منزل کے فاصلے پر تھا، تمام جماعتوں کو مرتب کیا اور ان کا سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ کو مقرر فرمایا۔

Marfat.com

جب دشمن کے قریب حضرت خالدؓ پہنچے تو اس سے پہلے آپ نے حضرت ثابت بن اقرمؓ اور عکاشہ بن محصن کو دشمن کی خبر گیری کی خاطر روانہ کیا۔ یہ دونوں جب دشمن کے قریب پہنچے تو طلیحہ اور اس کے بھائی سلمہ نے ان دونوں کو دیکھا۔ حضرت ثابتؓ کو اچانک طلیحہ کے بھائی سلمہ نے حملہ کر کے شہید کر دیا۔ جبکہ طلیحہ نے اپنی مدد کے لیے اپنے بھائی کو آواز دی کہ جلدی سے ادھر آؤ ورنہ یہ شخص تو مجھے ضرور ہلاک کر دے گا۔ چنانچہ ان دونوں نے ملکر حضرت عکاشہ کو شہید کر دیا۔

حضرت خالدؓ اپنی فوج لیکر ادھر سے گزرے۔ اچانک کسی اونٹ کا پاؤں حضرت ثابتؓ پر پڑ گیا۔ مسلمانوں کے غم کی کوئی حد نہ رہی۔ ابھی یہی افسوس ہو رہا تھا کہ حضرت عکاشہؓ کی نعش بھی دکھائی دی۔ یہ صورتحال دیکھ کر حضرت عدیؓ نے حضرت خالدؓ سے کہا کہ اگر آپ مناسب خیال کریں تو میرے قبیلہ میں چند روز گزار لیں تاکہ آپ کے لیے ایک ایسی جمعیت تیار کردوں جو بہادر اور دلیر ہے۔ ان کی یہ تدبیر حضرت خالدؓ نے قبول فرمالی۔

ایک انصاری صحابی کی روایت ہے کہ حضرت ثابتؓ اور حضرت عکاشہؓ کی شہادتوں سے مسلمانوں میں کسی حد تک بددلی پھیل چکی تھی چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس صورتحال کے عین مطابق اپنی فوج سے فرمایا کہ "اگر آپ لوگ چاہیں تو میں آپ سب کو بلادِ عرب کے ایک بہت بڑے قبیلہ کے پاس لیے چلتا ہوں۔ ایک ایسے قبیلہ کے پاس جو شان و شوکت اور تعداد میں بھی بہت بڑھ کر ہے۔ اس قبیلہ میں کوئی ایک فرد بھی مرتد نہیں ہے۔" مسلمانوں نے جب دریافت کیا کہ جناب عالی یہ کون سا قبیلہ ہے؟ حضرت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ قبیلہ طے ہے۔ مسلمانوں نے عرض کیا کہ آپ بالکل درست ارشاد فرماتے ہیں چنانچہ آپ اپنی فوج کو لے کر طے میں چلے آئے۔

ایک روایت ہے کہ حضرت خالدؓ قصبۂ ارک میں فروکش ہوئے تھے مگر ایک دوسری روایت یہ ہے کہ آپ قصبہ اجا میں فروکش ہوئے تھے اور اسی جگہ سے آپؓ نے طلیحہ اسدی کے مقابلہ کے لیے تیاری شروع فرمائی تھی۔ اس دوران بنو عامر کے تمام عوام اور امراء اس جھگڑے سے قطعاً لاتعلق ہی رہے۔ بلکہ وہ تو اس انتظار میں تھے کہ پہلے یہ

Marfat.com

دیکھیں کہ فیصلہ کس کے حق میں ہوتا ہے تاکہ وہ فاتح کا ساتھ دیں۔

حضرت سعد بن مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے شیوخ سے سنا کہ انہوں نے حضرت خالدؓ سے کہا کہ ہم قیس سے نپٹ لیتے ہیں اور چونکہ بنو اسد ہمارے حلیف ہیں چنانچہ ہمیں ان کے مقابلہ سے معاف فرما دیجیے۔ جس کے جواب میں حضرت خالدؓ نے یہ ارشاد فرمایا کہ صاحبو! بنو قیس بھی کچھ کم طاقتور نہیں ہیں چنانچہ دونوں قبائل میں سے جس کے مقابلہ کے لیے آپ مناسب خیال کریں، کرلیں۔

اس گفتگو کے اختتام پر حضرت عدیؓ نے فرمایا کہ ''اگر میری قوم میں سے میرے قریب ترین خاندان نے بھی اسلام کو چھوڑا ہوتا تو واللہ میں اس سے ضرور جہاد کرتا۔ محض اس وجہ سے کہ چونکہ بنو اسد ہمارے حلیف ہیں چنانچہ ان سے جنگ نہ کریں میں تو اس کے لیے قطعاً تیار نہیں ہوں اور نہ ہی میں ایسے کسی بھی فیصلہ کو پسند کرتا ہوں۔

سیدنا خالد بن ولیدؓ نے ارشاد فرمایا کہ ''اے میرے محترم! دونوں فریقوں سے جہاد کرنا دراصل جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے لہٰذا اس معاملہ میں آپ اپنے ساتھیوں کی مخالفت ہرگز مت کریں بلکہ ان میں سے کسی ایک کے مقابلہ پر چلے جائیں کیونکہ یہی مناسب ہے۔ میرے خیال میں تو یہ سب سے زیادہ مناسب بات ہوگی کہ آپ اس کے مقابلہ پر چلے جائیں جس پر آپ کے تمام ساتھی زیادہ بے تاب اور جوشیلے ہیں''۔

حضرت عبدالسلام بن سویدؒ فرماتے ہیں کہ ''حضرت خالد بن ولیدؓ کے آنے سے قبل بنی اسد اور بنو فزارہ کے مختلف فوجی دستے مقابلہ پر ضرور آتے تھے مگر کبھی مقابلہ کی نوبت نہیں آئی تھی مگر یہ ضرور کہا کرتے تھے کہ ''ہم ہرگز ابو الفیصل (حضرت ابوبکرؓ) کی بیعت نہیں کریں گے۔'' اس کے جواب میں بنو طے کے سوار کہتے تھے کہ ''ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ ابو بکر الصدیقؓ تمہاری اس طرح خبر لیں گے کہ پھر تم لوگ ان کو ابو الفحل الاکبر کہہ کر یاد کیا کرو گے۔''

حضرت ابو جعفرؒ روایت کرتے ہیں کہ عینیہ، غطفان اور بنو طے میں سے جو لوگ بھی مرتد ہوگئے تھے ان کے ارتداد کا واقعہ عمارہ بن خلدن الاسدی کی روایت سے جو ہم تک منقول ہوا ہے یہ ہے کہ طلیحہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہی مرتد ہو کر نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ضرار بن

Marfat.com

ازور کو اس فتنہ کے استیصال کے لیے ہدایات کے ساتھ بنی اسد کے عاملوں کے پاس روانہ فرمایا تھا اور ان کو حکم دیا تھا کہ وہ ہر مرتد کے مقابلہ پر باقاعدہ کارروائی کریں اور اس میں کمزوری یا سستی کا مظاہرہ ہرگز نہ کریں۔

حضرت ضرار بن ازورؓ نے طلیحہ کو بے حد پریشان کردیا تھا۔ اس دوران اہلِ اسلام توادات میں فروکش ہوئے تھے جبکہ مرتدین کا قیام سمیرا نامی جگہ میں تھا۔ اہل اسلام کی جمعیت میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جارہا تھا مگر اس کے بالکل الٹ معاملہ مرتدین کے ساتھ تھا کیونکہ ان کے ایک طرح سے دم گھٹنے لگے تھے۔

حضرت ضرار بن ازورؓ نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور پیش قدمی میں پہل کی۔ یہ بات بالکل صاف دکھائی دے رہی تھی کہ طلیحہ کو زندہ گرفتار کرلیا جائے گا مگر ایک محیر العقول بات نے بات ہی الٹ کر رکھ دی۔ ہوا یوں کہ جب ایک تیز آلے سے اس پر وار کیا گیا تو طلیحہ پر اس کا بالکل بھی اثر نہ ہوا۔ چنانچہ بہت ہی جلد یہ بات تمام مسلمانوں میں پھیل گئی کہ طلیحہ پر تو کسی بھی ہتھیار کا اثر ہی نہیں ہوتا ہے۔ اسی دوران یہ اطلاع آ گئی کہ آقائے دوجہاں نے اس دنیا سے پردہ فرمالیا ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس اطلاع کے بعد کہ طلیحہ پر تو کسی بھی ہتھیار کا اثر ہی نہیں ہوتا تو اہل اسلام کی فوج میں سے بھی کئی ایک طلیحہ کی فوج میں چلے گئے چنانچہ اس کی قوت میں زبردست اضافہ ہوا۔ اس واقعہ کی وجہ سے اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔

اسی دوران ذوالخمار بن عوف الجذامی ہمارے قریب ہی آکر فروکش ہوا۔ ثمار بن اوس بن لام طائی نے اسے کہلایا کہ ہمارے ساتھ پانچ سو جانباز موجود ہیں اگر آپ کو کسی قسم کی ضرورت پیش آئے تو ہم ریگستان کے قریب قردودھ اور انسر میں مقیم ہیں آپ ہمیں بلوا لیجئے گا۔ اسی طرح مہلل بن زید نے اس کو کہلوایا کہ میرے ہمراہ غورث کی ایک زبردست جمعیت موجود ہے اگر آپ کو ہماری ضرورت پڑے تو بلاتکلف ہمیں یاد فرمالیجئے گا۔ ہم لوگ خیذ کے قریب ہی خیمہ زن ہیں۔

بنو طے ذوالخمار بن عوف الجذامی کی طرف اس لیے جھک گئے تھے کیونکہ عہد جاہلیت میں بنو اسد، بنو غطفان اور بنو طے کے درمیان ایک معاہدۂ دوستی استوار تھا۔

Marfat.com

بعثت نبوی سے کچھ عرصہ قبل غطفان اور بنو اسد نے بنو طے کے خلاف ایک سمجھوتہ کر کے ان کے قبائل غورث اور جدیلہ کو ان کے دیس سے باہر نکال دیا تھا۔

یہ بات عوف کو بہت زیادہ ناگوار گزری تھی اس نے فوری طور پر بنو غطفان سے اپنے تعلقات ختم کر لیے تھے۔ اس نے غورث اور جدیلہ کے ساتھ خط و کتابت کے ساتھ دوبارہ اپنے تعلقات نئے سرے سے استوار کر لیے تھے۔ اب ہوا یوں کہ چونکہ وہ ان کی مدد و اعانت کے لیے کھڑا ہو چکا تھا چنانچہ اس کی مدد سے یہ دونوں قبائل ایک مرتبہ پھر اپنے گھروں کو واپس آ گئے تھے مگر یہ بات بنو غطفان کو بہت ہی ناگوار گزری تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد عینیہ بن حصین نے بنو غطفان کے سامنے تقریر کی اور یہ کہا کہ جب سے ہمارے تعلقات بنو اسد کے ساتھ منقطع ہوئے ہیں میں نے تو غطفان کی حدود بھی نہیں دیکھیں۔ میں تو اب ان سے پھر اس معاہدے کی تجدید کرنا چاہتا ہوں جو کہ زمانۂ قدیم میں ان کے اور ہمارے درمیان قائم تھا نیز یہ بھی کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم سب طلیحہ کا ساتھ دیں اور اس کی مکمل حمایت کریں۔

آپ لوگ میری بات کو غور سے سنیں کہ اگر ہم اپنے حلیفوں میں سے کسی نبی کی اتباع کریں گے تو یہ بات بلاشبہ اس سے بدرجہا افضل ہے کہ ہم بنو قریش کے نبی کی حمایت و اعانت کریں اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا تو انتقال ہو چکا ہے جبکہ طلیحہ تو زندہ ہے چنانچہ ہمیں طلیحہ کی ہی حمایت اور اتباع کرنا چاہئے۔

بنو غطفان نے عوف کی تمام باتیں بغور سنیں اور اس کی تمام تر باتوں سے اتفاق کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے عوف نے طلیحہ کی اتباع کی جس کے بعد پورے غطفان قبیلہ نے اس کی اتباع کر لی۔ یوں ایک پورا قبیلہ جو کہ قوت میں بھی زبردست تھا، طلیحہ کے ساتھ ہو گیا۔

یہ خبر ان لوگوں کے لیے بھی بڑی ہی تشویشناک تھی جو بنو اسد میں فتنۂ ارتداد کے لیے کام کر رہے تھے۔ ان میں حضرت ضرار بن ازورؓ، قضاعی اور سنان بھی شامل تھے۔ یہ تینوں وہاں سے عجلت سے مدینہ طیبہ آئے اور آ کر امیر المومنین سے تمام واقعہ کی

Marfat.com

تفصیل بتلائی۔ اور آپؓ کو محتاط رہنے اور باخبر رہنے کا مشورہ پیش کیا۔

حضرت ضرار بن ازورؓ کی اس سلسلہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ شاید ہی کسی شخصیت کو جنگ کی ایسی پریشان کن صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا تھا جیسا کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو ہوا مگر اس کے باوجود حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے استقلال میں ذرا برابر بھی کمی نہ آئی تھی۔ کیونکہ جب ہم نے انہیں تمام واقعات سنائے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ تمام واقعات ان کو معلوم تھے یا یہ ان کی توقعات کے عین مطابق تھے۔

اور یہ کیوں نہ ہوتا کیونکہ اگر تمام غوث، قطب، ابدال اور اولیاء کاملین بھی جمع ہو جائیں تو بھی کسی عام صحابی کے برابر نہیں ہو سکتے مگر یہاں تو بات صدیقِ اکبرؓ کی تھی بھلا یہ سب کچھ آپؓ کی نظروں سے کس طرح پوشیدہ ہو سکتا تھا۔

کچھ عرصہ کے بعد بنو اسد، بنو غطفان، بنو ہوازن اور بنو طے کے وفود حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تھے ان کے علاوہ قضاعہ کا وفد بھی آیا تھا۔ اس وفد کی ملاقات اسامہ بن زیدؓ کے ساتھ ہوگئی چنانچہ اسی وفد کو لے کر حضرت اسامہؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آگئے تھے۔ ان تمام وفود کی مدینہ طیبہ آمد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے دس روز کے بعد ہوئی تھی۔

یہ بات بڑی اہم ہے کہ ان تمام وفود نے اہلِ اسلام کے عمائدین کے ہاں قیام کیا تھا۔ ان وفود نے یہ شرائط بتلائی تھیں کہ ہم لوگ نماز کی ادائیگی کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ ہمیں زکوٰۃ معاف کردی جائے۔ یہ شرط جہاں یہ لوگ قیام پذیر تھے، انہوں نے تقریباً قبول کر ہی لی تھی مگر اس کے لیے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی منظوری یقیناً بہت ضروری تھی۔ جب یہ لوگ اپنی اپنی جگہ بات کو طے کر کے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کو بالکل نئی صورتِ حال کا سانا کرنا پڑا۔

ہوا یوں کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے قطعی طور پر ان کی بات قبول کرنے سے انکار کردیا۔ آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو وہی زکوٰۃ وصول کروں گا جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصول فرمایا کرتے تھے۔ یہ بات بھلا ان لوگوں کو کیسے پسند آسکتی تھی۔ انہوں نے مزید بات چیت کی بھی کوشش کی مگر حضرت صدیق

Marfat.com

اکبرؓ نے دوٹوک انداز میں بات کوختم کر کے سوچنے کے لیے انہیں ایک دن اور ایک رات کا موقع دیا مگر ان لوگوں نے اب وہاں پر مزید رکنا گوارا نہیں کیا اور فوری طور پر واپس چلے گئے۔

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو جیفر کے پاس روانہ فرمایا تھا۔ اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ اس وقت عمان میں تھے۔ واپسی کے سفر کے دوران جب آپؓ بحرین آئے تو آپ نے منذر بن ساویؓ کو ان کی زندگی کے آخری وقت میں پایا۔

حضرت عمروبن العاصؓ نے ان کی خیریت دریافت کی۔ حضرت منذرؓ نے آپ رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا کہ یہ جو میرے پاس مال و اسباب موجود ہے میں اس کا کیا کروں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ اسے وقف کر دیں تاکہ آپ کے بعد یہ صدقۂ جاریہ برابر جاری و ساری رہے۔ حضرت منذر رضی اللہ عنہ نے ان کے مشورہ پر عمل کیا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ وہاں سے روانہ ہو کر بنو تمیم میں پہنچے اور وہاں سے بنو عامر کے علاقہ میں آئے۔ آپؓ وہاں پر قرۃ بن ہبیرہ کے ہاں مقیم ہوئے۔ قرۃ بن ہبیرہ کی حالت یہ تھی کہ وہ کسی بھی نتیجہ پر نہیں پہنچ پایا تھا کہ وہ اس صورتِ حال میں کیا کرے۔ صرف وہی نہیں بلکہ بنو عامر کے تمام تر خاص خاص لوگ اسی شش و پنج میں تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہئے۔

اس تمام سیاحت کے بعد جب حضرت عمرو بن العاصؓ مدینہ طیبہ پہنچے تو تمام مسلمانوں نے آپؓ سے دریافت کرنا شروع کردیا کہ ہمیں بتلایئے کہ کیا حالات و واقعات ہیں۔ آپؓ نے انہیں بتایا کہ مدینہ طیبہ تک میں نے دیکھا ہے کہ ہر علاقہ میں گویا چھاؤنیاں پڑی ہوئی ہیں۔ یہ سن کر اہل اسلام کو بے حد فکر لاحق ہوئی۔ اب لوگ مختلف جماعتوں میں منقسم ہوگئے اور باہم مشورے ہونے لگے۔

حضرت عمر فاروقؓ جب حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ ملاقات کے لیے تشریف لا رہے تھے تو آپؓ نے ملاحظہ فرمایا کہ چند لوگ حضرت عمرو بن العاصؓ کے بیان

Marfat.com

کردہ واقعات پر بڑے ہی غور و خوض کے ساتھ تبادلۂ خیالات کر رہے تھے۔ ان میں حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی شامل تھے۔ جب آپؓ ان کے قریب پہنچے تو وہ لوگ خاموش ہو گئے۔

حضرت عمرِ فاروقؓ نے مسکرا کرانہیں فرمایا کہ صاحبو تم لوگ جو باتیں مجھ سے پوشیدہ رکھنا چاہ رہے ہو ان کا تو مجھے علم ہے۔ حضرت طلحہؓ نے جز بز ہوتے ہوئے کہا کیا آپ ہمیں اب غیب کی بھی خبریں بتلائیں گے۔ حضرت طلحہؓ نے بات صرف پوچھی تھی ویسے تاریخ گواہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو ایسی خبریں بھی حاصل ہو جاتی تھیں جن کا علم عام لوگوں کو عرصہ کے بعد ہوتا تھا۔ جیسا کہ ''یاساریہ اللجبل'' والی روایت بہت معروف ہے۔

سیّدنا و مولانا حضرت عمر فاروقؓ نے ارشاد فرمایا ''غیب کا علم تو بلاشبہ صرف اور صرف اللہ تبارک تعالیٰ کو ہی ہے۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ آپ حضرات یہی کہتے ہوں گے کہ ہمیں دیگر قبائل سے شدید خطرہ ہے۔'' اس کے بعد آپؓ نے قسم دے کر ان سے دریافت فرمایا کہ آپ حضرات بتائیں کہ کیا یہی بات نہ تھی چنانچہ ان لوگوں نے اقرار کیا اور کہا کہ واقعی آپ نے بالکل درست ارشاد فرمایا ہے۔

سیدنا و مولانا عمرِ فاروقؓ نے فرمایا ''آپ لوگوں کو اس صورتِ حال سے قطعاً خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ مجھے تو ان قبائل کے لیے آپ کی جانب سے اس سے زیادہ اندیشہ ہے جتنا کہ آپ کو ان کی جانب سے ہے۔ واللہ! اگر ہم لوگ کسی تنگ و تاریک غار میں بھی چلے جائیں تو تمام قبائل ہماری متابعت میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ سے ان کے معاملہ میں ڈرو اور اس قدر سوئے ظن ان سے ہرگز نہ رکھو۔'' یہ فرمانے کے بعد آپؓ حضرت عمرو بن العاصؓ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ ان سے ملاقات کے بعد آپ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے پاس چلے آئے۔

حضرت عروہؓ اپنے والد محترم سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ عیلہ وسلم کی رحلت کے بعد جب حضرت عمرو بن العاصؓ عمان سے مدینہ طیبہ واپس آرہے تھے تو آپؓ بنو عامر کے قرۃ بن ہبیرہ بن سلمہ بن قشیر کے ہاں بھی مہمان رہے

Marfat.com

تھے۔ اس وقت بنو عامر کے تمام خاندانوں کا ایک مشترکہ لشکر اس کے اردگرد موجود تھا۔ قرۃ نے آپ کی مہمان کی خاطر جانور ذبح کیے اور خوب خاطر مدارت کی۔

حضرت سعدؓ جب وہاں سے چلنے کی تیاریاں کرنے لگے تو آپ نے قرۃ کے ساتھ خلوت میں ملاقات فرمائی۔ اس ملاقات میں اس نے آپؓ سے کہا کہ عرب اس بات کو کبھی قبول نہیں کریں گے کہ وہ اپنی آمدنی میں سے آپ لوگوں کو لگان دیں۔ ہاں البتہ اگر آپ لوگ رقم کا مطالبہ نہ کریں تو وہ پھر آپ کی بات ضرور سنیں گے اور مانیں گے بھی لیکن اگر آپ لوگ اس کو نہ مانیں گے تو میں نہیں سمجھتا کہ وہ آپ لوگوں کی اتباع اور حمایت کریں گے۔

حضرت سعدؓ نے اس سے فرمایا کہ اے قرۃ کیا تم کافر ہو چکے ہو۔ چونکہ تمام بنو عامر اس کے گرداگرد موجود تھے لہٰذا قرۃ نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ ان کی متابعت کی وجہ سے اپنے دلی جذبات کا اظہار کر سکے۔ کیونکہ وہ سب کے سب اس کی اتباع میں کافر ہو جائیں گے اور اس طرح وہ بہت بڑے شر کا باعث بن جائے گا چنانچہ اس نے اس بات کو ٹالنے کی خاطر محض یہ بات بتلانے کے لیے کہ وہ اسلام پر قائم ہے کہا کہ اچھا ہم آپ کو لگان دے دیں گے۔

آپؓ اس کے لیے کوئی سا وقت مقرر کرلیں تا کہ ہم سب وہاں پر جمع ہو کر اس کا تصفیہ کرلیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ ''اے قرۃ! کیا تم عربوں سے ہمیں ڈراتے ہو اور اسی لیے تم مجلس منعقد کرنے کی بات کرتے ہو۔ اب اس خیال کو اپنے دل سے نکال دو۔ واللہ اس موقع پر ہم ایک زبردست جمعیت کے ساتھ تم پر یورش کریں گے۔'' یہ فرمانے کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

یہی قرۃ اور عینیہ بن حصن کو حضرت خالد بن ولیدؓ نے گرفتار کرکے ان سے دوبارہ بیعت لی اور ان کو قیدی بنا کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں روانہ کردیا۔ جب یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے آئے تو قرۃ نے کہا کہ ''اے خلیفۂ رسول اللہ! میں مسلمان ہوں۔'' عمرو بن العاصؓ میرے اسلام کے شاہد ہیں۔ جب وہ میرے پاس اثنائے سفر میں آئے تو میں نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور ان کی خوب تعظیم وتکریم کی تھی اور ان کی حفاظت کی تھی۔ آپ ان سے تصدیق کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو بلوایا اور ان سے قرۃ کی باتوں کی تصدیق چاہی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے تمام واقعہ بیان کردیا۔ آپؓ قرۃ کا بیان کرتے کرتے جب زکوٰۃ کے انکار تک آئے تو قرۃ نے کہا کہ اب بس بھی کیجئے آگے بیان نہ کریں۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔مگر حضرت عمرو بن العاصؓ نے تمام گفتگو بلاکم وکاست بیان کردی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو معاف فرما دیا۔

دوسرے قیدی یعنی عینیہ بن حصن کو اس طرح مدینہ طیبہ لایا گیا کہ اس کے دونوں ہاتھ رسی سے بندھے ہوئے تھے۔اس کو بھی حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے معاف فرمادیا۔

جیسا کہ آپ نے گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے لشکر کو بری طرح شکست سے دوچار کردیا تھا، اسی شکست کی وجہ سے طلیحہ کے عقیدت مندوں میں تو ایک طرح سے سراسیمگی پھیل گئی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ طلیحہ نے تو ان لوگوں کو یہ یقین دلا رکھا تھا کہ اگر مسلمانوں سے جنگ ہوئی تو فتح یقیناً ہمیں ہی ہوگی اور مسلمانوں کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا مگر اس کے اپنے ہی بھائی کی شکست نے ان کو بہت مایوس کردیا۔ یقینی بات ہے کہ اس شکست کی وجہ سے طلیحہ بھی حد درجہ پریشان ہو چکا تھا۔

یہ تمام تر صورت حال طلیحہ کے حلیف قبائل کے لیے بھی لمحۂ فکریہ تھا۔ ان میں سے بعض لوگوں نے طلیحہ سے کہا کہ ”اے طلیحہ! آپ کیسے نبی ہیں کہ اللہ اور اس کے فرشتوں نے آپ کا ساتھ ہی چھوڑ دیا ہے۔“ جس کے جواب میں طلیحہ ان کو یہ کہتا کہ ”لوگو تم کیسے نادان ہو۔ تم لوگ میری نبوت کو کامیابی اور ناکامی کے لحاظ سے مت پرکھو۔“

طلیحہ نے اس دوران اپنی قوت کو مضبوط کرنا شروع کردیا مگر اس کے تمام تر ماننے والوں پر حضرت خالد بن ولیدؓ کی ہیبت طاری تھی۔ وہ لوگ حضرت خالد بن ولیدؓ سے جنگ کا خطرہ مول لینے سے کترا رہے تھے۔ دوسری طرف حضرت خالدؓ بھی ان کے خلاف جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے آپ کا خیال یہ تھا کہ جلد یا بدیر یہ لوگ یقیناً مسلمان ہو جائیں گے۔ قبیلہ بنو طے کے دوبارہ اسلام میں واپس آ جانے سے آپؓ کے خیال کو

Marfat.com

خاص تقویت حاصل ہوئی تھی۔ حضرت خالدؓ بن ولیدؓ ایک جہاندیدہ اور تجربہ کار بزرگ تھے۔ آپ کو یہ اندازہ بخوبی تھا کہ چونکہ طلیحہ ایک جھوٹا نبی بنا بیٹھا ہے چنانچہ بہت ہی جلد اس کے جھوٹ کا پردہ چاک ہو جائے گا۔

طلیحہ کے عام عقیدت مند تو اس کے سامنے خاموش ہی رہتے تھے مگر اس کی بیوی اس کا مذاق گاہے بہ گاہے اڑاتی رہتی تھی۔ طلیحہ کی بیوی ہی اس کے سب سے زیادہ قریب تھی۔ وہ کئی مرتبہ یہ ملاحظہ کر چکی تھی کہ طلیحہ کے دعویٰ میں قطعاً سچائی نہیں ہے۔ اکثر یوں ہوتا کہ جب طلیحہ پر کوئی برا وقت آن پڑتا تو وہ اپنے سر پر کوئی کمبل یا چادر اوڑھ لیتا اور بیٹھ جاتا۔ ایسے مواقع پر اس کا حکم ہوتا کہ کوئی بھی اس کے پاس نہ آنے پائے کیونکہ اس وقت مجھ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔

اس پر جس قسم کے الہامات نازل ہوتے تھے ان کی کیفیت تو آپ نے ملاحظہ کر ہی لی ہے۔ اب آپ ملاحظہ فرمایئے کہ وہ الہامات ہوتے کیسے تھے۔ ایک الہام کچھ یوں تھا۔

والحمام والیمام، والصر الصوم، قد ضمن قبلک حوام لیبلغن ملکنا العراق و الشام. (توبہ نعوذ باللہ)

طلیحہ کو اس کے عقیدت مندوں نے جب یہ بتلایا کہ مسلمان ان کی طرف تیزی سے بڑھے چلے آرہے ہیں چنانچہ طلیحہ اب اپنے خدا سے کہے کہ وہ مسلمانوں کی فوج کو تباہ و برباد کرنے کے لیے فرشتے بھیجے تاکہ مسلمانوں سے نجات حاصل ہو سکے۔ اب اس کے لیے اور کوئی راہ بچی بھی نہ تھی۔ مرتا کیا نہ کرتا آخر بیٹھ گیا سر پر کمبل اوڑھ کر۔

طلیحہ کے عقیدت مند کافی دیر تک تو خوش فہمی کا شکار ہی رہے مگر جب کافی دیر تک طلیحہ کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو ان میں سے بعض سرکردہ افراد نے طلیحہ کی بیوی کے ساتھ رابطہ کیا اور اس سے کہا کہ ''اے محترم خاتون! آپ ہی اب نبی محترم کے پاس جائیں اور ان سے دریافت کریں کہ وحی کی کیا صورتِ حال ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امداد کی کس قدر توقع ہے۔''

چنانچہ وہ عورت اس کے خیمہ میں داخل ہوئی اور کہنے لگی ''اے طلیحہ! تم کب تک اسی طرح مست بیٹھے رہو گے۔ لوگ انتظار کرتے کرتے تھک چکے ہیں۔ تمہیں اتنی

Marfat.com

دیر ہو چکی ہے مگر اللہ تمہیں جواب ہی نہیں دے رہا۔" جب وہ بول بول کر تھک گئی تو اس نے طلیحہ کے سر پر موجود کمبل کو بری طرح کھینچ کر اتار پھینکا۔ اس نے دیکھا کہ طلیحہ پر گویا تشنج کی کیفیت طاری تھی۔ اس نے اپنی بیوی کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ تو کیسی بے عقل عورت ہے میں نے تجھے کہا تھا کہ اس وقت مجھے تنگ مت کیا کرو۔ فرشتہ مجھے ایک نہایت اہم اطلاع دے رہا تھا کہ تو نے یہ سلسلہ ہی منقطع کر دیا۔

اسی اثنا میں اہل اسلام کا لشکر تیزی کے ساتھ منزلیں طے کرتا ہوا بنو ذبیان کے علاقہ البرق تک پہنچ چکا تھا۔ بنو ذبیان کے لوگوں پر مسلمانوں کی ہیبت طاری تھی۔ انہوں نے وہاں سے فرار ہونے میں ہی عافیت جانی۔ ان کے سردار حطیہ نے اپنے لوگوں سے کہا کہ میں مسلمانوں کے لشکر کو جنگ میں الجھاتا ہوں تم اس عرصہ میں اپنے مال مویشی لیکر یہاں سے کسی محفوظ مقام تک چلے جاؤ۔

حطیہ نے کچھ دیر تک تو اہلِ اسلام کا مقابلہ کیا مگر وہ کتنی دیر ٹھہر سکتا تھا آخر اس کے اکثر جنگ جو یا تو قتل ہو گئے یا پھر قید کر لیے گئے۔ انہی میں خطیہ خود بھی شامل تھا جو گرفتار ہوئے۔ مسلمانوں نے اس وادی کو اپنے قبضہ میں لیا تو انہیں معلوم ہوا کہ یہاں سے لوگ تو فرار ہو چکے ہیں اور جاتے ہوئے اپنے مال مویشی بھی لے جا چکے ہیں۔ مگر ان کے لیے یہ بڑی خوش آئند بات تھی کہ اب اس سرسبز وادی میں ان کے مویشی چر رہے تھے۔ بنو ذبیان کے لوگ وہاں سے فرار ہو کر طلیحہ تک پہنچ چکے تھے۔

طلیحہ نے بہت سے چھوٹے چھوٹے قبائل کو مختلف قسم کے لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ مگر اس تمام تر کارروائی میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ہیبت ہی کارفرما تھی۔ حضرت خالدؓ سے تمام عرب قبائل کانپتے تھے۔ آپ کے حسنِ تدبر اور جنگی حکمتِ عملی کی تو مثالیں دی جاتی تھیں۔ طلیحہ نے اب ایک اور کام بھی شروع کر دیا کہ جو قبائل اسلام سے منہ موڑ چکے تھے ان تک دوستی کا پیام پہنچایا اور ان کو اپنی مدد کا یقین دلایا۔ بلاشبہ طلیحہ ایک بڑی فوج اکٹھی کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو چکا تھا۔

دوسری طرف یہ صورتِ حال بھی پیدا ہو چکی تھی کہ بنو عامر، ہوازن اور بنو سلیم وغیرہ فتنۂ ارتداد میں مبتلا تو ہو چکے تھے مگر ابھی تک وہ متذبذب تھے کہ انہیں کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ یہ قبائل ابھی تک بنو اسد اور بنو غطفان کی طرف تک رہے تھے۔

Marfat.com

بنو اسد دراصل طلیحہ سے کچھ زیادہ ہی متاثر تھے۔ وہ ایک اہم واقعہ کی وجہ سے متاثر ہوئے تھے۔ واقعہ کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ بنو اسد کے کچھ لوگ ایک قافلہ کی صورت میں سفر کر رہے تھے کہ اچانک وہ لوگ ایسے علاقہ میں پہنچے جہاں پانی موجود نہ تھا۔ صحرائی علاقوں میں اگر ایسی صورت حال پیش آ جائے تو پھر موت یقینی خیال کی جاتی ہے۔

بنو اسد کے لوگوں نے وہیں خیمے نصب کر لیے اور پانی کی تلاش شروع ہو گئی۔ اسی قافلہ میں طلیحہ بھی شامل تھا۔ جب تمام لوگ پانی کی تلاش کے لیے دوڑ دھوپ کر رہے تھے تو چند لوگوں نے دیکھا کہ طلیحہ ایک جگہ پر سر پر چادر ڈالے مست و بے خود سا بیٹھا ہوا ہے۔ یقیناً یہ ایک اچھی بات نہ تھی۔ ایک شخص غصے کی حالت میں آگے بڑھا اور طلیحہ کے سر سے چادر نوچ کر کہنے لگا ''اے طلیحہ! تم تو عجیب شخص ہو۔ ہم سب تو پریشان پریشان پانی کی تلاش میں سرگرداں ہیں مگر تم کس قدر آرام وسکون کے ساتھ بیٹھے ہو!''

طلیحہ کو اس کی یہ حرکت بہت ناگوار گزری اور اس نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا کہ ''اے جاہلو! یہ تمہاری بے عقلی کی دلیل ہے۔ کیا مجھے یہ احساس نہیں کہ میرے قبیلے والے موت و حیات کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ میں تو دراصل فرشتہ کو حاضر کر رہا تھا تاکہ اس سے پوچھ سکوں کہ پانی ہمیں کہاں سے مل سکے گا مگر ابھی فرشتہ حاضر ہی ہوا تھا کہ تم لوگوں کی بچگانہ حرکت کی وجہ سے وہ فرشتہ واپس چلا گیا۔''

جس شخص نے طلیحہ کے سر سے چادر نوچی تھی سبھی لوگ اس کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ ان میں سے ایک شخص نے بڑی ملائمت سے اس سے کہا کہ ''اے طلیحہ! ہماری یہ خطا معاف کر دے اور اپنے فرشتے کو دوبارہ حاضر کر کے پوچھ کہ ہمیں پانی کہاں سے مل سکے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس جگہ پانی تلاش کرتے ہوئے موت کے منہ میں چلے جائیں۔''

''ہاں ہاں یہ بات تو تمہاری درست ہے مگر تم لوگ جب تک سر پر میری چادر نہیں ڈالو گے میں بھلا اس کو کس طرح حاضر کر سکتا ہوں''۔ طلیحہ نے بڑی رعونت کے ساتھ کہا۔ چنانچہ اگلے ہی لمحے اس کے سر پر چادر اوڑھا دی گئی۔ کچھ دیر تک طلیحہ اسی انداز میں بیٹھا رہا۔ اس دوران اس کا پورا جسم بری طرح کانپ رہا تھا اور وہ زیرِ لب کچھ

Marfat.com

بڑ بڑا بھی رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے از خود چادر سر سے اتاری اور ان لوگوں سے کہنے لگا کہ "ہمیں پانی ضرور ملے گا، خوش ہو جاؤ"۔ وہاں پر موجود لوگوں کے چہرے خوشی کے مارے کھل اٹھے اور انہوں نے بڑی ہی بے تابی کے ساتھ پوچھا کہ پانی ہمیں کہاں سے ملے گا؟ طلیحہ نے ایک سمت کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ اس طرف چند میل کا فاصلہ کرنے کے بعد ہمیں پانی دستیاب ہو جائے گا۔

چنانچہ اس قافلہ کے چند لوگوں نے اونٹوں کو تیار کیا اور اس سمت کی طرف روانہ ہو گئے اس دور میں قافلے زیادہ تر اونٹوں پر ہی مشتمل ہوا کرتے تھے۔ وہ لوگ اونٹوں کو دوڑاتے اس جانب چلے گئے۔ جیسا کہ طلیحہ نے کہا تھا پانی وہاں موجود تھا۔ اس کے قبیلے والے اس سے حد درجہ متاثر ہو گئے اور اس سے کرید کرید کر پوچھنے لگے کہ کیا واقعی اس کے پاس فرشتہ حاضر ہوتا ہے۔ اس نے ان کو طرح طرح کی باتیں کر کے خاموش کرا دیا۔

یہی وہ واقعہ تھا جس کی بنا پر طلیحہ خود کو ایک اہم شخصیت تصور کرنے لگا تھا اور جب اسلام پھیلا تو اس نے اس واقعہ کو خصوصیت کے ساتھ مشہور کر دیا۔ جب یہ واقعہ جسے اس نے معجزہ کہہ کر مشہور کیا تھا اس کی خود ساختہ نبوت کا ثبوت ثابت ہوا تھا۔

یہی واقعہ بنو اسد کے بڑے بوڑھوں نے بنو خزراہ کے سردار عینیہ بن حصن کو بھی سنایا۔ یہ سردار دراصل اپنے ایک ہزار جانبازوں کے ساتھ طلیحہ کے ساتھ مل گیا تھا۔ مگر اس کے دل و دماغ پر بھی حضرت خالد بن ولیدؓ کی ہیبت طاری تھی۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ اہلِ اسلام حضرت خالد بن ولیدؓ کی سرکردگی میں طلیحہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

ایک روز اس نے طلیحہ سے دریافت کیا کہ "اے نبی محترم! کیا آپ کے پاس واقعی جبرائیل آتے ہیں؟" طلیحہ نے مسکراتے ہوئے کہا ہاں کیوں نہیں تمہیں جو بھی بتلایا گیا ہے وہ بالکل درست ہے مگر تم یہ بات کیوں پوچھ رہے ہو؟

عینیہ نے اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے کہا کہ "اے محترم نبی! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ مسلمانوں کا لشکرِ جرار ہماری طرف بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ یقیناً یہ ایک

Marfat.com

بہت خونریز جنگ ہوگی۔ میں اس جنگ میں آپ کا سب سے بڑا حلیف ہوں۔ آپ مجھے ذرا یہ تو بتلائیے کہ آپ کو جبرائیل نے اس جنگ کے متعلق کچھ اطلاع دی ہے کہ نہیں؟''

طلیحہ اس کی باتیں سن کر بہت جز بز ہوا۔ اب بھلا وہ کس طرح جبرائیل کو طلب کرلیتا چنانچہ اس نے بات بناتے ہوئے کہا کہ ''اے عینیہ! کیا جنگ شروع ہو چکی ہے۔ ابھی جنگ تو ہونے دو پھر میں جبرائیل سے اس سلسلہ میں دریافت بھی کرلوں گا۔ دوسری بات یہ بھی سچ ہے کہ میں جبرائیل کو جس وقت بھی چاہوں نہیں بلوا سکتا یہ تو خدا کی مرضی ہے کہ وہ جب بھی چاہے اس کو میرے پاس بھیج دے۔ مگر تم اطمینان رکھو کہ جب جنگ شروع ہوگی تو میں خدا سے ضرور پوچھوں گا کہ اس جنگ کا فیصلہ کیا ہوگا۔''

اس گفتگو کے تھوڑی ہی دیر گزرنے کے بعد مسلمانوں کی فوج اس جگہ پہنچ گئی اور اب وہ خیمہ زن ہو رہی تھی۔ جب اسلامی فوج خیمہ زن ہوگئی تو اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے طلیحہ کے لشکریوں کو مخاطب کر کے فرمایا ''اے وہ لوگو جو مرتد ہو چکے ہو! میری بات غور سے سنو اور کفر کے ارتکاب سے باز آ جاؤ۔ امیر المومنین تم لوگوں کو معاف فرمادیں گے۔ میری بات کا یقین کرو کہ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ تمہارا نبی جو کہ بالکل جھوٹا ہے، وہ بہت جلد خود تو رسوا ہوگا ہی مگر تم بھی ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔''

طلیحہ کے لشکریوں نے حضرت خالدؓ کی باتوں کو سنا اور ہنسی میں اڑا دیا۔ مگر عینیہ بن حصن ایک ایسا شخص تھا کہ جو اپنے آدمیوں کی موت سے خوفزدہ تھا۔ وہ یہ ضرور جانتا تھا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ ایک ایسے جرنیل ہیں کہ جن کی سرکردگی میں لڑنے والی فوج کو کبھی شکست ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی دوران اس دور کے دستور کے مطابق مبارزت طلبی شروع ہوئی یعنی دونوں جانب سے بہادر ایک دوسرے کو مقابلہ کی دعوت دیتے رہے اور یوں میدان دھیرے دھیرے گرم ہونا شروع ہوا۔

اسی دوران عینیہ دوڑتا ہوا طلیحہ کے خیمے کی طرف گیا مگر اس نے دیکھا کہ اس کا خیمہ خالی تھا اور خیمہ کے باہر اس کی بیوی موجود تھی۔ عینیہ نے اس کی بیوی سے دریافت کیا کہ طلیحہ کہاں گیا تو اس نے بے چینی اور گھبراہٹ کے انداز میں بتلایا کہ وہ

Marfat.com

خیمہ کے پیچھے موجود ہے۔ عینیہ دوڑتا ہوا خیمہ کی عقبی سمت گیا جہاں اس نے دیکھا کہ طلیحہ ایک چادر اوڑھے بیٹھا تھا۔

''اے نبی محترم! جنگ اب شروع ہو چکی ہے میرا تو خیال یہ تھا کہ آپ اس وقت میدانِ جنگ میں ہوں گے مگر آپ یہاں اطمینان سے بیٹھے ہیں۔ اس قدر تشویشناک صورتِ حال میں بھی میں میدان جنگ کو چھوڑ کر صرف اسی لیے آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں کہ کیا آپ کو فرشتے نے کچھ بتلایا ہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟'' عینیہ نے طلیحہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ مگر طلیحہ خاموشی کے ساتھ اس کی باتیں سنتا رہا اور جب وہ خاموش ہوا تو اس نے مختصر سا جواب دیا کہ ''اے سردار! میں یہاں بیکار تو نہیں بیٹھا ہوا ہوں بلکہ میں یہاں اسی لیے بیٹھا ہوا ہوں کہ مجھے کسی وقت بھی اطلاع آجائے۔''

عینیہ اس کی بات سن کر دوبارہ میدانِ جنگ میں چلا گیا مگر جب اس نے دیکھا کہ اب جنگ گھمسان کی چھڑ چکی ہے اور مسلمانوں نے اس کی فوج کو بری طرح روندنا شروع کر دیا ہے اس نے ایک مرتبہ پھر طلیحہ کے خیمہ کی طرف رخ کیا اور اس کو پھر پوچھا کہ اب وہ کیا کرے۔

طلیحہ نے اس کو گھورتے ہوئے کہا کہ ''اے سردار! تو کیسا بے وقوف شخص ہے کہ تو میدان جنگ پر توجہ نہیں دے رہا اور بار بار یہاں آجاتا ہے۔ کیا تجھے میدانِ جنگ میں کوئی کام نہیں؟'' اس کی یہ بات سن کر عینیہ نے کہا کہ ''اے نبی! ہمیں تو آپ نے یہ بتلایا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں فتح ہماری ہوگی مگر یہاں تو صورتِ حال یکسر ہمارے خلاف جا رہی ہے۔ ہمارے سپاہی آسمانی امداد کی امید میں ہلاک ہوتے جا رہے ہیں''۔

طلیحہ نے اسے کہا کہ ''اگر تو میرے پاس کھڑا رہے گا اور تیری بکواس جاری رہے گی تو فرشتہ میرے پاس کبھی نہیں آئے گا۔ تو اب میرا پیچھا چھوڑ اور اپنے سپاہیوں سے کہہ کہ مسلمانوں کی فوج کا دلیری کے ساتھ مقابلہ کریں یقیناً فتح انہی کی ہوگی''۔

عینیہ نے کہا کہ ''مجھے تیری باتوں سے یوں دکھائی دے رہا ہے کہ تو بالکل جھوٹا شخص ہے۔ جب سے جنگ شروع ہوئی ہے تو منہ چھپائے ہوئے یہاں بیٹھا ہوا

Marfat.com

ہے۔ تو نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر تو واقعی نبی ہوتا تو اس وقت اپنے امتیوں کے ساتھ ہوتا۔ تو کیسا نبی ہے کہ تیرے امتی تو تیرے نام پر کٹ رہے ہیں اور تو اطمینان کے ساتھ یہاں بیٹھا ہوا ہے؟ کیا تجھے اپنے امتیوں کے مرنے کا بھی دکھ نہیں اور وہ کیسا فرشتہ ہے جو کہ ابھی تک تیرے پاس نہیں آیا؟ کیونکہ تو ایک جھوٹا نبی ہے اس لیے تیرے پاس وہ فرشتہ کبھی نہیں آئے گا۔ میں تو اس وقت پر پچھتا رہا ہوں جب میں نے اپنے جانبازوں سمیت تیری حمایت کی تھی۔"

عینیہ وہاں سے تقریباً دوڑتا ہوا میدان جنگ میں پہنچا اور اپنے آدمیوں اکٹھا کر کے کہنے لگا "میرے بھائیو! اس جنگ سے کنارہ کش ہو جاؤ کیونکہ طلیحہ ایک کاذب شخص ثابت ہوا ہے۔ نہ تو اس کے پاس کوئی فرشتہ آتا ہے اور نہ ہی وہ کوئی نبی ہے۔ جتنا نقصان ہونا تھا، وہ ہو چکا اب بہتری اسی میں ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اپنی جانیں بچا کر یہاں سے نکل چلو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم میں سے کوئی بھی نہ بچے۔"

عینیہ بن الحصن کی فوج نے اپنے سردار کا حکم سنا اور میدان جنگ سے علیحدہ ہونا شروع کر دیا۔ طلیحہ نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو اس نے وہاں سے فرار ہونے میں ہی عافیت جانی۔ اس نے اپنی بیوی کو ساتھ لیا اور وہاں سے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ فرار ہو گیا۔ وہاں سے اس نے شام کا رخ کیا جہاں بنو کلب نے اس کو امان دے کر اپنا مہمان بنا لیا۔

تاریخ طبری اول حصہ جلد چہارم صفحہ نمبر 46 پر رقم ہے کہ جب جنگ شروع ہوئی تو عینیہ نے بنو فزارہ کے 700 افراد کی جماعت کے ساتھ جنگ میں خوب دادِ شجاعت دی اور خوب مردانگی دکھائی مگر اس دوران طلیحہ اپنے خیمہ کے صحن میں چادر اپنے اوپر ڈالے بیٹھا ہوا تھا جبکہ میدانِ جنگ میں بڑی ہی خوفناک جنگ جاری تھی۔

جب عینیہ کو جنگ میں تکلیف اٹھانا پڑی اور اس کو شدید نقصان اٹھانا پڑا تو وہ میدان کارزار سے پلٹ کر طلیحہ کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ "کیا جبرائیل تمہارے پاس آئے"۔ اس نے کہا کہ "اب تک تو نہیں آئے"۔ عینیہ اس کے بعد اپنے سپاہیوں میں واپس آ گیا اور جنگ میں مصروف ہو گیا۔

جب اس کو دوبارہ جنگ نے پریشان کیا تو وہ ایک مرتبہ پھر طلیحہ کے پاس آیا

Marfat.com

اور کہنے لگا کہ "اے طلیحہ! کہو کیا خبر ہے۔ کیا جبرائیل تمہارے پاس آئے اگر آ گئے تو کیا جواب دیا؟" طلیحہ نے کہا کہ "ابھی تک تو جبرائیل نہیں آئے۔"

عینیہ نے یہ سن کر کہا کہ "ہاں اب وہ کب آئیں گے۔ ہمارا تو اب کام ہی تمام ہو گیا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے ایک مرتبہ پھر میدانِ جنگ کا رخ کیا۔ اس مرتبہ بھی اس کو مایوسی نے گھیر لیا۔ کیونکہ اہلِ اسلام کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس مرتبہ بھی وہ طلیحہ کے پاس حاضر ہوا۔ اس نے جب طلیحہ سے دریافت کیا کہ "کیا اب بھی جبرائیل آئے کہ نہیں"۔

طلیحہ نے کہا کہ ہاں آئے تھے۔ اس نے پوچھا کہ آپ یہ بتلائیں کہ وہ کیا کہہ کر گئے ہیں۔ طلیحہ نے کہا کہ "جبرائیل نے مجھ سے کہا کہ یہ جنگ تمہارے لیے اس طرح چکی کا پاٹ ثابت ہوگی جیسے عینیہ کے لیے اور ایک ایسا واقعہ ہوگا جو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔"

عینیہ نے اپنے دل میں کہا واقعی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ ایک ناقابل فراموش سانحہ ثابت ہوگی۔ اس نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "اے بنی فزارہ! ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ ایک طرح سے ایک ناقابل فراموش سانحہ ثابت ہوگی۔

اے بنی فزارہ ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ یہاں سے بھاگ چلو۔ اللہ کی قسم طلیحہ جھوٹا اور دغاباز ہے۔" اس کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ بنو فزارہ اپنے امیر کے حکم پر جنگ سے کنارہ کش ہو گئے۔ ان کے جاتے ہی جنگ کا رنگ ہی بدل گیا۔ تمام مرتدین بھاگے بھاگے طلیحہ کے پاس آئے اور کہنے لگے اب ہمارے لیے کیا حکم ہے۔ اس سے پہلے ہی اس نے اپنے اور اپنی بیوی نوار یا نویرا کے لیے دو عدد گھوڑے سفر کے لیے ساز و سامان سے درست تیار کر کے رکھے تھے۔ جب اس کی مفرور فوج نے اس کو آ کر گھیرا اور پھر پوچھا کہ اب کیا حکم ہے تو وہ لپک کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا دوسرے پر اس نے اپنی بیوی کو سوار کیا اور اسے لے کر بھاگ گیا۔

اپنے ساتھیوں سے بھی اس نے یہی کہا کہ جو میری طرح بھاگ کر جان بچا سکتا ہے وہ بھاگ جائے۔ طلیحہ نے حوشیہ کی راہ اختیار کی اور وہاں سے ملک شام کی

Marfat.com

طرف چلا گیا۔ اس کی جمعیت بالکل تتر بتر ہو چکی تھی۔ ان میں سے اکثر مارے گئے تھے۔ بنو عامر اپنے خاص و عام کے ساتھ یہاں سے قریب ہی بیٹھے ہوئے جنگ کے نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے اور قبائل سلیم اور ہوازن کا بھی یہی خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنو فزارہ اور طلیحہ کو بری طرح شکست دی اور برباد کر دیا۔

اس کے بعد یہ تمام قبائل از خود حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ جس دین کو ہم نے چھوڑا تھا ہم پھر اس میں داخل ہوتے ہیں۔ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے مال اور اپنی جانوں کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کے ہر فیصلہ کو تسلیم کرتے ہیں۔"

تاریخ طبری اول حصہ جلد چہارم صفحہ 52 پر رقم ہے کہ "ایک انصاری سے جو بزاغہ کے واقعہ میں شریک تھے، مروی ہے کہ اس واقعہ میں حضرت خالدؓ کو کسی شخص کے بیوی بچے بھی دستیاب نہ ہو سکے تھے کیونکہ بنو اسد کے تمام اہل و عیال محفوظ مقامات پر جا چکے تھے۔ اس کے متعلق یعقوب سے مروی ہے کہ بنو اسد کے بیوی بچے مثقب اور فلیج کے درمیان محفوظ تھے اور بنو قیس کے اہل و عیال فلیج اور واسطہ کے درمیان محفوظ تھے۔

حضرت خالدؓ کے ہاتھوں جب انہیں اپنی شکست یقینی دکھائی دینے لگی تو انہوں نے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ہلاکت کے خوف سے اسلام قبول کر لیا اور حضرت خالدؓ سے ان کے لیے امان طلب کی اور ان کے تعاقب سے باز رکھا۔

طلیحہ میدان جنگ سے بھاگ کر نقع میں بنو کلب کے پاس قیام پذیر ہو گیا اور دوبارہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ یہاں یہ خلیفۂ اول ابوبکر الصدیقؓ کی وفات تک مقیم رہا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اس وجہ سے دوبارہ مسلمان ہو گیا تھا کیونکہ جب اسے یہ اطلاع ملی کہ بنو اسد، بنو غطفان اور بنو عامر مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ بھی دوبارہ مسلمان ہو گیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے دور خلافت میں طلیحہ عمرہ کرنے کے لیے جب گیا تو اس کا گزر مدینہ طیبہ سے بھی ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ کو جب یہ اطلاع دی گئی کہ طلیحہ بھی موجود ہے تو آپؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اب میں اس کے ساتھ کیا کروں، جانے دو اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام کی ہدایت عطا فرما دی ہے۔

یہ بھی روایت ہے کہ طلیحہ نے مکہ مکرمہ میں عمرہ ادا کیا اور جب حضرت عمرؓ

Marfat.com

فاروق رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو اس نے آپؓ کے دست مبارک پر بیعت کرنا چاہی۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ "اے طلیحہ! تم چونکہ عکاشہ اور ثابت کے قاتل ہو، واللہ میں تمہیں کبھی پسند نہیں کر سکتا۔"

طلیحہ نے عرض کیا "یا امیر المومنین! آپ ان دونوں شخصیات کا غم کیوں کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں شہادت عطا فرمائی اور مجھے ان کے ہاتھوں سے ذلیل نہیں ہونے دیا۔" حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس گفتگو کے بعد اس سے بیعت لے لی۔ آپؓ نے اس سے دریافت فرمایا کہ "اے طلیحہ! تو بہت بڑا شعبدہ باز اور چالاک شخص ہے۔ یہ تو بتا کہ اب بھی کچھ فنکاری تجھ میں باقی ہے کہ نہیں؟"۔ اس نے ندامت سے کہا کہ "اے امیر المومنین! اب تو میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اب تو کچھ دم خم باقی نہیں رہا۔"

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جب سے ملک شام کے قبیلہ بنو قضاعہ میں پناہ حاصل کی تھی وہ برابر اس بات کا جائزہ لے رہا تھا کہ اب دینِ اسلام کی کیا کیفیت ہے۔ اسے یہ تو اندازہ ہو ہی چکا تھا کہ بہت ہی جلد اسلام ملک شام تک بھی پہنچ جائے گا۔ وہ جس قبیلہ میں مقیم تھا، اس میں بھی کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ طلیحہ ان لوگوں سے دریافت کیا کرتا تھا کہ اگر وہ دوبارہ اسلام قبول کر لے تو کیا اسے امیر المومنین معاف فرما دیں گے۔

اس اطمینان کے بعد کہ اسے کچھ نہیں کہا جائے گا، اس نے اسلام قبول کر لیا اور مکہ مکرمہ میں عمرہ کی غرض سے گیا۔ جیسا کہ آپ گزشتہ سطور میں پڑھ آئے ہیں کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے بازپرس نہیں کی تھی مگر اس نے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت فرمایا کہ بیعت تو تم کر ہی چکے اب ذرا یہ تو بتلاؤ کہ تم نے کیسے اپنے من گھڑت الفاظ کو وحیِ الٰہی قرار دے دیا تھا۔" طلیحہ نے عرض کیا "یا امیر المومنین! آپ میری کون سی وحی کا ذکر فرما رہے ہیں"۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا "اے طلیحہ! جس میں تم نے نماز کا مذاق اڑایا تھا اور کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے منہ پر خاک رگڑنے سے مستغنیٰ ہے

Marfat.com

اور وہ تمہاری پشت کی خمیدگی سے بھی بالکل بے نیاز ہے اور جھاگ تو صرف دودھ کے اوپر ہی اچھا لگتا ہے۔ تم لوگ اللہ کو صرف پرہیز گاری کے ساتھ کھڑے ہو کر یاد کیا کرو۔''

یہ سن کر طلیحہ نے ندامت سے عرض کیا ''یا امیر المومنین! یہ تو کفر کے ذلیل ترین فتنوں میں سے ایک فتنہ ہی تھا۔ اس فتنہ کو اللہ کریم نے معدوم فرما دیا۔ اب مجھ پر اس کے بعض عناصر کی وجہ سے کوئی الزام نہیں۔'' اس کے بعد حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ''اے طلیحہ! یہ تو بتلاؤ کہ اب تیری غیب دانی وغیرہ کا کیا حال ہے۔''

طلیحہ نے عرض کیا ''یا امیر المومنین! اس کے بھی اب دو چار دم ہی باقی رہ گئے ہیں۔'' یہ سن کر حضرت امیر المومنینؓ نے اس کو اجازت عطا فرمادی۔ جس کے بعد طلیحہ نے خود کو واقعتاً پرسکون محسوس کیا کہ چلو اب اپنے قبیلہ میں جانا آسان ہو جائے گا۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔

اس نے جب سے اسلام قبول کیا تھا، اسے صرف یہی فکر تھی کہ اس کی ملاقات کسی بھی طرح سیدنا امیر المومنین عمر بن خطابؓ سے ہو جائے۔ اپنی اس کوشش میں کسی حد تک کامیاب بھی رہا۔ اسے جلد ہی معلوم ہو گیا تھا کہ اب زیادہ بحث و مباحثہ مناسب نہیں کیونکہ حضرت فاروق اعظمؓ فضول قسم کی گفتگو قطعاً پسند نہیں فرماتے۔ چنانچہ اس نے نپے تلے الفاظ میں جو بھی کہنا تھا، کہہ ڈالا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرتِ عمر فاروقؓ سے رخصت ہو کر وہ اپنے قبیلہ میں واپس آیا اور اپنے گناہوں پر اظہارِ ندامت کرتا رہا۔ جن دنوں عراق اور ایران پر مسلمانوں نے قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا، طلیحہ بھی ان جنگوں میں شریک رہا اور بڑی بہادری دکھلائی مگر وہ اس کے بعد کہاں گیا یہ ہمیں تاریخ میں کہیں نہیں مل سکا۔

تاریخ طبری جلد اول حصہ چہارم صفحہ 53 پر ابن سیرین کا ایک بیان نقل ہے کہ اہل بزاخہ کی ہزیمت کے بعد بنی عامر نے کہا کہ ہم پھر اس دین میں داخل ہو جاتے ہیں جس کو ہم نے ترک کر دیا تھا۔ حضرت خالدؓ نے ان سے انہیں شرائط پر بیعت لی جو آپ نے اہل بزاخہ سے جن میں بنو اسد، بنو غطفان اور بنو طے شامل تھے، بیعت لی

Marfat.com

تھی۔ جبکہ ان سب نے اسلام قبول کرنے کی شرط پر اطاعت قبول کی تھی۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے بنو اسد، بنو غطفان، بنو ہوازن، بنو سلیم اور بنو طے سب پر یہ شرط لازم کر دی تھی کہ وہ ان تمام لوگوں کو جنہوں نے زمانۂ ارتداد میں اپنے یہاں کے مسلمانوں کو زندہ جلایا تھا اور ان کے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کیے تھے اور دیگر بہت سے مظالم کیے تھے ان کے حوالہ کر دیں۔ ان قبائل نے ان تمام لوگوں کو حضرت خالدؓ کے حوالے کر دیا۔ حضرت خالدؓ نے ان تمام قبائل کو اسلام کی بیعت کے بعد چھوڑ دیا۔ البتہ آپ نے قرۃ بن ہبیرہ اور اس کے چند ساتھیوں کو قید کر لیا تھا۔ مسلمانوں پر مظالم کرنے والوں کو آپ نے کڑی سزائیں دیں اور قرۃ بن ہبیرہ اور اس کے ساتھی مدینہ طیبہ روانہ کر دیئے گئے۔

ابو یعقوب سے مروی ہے کہ غطفان کے شکست خوردہ اور مفرور لوگ ام زمل سلمٰی کے پاس جمع ہوگئے تھے۔ یہ عورت مالک بن حذیفہ بن بدر کی بیٹی تھی۔ یہ اپنی ماں ام قرفہ بنت ربیعہ بن فلان بن بدر سے بالکل مشابہ تھی۔ ام قرفہ مالک بن حذیفہ کی بیوی تھی اور اس کے بطن سے مالک کی اولاد قرفہ، حکمہ، جراشہ، ام زمل، حصین شریک، عبد، زفر، معاویہ، حملہ، قیس اور لایا پیدا ہوئی تھی۔ یہ تمام مفرور سلمٰی کے پاس جمع ہو چکے تھے جس کے پاس اس کی ماں ام قرفہ کا اونٹ بھی تھا۔

یہ سب لوگ جب اس کے پاس جمع ہوگئے تو اس عورت نے ان سب کو ان کی شکست پر غیرت دلائی اور حضرت خالدؓ کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔ یہ لوگ جب آمادہ ہوگئے تو پھر تمام تر شکست خوردہ عناصر ان کے پاس جمع ہونا شروع ہوگئے۔

یاد رہے کہ سلمٰی وہی عورت ہے کہ ایک مرتبہ یہ اپنی ماں کی زندگی میں قید ہو کر مدینہ طیبہ آئی تھی اور حضرت عائشہؓ کے حصہ میں آئی تھی۔ آپ نے اس کو آزاد کر دیا مگر یہ ایک عرصہ تک ان کی خدمت میں رہی۔ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دیکھ کر حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ تم میں سے ایک حوب کے کتوں کو بھونکائے گی۔ سلمٰی نے مرتد ہو کر اس بات کو حرف بہ حرف سچ کر دیا۔

سلمٰی ظفر کے علاقہ میں قیام پذیر تھی۔ اس نے اپنے مقتولین کا بدلہ لینے کے لیے ظفر سے حوب تک بار بار چکر لگائے اور ایک بڑی فوج اکٹھی کی۔ حضرت خالد بن

Marfat.com

ولیدؓ کو جب اس کی خبر ہوئی تو اسی وقت آپؓ مجرموں کی گرفتاری، زکوٰۃ کی تحصیل، تبلیغِ اسلام اور لوگوں کی ذہنی تسکین میں خصوصی طور پر مصروفِ عمل تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اس اطلاع کے بعد اس عورت کو سبق سکھانے کے لیے ان کی طرف بڑھے مگر یہ دیکھ کر مسلمان حیران رہ گئے کہ اب اس عورت کی شان و شوکت اور طاقت و قوت بہت بڑھ چکی تھی اور اس کا مقابلہ کوئی آسان کام نہ رہا تھا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ اس کے اور اس کے حمائتیوں کے مقابل جنگ کے لیے خیمہ زن ہوگئے۔ اس کے بعد جو جنگ ہوئی وہ بہت ہی خونریز تھی۔ اس جنگ میں سلمیٰ اپنی ماں کی شان کی طرح ایک اونٹ پر سوار تھی اور اپنی فوج کو لڑوا رہی تھی۔ اس روز بنی غنم کا ایک خاندان خاسی، ہاریہ کا خاندان اور غنم کا خاندان تمام کے تمام صفحۂ ہستی سے نابود ہوگئے۔

جب جنگ زوروں پر تھی تو حضرت خالد بن ولیدؓ نے حکم دیا کہ اس اونٹ پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ اس اونٹ کو ذبح کر دیا گیا اور سلمیٰ کو قتل کرڈالا گیا۔ اس کے اونٹ کے گرد تقریباً ایک سو سلمیٰ کے جانثاروں کی لاشیں پڑی تھیں۔ اس میں مسلمانوں کو مکمل فتح نصیب ہوئی۔ (تاریخ طبری جلد اول، حصہ چہارم صفحہ 54 تا 56)

لعنت اللہ علی الکاذبین

Marfat.com

Marfat.com

مسیلمہ کذاب

تاریخ اسلامی میں دو ناموں نے اپنی بدکرداری اور بدعملی کی وجہ سے بڑی ہی بری شہرت حاصل کی۔ ان میں ایک نام تو ابوجہل کا ہے اور دوسرا نام مسیلمہ کذاب کا۔ یہ شخص بنو حنیفہ سے تعلق رکھتا تھا۔ بنو حنیفہ یمامہ کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔ اس کا اصل نام تو نہ جانے کیا ہوگا مگر اس نے تاریخ کے اوراق میں مسیلمہ کذاب کے نام سے جگہ حاصل کی۔

مسیلمہ کے باپ کا نام کبیر بن حبیب تھا۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کو مسیلمہ بن کبیر بھی کہا جاتا ہوگا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ عام طور پر اسے رحمانِ یمامہ بھی کہا جاتا تھا۔ یہ شخص اگرچہ ایک عمر رسیدہ شخص تھا مگر اس نے اپنا جسم بہت مضبوط بنا رکھا تھا اور اس میں جوانوں کی سی پھرتی پائی جاتی تھی۔

قبیلہ بنو حنیفہ کے لوگ اس سے بے حد متاثر تھے۔ اس کی پیشین گوئیاں تقریباً پوری ہو جایا کرتی تھیں۔ اگر کوئی پیشین گوئی پوری نہ بھی ہوتی تو یہ بات بنا کر لوگوں کو متاثر کرنے کا ماہر تھا۔ مگر جب اس نے دعوئ نبوت کیا تو اس کو رسول کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب کذاب کہہ کر پکارا تو پھر وہی رحمان یمامہ اب مسیلمہ کذاب بن گیا۔

صحیح مسلم، باب رویاء النبی میں درج ہے کہ ''مسیلمہ علاقہ یمامہ کے بنو بکر قبیلہ

Marfat.com

کی شاخ بنو حنیفہ کا سردار تھا۔ مسیلمہ بدصورت، پست قد اور چالاک و مکار واقع ہوا تھا۔ 10ھ میں اس کے قبیلہ کا ایک وفد مدینہ طیبہ آیا۔ مسیلمہ بھی اس میں شامل تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس نے عرض کیا کہ اگر آپ مجھے اپنا جانشین منظور فرمالیں تو میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتا ہوں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "میں اللہ کے احکام سے تجاوز نہیں کرسکتا۔ اس شرط پر اگر تم کھجور کی یہ چھڑی بھی مانگو تو نہ دوں۔"

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ میں جب یمامہ سے بنو حنیفہ کا ایک وفد دربارِ رسالت میں حاضر ہوا تو مسیلمہ بھی ساتھ تھا۔ اہلِ قبیلہ نے مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ کر ایک جگہ پڑاؤ کیا اور مسیلمہ کو اپنے سامان وغیرہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روایات کے مطابق اور اپنی بلند اخلاق اقدار کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اس وفد کے تمام اراکین کو تحائف عطا فرمائے۔

ان میں سے کسی نے یہ بتلایا کہ ہمارا ساتھی بھی ہے جو کہ ہمارے ساتھ نہیں آیا۔ وہ سامان کی حفاظت کررہا ہے۔ چنانچہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا حصہ بھی عطا فرمایا۔ یہی کرم کا وہ موقعہ تھا کہ جب اس نے اس بات کو بطور تاویل پیش کرنا شروع کردیا کہ مجھے بھی نبوت میں حصہ دار بنایا گیا ہے۔

روایت ہے کہ قبیلہ بنو حنیفہ کے رفتہ رفتہ جب تمام اراکینِ مشرف بہ اسلام ہوگئے تب بھی مسیلمہ نے قبول اسلام نہ کیا۔ اس وفد کے تمام اراکین اس بات پر حیران تھے کہ ہمار یہ دانا و بینا شخص جو کہ ہمارے ساتھ اسی ارادہ سے یہاں تک آیا ہے مگر ابھی تک اس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ آخرِ کار اس سے جب ان لوگوں نے زیادہ ہی پوچھا تو اس نے کہا کہ میں ذرا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے خود ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کروں گا۔

چنانچہ اس نے ملاقات کی اور اس کو اس میں بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اب قافلہ وہاں سے یمامہ کی طرف چل دیا۔ ایک جگہ جب قافلے نے پڑاؤ کیا تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اے مسیلمہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم سے تنہائی میں کیا باتیں کیں۔

Marfat.com

مسیلمہ پیدائشی کذاب تھا۔ اس نے پراسرار لہجہ میں کہا کہ ''میرے ساتھیو! میری بات کو غور سے سنو میں نے اسلام لانے کے لیے ایک شرط پیش کی تھی۔'' لوگوں نے حیران ہو کر اس بوڑھے گھاگ کو دیکھنا شروع کیا کہ بھلا اس نے کون سی شرط رکھی تھی۔ ان میں سے کئی ایک بے ساختہ بول اٹھے کہ اے مسیلمہ ہمیں یہ تو بتلاؤ کہ تم نے کون سی شرط رکھی تھی۔ ہم بھی تو سنیں کہ وہ کون سی ایسی شرط تھی کہ تم نے اب تک اس کا تذکرہ ہم سے نہ کیا۔ ہمیں ذرا صاف صاف الفاظ میں اور بات کو ذرا کھول کر بتا۔

''میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ شرط رکھی تھی کہ میں اس وقت تک ایمان نہ لاؤں گا جب تک وہ مجھے اپنی نبوت میں شریک نہ کرلیں اور اپنا جانشین نہ بنالیں۔ جس طرح حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ نے کیا تھا۔ اس شرط پر میں ایمان لاؤں گا۔'' مسیلمہ نے بڑے ہی اطمینان اور سکون کے ساتھ صاف جھوٹ بول دیا اور تا قیامت مسیلمہ کذاب کے نام سے مشہور ہوگیا۔

وفد کے تمام اراکین ہمہ تن گوش ہوگئے۔ یہ سب تو ابھی کچھ دن ہی پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے مگر اب ایک نئی صورتِ حال جنم لے رہی تھی۔ انہوں نے دھڑکتے دلوں کے ساتھ یک زبان ہو کر پوچھا کہ ''اے مسیلمہ! بھلا تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا جواب دیا؟''

کذاب ابن کذاب یعنی مسیلمہ کذاب نے انہیں کہا کہ ''جواب کیا انہوں نے دینا تھا، بلکہ ہم دونوں نے ہی ایک دوسرے کی نبوت کو مان لیا۔ حجاز میں محمد اور یمامہ میں میں مسیلمہ نبی۔ مجھے انہوں نے بلا تامل اپنا جانشین تسلیم کرلیا ہے۔ مگر تم لوگ حیران و ششدر کیوں ہو؟''

''تم یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہو۔ جب تم ملاقات کر کے آئے تھے تو چاہیے تو یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری موجودگی میں یہ اعلان فرماتے یا یہ کہ تم مدینہ طیبہ میں ہی یہ بات کرتے تا کہ ہم لوگ اس کی تصدیق کرلیتے۔ ہم تمہاری اس بات پر اس وقت تک ہرگز نہیں یقین کریں گے جب تک اس کی تصدیق مدینہ طیبہ سے نہ کرلیں۔'' ان لوگوں نے گومگو کی کیفیت میں اس سے کہا۔

''ہاں ہاں! تم لوگ بڑی خوشی کے ساتھ تصدیق کرسکتے ہو۔ تم میں سے کوئی

Marfat.com

ابھی مدینہ چلا جائے اور تصدیق کر آئے۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ مگر ایک بات میری بھی سن لو کہ جب تک تم لوگ میری نبوت پر ایمان نہیں لاؤ گے تم مسلمان نہیں کہلوا سکتے۔ تمہارا ایمان اسی وقت مکمل ہوگا جب مجھ پر بھی ایمان لاؤ گے۔'' مسیلمہ نے ایک طرح سے اپنی بات میں وزن پیدا کرتے ہوئے کہا۔

تاریخ طبری اور خلفائے راشدین از شاہ معین الدین ندوی نے صفحہ نمبر 40 پر درج کیا ہے کہ مسیلمہ نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لکھا کہ میں بھی آپ کے ساتھ نبوت میں شریک ہوں لہٰذا نصف دنیا آپ کی ہے اور نصف میری۔ آنحضور صلی اللہ عیہ وسلم نے جواب میں مسیلمہ کو کذاب کے لقب سے خطاب کرتے ہوئے لکھا کہ

''محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو! اما بعد دنیا اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے گا اس کا وارث بنائے گا اور انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے۔''

مسیلمہ نے اپنی نبوت کا پرچار اپنے قبیلہ میں شروع کر دیا تھا۔ اس کی تبلیغ کے ابھی تک خاطر خواہ نتائج نہیں نکل رہے تھے کہ اچانک ایک روز اسکی امیدیں بر آنے کی اسے راہ دکھائی دی۔ ہوا یوں کہ ایک روز اسے ایک ایسا شخص ملنے کے لیے آیا جو کہ مدینہ طیبہ سے آیا تھا۔ اس نے مسیلمہ سے کہا کہ ''اے مسیلمہ! میں مدینہ سے آیا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں بنو حنیفہ کے لوگوں کو بتاؤں کہ مسیلمہ کذاب ہے اور لوگ اس کی باتوں میں مت آئیں۔''

مسیلمہ نے اس کی بات بڑے غور سے سنی اور اس سے پوچھا کہ کیا وہ اس سے ملنے سے پہلے اپنے قبیلہ کے کسی دوسرے آدمی سے ملا ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں ابھی تک وہ صرف اسی سے ملا ہے اور اس نے ابھی تک کسی سے بھی یہ بات نہیں کی۔ یہ بات سن کر مسیلمہ کی خوشی دیدنی تھی۔ اس نے اس شخص سے کہا کہ اب بتلاؤ کہ میرے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ تو اس نے کہا کہ میں دولت اور جاہ وحشمت کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اپنے قبیلہ کی عزت کی وجہ سے تمہاری مدد و اعانت کروں گا۔ کیونکہ تمہارا تعلق اور میرا تعلق یمامہ اور بنو حنیفہ سے ہے۔

تاریخ طبری جلد اول صفحہ 79 پر درج ہے کہ ''اس کا پورا نام رحال بن عنفوہ

Marfat.com

بن نہشل ہے۔ یہ بنی حنیفہ کا ایک شخص تھا۔ اسلام لایا تھا اور سورۂ بقرہ اس نے پڑھی تھی۔ یہ جب یمامہ آیا تو اس نے مسیلمہ کے حق میں شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیلمہ کو بھی نبوت میں شریک کرلیا ہے۔ خود مسیلمہ کے ادعائے نبوت سے زیادہ رحال کے اس بیان کی وجہ سے اہلِ یمامہ ارتداد میں مبتلا ہوگئے۔ عام مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ وہ رحال کے طرزِ عمل کو دریافت کرتے تھے کہ اس کا کیا خیال ہے۔ کیونکہ ان کو یہ توقع تھی کہ چونکہ وہ مسلمان ہے اس لیے وہ یمامہ کے اس فتنہ کو جو ارتداد کی شکل میں نمودار ہوا ہے۔ مسدود کردے گا مگر اب تو معاملہ ہی برعکس ہوگیا تھا۔

تاریخِ طبری میں اس سے اگلے صفحے پر درج ہے کہ "حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں اور رحال بن عنفوہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے حاضرین مجلس! تم میں سے ایک شخص کی داڑھ جو احد سے بڑی ہوگی، قیامت کے روز دوزخ میں ہوگی۔ ان لوگوں میں سے اور سب لوگ تو اپنی اپنی راہ سدھارے، صرف میں اور رحال بن عنفوہ زندہ رہے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے برابر خائف تھا کہ اتنے میں، میں نے رحال کے خروج کی خبر سنی تو مجھے اپنے متعلق اطمینان حاصل ہوا اور اس کے ساتھ ہی مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا وہ بالکل بجا اور درست ہے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رحال کو طلب کر کے اسے ہدایات دیں اور اسے اہل یمامہ کے پاس روانہ فرمایا۔ چونکہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر وہ مدینہ طیبہ آیا تھا چنانچہ اہل یمامہ اسے سچا مومن ہی سمجھتے رہے۔ حالانکہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں ایک جماعت کے ساتھ جس میں رحال بن عنفوہ بھی تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ عیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ایک ایسا شخص بھی ہے کہ جس کا دانت جوحَد سے بڑا ہے دوزخ میں جل رہا ہے۔ اس صحبت کے اور سب تو مر گئے تھے میں اور رحال ہی زندہ تھے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس

Marfat.com

وعید سے خائف تھا کہ رحال نے مسیلمہ کے ساتھ خروج کیا اور اس کی نبوت کی گواہی دی۔ اب اسلام کو مسیلمہ سے بڑھ کر رحال کے مرتد ہونے سے نقصان کا اندیشہ کہیں زیادہ تھا۔"

رحال جب طلیحہ سے مل کر اپنے گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ تمام اہل خانہ اس کی آمد کے بڑی بے چینی سے منتظر تھے۔ انہوں نے سب سے پہلا سوال اس سے یہی کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیلمہ کی نبوت کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے؟ رحال کے سبھی اہل خانہ مسلمان ہو چکے تھے مگر مسیلمہ کے دعویٰ نے ان کو ایک طرح سے تذبذب میں مبتلا کر رکھا تھا۔

انہوں نے جب رحال سے دریافت کیا تو اس نے بڑی ہی لاپرواہی سے جواب دیا کہ "رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ ہاں مسیلمہ بھی میرے ساتھ نبوت میں شریک ہے۔ میں بھی نبی ہوں اور مسیلمہ بھی نبی ہے۔" مسیلمہ کے اہلخانہ کے طرز عمل سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ جیسے وہ اسی خبر کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ لوگ بڑی ہی تیزی کے ساتھ تمام کام کاج چھوڑ کر مسیلمہ کے پاس آئے اور اس پر ایمان لانے کا اعلان کیا۔

ادھر یہ خبر بھی پھیل چکی تھی کہ رحال مدینہ طیبہ سے واپس آ گیا ہے اور وہ سب کو بتلائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیلمہ کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے۔ جبکہ یہ خبر بھی بجلی کی سی سرعت کے ساتھ یمامہ میں پھیل گئی کہ رحال کے اہل خانہ نے علی الصبح مسیلمہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ لوگ جوق در جوق ایک کھلے میدان میں جمع ہونے لگے۔

مسیلمہ وہاں پر ایک نمایاں جگہ پر بیٹھ گیا اور خاموشی کے ساتھ لوگوں کو آتے ہوئے دیکھتا رہا۔ آخر جب سب لوگ وہاں پہنچ گئے تو رحال اپنی جگہ سے اٹھا اور لوگوں کو مخاطب کر کے اس نے تقریر شروع کی مگر وہ ابھی یہی کہہ پایا تھا کہ "میری قوم کے لوگو! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ مسیلمہ بھی نبی ہے اور میرے ساتھ نبوت میں شریک ہے۔" تو وہاں پر موجود تمام لوگ بیتابانہ مسیلمہ کی طرف بیعت کے لیے دوڑے۔

درحقیقت یہ قبائلی عصبیت ہی تھی کہ جس نے ان لوگوں کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ وہ

Marfat.com

یہ دیکھ چکے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کی وجہ سے بنو قریش کو پورے عرب پر ایسی فضیلت حاصل ہوگئی ہے چنانچہ انہوں نے بھی یہی سوچا کہ یہی ہمارے لیے افضل ہے کہ ہم لوگ بھی اپنے نبی کی حمایت کریں اس طرح ہمارا قبیلہ بھی مشہور ہو جائے گا اور قریش کی طرح ہم بھی فضیلت کے حق دار ٹھہریں گے۔

اگرچہ اہل یمامہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ مسیلمہ نبی نہیں ہے مگر انہوں نے اس کی مدد اور اعانت کا فیصلہ کرلیا۔ ان لوگوں نے مسیلمہ سے معجزات بھی طلب نہیں کیے مگر ان کے اس طرزِ عمل نے درحقیقت مسیلمہ کی قوت میں بے حد اضافہ کردیا۔ اہل یمامہ نے جس طرح اس کی حمایت کی تھی اس کا تو مسیلمہ کو بھی اندازہ نہ تھا۔ وہ تو اس بات پر ہی حیران ہو رہا تھا کہ کس قدر آسانی کے ساتھ وہ معتبر حیثیت حاصل کر گیا تھا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیلمہ نے جب یہ دیکھا کہ پورے یمامہ میں اس کی نبوت کو تسلیم کرلیا گیا ہے تو اس نے اپنے احکامات اور الہامات کو لوگوں تک پہنچانا شروع کر دیا۔ اس کے باطل عقائد و احکامات میں یہ بھی شامل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرے اس کے نزدیک یہ مقولہ کفر تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی غیر اللہ کو سجدہ کرنے کا حکم دے۔

اس نے اپنے اس عقیدہ کا پرچار بھی کیا کہ یہ مت کہو کہ اللہ کا جسم نہیں یہ تو عین ممکن ہے کہ اس کا جسم بھی ہو مگر وہ اجسام مخلوق میں نہ ہو۔ اس کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ، ناک، کان اور آنکھیں انسانوں جیسی نہیں ہیں بلکہ یہ تو کسی اور ہی ہیئت کی ہیں۔

مسیلمہ کا یہ بھی کہنا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی زندگی میں تو قبلہ کی کوئی بھی سمت متعین نہ کی گئی تھی یہ سب کچھ تو ان کے بعد کیا گیا ہے چنانچہ یہ ان کے اصحاب کی بدعت ٹھہری۔ اس نے ایک نیا شوشہ چھوڑا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آگاہ فرمایا ہے کہ محراب کی طرف خصوصیت کے ساتھ منہ کرنا اور سمت متعین کرنا درست نہیں۔ اس نے یہ کہہ کر اپنے امتیوں کو خوش کردیا کہ بھلا کسی گھر کو قبلہ بنانا کہاں کا انصاف ہے اور کیا یہ درست ہے۔ ہرگز نہیں۔ کسی گھر کو ہرگز ہرگز قبلہ نہیں بنایا جاسکتا۔ اس نے ان لوگوں کو عام اجازت دے دی کہ نماز ادا کرتے وقت وہ ہرگز قبلہ کا تعین نہ کریں بلکہ جس طرف چاہیں رخ کر کے نماز ادا کریں۔ اس نے یہ بھی ان لوگوں کو حکم دیا کہ نماز

Marfat.com

سے پہلے یہ نیت کرلیا کریں کہ میں بے سمت نماز ادا کر رہا ہوں۔

یہ ایسی بات تھی کہ اس کے ماننے والے بڑے خوش ہوئے کیونکہ اس طرح انہیں مکہ مکرمہ کی تکریم و تعظیم بھی نہیں کرنا پڑتی تھی اور ایک طرح سے وہ حج سے بھی فارغ ہوگئے تھے۔ دوسرے یہ کہ مسیلمہ کے اس حکم کے بعد تو ان لوگوں کے نزدیک نماز محض ایک مذاق ہی بن کر رہ گئی تھی۔

تاریخ طبری جلد اول حصہ چہارم صفحہ نمبر 73 پر رقم ہے کہ ''عبدالرحمٰن بن النواحہ اس کا مؤذن تھا اور مجیر بن عمیر نماز کی اقامت کہا کرتا تھا۔ یہی مسیلمہ کی نبوت کی شہادت دیا کرتا تھا۔ مگر جب شہادت کے الفاظ کے ادا کرنے کا موقع آتا تو مسیلمہ مجیر کو حکم دیا کرتا کہ بلند آواز سے اعلان کرو۔ وہ اور زیادہ بلند آواز سے مسیلمہ اور رحال کی تصدیق کے کلمات کہتا اور مسلمانوں کو گمراہ بناتا۔ اسی طرح بنو حنیفہ پر رحال کا اثر کافی بڑھ گیا۔''

تاریخ طبری میں ہی ایک روایت اثال الحنفی سے مروی ہے جو کہ ثمامہ بن اثال کے ساتھ معرکوں میں شریک تھے کہ مسیلمہ کی یہ کوشش تھی کہ وہ ہر شخص کو خوشامد اور دلداری سے اپنا بنالے۔ اس کو اس بات کی قطعاً پرواہ نہ تھی کہ لوگ اس طرح اس کی کوتاہیوں سے آگاہ ہو جائیں گے۔ اس کے ہمراہ نہار الرحال بن عنفوہ بھی تھا۔ یہ شخص مہاجرین میں سے تھا۔ اس نے کلام پاک پڑھا اور امور شریعہ میں دستگاہ حاصل کی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اہل یمامہ کا معلم مقرر فرمایا تھا۔

اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ شخص مسیلمہ کے دعویٰ کی تردید کرے اور اس طرح مسلمانوں کے لیے اس کا کردار باعث تقویت ہو۔ مگر یہ مرتد ہو کر مسیلمہ کے ساتھ مل گیا۔ بنی حنیفہ پر اس کے ارتداد کا مسیلمہ کے دعویٰ نبوت سے کہیں زیادہ برا اثر پڑا۔ اس لیے کہ مسیلمہ کے لیے اس بات کی اس نے گواہی دی کہ اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بیان کرتے سنا ہے کہ مسیلمہ کو میرے ساتھ نبوت میں شریک کردیا گیا ہے۔ اس کی اس شہادت کو سبھی نے تسلیم کرلیا اور اس کی اطاعت قبول کی اور انہوں نے مسیلمہ سے کہا کہ تم نبی سے مراسلت کرو اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں تو پھر ہم ان کے مقابلہ پر تمہاری ہر طرح سے اعانت کریں گے۔

Marfat.com

اسی نہار الرحال بن عنفوہ کا ان پر اس قدر اثر و نفوذ تھا کہ وہ جو بات بھی کہتا بنی حنیفہ اسے من وعن مان لیتے تھے اور اس کی مکمل اتباع کرتے تھے۔ وہ لوگ ہر قسم کے تصفیہ کے لیے اسی سے رجوع کرتے اور اس کے ہر فیصلہ کو دل و جان سے تسلیم کرتے تھے۔

اس طرح رفتہ رفتہ رحال کا اثر بنی حنیفہ میں بھی حد درجہ ہوگیا۔ اس نے یمامہ میں ایک حرم بھی متعین کیا۔ یہ ایک وسیع و عریض خطہٗ اراضی پر محیط تھا۔ اس کی حدود میں بنی سید کی شاخ احالیف کے چند دیہات بھی آ گئے۔ ان احالیف میں بنو نمارہ، بنو نمر، بنو حارث اور بنو جروہ کے قبائل شامل تھے۔ اس حرم کو مقدس قرار دے کر اس میں عوام الناس کی آمد و رفت کو روک دیا گیا۔

اب یہ ہونا شروع ہوا کہ یہ لوگ اہل یمامہ میں لوٹ مار کرتے اور حرم میں آ کر روپوش ہو جاتے۔ اگر کبھی کبھار یہ ہوتا کہ اہلِ یمامہ ان کی یورش سے پہلے باخبر ہو جاتے اور ان سے مقابلہ کر کے ان کو مار بھگاتے تو وہ حرم کی حدود میں داخل ہو جاتے۔ تعاقب کرنے والوں کو حدود پر ہی روک دیا جاتا کہ تم لوگ اس حدود کے اندر نہیں جا سکتے کیونکہ یہی نبی کا حکم ہے۔

رفتہ رفتہ ان کی کارروائیوں میں شدت آتی گئی چنانچہ اہل یمامہ نے اس کی باقاعدہ شکایت اپنے نبی سے کی۔ مسیلمہ کذاب نے ان سے کہا کہ تم لوگ اطمینان رکھو۔ میں اس سلسلہ میں آسمان سے وحی کے آنے کا انتظار کرتا ہوں اس کے بعد میں اس کا فیصلہ کروں گا۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اس نے پراسرار الہامی انداز میں کہنا شروع کیا ”قسم ہے اچانک پھیل جانے والی رات کی، سیاہ بھیڑیے اور سر بریدہ کھجور کے درخت کی، اسید نے قانونِ حرم کی خلاف ورزی نہیں کی۔“ احالیف نے تعجب سے کہا کہ جناب عالی کیا حرم میں غارت گری کرنا اور زراعت برباد کرنا جرم نہیں ہے؟ اس فیصلہ کے بعد بنی اسید نے پھر غارت گری کی اور احالیف یعنی حلیف قبائل دوبارہ فریاد لے کر مسیلمہ کے پاس آئے۔

مسیلمہ نے ان کی بات بڑے تحمل سے سنی کیونکہ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ

Marfat.com

بڑا تحمل کرنے والا شخص تھا اور اس کو کبھی کسی نے غصہ میں نہیں دیکھا تھا۔ اس نے ان کی بات سن کر کہا کہ اچھا ٹھہرو دیکھتے ہیں کہ وحی میں کیا حکم آتا ہے۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا ''قسم ہے سیاہ رات اور نڈر بھیڑیے کی، رسید نے خشک اور تر کی زراعت کو برباد نہیں کیا۔''

احالیف بڑے حیران ہوئے انہوں نے چیں بہ چیں ہو کر کہا کہ حضور والا کیا نخلستان بار آور نہ تھے جن کو انہوں نے قطع کیا اور کیا کھیتیاں تیار نہ تھیں کہ جن کو انہوں نے برباد کیا۔ مسیلمہ نے کہا کہ خاموش ہو جاؤ اور اب تم لوگ واپس چلے جاؤ کیونکہ وحی کے بعد اب تمہارا کوئی حق نہیں۔

اسی طرح مسیلمہ اپنے پیروکاروں کے سامنے بنی تمیم کے متعلق یہ الہام پڑھا کرتا تھا ''بنی تمیم پاک جوانمرد ہیں۔ ان میں کوئی بھی برائی یا تساہل نہیں ہے۔ ہم اپنی زندگی بھر ان کی لغزشوں کو احسان کر کے درگزر کرتے رہیں گے۔ ہر شخص کے مقابلہ میں ان کی حفاظت کریں گے اور جب ہم مر جائیں گے تو پھر ان کا معاملہ اللہ رحمان سے ہے۔''

مسیلمہ کذاب کا ایک الہام کچھ یوں تھا کہ ''قسم ہے بکری کی اور اس کے رنگوں کی اور سب سے تعجب انگیز اس کا سیاہ رنگ اور اس کا سفید دودھ ہے۔ سیاہ بکری اور سفید دودھ کس قدر عجیب بات ہے۔ دودھ میں پانی ملانا حرام کر دیا گیا ہے پھر کیوں تم کو شرم نہیں آتی۔''

ایک اور الہام یہ تھا ''اے مینڈکی، مینڈک کی بیٹی، تو کس قدر صاف اور پاک ہے۔ تیرا بالائی حصہ پانی میں رہتا ہے اور زیریں حصہ مٹی اور کیچڑ میں، تو نہ پانی پینے والے کو روکتی ہے اور نہ پانی کو مکدر کرتی ہے۔''

ایک الہام کچھ یوں تھا ''قسم ہے کھیت میں بیج ڈالنے والوں، فصل بونے والوں کی، دانہ نکالنے والوں کی، پھر چکی میں آٹا پیسنے والوں کی، روٹی پکانے والوں کی، ان کو چورہ کر کے ملیدہ بنانے والوں کی اور پھر لقمہ بنا کر کھانے والوں کی جو چربی اور مکھن سے کھاتے ہیں۔ اے ساکنانِ بادیہ تم کو فضیلت دی گئی ہے اور شہری تم سے کسی بات میں آگے نہیں ہیں۔ اپنے علاقے کی مدافعت کرو، غریب کو پناہ دو اور

Marfat.com

بدمعاش کو اپنے یہاں سے ہر ممکن طریقہ سے نکال دو۔''

تاریخ طبری جلد اول حصہ چہارم کے صفحہ 76 پر درج ہے کہ عمیر بن طلحہ النمری نے اپنے باپ کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ جب وہ یعنی طلحہ النمری یمامہ آیا تو اس نے سنا کہ مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس نے سوچا کہ چلو اس سے مل کر تصدیق کرتے ہیں۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس کے مسیلمہ کے ساتھ تعلقات بھی استوار رہے ہوں۔

اس نے جب یہ معلوم کرنا چاہا کہ مسیلمہ کہاں ہے تو اس کو خاصی تگ و دو کرنا پڑی۔ وجہ یہی ہی ہوگی کہ مسیلمہ نے اب عام لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا ہوگا اور وہ اپنے قائم کردہ حرم میں جو کہ وسیع رقبہ پر محیط تھا رہتا ہوگا۔ اس نے جب لوگوں سے پوچھا کہ مسیلمہ کہاں ہے تو لوگوں نے اس کو ڈانٹ کر کہا کہ اے بے ادب یہ تو کیا کہتا ہے اگر پوچھنا ہی ہے تو یہ پوچھا کہ مسیلمہ رسول اللہ کہاں ہیں۔

وہ بھی ایک کائیاں شخص تھا۔ اس نے بڑی متانت سے جواب دیا کہ بھائیو تم لوگ بھی درست ہی کہہ رہے ہو مگر میں جب تک اس سے بالمشافہ ملاقات نہ کرلوں بھلا کس طرح اس کو رسول اللہ کہہ سکتا ہوں۔

چنانچہ مسیلمہ کے پیروکاروں نے اس کی ملاقات کروانے کا بندوبست کردیا۔ جب اس نے پوچھا کہ ''اے مسیلمہ! کیا تم ہی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے!'' مسیلمہ نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا کہ ہاں میں ہی نبی ہوں۔ اس نے دریافت کیا کہ ''اے مسیلمہ! یہ تو بتلاؤ کہ تمہارے پاس وحی آتا ہے؟'' مسیلمہ نے گھڑا گھڑایا جواب دیا کہ ''رحمان آتا ہے۔''

طلحہ النمری نے دریافت کیا ''کیا وہ روشنی میں آتا ہے کہ ظلمت میں آتا ہے؟'' مسیلمہ نے جواب دیا ''وہ میرے پاس ظلمت یعنی اندھیرے میں آتا ہے۔'' طلحہ النمری چلا اٹھا ''واللہ! میں شہادت دیتا ہوں کہ تو جھوٹا ہے اور محمد صادق ہیں''۔

یہ کہہ کر وہ کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر بڑی گھمبیر آواز میں بولا کہ ''اے مسیلمہ! اگرچہ میں یہ جانتا ہوں کہ تو جھوٹا ہے اور محمد سچے نبی ہیں مگر میں پھر بھی ربعہ کے کذاب کو عرب کے صادق پر ترجیح دیتا ہوں۔''

Marfat.com

طلحہ النمری کے یہ کہہ کر اس نے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ یہ شخص آخر تک اس کے ساتھ ہی رہا اور آخرِ کار جنگ عقرباء میں واصل جہنم ہوا۔

اب ہم بات کریں گے ان معجزات کی جو مسیلمہ کذاب نے اپنی نبوت کے ثبوت کے طور پر دکھانے کی کوشش کی۔ ایک مرتبہ ہوا یوں کہ مسیلمہ کے پاس ایک عورت آئی۔ اس کا تعلق بنی حنیفہ کے ساتھ تھا اور اس کا نام ام الہیثم تھا۔ اس نے بڑی عقیدت اور نیاز مندی سے مسیلمہ سے کہا کہ "اے نبی محترم! ہمارے نخلستانوں میں اب پہلے جیسے پھل پیدا نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ ہمارے کنوؤں میں بھی پانی بہت کم رہ گیا ہے۔ براہ کرم آپ ہمارے نخلستانوں کی شادابی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔

آپ اس طرح دعا کریں جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اہلِ یزمان کے لیے دعا کی تھی۔" اب بھلا مسیلمہ کو کیا معلوم تھا کہ اہل یزمان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا تھا۔ اس نے تنہائی میں نہار الرحال بن عنفوہ سے دریافت کیا کہ "اے رحال! مجھے بتلاؤ کہ اہل یزمان کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا؟

نہارالرحال نے اس سے پوچھا کہ اصل بات کیا ہے اور وہ کیوں یہ خاص طور پر پوچھ رہا ہے۔ چنانچہ مسیلمہ نے اسے بتلایا کہ ایک عورت اس طرح اس کے پاس آئی تھی اور اس نے حوالہ اس واقعہ کا دیا تھا کہ اسی طرح دعا کرو کہ جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کی تھی۔

نہار الرحال نے یہ سن کر کہا کہ "اے مسیلمہ! ہوا یوں تھا کہ ایک مرتبہ اہل یزمان نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے کنوؤں میں پانی بہت ہی کم رہ گیا ہے اور نخلستان بھی بار آور نہیں رہے۔ چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی۔ اس کے بعد ان کے کنوؤں میں اس قدر پانی آیا کہ وہ ابل پڑے اور نخلستان اس قدر بار آور ہوئے کہ پھل کے بوجھ سے ان کی [illegible] اس طرح زمین سے لگ گئیں کہ پھر وہ خو[illegible]ت کی جڑیں ہو گئیں اور ان کو قطع کرنا پڑا اور پھر وہ نہایت سیدھی اور بلند ہو گئیں اور سرسبز ہو گئیں۔"

مسیلمہ نے بڑے غور کے ساتھ نہار الرحال کی تمام تر باتیں سنیں اور پھر اس سے پوچھا کہ "اے رحال! یہ تو بتلاؤ کہ انہوں نے کنوؤں کے ساتھ کیا ترکیب اختیار کی

Marfat.com

تھی۔ مجھے بھی تو بتا کہ آخر وہ طریقہ کیا تھا جس کو اختیار کرنے سے یہ سب کچھ ہوا؟"

نہار الرحال نے اس کو بتلایا کہ "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کا ایک ڈول ان سے منگوایا تھا پھر انہوں نے اہل یزمان کے لیے دعا فرمائی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے اس ڈول میں سے تھوڑا سا پانی لے کر اپنے منہ میں ڈال کر غرارہ کیا اور اس پانی کو غرارہ کرنے کے بعد اسی ڈول میں ڈال دیا۔ انہوں نے اس کے بعد اہل یزمان سے فرمایا تھا کہ تم لوگ یہ پانی لے جاؤ اور اس میں سے کچھ پانی اپنے کنوؤں میں ڈال دو اور کچھ پانی اپنے نخلستانوں میں بھی ڈال دو۔ ان لوگوں نے ویسے ہی کیا جیسا انہیں حکم دیا گیا تھا اور پھر ایسا ہی نتیجہ نکلا تھا جیسا کہ میں نے ابھی کچھ ہی دیر پہلے بتلایا ہے۔"

مسیلمہ کذاب نے اس عورت کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ ایک پانی سے بھرا ہوا ڈول لیکر آئے۔ وہ پانی سے بھرا ڈول لے کر آئی تو اس کے ساتھ اس کے قبیلہ کے چند اور لوگ بھی تھے۔ مسیلمہ نے پہلے تو ان کے لیے دعا مانگی اور پھر اس ڈول میں سے تھوڑا سا پانی لیکر اپنے منہ میں ڈال کر غرارہ کر کے دوبارہ اسی ڈول میں ڈال دیا۔

اس نے ان لوگوں سے کہا کہ اب تم لوگ یہ پانی لے جاؤ اور اس میں سے کچھ پانی اپنے کنوؤں میں اور نخلستانوں میں ڈال دو۔ ان لوگوں نے بڑی عقیدت کے ساتھ اس ڈول کو پکڑا اور چل دیئے اپنے علاقے کی طرف۔ انہوں نے ویسا ہی عمل کیا مگر کچھ ہی دنوں کے بعد یہ ہوا کہ کنوؤں میں پانی مزید کم ہوگیا اور ان کے نخلستان بھی مزید خشک ہوگئے۔ اس عمل کو کچھ عرصہ گزرا مگر جب وہ یہ بتلانے کے لیے مسیلمہ کے پاس آئے تو مسیلمہ کا قصہ پاک ہو چکا تھا یعنی وہ واصل جہنم ہو چکا تھا۔

ایک روز نہار الرحال نے مسیلمہ سے کہا کہ "اے مسیلمہ! تم ایسا کرو کہ بنی حنیفہ کے نوزائیدہ بچوں کو برکت دیا کرو۔" مسیلمہ نے پوچھا کہ اچھا مجھے یہ بھی تو بتلاؤ کہ برکت کس طرح دی جاتی ہے، مجھے اس کے لیے کیا کرنا پڑے گا؟" نہار الرحال نے اس کو بتلایا کہ "میں نے یہ دیکھا ہے کہ اہل حجاز کے لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ اس کو لے کر دعائے برکت کے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آتے اور وہ اس کی تھوڑی اور سر پر ہاتھ پھیرتے تھے۔

اس کے بعد نہار الرحال نے لوگوں سے کہا کہ اپنے نوزائیدہ بچوں کو برکت کی

Marfat.com

دعا کے لیے مسیلمہ کے پاس آیا کریں۔ چنانچہ جو بھی بچہ وہاں پیدا ہوتا تو وہ لے کر اس کے پاس آجاتے۔ مگر ہوا یہ کہ اس نے جس جس بچہ کی ٹھوڑی اور سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کا چہرہ مسخ ہوگیا اور اس کی زبان میں لکنت پیدا ہوگئی مگر اس کا علم ان لوگوں کو اس وقت ہوا جب مسیلمہ اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔

مسیلمہ کے قریبی بدبختوں نے ایک روز اس سے کہا کہ ''اے ہمارے نبی! تم بھی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی طرح اپنے امتیوں کے باغوں میں چلو اور وہاں پر نمازیں پڑھو۔'' چنانچہ مسیلمہ ان کے ہمراہ ایک باغ میں چلا گیا۔ اس نے وہاں جا کر وضو کیا اور جب اس نے وضو کرلیا تو نہار الرحال نے اس باغ کے باغبان سے کہا کہ ''تم نبی صاحب کے وضو کا پانی لے کر کیوں نہیں اپنے باغ کو سیراب کرتے۔ اس سے تمہارا باغ سیراب اور شاداب ہو جائے گا جیسا کہ اس سے پہلے بنی حنیفہ کے بنی مہریہ کر چکے ہیں۔''

واقعہ کچھ یوں تھا کہ ایک مرتبہ یمامہ سے کچھ لوگ بنی مہریہ سے مدینہ طیبہ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان لوگوں کے سامنے وضو فرمایا تو ان لوگوں نے وہ پانی حاصل کر کے محفوظ کرلیا اور اپنے ساتھ یمامہ لے آئے۔ انہوں نے وہ پانی اپنے کنویں میں ڈال دیا۔

اس پانی کی برکت سے یہ ہوا کہ اس کنویں کا پانی کناروں تک بڑھ گیا اور جب انہوں نے اس کنویں کے پانی سے اپنی زمینوں کو سیراب کیا تو وہ خشک زمینیں سرسبز اور شاداب ہوگئیں۔ اور ان میں اس قدر زیادہ زراعت ہوئی کہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ مسیلمہ نے یہ تمام واقعہ سن کر ہی اس باغ کی طرف رخ کیا تھا۔ اس باغبان نے نہار الرحال کے کہنے کے مطابق مسیلمہ کے وضو کا پانی لے کر اپنے باغ کے کنویں میں ڈالا اور اس کے پانی سے اپنے باغ کو بھی سیراب کیا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا باغ بالکل خشک ہوگیا اور کنواں بھی پانی سے خالی ہوگیا مگر نتیجہ اس وقت ظاہر ہوا جب مسیلمہ واصل جہنم ہو چکا تھا۔

اسی طرح ایک شخص مسیلمہ کے پاس آیا اور اس نے اس سے کہا کہ ''اے نبی

Marfat.com

محترم! میری زمین شور زدہ ہوگئی ہے۔ براہ کرم آپ اس کے لیے دعا کیجئے جس طرح کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سلمٰی کی زمین کے لیے کی تھی۔'' مسیلمہ نے نہار الرحال کو اپنے قریب کیا اور اس سے پوچھا کہ ''اے رحال! یہ شخص کیا کہہ رہا ہے، مجھے اصل واقعہ بتلا کہ ہوا کیا تھا؟''

نہار الرحال نے آہستہ آہستہ بتلانا شروع کیا کہ ''اے مسیلمہ! ایک مرتبہ سلمٰی جس کی زمین شور ہوگئی تھی وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا اور ان سے اس نے دعا کروائی۔ انہوں نے پانی کے ایک ڈول میں کلی کر کے پانی اسے واپس دیا اور اس نے اس ڈول کو اپنے کنویں میں ڈال دیا۔ اس پانی سے اس نے اپنی زمین سیراب کی تو اس کی زمین پھر سے سرسبز و شاداب ہوگئی اور ایک مرتبہ پھر قابل کاشت ہوگئی۔

مسیلمہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس نے اس شخص سے کہا کہ ایک پانی سے بھرا ہوا ڈول لے کر آ۔ جب وہ پانی سے بھرا ڈول لے آیا تو اس نے اس میں سے پانی لے کر کلی کی اور اس کو کہا کہ یہ پانی اپنے کنویں میں ڈال دے۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا مگر اس کے کنویں میں بھی پانی کم سے کم تر ہوگیا اور اس کی زمینوں میں بھی شور زیادہ ہوگیا یعنی بالکل ہی برباد ہوگئیں۔

اسی طرح اس کے پاس ایک عورت آئی اور اس کو دعا کروانے کے لیے اپنے ساتھ اپنے باغ میں لے گئی تاکہ اس کا باغ اور زیادہ پھلے پھولے۔ مسیلمہ نے اس باغ میں جا کر دعا کی۔ اس کی دعا نے اپنا بہت زبردست اثر دکھایا۔ مگر یہ ظاہر اس وقت ہوا جب مسیلمہ ذلیل و خوار ہو کر قتل ہو چکا تھا۔ یہ زبردست اثر یہ تھا کہ اس باغ کے تمام خوشے خشک ہو کر جھڑ گئے تھے مگر اس کی شکایت کرنے وہ کہاں آتے کیونکہ ان کو یہ تو معلوم ہو ہی چکا تھا کہ ان کا نبی ایک جعل ساز شخص تھا جو اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔

مسیلمہ نے جو شریعت ایجاد کی تھی وہ بھی اسی کی طرح بالکل بے سرو پا قسم کی تھی۔ مگر اس نے یہ لحاظ ضرور رکھا تھا کہ معاشرہ کے بدقماش ترین افراد جلد از جلد اس کے چنگل میں پھنس جائیں اور ہوا بھی یہی۔ وہ لوگ جو کسی بھی مذہب سے بیزاری کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں انہیں جب مذہب کے اندر رہتے ہوئے بداعمالی کو انجام دینے کا موقع ملے تو پھر انہیں اور بھلا کیا چاہیے تھا۔

Marfat.com

مسیلمہ نے جو شہرت اور کامیابی بہت جلد حاصل کرلی تھی اس میں ایک تو قبائلی عصبیت تھی اور دوسرے اس کے غیر اخلاقی قوانین۔ ان قوانین کو یقیناً کوئی بھی مذہب یا معاشرہ قبول نہیں کرسکتا۔ مگر اس نے یہ قوانین بطور نبی نافذ کروائے تھے۔ درحقیقت وہ خود ایک نفسیاتی مریض تھا جو بہت جلد شہرت اور کامیابی حاصل کرنے کا خواہش مند بھی تھا۔

مسیلمہ نے جو کام بھی کیا، کمال کیا۔ شراب کو اس نے سب سے پہلے حرام سے حلال قرار دے کر اپنے پیروکاروں کے دل جیت لیے۔ اب اس کے پیرو کھلے عام شراب بناتے اور پیتے پلاتے تھے اور وہ ایسا کیوں نہ کرتے یہ تو ان کے نبی کا حکم تھا۔ اس نے دوسرا قبیح فعل یہ کیا کہ زناء کو مباح قرار دے دیا۔ زناء کو یا غیر قانونی اختلاط کو اس نے یہ کہہ کر جائز قرار دیا کہ انسان کو قدرت نے آزاد پیدا کیا ہے پھر اس درجہ سخت پابندیاں کیوں لگائی جائیں۔

یہ ایسا فیصلہ تھا کہ اس کی طرف ہر جانب سے بدفعل اور بدقماش افراد جوق درجوق آنے لگے۔ اس ملعون نے ایک طرف تو زناء کاری کی حوصلہ افزائی کی مگر دوسری طرف اس نے شادی پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کردیں۔ اس کا ایک حکم بالکل ہی غیر فطری اور غیر اخلاقی تھا۔ وہ یہ کہ اگر کسی شخص کے ہاں بیٹا پیدا ہو جائے تو پھر وہ کسی بھی حال میں اپنی بیوی کے پاس نہ جائے۔ ہاں اگر یہ بیٹا مر جائے تو پھر وہ اپنی بیوی سے قربت کرسکتا ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز اور عجیب وغریب قانون تھا جس کی مثال نہ پہلے کبھی تھی اور نہ بعد میں ہی قائم ہوئی۔

مسیلمہ نے شادی بیاہ کی تمام تر رسومات کو منسوخ کر کے یہاں تک کہہ دیا کہ نکاح میں گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر میاں بیوی تنہائی میں بھی یہ کرلیں تو پھر بھی بالکل درست تسلیم کیا جائے گا۔ شادی کے سلسلہ میں اس نے مزید پابندی یہ لگائی کہ چچا، پھوپی، ماموں اور خالہ کی بیٹیوں اور بیٹوں کے آپس میں رشتے قطعاً نامناسب ہیں۔ مگر اس نے زناء کے سلسلہ میں کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی بلکہ کھلی چھٹی دے رکھی تھی۔

مسیلمہ نے متعدد عورتوں سے نکاح نامناسب قرار دے رکھا تھا۔ مگر بدکاری کی

Marfat.com

خاطر اس نے ایسا کوئی بھی قانون وضع نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس فعل بد کو اس نے مباح قرار دے رکھا تھا۔ مسیلمہ ایک قدم اور بڑھا کر اس نے ایک اہم ترین سنت کو یکسر منسوخ کرنے کا اعلان کردیا۔ وہ یہ کہ اس نے ختنہ کروانے کو حرام فعل قرار دے دیا۔ اس کا جواز اس نے یہ بتلایا کہ اس طرح گویا یہود کی تقلید ظاہر ہوتی ہے۔ اس بدبخت نے یہ تو کہہ دیا کہ اس طرح یہودیوں کی تقلید ظاہر ہوتی ہے مگر اس نے یہ نہیں بتلایا کہ ختنہ نہ کروانے سے تو عیسائیوں اور مشرکوں کی تقلید ظاہر ہوتی ہے۔

شادی بیاہ کے قوانین کا تو اس نے مذاق اڑایا ہی تھا مگر اس نے روزوں کا بھی مذاق اڑایا اور اس نے رمضان المبارک کو یہ کہہ کر منسوخ کردیا کہ روزہ تم لوگ ضرور رکھو مگر اب تم لوگ ایسا کرو کہ روزہ صرف رات بھر کا ہونا چاہیے یعنی غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک۔ یہ بدکردار اور بد اعمال لوگوں کے لیے تو ایک نعمت کا درجہ رکھتا تھا۔ سبھی لوگ جانتے ہیں کہ بلادِ عرب میں راتیں چھوٹی اور دن بڑے ہوتے ہیں اور سارا دن موسم حد درجہ گرم رہتا ہے جبکہ رات کو موسم میں قدرے خنکی پیدا ہوجاتی ہے۔

مسیلمہ کی تعلیمات نے بعض لوگوں پر ایسا اثر ڈالا تھا کہ عرصہ دراز تک وہ لوگ اسی کے زیر اثر مذہبی امور بجا لاتے رہے۔ اصمعی نے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک اعرابی کو دیکھا کہ وہ نماز تو ادا کر رہا تھا مگر اس کی سمت بالکل بھی درست نہ تھی یعنی وہ قبلہ رخ نماز ادا نہیں کر رہا تھا۔ انہوں نے ملاحظہ فرمایا کہ اس اعرابی نے پہلی رکعت میں جو قرأت کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”اس شخص نے فلاح پائی جس نے اپنی نماز پست آواز میں پڑھی اور اپنے تھیلے میں سے مسکین کو کھانا کھلایا اور اپنے اونٹوں اور بکریوں کو اپنی منزل تک بہ حفاظت لے آیا۔“

دوسری رکعت جب اس نے شروع کی تو اس نے جو قرأت کی اس کا ترجمہ تھا ”ہمارے بیٹے، ہمارے پوتے، ہماری بیٹیاں، ہمارے نواسے اور ہمارے دور کے قرابت دار مردوں کی اولاد“ انہوں نے اس اعرابی کو نماز کے اختتام کے بعد کہا کہ ”اے شخص! جو کچھ تم نے نماز میں پڑھا ہے، یہ کیا چیز ہے۔ اس کا تعلق کلام پاک سے تو دور کا بھی نہیں ہے؟ کیا یہ تمہاری اپنی اختراع ہے؟“

اس اعرابی نے کمال بے نیازی سے جواب دیا کہ ”مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب

Marfat.com

کچھ کیا ہے مگر ایک بات تو طے شدہ ہے کہ یہ میری اختراع ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو میری پھوپھی نے 40 برس قبل مسیلمہ رسول اللہ سے سیکھی تھی اور پھر ہمیں بھی سکھایا تھا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ اس نے جو الہامات اپنے پیروؤں کو بتلائے تھے وہ دراصل قرآن کریم کی سورتوں کی ہی نقل ہوا کرتی تھی۔ اس نے سورۂ والعادیت کی طرز پر ایک اپنی سورۃ بھی وضع کی تھی۔ جس میں اس نے کہا کہ "قسم ہے کھیتی کرنے والوں کی اور قسم ہے کھیتی کاٹنے والوں کی اور قسم ہے بھوسا صاف کرنے کے لیے گیہوں کو ہوا میں اڑانے والوں کی اور قسم ہے آٹا پیسنے والوں کی اور قسم ہے روٹی پکانے والوں کی اور قسم ہے سالن پکانے والوں کی اور قسم ہے تیل اور گھی کے لقمے کھانے والوں کی کہ تمہیں بادہ نشین عرب قوم پر فضیلت دی جائے گی۔" اس طرح اس نے سورۂ فیل کے مقابلہ میں جو سورۃ وضع کی وہ کچھ اس طرح تھی کہ "ہاتھی اور تم کیا جانو کہ ہاتھی کیا ہے، اس کی دم بدنما ہے اور اس کی سونڈ بھی ہے۔ یہ ہمارے رب کی عظیم ترین مخلوق ہے۔"

اس کی نبوت کے دعویٰ کو مستحکم کرنے میں علاوہ دیگر عوامل کے ایک کام بہت زیادہ اس کے لیے فائدہ مند ثابت ہوا تھا کہ نبوت کی دعویدار ایک عورت بھی اس کی حمایتی بن گئی تھی۔ یہ عورت سجاع بنت حارث تھی۔ ہم اس کا تذکرہ ایک الگ مضمون میں کریں گے۔ یہاں اس کا ہرگز محل نہیں۔

مسیلمہ کی توقعات سے بھی زیادہ اس کو کامیابی حاصل ہو رہی تھی کہ اسی زمانہ میں اس نے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ یہ خبر تو اس کے لیے بڑی ہی خوش کن تھی۔ اس نے فوری طور پر رحال کو حکم دیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو ایک بہترین فوج تیار کرے تاکہ مدینہ پر قبضہ کیا جائے۔ اسے یہ تو معلوم ہی تھا کہ حضرت اسامہؓ ایک فوج لے کر مدینہ سے باہر جا چکے ہیں چنانچہ اس نے اب اپنی پوری توجہ اسی پر مرکوز کر ڈالی۔

مسیلمہ کی جنگی تیاریوں کی خبر مدینہ طیبہ بھی پہنچ چکی تھی۔ مگر یہ تیاری کس قدر اہتمام کے ساتھ کی جا رہی تھی اس کا علم نہ تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ چونکہ دوسرے علاقہ کی طرف متوجہ تھے چنانچہ امیر المومنین سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کو سونپی۔ احتیاط یہ بھی اختیار فرمائی کہ ان کی مدد کے لیے

Marfat.com

حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کو بھی روانہ فرما دیا۔

تاریخ طبری جلد اول حصہ چہارم صفحہ 70 پر درج ہے کہ ''حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جب مسیلمہ کذاب کے مقابلہ پر جا پہنچے تو انہوں نے حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کی آمد کا انتظار نہ کیا۔ مقابلہ ہوا مگر مسیلمہ کے ٹڈی دل لشکر کے سامنے ان کا لشکر بے بس نظر آیا چنانچہ مسلمانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ حضرت عکرمہؓ کی شکست کی خبر سن کر حضرت شرحبیلؓ جہاں تک پہنچے تھے وہیں رک گئے۔ حضرت عکرمہؓ نے اس تمام صورت حال کی تفصیل سے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا جس کے جواب میں حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے سخت جواب لکھا۔

آپؓ نے انہیں حکم فرمایا کہ ''اے عکرمہ! تم ایسی حالت میں اپنے لشکر سمیت ہرگز مدینہ طیبہ نہ آنا کیونکہ اس سے لوگوں میں بری طرح بد دلی پھیلے گی۔ اب تم سیدھے حنیفہ اور عرفجہ کے پاس چلے جاؤ اور ان کے ساتھ مل کر اہل عمان اور مہرہ سے جنگ کرو۔ اگر تم دیکھو کہ وہ دونوں جنگ میں مصروف ہیں تو تم آگے بڑھتے چلے جانا یہاں تک کہ تم اور مہاجر بن ابی امیہ یمن اور حضر موت میں مل جاؤ۔ دوران سفر وہاں کے باشندوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے جانا۔''

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے ایک خط حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ کو بھی تحریر فرمایا جس میں تحریر تھا کہ ''اے شرجیل! تم میرے دوسرے حکم تک اپنی جگہ پر موجود رہو''۔ اس کے ساتھ آپؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو فوری طور پر یمامہ پہنچنے کے لیے خط تحریر فرمایا۔ اس کے بعد آپؓ نے ایک خط اسی وقت حضرت شرحبیلؓ کو بھی روانہ فرمایا جس میں انہیں حکم دیا گیا تھا کہ ''جب خالدؓ تمہارے پاس آجائیں تو ان کے ساتھ مل کر اس قضیہ کا خاتمہ کرنا اور بعد میں تم قضاعہ کے مقابلہ پر چلے جانا تاکہ وہاں تم اور عمرو بن العاصؓ منکرین اور مخالفین کی سرکوبی کے لیے یکجا اور تیار رہو۔''

حضرت خالد بن ولیدؓ بطاح میں موجود تھے اور امدادی جمعیت کا انتظار کر رہے تھے۔ اس میں جو انصار تھے ان کے سردار حضرت ثابتؓ بن قیس اور حضرت براءؓ بن معرور تھے اور مہاجرین کے سردار حضرت ابو حذیفہؓ اور زیدؓ تھے۔ روایت ہے کہ حضرت خالدؓ کے مقابلہ پر بنی حنیفہ کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

Marfat.com

منقول ہے کہ بنی حنیفہ میں اس وقت چالیس ہزار تو صرف جنگ جو ہی شریک تھے یعنی جنہیں آج کل باقاعدہ فوجی کہا جاتا ہے۔ حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ بھی عجلت میں وہی کچھ کر بیٹھے جو غلطی ان سے قبل حضرت عکرمہؓ سے سرزد ہو چکی تھی۔ حضرت خالدؓ نے انہیں سخت سرزنش کی۔

حضرت جابرؓ بن خلاد سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے سمیط کو حضرت خالدؓ کے لیے بطور کمک روانہ فرمایا تھا تاکہ وہ ان کے عقب کی حفاظت کریں۔ جب یہ مدینہ طیبہ سے چل کر حضرت خالدؓ کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ جو دستے مختلف اوقات میں ان علاقوں میں روانہ کیے گئے تھے وہ تو منتشر ہو چکے تھے حالانکہ یہ دستے تو قریب کے علاقوں میں ہی تھے مگر اکٹھے نہ تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس موقع پر زیادہ سے زیادہ آدمی جنگ پر روانہ کرنا چاہ رہے تھے۔ اس موقع پر کسی نے عرض کیا کہ اصحاب بدر کو بھی روانہ کیا جائے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ اہلِ بدر میں سے کسی سے سرکاری کام لوں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ وہ اطمینانِ قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہوں اور اس طرح اپنے بہترین اعمال لے کر اس کی جناب میں باریاب ہوں کیونکہ ان ایسے مقدس اور قوموں کے نیک افراد کی برکت سے اللہ تعالیٰ بہت سے مصائب سے محفوظ رکھتا ہے اور نعمتیں نازل فرماتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ان لوگوں سے عملی مدد لی جائے۔

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے خیالات بھی اپنی جگہ بالکل درست تھے مگر حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشادِ عالی شان تھا کہ ''ان مقدس لوگوں کی عظمت اور فضیلت سے تو مجھ کو کوئی انکار نہیں مگر میں انہیں بطور برکت ضرور امور سلطنت میں شامل کروں گا اور انہیں اس سلسلے میں میرا ہاتھ بٹانا پڑے گا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی آمد ایسی نہ تھی کہ پوشیدہ رہتی۔ مسیلمہ کو بھی اس کے پیروکاروں نے مطلع کر دیا۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج کو جمع کیا اور عقرباء کے علاقہ میں خیمہ زن ہوا۔ یہاں پر خیمہ زن ہونے کے بعد اس نے اپنے تمام حلیفوں کو طلب کر لیا۔ یہاں پر ہر طرف سے اس کے حمایتی جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اسی دوران مسیلمہ کا مشہور سردار مجاعہ ایک مضبوط دستے کے ہمراہ نکلا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ بنی عامر اور بنی تمیم

Marfat.com

سے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بدلہ لے سکے۔

اس نے سوچا کہ سارا لشکر تو یہاں پر جمع ہے چنانچہ اس موقع سے فائدہ ضرور اٹھانا چاہیے۔ ہوا یوں تھا کہ خولہ بنت جعفر کو بنی عامر نے اپنے ہاں روک رکھا تھا۔ مجاعہ نے ان کے قبضہ سے اس کو تو آزاد کروالیا مگر انہوں نے اس کے کچھ اونٹ پکڑ لیے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ عقرباء میں مسیلمہ خیمہ زن ہے تو آپ نے لشکر کو ترتیب دے کر اسی طرف چلنے کا حکم فرمایا۔ آپ نے حضرت شرحبیلؓ کو اپنی جماعت کے ساتھ آگے چلنے کا حکم دیا اور مقدمۃ الجیش پر خالد بن خلاد المخولی کو امیر مقرر فرمایا۔ میمنہ اور میسرہ پر حضرت زیدؓ اور حضرت ابوحذیفہ کو امیر مقرر فرمایا جبکہ مسیلمہ نے اپنے میمنہ اور میسرہ پر محکم اور رحال کو امیر مقرر کیا۔

اسلامی لشکر ابھی مسیلمہ کے پڑاؤ سے ایک رات کی مسافت پر تھا کہ انہیں معلوم ہوا کہ ایک چالیس آدمیوں کی جماعت جبلیہ میں محوِ خواب ہے۔ دراصل یہ مجاعہ اوراس کے ساتھی تھے۔ بعض روایات میں یہ آتا ہے کہ بنی عامر سے اپنا انتقام لے کر آرہے تھے جبکہ ان میں کسی عورت کی شمولیت کہیں ثابت نہیں چنانچہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ابھی وہاں جارہے ہوں۔

ان سب کو اسلامی لشکر کے اگلے دستے نے گرفتار کرلیا اور حضرت خالدؓ کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ جب دن چڑھے حضرت خالدؓ وہاں پہنچ گئے تو انہیں بتلایا گیا کہ یہاں چالیس کے قریب مسلح آدمی موجود تھے جنہیں ہم نے گرفتار کرلیا ہے۔ حضرت خالدؓ نے یہ سوچ کر کہ شاید یہ لوگ اپنی جانیں بچانے کے لیے یہ کہہ دیں کہ ان کے استقبال کے لیے آئے ہیں، ان سے پوچھا کہ تمہیں ہماری خبر کس طرح ہوئی۔ انہیں آپ کے سوال کی افادیت کا خیال ہی نہ آیا ورنہ وہ لوگ یہ کہہ دیتے کہ ہم آپ ہی کے استقبال کے لیے یہاں حاضر ہوئے ہیں۔ مگر انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں تو آپ کی آمد کی کوئی بھی خبر نہ تھی بلکہ ہم لوگ تو بنی عامر اور بنی تمیم سے اپنا انتقام لینے آئے تھے۔

حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے تمام مرتدین کے قتل کا حکم دے رکھا تھا چنانچہ حضرت خالدؓ نے تمام لوگوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا مگر ان کے سردار مجاعہ بن مرادہ کو گرفتار کرلیا اور قید میں رکھنے کا حکم جاری فرما دیا۔ کیونکہ عین ممکن تھا کہ مسیلمہ نے اس کو

Marfat.com

بطور فوج کے سراغ رساں کی حیثیت سے یہاں روانہ کیا ہو۔ مگر یہ خود ہی پکڑا گیا۔

عقرباء کا علاقہ سرسبز و شاداب تھا اور یمامہ کی سرحد پر واقع ہوا تھا۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو مسیلمہ کذاب نے بنی حنیفہ کے آگے زبردست تقریر کی اور ان کی غیرت کو للکارتے ہوئے کہا کہ "بس آج کا دن حمیت دکھانے کا ہے۔ اگر آج تم لوگوں نے بہادری نہ دکھائی اور شکست کھائی تو تمہاری عورتیں یقیناً لونڈیاں بنا لی جائیں گی اور بغیر نکاح کے ان سے تمتع کیا جائے گا لہٰذا آج تم لوگ اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے پوری جوانِ مردی دکھاؤ اور اپنی عورتوں کی مدافعت کرو۔"

شرحبیل بن حسنہ کے یہ الفاظ اکثر تذکرہ نگاروں نے نقل کیے ہیں۔ مگر حیرت ہوتی ہے کہ جس معاشرہ میں نکاح کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور عورت کی وقعت ہی نہ تھی اس میں یہ الفاظ بھلا کہاں تک غیرت کے جذبات ابھار سکتے ہوں گے۔

اس جنگ میں مہاجرین صحابہ کے امیر سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ تھے۔ مہاجرین نے ان سے کہا کہ ہمیں آپ کی جانب سے اپنے لیے کچھ اندیشہ معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں بزدلی دکھاؤں تو میں قرآن کریم کا برا حال بنوں گا۔ یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کو کامل تسلی ہوگئی۔

لشکرِ انصار کے سردار حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس تھے۔ دوسرے قبائل بھی اپنے اپنے سرداروں کے ماتحت تھے۔ مجاعہ ام تمیم کے ساتھ اس خیمہ میں اسیری کی حالت میں تھا۔ جنگ کے ابتدائی لمحات میں جب مسلمانوں کو پسپائی اختیار کرنا پڑی اور بنی حنیفہ کے بعض لوگوں نے ام تمیم کے خیمہ میں داخل ہونا چاہا تو مجاعہ نے انہیں اسے قتل کرنے سے روکا۔

اسی اثناء میں مسلمانوں نے جو پلٹ کر حملہ کیا تو بنی حنیفہ کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اب وہ خود بری طرح ہزیمت اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے سردار محکم بن طفیل نے ان کو زور زور سے پکارتے ہوئے کہا کہ اے لوگو! اس باغ میں چلے جاؤ میں تمہارے پیچھے کسی کو بھی نہیں آنے دوں گا۔ کچھ دیر تو وہ ان کی حفاظت کی خاطر لڑتا رہا مگر اللہ رب العزت نے اسے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کے ہاتھوں واصل جہنم کردیا۔

Marfat.com

محمد بن اسحٰق سے بھی ایک روایت ہمیں حاصل ہوتی ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے کہ صبح کو حضرت خالدؓ نے مجاعہ اور اس کے دوسرے گرفتار شدہ ساتھیوں کو طلب کیا اور پوچھا کہ اے بنی حنیفہ! اس متنازعہ فیہ میں تم لوگ کیا رائے رکھتے ہو۔انہوں نے کہا کہ اس کا تصفیہ اس طرح ممکن ہے کہ ایک نبی ہم میں سے ہو اور ایک نبی تم میں سے ہو۔ اس جواب کے بعد حضرت خالدؓ نے ان سب کے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔

اس جماعت میں سے دو آدمی زندہ رکھے گئے۔ ان میں سے ایک تو مجاعہ بن مرارہ تھا اور دوسرا ساریہ بن عامر تھا۔ ساریہ نے حضرت خالدؓ سے کہا کہ اگر آپ یمامہ میں کچھ کرنا چاہتے ہیں تو آپ مجاعہ کو ضرور زندہ رکھیے گا۔ چنانچہ آپ نے مجاعہ کو اپنی بیوی ام تمیم کے حوالہ کر دیا اور بیڑیاں پہنا دیں۔ اس کے بعد آپ یمامہ کی طرف بڑھے اور ریت کے ایک ٹیلہ پر پڑاؤ ڈالا جہاں سے یمامہ نظر آتا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ اہل یمامہ مسیلمہ کی سرکردگی میں مقابلہ کے لیے برآمد ہوئے۔ مگر اس سے قبل مسیلمہ نے رحال کو اپنے مقدمۃ الجیش کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس وقت اپنی مسند پر تشریف رکھتے تھے۔ آپ کے پاس عمائدین اور اشراف بھی تشریف رکھتے تھے۔ فوجیں میدانِ وصاف میں مقابل تھیں۔ بنی حنیفہ کی سمت آپ نے اچانک روشنی دیکھی تو فرمایا اے مسلمانو! تمہیں بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں پھوٹ ڈال دی ہے۔

مجاعہ بھی اس وقت بیڑیوں میں جکڑا حضرت خالدؓ کے عقب میں موجود یہ سب دیکھ اور سن رہا تھا۔ اس نے بھی اس روشنی کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے کہا کہ ''اے محترم سردار! آپ جو بات سمجھ رہے ہیں وہ دراصل یوں نہیں بلکہ یہ چمک بنی حنیفہ کی ہندی تلواروں کی ہے جن کے لڑائی میں ناکارہ ہو جانے کے خوف سے انہوں نے انہیں نرم کرنے کے لیے دھوپ میں رکھا ہوا ہے۔'' اور سچ بھی یہی تھا۔

مسیلمہ نے ایک جماعت اپنے معتمد سردار نہار الرحال کی سرکردگی میں روانہ کی اس کا مقابلہ حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ دونوں میں خوب مقابلہ ہوا مگر نہار الرحال اس معرکہ میں واصل جہنم ہوا۔

اب باقاعدہ جنگ شروع ہوئی۔ ابتدا میں مسلمانوں کو قدرے پسپائی اختیار کرنا

Marfat.com

پڑی مگر تھوڑی دیر کے بعد ہی مسلمانوں کے قدم جم چکے تھے۔ اسی افراتفری میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے۔ جب مسلمانوں نے پسپائی اختیار کی تو حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بعد بھلا ہمارا کہاں مقام ہو سکتا ہے۔ آپ خوب زور و شور سے لڑے یہاں تک کہ آپ کو شہادت حاصل ہوئی۔

حضرت عبید بن عمیرؒ سے مذکورہ ہے کہ اس جنگ میں رحال، حضرت زید بن خطابؓ کے مقابل موجود تھا۔ جب معرکہ شروع ہوا تو دونوں نے صف بندی شروع کی۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ "اے رحال! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، تم نے واللہ سچا مذہب ترک کیا ہے۔ اب میں تمہیں جس بات کی دعوت دینا چاہتا ہوں اس میں تمہارے لیے دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ یعنی تم توبہ کرلو اور دوبارہ اس مذہب کو اختیار کرلو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

یہ سن کر رحال نے جواب نہ دیا بلکہ تلوار سے حملہ کردیا۔ دونوں میں زوردار مقابلہ ہوا۔ مگر آخر کار اس نے جہنم کی طرف رخ کیا۔ اسی طرح بنی حنیفہ کے متعدد ذی حیثیت رئیس موت کے گھاٹ اتر گئے۔ آخر ان لوگوں نے باہم معاہدہ کیا اور ایک بہت ہی زوردار حملہ مسلمانوں پر کیا جس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان اپنی خیمہ گاہ تک پسپا ہونے پر مجبور ہوگئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے مسلمانوں کے خیموں کی طنابیں تک کاٹ دیں۔

اس کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت زید بن خطابؓ اور حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی آخری دم تک دشمنوں کے مقابلہ میں جان قربان کرنے کی قسم کھائی اور اپنے دوسرے ساتھیوں سے بھی موت کی قسم لی۔ اس روز جنوب کی طرف سے آندھی چل رہی تھی جس سے اچھا خاصا فضا پر غبار چھایا ہوا تھا۔ حضرت زید بن خطابؓ نے فرمایا کہ "میں تو اب کسی سے کوئی بھی بات نہ کروں گا تاوقتیکہ میں دشمن کو مار نہ بھگاؤں یا اس کوشش میں خود شہید ہو کر اللہ تعالیٰ کے پاس نہ پہنچوں اور اس سے اپنا واقعہ نہ بیان کروں، اے لوگو! دانت پیس کر دشمن پر پل پڑو اور بڑھتے چلے جاؤ۔"

چنانچہ سب نے یہی کیا اور دشمن کو پھر ان کے سابقہ مقام تک دھکیل دیا بلکہ اس سے بھی پیچھے تک دھکیل کر ان کی چھاؤنی تک پہنچا دیا گیا مگر اس معرکہ میں حضرت زید بن خطابؓ نے رتبۂ شہادت حاصل کیا۔ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اہل اسلام سے ارشاد فرمایا کہ ''اے مسلمانو! تم اللہ والے ہو اور وہ شیطان کے پیروکار، غلبہ صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ والوں کے لیے ہے لہٰذا اب میرے سامنے ایسی ہی داد مردانگی دو جیسی کہ میں تمہارے سامنے دیتا ہوں۔'' اللہ اللہ! کیا شان تھی۔ ہمارے بزرگوں کی کہ وہ پہلے خود اپنی مثال پیش کرتے تھے اور پھر دوسروں سے امید کرتے تھے۔

یہ ارشاد فرما کر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اس زور سے حملہ کیا کہ دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے اور دشمنوں کو دور تک دھکیلتے چلے گئے۔ اسی طرح حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی اہل اسلام سے فرمایا ''اے اہل قرآن! آج تم لوگ اپنے اعلیٰ اعمال کے ساتھ قرآن کو زینت دو'' آپ نے یہ ارشاد فرمانے کے بعد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ زبردست حملہ کیا اور اپنے سامنے کے تمام دشمنوں کو دور کر دیا۔ آپ زبردست دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمنوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے دور تک نکل گئے۔ آپ اس طرح دشمنوں میں بری طرح گھر گئے اور شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ

اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عام حملہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم لوگ ایسا کرو کہ دشمنوں کو میرے عقب سے حملہ آور نہ ہونے دینا۔ آپ نے اس طرح حملہ کیا کہ بہت جلد آپ مسیلمہ کے بہت ہی قریب پہنچ گئے۔

ایک روایت یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے اپنا علم حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں نہیں جانتا کہ یہ مجھے کیوں دیا گیا ہے۔ غالباً آپ لوگ یہ کہیں گے کہ چونکہ آپ حافظِ قرآن ہیں اس لیے آپ بھی دوسرے صاحب (یعنی اپنے پیش رو) کی طرح آخری دم تک دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہیں گے۔'' مسلمانوں نے کہا کہ بے شک یہی وجہ ہے۔ اب آپ جانیئے۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر میں دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدم نہ رہا تو میں برا حاملِ قرآن بنوں گا۔'' یاد رہے کہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے قبل یہ علم حضرت عبداللہ بن حفص رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس وقت دشمنوں نے اہلِ اسلام کو ان کے خیموں

Marfat.com

تک پسپا ہونے پر مجبور کردیا تو مجاعہ نے بنی حنیفہ کے حملہ آوروں سے کہا کہ تم لوگ عورتوں سے کیوں الجھ رہے ہو تمہیں تو چاہیے کہ مردوں کے ساتھ مقابلہ کرو۔ یہ وہی وقت تھا کہ جب مسلمانوں نے باہم موت کی بیعت کی تھی۔ اس کے بعد بنی حنیفہ وہاں سے پلٹ آئے تھے۔

اسی بیعت کے بعد ہی حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شہادت حاصل کی تھی۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بعد جب حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپؓ نے بڑے ہی دکھ کے ساتھ انہیں ارشاد فرمایا کہ ''اے عبداللہ! بھلا تم نے اپنے چچا زید سے پہلے جان کیوں نہ دے دی۔ تم نے یہ کس طرح گوارا کیا کہ تمہارے چچا جان تو اپنی جان دے دیں اور تم زندہ رہو۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک معروف صحابیٔ رسول تھے۔ آپ نامور محدث اور امامِ زمانہ تھے۔ آپ نے اپنے والد صاحب کے حضور عرض کیا کہ ''محترم والد صاحب! میں تو خود شہادت کا درجہ حاصل کرنا چاہتا تھا مگر میرے نفس نے تامل کیا اور اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کو رتبۂ شہادت سے سرفراز فرمایا اور بلند مقام عطا فرمایا۔''

حضرت سبیلؓ کی ایک روایت ہے کہ ''حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فرمایا کہ اے عبداللہ! تم میرے سامنے بھلا کیسے آئے، تم کہیں روپوش کیوں نہ ہو گئے؟'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے گلوگیر آواز میں عرض کیا کہ ''محترم والد صاحب! انہوں نے اللہ تعالیٰ سے شہادت طلب کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش اور درخواست کو قبول فرمالیا۔ میں نے بھی شہادت کی تمنا کی مگر میری درخواست قبول نہ ہوئی۔''

حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ اس جنگ میں مہاجرین اور انصار نے اہل بادیہ کو ... ں بادیہ نے انصار کو اپنے سے علیحدہ علیحدہ صف بستہ کیا تھا اور بعض نے یہ کہا کہ ہم ایسا اس لیے کر رہے ہیں کہ باہم امتیاز رہے اور میدان معرکہ سے فرار ہونے میں غیرت اور شرم آئے اور معلوم ہو سکے کہ کس سمت سے دشمن کی یورش ہوتی ہے۔ اس تجویز پر ہی عمل کیا گیا۔ اس بستی والوں نے اہل بادیہ

Marfat.com

سے کہا کہ ہم آپ لوگوں کے مقابلہ میں شہر والوں سے جنگ کرنے میں زیادہ ماہر ہیں۔ اہل بادیہ نے ان سے کہا کہ شہروں کے باشندے اچھے لڑنے والے نہیں ہوا کرتے"۔ ان کو معلوم ہی نہیں کہ جنگ کیا ہوا کرتی ہے۔ جب ہم الگ الگ صف بستہ ہوں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ دشمن کی یورش اور غلبہ کس سمت سے ہوتا ہے۔

اس طرح صف بندی کے بعد ہی جنگ شروع ہوئی اور جس قدر ہلاکت خیز اور خونریز یہ جنگ ہوئی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ دونوں فریقوں یعنی اہل بادیہ اور شہر والوں نے ایسی شجاعت اور ثابت قدمی دکھائی کہ پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھی۔ اس جنگ میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک بے خطا تیر سے مرتدوں کے نامور سردار محکم کو واصل جہنم کیا تھا اور حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مرتدوں کے ایک اور نامور سردار نہار الرحال بن عنفوہ کو ہلاک کیا تھا۔

اسی معرکہ میں شریک بنی تمیم کے ایک شخص نے روایت کی ہے کہ جب جنگ نے بہت شدت اختیار کرلی اوراب یہ نوبت آ گئی کہ کبھی کسی کا پلڑا بھاری ہوتا اور کبھی کسی کا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا کہ تمام مسلمان قبائل الگ الگ ہو کر لڑیں تاکہ ہر قبیلہ کی جوانمردی اور کارگزاری نمایاں ہو سکے۔ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو سکے کہ کس سمت سے مسلمانوں پر مرتدوں کا حملہ اور غلبہ ہو رہا ہے۔

اس تجویز کے بعد ہی تمام قبائلی اپنے اپنے سرداروں کے پرچموں کے تحت معرکہ کارزار میں جم گئے۔ اب سب نے دشمن کا مقابلہ شروع کیا۔ اہل بادیہ نے کہا کہ آج ان شہریوں کو لڑائی کا مزہ معلوم ہو جائے گا اور ہوا بھی یہی کیونکہ انہیں بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ مسیلمہ اپنی جگہ جما رہا اور اس کے ساتھیوں کے حملوں نے مسلمانوں کو پسپا ہونے پر پھر ایک مرتبہ مجبور کر دیا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک دانشمند سپہ سالار تھے آپ کو اندازہ ہو گیا کہ جب تک مسیلمہ قتل نہ ہوگا، یہ طوفان ختم نہ ہوگا کیونکہ بنی حنیفہ تو اپنے مقتولوں کی تعداد سے بھی ذرا برابر خائف نہ ہو رہے تھے بلکہ اسی شجاعت کے ساتھ جیسا کہ وہ پہلے لڑ رہے تھے، برابر لڑتے جا رہے تھے۔

اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خود صف سے باہر آئے اور

Marfat.com

دشمنوں کے سامنے جا کر مبارزت طلب کی اور فرمایا کہ میں ابن الولید العود ہوں۔ میں عامر اور زید کا فرزند ہوں۔ جس کے بعد تمام مسلمانوں نے حسب روایت ایک زوردار نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اب جو بھی مرتد حضرت خالدؓ کے سامنے آیا وہ قتل ہوا۔

اب صورت حال پلٹ گئی اور مسلمانوں نے مرتدوں کو بری طرح قتل کرنا شروع کر دیا۔ حضرت خالدؓ نے مسیلمہ کے قریب پہنچ کر اسے للکارا۔ اس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک روایت تھی، آپ نے فرمایا تھا کہ ایک شیطان مسیلمہ کے تابع ہے جب وہ اس کے پاس آتا ہے تو اس کے منہ سے اس قدر کف جاری ہو جاتا ہے کہ یوں دکھائی دیتا ہے کہ جیسے اس کے دونوں جبڑوں میں گویا ناسور ہے اور اگر کوئی بھی بات مسیلمہ کرنا چاہتا ہے تو وہ شیطان اس کو روک دیتا ہے لہٰذا کبھی اگر تم لوگوں کو اس کے خلاف موقع مل جائے تو ہرگز اس کو ہاتھ سے جانے نہ دینا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی ارشاد گرامی کی وجہ سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس کے قریب پہنچ گئے اور اس پر حملہ کرنے کا کوئی موقع تلاش کرنے لگے۔ حضرت خالدؓ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ اپنی جگہ پر جما ہوا ہے۔ حالانکہ جنگ میں مسلمانوں کا پلڑا تو اب بھاری ہو چکا تھا۔ مسلمان اب مرتدوں کا بے دریغ قتل عام کر رہے تھے۔ تاہم حضرت خالدؓ نے یہ اندازہ بخوبی لگایا کہ جب تک مسیلمہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے گا، اس وقت تک اس کے ساتھی میدان سے بھاگنے پر ہرگز ہرگز راضی نہ ہوں گے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یہی سوچ کر مسیلمہ کذاب کو آواز دی۔ اس نے جواب دیا، حضرت خالدؓ نے اس کو چند ایسی باتیں پیش فرمائیں جو وہ چاہتا تھا کہ اچھا یہ تو یہ بتلاؤ کہ اگر ہم نصف پر راضی ہو جائیں تو کون سا نصف حصہ آپ ہمیں دیں گے۔ اس کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کوئی جواب دینا چاہتا تو اپنا منہ شیطان سے مشورہ کرنے کے لیے دوسری طرف پھیر لیا کرتا تھا چنانچہ اس دوران اس نے جب اپنا منہ پھیرا تو حضرت خالدؓ نے اس پر حملہ کر دیا۔ وہ جو سہم کر بھاگا تو اس کے ساتھی بھی میدان سے بھاگ اٹھے۔

حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو للکارا کہ خبردار اب کوتاہی نہ کرنا اور آگے بڑھو اور کسی کو بچ کر نہ جانے دو۔ مسلمان سب کے سب ان پر پل پڑے اور مرتدوں کا صفایا۔

Marfat.com

کیا۔ اسی اثناء میں ان کے سردار محکم نے انہیں حکم دیا کہ تمام لوگ باغ میں پہنچ جائیں چنانچہ بنی حنیفہ کے جتنے افراد بچ گئے تھے وہ باغ میں چلے گئے یہ بھی بہت بڑی تعداد میں تھے۔ بنی حنیفہ نے باغ میں داخل ہو کر تمام دروازے اندر سے بند کر لیے۔ مسلمانوں نے چاروں طرف سے اس باغ کو گھیر لیا تھا۔

بنی حنیفہ نے جب خود کو باغ میں محصور کرلیا تو حضرت برأً بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس کا ایک ہی حل ہے کہ تم لوگ مجھے کسی طرح باغ میں اس دیوار کے ذریعہ اندر داخل کردو۔ اگر ایسا کرو گے تو میں دروازہ اندر سے کھول دوں گا۔ تین چار کوششوں کے بعد آپ دیوار پھلانگنے میں کامیاب ہوگئے۔

آپ جونہی اندر کودے آپ نے دشمنوں پر زبردست حملے کیے۔ جس کی وجہ سے وہ لوگ دروازہ کے پاس سے تھوڑی دیر کے لیے دور ہٹ گئے۔ وہ یہ سوچتے ہوں گے کہ یہ اکیلا آدمی بھلا کیا کرے گا مگر اتنی ہی دیر میں حضرتؓ برأً بن مالک رضی اللہ عنہ نے بڑی پھرتی کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی مسلمان اندر داخل ہوگئے اور مرتدوں کا صفایا شروع کردیا۔ مسلمانوں نے اندر داخل ہو کر دروازہ باہر سے بند کردیا چنانچہ اب یہی دروازہ مرتدوں کی موت ثابت ہوا۔

اس قلعہ نما باغ میں تمام مرتدوں کو واصلِ جہنم کردیا گیا جن کی تعداد کم از کم دس ہزار بتلائی جاتی ہے۔ ایک مشہور و معروف روایت ہے کہ اس جنگ میں وحشی نے مسیلمہ کو قتل کیا تھا۔ یہ وہی وحشی تھا کہ جس نے سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔

روایت ہے کہ حضرت خالدؓ مجاعہ کو لے کر باغ میں آئے اور اس کو حکم دیا کہ وہ بتائے کہ مشہور لوگ کون سے تھے اور ان میں مسیلمہ کون سا تھا۔ اس نے آمادگی ظاہر کی اور ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ ایک لاش پر رک کر اس نے بتایا کہ یہ لاش رحال کی ہے۔ وہ ایک ایک مقتول کا چہرہ دیکھتا جاتا تھا۔ اچانک وہ ایک قد آور، وجیہہ اور شاندار شخص کی نعش پر رکا اور بتلانے لگا کہ یہ نامور شخص محکم بن طفیل تھا۔

حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ کیا یہ تمہارا سردار یعنی مسیلمہ ہے اس نے کہا کہ نہیں بلکہ یہ تو اس سے کہیں زیادہ بہتر اور معزز شخص تھا یہ کہہ کر اس نے نام بتلایا تھا اور کہا تھا

Marfat.com

کہ یہ نہیں اے محترم سردار یہ تو یمامہ کا محکم ہے۔ اس کے بعد وہ آگے چلا اور ایک پستہ قامت، زرد رنگ، سیاہ رو شخص کی لاش پر رک کر بولا یہ لاش مسیلمہ کی ہے جس سے اب آپ لوگ فراغت پا چکے ہیں۔

حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ اسی نکمے بدقماش شخص نے تم لوگوں کو اس بری طرح نچایا۔ مجاعہ نے کہا آپ بالکل درست ارشاد فرماتے ہیں۔ کچھ دیر بعد وہ بولا کہ اے سردار محترم! آپ یہ بات ضرور یاد رکھئے کہ یہ لوگ جو آپ کے مقابلہ پر آئے تھے وہ تو بہت ہی گھٹیا اور جلد باز تھے جو اصل میں ذی مرتبہ اور صاحبانِ وقار ہیں وہ تو سب قلعہ میں مکیں پذیر ہیں۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ مجاعہ نے کہا کہ جو بھی کہہ رہا ہوں بالکل درست بات ہے۔ آپ اگر اجازت دیں تو میں ان سے صلح کی بات کروں۔

حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ صرف ان کی جانیں بخش دی جائیں گی اس کے علاوہ تمام اشیاء پر قبضہ کر لیا جائے گا چنانچہ مجاعہ قلعوں میں چلا گیا۔ وہاں تو سوائے بچوں بوڑھوں اور عورتوں کے اور کوئی بھی نہ تھا۔ اس نے عورتوں کو زرہیں پہنائیں اور ان سے کہا کہ میری واپسی تک تم قلعے کی فصیل پر نمودار ہو کر پھرتی رہنا۔ مسلمانوں کو یوں لگے گا جیسے تم سپاہی ہو۔

اس کے بعد مجاعہ واپس حضرت خالدؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ جس شرط پر میں نے آپ کے ساتھ صلح کی بات کی تھی قلعے والے اس کو نہیں مانے۔ اس کے ساتھ حضرت خالدؓ نے دیکھا کہ فصیل پر سپاہی بڑی تعداد میں نمودار ہو رہے تھے۔

مجاعہ نے نئی تجویز یہ پیش کی کہ تمام سونا، چاندی، مویشی اور لونڈی غلام آدھے ان کے پاس رہنے دیئے جائیں اور آدھے مسلمانوں کو دے دیئے جائیں۔ یہ شرائط حضرت خالدؓ نے قبول فرمالیں جس کے بعد مجاعہ ایک مرتبہ پھر قلعے کے اندر چلا گیا۔

اس نے قلعہ میں جا کر ایک مرتبہ عورتوں سے کہا کہ تم اب اسلحہ لگا کر قلعے کی برجیوں پر نمودار ہو جاؤ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اب مجاعہ ایک مرتبہ پھر حضرت خالدؓ کے پاس آیا۔ آپؓ یہ تو دیکھ ہی چکے تھے کہ برجیوں پر مسلح افراد موجود ہیں۔ آپ نے خیال کیا کہ شاید جنگجو افراد کی ایک بڑی جماعت قلعہ کے اندر موجود ہے۔

Marfat.com

مجاعہ نے کہا کہ سردار محترم! قلعہ والے اس شرط کو بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں البتہ اگر آپ میری ایک بات کو مان لیں تو میں دوبارہ اندر جاؤں۔ آپؓ نے فرمایا بتلاؤ کہ کیا ہے تو اس نے کہا کہ اگر آپ ایک چوتھائی پر مان جائیں تو میں جاتا ہوں۔ آپؓ نے اسے بھی منظور فرمالیا۔ چنانچہ صلح ہوگئی۔ قلعے کے جب دروازے کھولے گئے تو اندر صرف عورتیں اور بچے تھے کوئی مرد نہ تھا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو فرمایا کہ مجاعہ تم نے مجھ سے دھوکہ کیا۔ اس نے کہا کہ میں مجبور تھا میری قوم کا یہ معاملہ تھا سوائے اس کارروائی کے اور میں کر بھی کیا سکتا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مجاعہ سے ان شرائط پر صلح کرلی کہ تمام سونا، چاندی، مویشی اور ہر سمت میں ایک باغ جس کو پسند کیا جائے اور نصف لونڈی غلام حضرت خالدؓ کے حوالے کردیئے جائیں مگر بنی حنیفہ نے ان شرائط کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

حضرت خالدؓ نے مجاعہ سے فرمایا کہ میں تمہیں تین روز کی مہلت دیتا ہوں۔ اس میں آخری فیصلہ کرلو۔ سلمہ بن عمیر نے بنی حنیفہ سے کہا کہ تم اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کی خاطر آخری دم تک لڑو اور کوئی بھی شرط قبول مت کرو کیونکہ ہمارا قلعہ نہایت سنگین ہے۔ ہمارے پاس خوراک وافر مقدار میں موجود ہے اور اب سردی کا موسم بھی شروع ہونے والا ہے۔

مجاعہ نے ان سے کہا کہ اے بنی حنیفہ! میری بات مانو، سلمہ کی بات ہرگز نہ مانو۔ یہ شخص تو بہت ہی منحوس ہے اور قبل اس کے کہ شرحبیل بن حسنہ کا کہا ہوا قول کہ عورتوں کو زبردستی لے جایا جائے گا اور ان سے تمتع کیا جائے گا تم پر صادق آئے تو تم لوگ ان سے ضرور صلح کرلو۔ چنانچہ بنی حنیفہ نے اس کی بات مان کر اس کے تصفیہ کو قبول کرلیا اور سلمہ کی بات کو رد کردیا۔

صلح کے بعد بنی حنیفہ بیعت اور سابقہ کردار کی برأت کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے پڑاؤ میں آئے۔ ان کے ساتھ سلمہ بن عمیر بھی تھا۔ اس نے مجاعہ سے کہا کہ مجھے خالد بن ولید کے پاس لے چلو تاکہ میں ان سے ان کی بھلائی کی ایک بات کروں۔ حالانکہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ اچانک حضرت خالدؓ پر حملہ کرکے

Marfat.com

انہیں شہید کر دے۔

مجاعہ نے اس کی بازیابی کے لیے حضرت خالدؓ سے اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ سلمہ بن عمیر قتل کے ارادہ سے تلوار بغل میں چھپائے اندر آیا۔ حضرت خالدؓ نے بھانپ لیا کہ یہ شخص قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون شخص ہے۔ مجاعہ نے کہا کہ یہ وہی شخص ہے جس کے متعلق میں نے آپ سے گفتگو کی تھی اور آپ نے بازیابی کی اجازت دی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اس شخص کو فوراً باہر نکال دو۔

بنی حنیفہ کے چند لوگ اسے لیے ہوئے باہر آ گئے۔ انہوں نے جب اس کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے ایک تلوار برآمد ہوئی۔ ان لوگوں نے اسے بہت ملامت کی اور قید کر لیا۔ انہوں نے اسے کہا کہ تو نے اپنی اس مذموم حرکت سے اپنی پوری قوم کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی ہے۔ تیری تو نیت صرف یہ تھی کہ پورا بنی حنیفہ ہی برباد ہو جائے۔ ان کی آل و اولاد اور عورتیں لونڈیاں بنا لی جائیں۔

انہوں نے کہا کہ اگر خالدؓ کو معلوم ہو جاتا کہ تو ہتھیار لے کر آیا ہے تو وہ تجھے اسی وقت قتل کروا دیتے اور اب بھی اندیشہ یہی ہے کہ اگر انہیں تیری اس حرکت کی اطلاع ملی تو وہ تمام مردوں کو قتل کروا دیں گے اور عورتوں کو لونڈیاں بنا لیں گے۔ نیز وہ یہ گمان کریں گے یہ ایک شخص کی حرکت نہیں ہے بلکہ ہماری جماعت بھی اس سازش میں شریک ہے۔

ان لوگوں نے اسے قید کر کے قلعہ میں بند کر دیا۔ تمام بنی حنیفہ اپنے سابقہ کردار سے برأت اور تجدید بیعت کے لیے جمع ہوئے۔ سلمہ نے ان سے کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب کوئی بات تمہاری مرضی کے خلاف ہرگز نہ کروں گا۔ تم صرف مجھے معاف کر دو۔ مگر بنی حنیفہ نے اس کی درخواست کو رد کر دیا اور اس کی سابقہ حماقت کی وجہ سے وہ اس کے کسی بھی عہد کو قبول کرنے کو تیار نہ ہوئے۔

چنانچہ ایک رات وہ چپکے سے قلعہ سے نکل کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی فرودگاہ کی طرف چلا۔ قلعہ کے پہریداروں نے اسے دیکھ کر شور مچا دیا۔ بنی حنیفہ ایک دم بیدار ہو گئے اور اس کے تعاقب میں دوڑے۔ قلعہ کی فصیل کے قریب ان لوگوں نے اسے جا لیا۔ اس نے ان پر تلوار کھینچ لی مگر انہوں نے اسے پتھروں سے مار مار کر ایک

Marfat.com

کونے میں پناہ لینے پر مجبور کردیا۔ اس نے اپنی شہہ رگ کو اپنی تلوار سے کاٹ کر خود کو ہلاک کرلیا۔ تڑپتا ہوا وہ ایک کنویں میں جا گرا جہاں وہ ہلاک ہوا۔

اس قضیہ کے خاتمہ کے بعد بنی حنیفہ کا ایک وفد حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی خدمتِ اقدس میں جب حاضر ہوا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگوں نے یہ کیا حرکت کی تھی کہ اسلام سے بغاوت کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ! ہم سے جو لغزش ہوئی وہ ایک۔ ایسے منحوس آدمی کی وجہ سے ہوئی کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں برکت دی اور نہ ہی اس کے خاندان کو۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا پھر بھی یہ تو بتلاؤ کہ وہ تم کو کس بات کی دعوت دیتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ ہم کو بطورِ الہام یہ فقرے سنایا کرتا تھا ''اے مینڈکی تو پاک ہے، صاف ہے، نہ کسی پینے والے کو روکتی ہے نہ پانی گندہ کرتی ہے۔ آدھی زمین ہماری آدھی قریش کی مگر قریش تو ایسی قوم ہے جو اپنی حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔''

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''سبحان اللہ! تم پر بہت ہی افسوس ہے۔ یہ تو اس قسم کا کلام ہے جسے آج تک نہ اللہ نے اور نہ ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ وہ تمہیں کہاں تک بہکا لے گیا تھا۔'' ان لوگوں نے ندامت کا اظہار کیا۔

لعنت الله علی الکاذبین

Marfat.com

Marfat.com

سجاح بنت الحارث

سجاح نامی عورت بھی اسی دور میں نبوت کی دعویدار تھی۔ یہ عورت قبیلہ بنی تمیم کی ایک شاخ یربوع سے تعلق رکھتی تھی۔ بنی تمیم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پردہ فرمانے سے پہلے مختلف عاملوں کو مقرر فرما کر روانہ کر چکے تھے۔ زبرقان بن بدر کو رباب، عوف اور ابناء کا عامل مقرر فرمایا گیا تھا۔ قیس بن عاصم کو مقاعس اور ان کے متعلقہ خاندانوں کا عامل بنایا گیا تھا۔ صفوان بن صفوان اور سمرۃؓ بن عمرو کو بنی عمرو کا عامل بنایا گیا تھا۔ وکیع بن مالک اور مالک بن نویرہ کو بنی حنظلہ کا عامل مقرر کیا گیا تھا۔

حضرت صفوانؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحلت کی اطلاع ملی تو وہ بنی عمرو اور سبرہ کے علاقوں کے صدقات کا مال لے کر سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہو گئے۔ سبرہ اپنی قوم میں رباب کے ہنگامے کی وجہ سے ٹھہرے رہے۔ قیس ابھی اپنے علاقہ میں موجود تھے اور یہ دیکھ رہے تھے کہ صورت حال کیا رخ اختیار کرتی ہے۔ کیونکہ وہ اور زبرقان اکٹھے عامل تھے چنانچہ وہ انتظار کر رہے تھے کہ زبرقان بھی صدقات کا مال لے کر مدینہ طیبہ چلیں۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ زبرقان نے آمادگی ظاہر نہیں کی تو کہا کہ ''ابن العکلیہ کا برا ہو، انہوں نے میرے منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ اگر میں ابوبکر کی اتباع کرتا ہوں اور ان کو صدقات کا مال لے جا کر دیتا ہوں اور وہ اسے بنی سعد پر خرچ کر دیتے ہیں تو پھر زبرقان ان قبائل میں مجھے بدنام و رسوا کریں گے اور اگر خود میں ان صدقات کو بنی سعد

Marfat.com

میں خرچ کردوں تو وہ ابوبکر کے پاس مجھے رسوا کریں گے۔"

آخر سوچ بچار کے بعد انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان صدقات کو وہ مقاعس اور ان کے دوسرے ملحقہ خاندانوں میں تقسیم کردیں۔ انہوں نے ایسا ہی عمل کیا مگر زبرقان نے ایسا نہ کیا بلکہ وہ صفوان کے پیچھے ہی رباب، عوف اور ابناء کے صدقات کا مال لیکر مدینہ طیبہ آگئے اور ایک شعر میں انہوں نے قیس کے طرز عمل کی تعریف کی۔ مگر ہوا یہ کہ ان لوگوں کے جانے سے قبائل کا تمام تر نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا اور ہر طرف فتنہ ارتداد پھیل گیا۔ قیسؓ بھی کچھ عرصہ کے بعد علاء بن حضرمی کے پاس آگئے اور جہاد کے لیے چلے۔

تمام بنی تمیم کے علاقہ کا ہی یہ حال تھا کہ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی تھی یعنی وہ سب باہم دست وگریبان تھے۔ ایک طرف تو ان قبائل میں خلفشار اور بدنظمی پھیلی ہوئی تھی تو دوسری طرف سجاح اور اس کے ہمراہی سردار نے انہیں ایک نئے فتنہ میں مبتلا کر کے رکھ دیا۔

سجاح بنت الحارث بن سوید بن عقفان اور اس کے دادا عقفان کی اولاد بنی ثکلب میں سے تھے۔ اس کے خاندان کے چند لوگ عیسائیت اختیار کر چکے تھے اور انہوں نے عراق میں قبیلہ بنی ثعلب میں سکونت اختیار کر رکھی تھی۔ سجاح نے بھی عیسائیت کے ماحول میں ہی پرورش پائی تھی۔ یہ عورت بہت ہی ہوشیار تھی۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کر کے کافی لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ وہ دراصل مدینہ طیبہ پر قبضہ کر کے اسے اپنی نبوت کا مرکز قرار دینا چاہتی تھی۔

بنی تمیم میں پہنچ کر اس نے اپنے قبیلہ بنی یربوع کو بھی اپنے ساتھ ملانا ضروری خیال کیا۔ ھذیل نامی سردار بھی عیسائیت ترک کر کے اس کے ساتھ مل گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بنی یربوع کا سردار مالک بن نویرا تھا جس نے اس کا ساتھ دینا پسند کیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جب یہ عورت حزن کے علاقہ میں پہنچی تو اس نے اپنا قاصد مالک بن نویرہ کے پاس بھیجا اور اس کو صلح کی پیش کش کی۔ اس پیش کش کو اس نے قبول کرلیا۔

مالک بن نویرہ نے اس کو بنی تمیم کے قبائل سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا اور

Marfat.com

اس نے مالک بن نویرہ ہی کو ذمہ داری سونپی اور کہا کہ یہ کام تو تم ہی کر سکتے ہو اگر حکومت حاصل ہوگئی تو یہ تمہاری ہی ہو گی۔ چنانچہ اس کے بعد اس نے بنی مالک بنی حنظلہ سے خط و کتابت شروع کی اور ان کو مصالحت اور حمایت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح اس نے دیگر قبائل کو بھی دوستی کی پیش کش کی مگر سوائے وکیع کے کوئی اور آمادہ نہ ہوا۔

چنانچہ اب وکیع، مالک اور سجاح کا اتحاد قائم ہوگیا۔ انہوں نے اتفاقِ رائے سے ان قبائل کے ساتھ جنگ کرنے کی ٹھانی۔ اب طے یہ ہوا کہ ضم، بھدیٰ، عوف، رباب اور ابناء کے قبائل میں سے کسی قبیلہ کے ساتھ جنگ کی ابتدا کی جائے۔ قیس کو انہوں نے ابھی تک چھوڑ رکھا تھا کیونکہ انہیں امید تھی کہ وہ ان کے ساتھ ضرور مل جائیں گے۔ اس موقع پر سجاح نے الہامی انداز میں یہ فقرے بھی ادا کیے۔ ''سواریاں تیار رکھو، غارتگری کے لیے تیار ہو جاؤ، پھر رباب پر غارت گری کردو کیونکہ ان کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔''

یہ انداز تو اس نے ایک عرصہ سے اپنا رکھا تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خوبصورت ترین کاہنہ تھی۔ لوگ اس کی پیش گوئیوں پر کافی حد تک یقین رکھتے تھے اور اس کے اپنے قبیلے کے علاوہ دیگر قبائل کے لوگ بھی اس کے پاس آیا کرتے تھے۔ اس کی بتلائی ہوئی باتیں کافی حد تک درست ہوا کرتی تھیں۔ دوسری بات یہ بھی تھی کہ وہ باتیں بنانے کا فن جانتی تھی۔ اس کے آگے کوئی بھی بول نہیں سکتا تھا۔ اس کی آواز میں ایک طرح سے سحر ہوتا تھا۔

یوں تو اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مقدسہ میں ہی اپنے منصوبہ پر عمل درآمد کا فیصلہ کرلیا تھا مگر اس کی حوصلہ افزائی اس وقت ہوئی جب اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی اطلاع ملی۔ یہ تو وہ بخوبی جانتی تھی کہ وہ ایک بالکل جھوٹی عورت ہے، اسی لیے اس کو اس اطلاع سے ایک طرح سے تقویت حاصل ہوئی کیونکہ اب اس کے خیال میں میدان صاف تھا اور اس سے بازپرس کرنے والا کوئی نہ تھا۔ یہی سوچ کر اس نے معلوم کروایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین کون ہے۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق ہیں تو وہ خاموش ہوگئی۔

Marfat.com

اب اس نے پراسرار باتیں لوگوں کو سنانا شروع کر دیں اور ان لوگوں سے بھی وہ الہامات حاصل کیے جو مسیلمہ کذاب کہا کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے آیاتِ قرآنی اور مسیلمہ کے الہامات کو گڈ مڈ کر کے اپنی چند عبارات کو ترتیب دیا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے قریبی لوگوں کو اپنی عبارات سنائیں تو انہوں نے کہا کہ قرآنی آیات کے مقابلہ میں تو ان کی کوئی وقعت نہیں۔ انہوں نے اس کی عبارات کی تعریف و توصیف تو کی مگر یہ بھی کہا کہ اس کی عبارات کا اور آیات قرآنی کا کوئی مقابلہ نہیں۔

سجاح نے دھیرے دھیرے اپنی عبارات کو الہامی پیغام کہہ کر لوگوں کو سنانا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے قریبی لوگوں سے کہا کہ وہ ان عبارات کا خوب چرچا کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ وہ ایک نبیہ ہے۔ اس طرح اس نے بہت جلد شہرت حاصل کر لی۔ جب اس کے پاس اچھی خاصی جمعیت اکٹھی ہوگئی تو اس نے سوچا کہ مدینہ طیبہ پر ہی قبضہ کر کے اپنا سکہ جمایا جائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے پہلے ھذیل اور پھر مالک بن نویرہ کو اپنی حمایت و اعانت پر آمادہ کیا اور انہیں یہ لالچ دیا کہ حکومت تو دراصل انہی کی ہوگی۔

•

یہی دراصل اس کا طریقہ کار تھا کہ وہ لوگوں کو یہ بتلایا کرتی تھی کہ وہ صرف انہی پر اعتماد کرتی ہے۔ اس نے تمیم قبیلہ کے چند بڑے آدمیوں کو یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ اس کے الہامات کو لوگوں میں عام کریں۔ مگر یہ صورتِ حال عام لوگوں کے لیے خوشگوار تو نہ تھی کیونکہ عام طور پر یہی بات مشہور تھی کہ انبیاء علیھم السلام اپنے ادیان کی تبلیغ کا آغاز غریب اور نادار قسم کے لوگوں سے کیا کرتے ہیں۔ اس طرح یہ بات بھی مشہور تھی کہ سب سے پہلے نبی پر ایمان بھی غریب اور نادار لوگ ہی لاتے تھے۔ مگر یہاں تو صورتِ حال ہی مختلف تھی کیونکہ سجاح تو ابتداء ہی امراء و روساء سے کر رہی تھی۔

انہی خیالات کا اظہار ایک مرتبہ سجاح سے کسی قریبی بندے نے کر دیا۔ جس کا جواب اس عیار عورت نے یہ دیا کہ ''اگرچہ تم لوگ یہ سوچ رہے ہو کہ تمام نبی تو اپنے دین کا آغاز غریبوں سے کیا کرتے ہیں اور میں نے یہ کام سرداروں اور امیر کبیر لوگوں سے شروع کیا ہے مگر تمہاری سوچ تو میرے لیے اس قدر اہمیت کی حامل ہرگز نہیں ہے کیونکہ میں تو دنیا کی سب سے پہلی نبیہ ہوں۔ یہ سعادت بھی تو پہلے کسی کو حاصل نہیں

Marfat.com

ہوئی تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ میں پہلے تو ایک کاہنہ تھی۔ میری لاتعداد کرامات تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔ میری طاقتوں میں اب بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے کیونکہ اب میں ایک نبیہ ہوں۔ دنیا کی پہلی نبیہ۔ یہ مجھے اللہ نے انعام عطا فرمایا ہے۔''

دیگر جھوٹے نبیوں کے قبائل کی طرح بنوتمیم نے بھی اس کے دعویٰ پر بے حد خوشی اور انبساط کا اظہار کیا کیونکہ بنوقریش کی عظمت وہ لوگ مکہ اور مدینہ میں دیکھ ہی چکے تھے۔بنوتمیم بھی یہی خیال کرتے تھے کہ اس طرح ان کا قبیلہ بھی مشہور ہو جائے گا اورانہیں بھی دنیا میں فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

دنیا میں توہم پرستی تو شروع ہی سے رہی ہے۔ اب یہ ہونے لگا کہ لوگ اس کے پاس اپنے عام و خاص مسائل لے کر آنے لگے۔ کچھ لوگوں کا خیال یہ ہوتا تھا کہ اس طرح سجاح کو آزمایا جائے مگر کچھ لوگ تو اندھے اعتقاد کی وجہ سے آتے تھے۔ جب وہ محض ایک کاہنہ تھی تو اس وقت بھی اس کے پاس اپنے مسائل کے حل پوچھنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا مگر اب تو صورتِ حال ہی بدل چکی تھی اب تو وہ ایک کاہنہ نہیں بلکہ نبیہ تھی اور بقول اس کے اس کی روحانی قوت میں اب زبردست ضافہ ہو چکا تھا۔

سجاح چونکہ ایک انتہائی حسین وجمیل عورت تھی اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں خوش کلامی اور خوش اندامی بھی تھی۔ چنانچہ وہ مردوں کو بہت جلد متاثر کرلیا کرتی تھی۔ اس کی باتیں سننے والے مبہوت ہو جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یوں ہوا کہ اس کے پاس ایک پریشان حال بوڑھی عورت آئی اور زاروقطار آنسو بہاتے ہوئے کہنے لگی ''اے محترم نبیہ! میرے حال پر بھی رحم کھا۔ میرے دو بیٹے ملک فارس گئے تھے ایک عرصہ ہوگیا ہے۔ مجھے تو کچھ علم نہیں کہ وہ کس حال میں ہیں؟ مجھے یہ تو بتلادے کہ وہ زندہ بھی ہیں کہ نہیں اور اگر زندہ ہیں تو کب تک میرے پاس واپس آجائیں گے۔

سجاح کے لیے تو یہ معمولی کام تھا ایسے کام کی تو وہ پہلے ہی بڑی ماہر تھی۔ یہ تو علم وہ بہت پہلے ہی حاصل کر چکی تھی۔ اس نے اس عورت کو بتلایا کہ اس کے دونوں بیٹوں کی واپسی عنقریب متوقع ہے۔ چنانچہ وہ عورت خوشی خوشی واپس چلی گئی۔ اسی طرح لوگ اس کے پاس آتے رہے اور وہ انہیں مطمئن کرتی رہی۔

اس نے چونکہ اس کی منصوبہ بندی ایک طویل عرصہ سے کی تھی لہٰذا اس نے

Marfat.com

اس مقصد کے لیے اچھی خاصی رقم بھی جمع کر رکھی تھی۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ اب اس کے پاس بہت زیادہ لوگ آنا شروع ہو چکے ہیں تو اس نے اپنے چند قریبی لوگوں کو معاشی تفکرات سے آزاد کردیا۔ اب یہ لوگ بس اسی کے گن گاتے رہتے تھے۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ سجاح نبیہ ہے بھی کہ نہیں، انہیں تو سجاح سے ملنے والی دولت سے سروکار تھا۔

لوگوں کو اچھی طرح اپنی طرف راغب کرنے کے بعد اس نے اب مختلف قبائل کے سرداروں کو اپنے ساتھ ملانا شروع کردیا۔ جیسا کہ آپ پڑھ آئے ہیں کہ اس نے اپنے ساتھ مالک بن نویرہ اور وکیع کو بھی ملا لیا تھا چنانچہ اس نے ان دونوں کے تعاون سے ایک بہت بڑا لشکر تیار کرلیا۔

تاریخ طبری جلد اول حصہ چہارم صفحہ نمبر 60 پر رقم ہے کہ سجاح اب پیش قدمی کرتے ہوئے اصفار کے مقام پر آ کر خیمہ زن ہوئی۔ اس نے مالک بن نویرہ سے کہا کہ اردگرد کے قبائل سے جنگ کرے۔ چنانچہ مالک بن نویرہ نے آگے بڑھ کر دجانی پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد تمام قبائل خبہ اور عبدمنا؟ وغیرہ سجاح اور اس کے لشکر سے مقابلہ کے لیے جمع ہوگئے۔ یہاں بنی خبہ کے بنی بکر سے وکیع اور بشر کا مقابلہ ہوا۔

اس طرح قبیلہ ثعلبہ بن سعد بن خبہ سے عقہ اور عبد مناۃ سے ھذیل کا مقابلہ ہوا۔ وکیع اور بشیر کی بنی خبہ کے بنی بکر سے جنگ ہوئی تھی جس میں ان دونوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ شکست کے بعد وکیع، سماعہ اور قعقاع کو گرفتار کرلیا گیا۔ اس جنگ میں سجاح کے لشکر کے بے شمار لوگ مارے گئے تھے۔

اس جنگ کے بعد سجاح نے عقہ سے کہا کہ وہ رباب کے پاس جائے اور ان سے صلح کر لے تاکہ وہ قیدیوں کو واپس کردیں۔ مگر پہلے تم ان کے مقتولوں کی دیت ادا کردینا۔ اس نے ایسا ہی کیا جس کے بعد خبہ نے مقتولوں کی دیت لے لی اور قیدیوں کو رہا کردیا۔ اب حنظلہ میں سجاح کے ساتھ صرف مالک بن نویرہ اور وکیع ہی ساتھ تھے۔ انہوں نے یہاں پر ایک اور معاہدہ بھی کیا جس میں اس بات کا اقرار کیا گیا تھا کہ وہ سب ایک دوسرے کی ہر ممکن مدد و اعانت کریں گے اور آپس میں آمد و رفت بھی رکھیں گے۔

Marfat.com

جزیرہ کے لشکر کے ساتھ سجاح اپنے پڑاؤ سے پیش قدمی کرتی ہوئی مقام نباج تک پہنچ گئی۔ اوس بن خزیمہ نے بنی عمرو کے ان لوگوں کو خوب تشدد کا نشانہ بنایا جو سجاح کے ہمراہ آئے تھے۔ اسی دوران ھذیل بھی گرفتار کر لیا گیا۔ اسے بنی مازن کے قبیلہ بنی وبر کے ناشرہ نے گرفتار کر لیا تھا جبکہ عقہ کو عبدۃ الہجیمی نے گرفتار کر لیا تھا۔ اس کے بعد دونوں فریقین نے اس شرط پر جنگ بند کر دی کہ اگر سجاح اپنے لشکریوں سمیت واپس چلی جائے تو قیدیوں کو واپس کر دیا جائے گا اور یہ بھی کہ سجاح ان کے علاقوں سے نہ گزرے۔ سجاح نے یہ شرط قبول کر لی۔

انہوں نے سجاح سے صلح کی شرائط کے ایفاء کے سلسلے میں معقول ضمانت حاصل کی تھی۔ جس کے بعد قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا۔ ھذیل کو بھی آزاد کر دیا گیا تھا مگر اس کے دل میں ان کے لیے ایک طرح سے گرہ ضرور لگ گئی تھی۔ اس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایک جمعیت جمع کی اور سفار پر حملہ کر دیا جہاں پر بنی مازن وغیرہ مقیم تھے۔ اس نے یہاں پر خوب غارت گری کی مگر بنی مازن نے ھذیل کو قتل کر کے سفار میں پھینک دیا تھا۔

ھذیل اور عقہ جب دشمنوں کی قید سے رہائی حاصل کر کے سجاح کے پاس آئے تو وہاں پر اہل جزیرہ کے دوسرے سردار بھی جمع تھے۔ ان سب نے متفقہ طور پر سجاح سے کہا کہ وکیع اور مالک نے تو اپنی قوم سے صلح کر لی ہے۔ اسی لیے تو وہ اب ہماری مدد نہیں کرتے۔ اہل یمامہ کی شان و شوکت اب بھی بہت بڑھ چکی ہے۔ اس نے ان سرداروں کو متاثر کرنے کی خاطر الہامی انداز میں کہا ''چلو یمامہ چلو، کبوتر کی طرح اڑتے ہوئے، یہ لڑائی فیصلہ کن ہوگی اور اس کے بعد تم پر کوئی ملامت نہیں رہے گی۔'' وہاں سے چل کر سجاح اپنے لاؤ لشکر کے ہمراہ بنی حنیفہ کی طرف روانہ ہوئی۔ مسیلمہ کذاب کو جب یہ علم ہوا کہ بنو تمیم کی نبیہ سجاح بنت حارث اس کی طرف بڑھی چلی آرہی ہے تو وہ بری طرح گھبرا گیا۔ وہ یہ بات بخوبی سمجھتا تھا کہ اگر سجاح کے ساتھ ٹکراؤ ہو گیا تو پھر ثمامہ حجر ہراسے زیر کرلیں گے یا حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ یا پھر ارد گرد کے قبائل اسے بڑی آسانی کے ساتھ زیر کرلیں گے۔ اسی خوف کے زیر اثر اس نے سجاح کو تحائف ارسال کر کے خیر سگالی کا پیغام بھجوایا۔ اس کے ساتھ اس نے سجاح سے ملاقات کی خواہش

Marfat.com

کا اظہار بھی کیا۔

طے شدہ وقت پر مسیلمہ اور سجاح کے درمیان ملاقات ہوئی۔ سجاح ایک راسخ العقیدہ عیسائی عورت تھی اور اس کو یہ بھی علم تھا کہ بنو تمیم بھی مشرب عیسائیت سے واقف ہیں۔ مسیلمہ نے خوشامد بھرے لہجہ میں اس سے کہا کہ آدھی زمین ہماری اور آدھی زمین قریش کی ہوتی اگر برابر تقسیم کی جاتی مگر اب تو قریش کا حصہ بھی اللہ نے تمہیں دے دیا ہے۔ تم اسے بخوشی قبول کرلو۔

سجاح ایک عیار اور مکار عورت تھی۔ اس نے اس چاپلوسی کا کوئی زیادہ اثر قبول نہیں کیا اور کہا کہ اے مسیلمہ! اس زمین کو تم ان سواروں میں تقسیم کردو جو تمہارے سامنے موجود ہیں اور جو خون کے پیاسے ہیں۔ مسیلمہ نے بڑی چالبازی سے کہا کہ "اللہ نے جس کی بات چاہی سنی اور جس نے خیر طلب کی اللہ نے اسے خیر عطا کی اور اس کی بات حسب مراد بڑھتی چلی گئی۔ تمہارے رب نے تم کو دیکھا، تم پر سلامتی بھیجی اور وحشت کو تم سے دور کردیا اور آخرت کے دن وہ تم کو آتش دوزخ سے بچا کر حیات دوام عطا فرمائے گا۔ نیک لوگوں کی دعائیں ہمارے لیے ہیں جو شقی ہیں اور نہ بدکار جو تمام رات اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور دن کو روزے رکھتے ہیں۔ تمہارے بزرگ رب کے لیے جو مالک ہے بادلوں کا اور بارشوں کا۔

تاریخ طبری میں ہی اس سلسلہ میں اسی واقعہ کے بارے میں دوسرا بیان یہ ہے کہ جب سجاح مسیلمہ کے مقابلہ پر آئی تو مسیلمہ نے مدافعت کے لیے اپنے قلعہ کا دروازہ بند کرلیا۔ سجاح نے اس سے کہا کہ تم مجھ سے آکر مل لو۔ مسیلمہ نے کہا کہ اس شرط پر آؤں گا کہ اگر تم اپنے ساتھیوں کو دروازہ سے پرے ہٹا لو۔ سجاح نے ایسا ہی عمل کیا۔ اس کے بعد مسیلمہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس کی اور سجاح کی ملاقات کے لیے ایک خیمہ قلعہ سے باہر نصب کرو۔ اس میں لوبان اور عود کی خوب دھونی دو تاکہ سجاح کی خواہشِ جماع تیز تر ہوجائے۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پھر جب سجاح اس خیمہ میں آگئی تو مسیلمہ بھی قلعہ سے باہر آگیا۔ اس نے خیمہ کے دونوں اطراف دس دس مسلح آدمی تعینات کردیے۔ اس دوران ان کے درمیان بہت زیادہ فحش کلامی ہوئی۔ جسے آپ تاریخ طبری جلد اول حصہ

Marfat.com

چہارم کے صفحہ 63,64 پر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ ان دونوں نے وہاں شادی کرلی۔ کیونکہ مسیلمہ نے جو اپنے قوانین مرتب کیے تھے ان میں نکاح کی تو ضرورت نہیں تھی صرف عورت اور مرد کی رضامندی ہی ضروری تھی۔ اس کے بعد سجاح اور مسیلمہ اس خیمہ میں تین دن تک رہے۔

تین دن مسیلمہ کے ساتھ خیمہ میں گزارنے کے بعد جب سجاح واپس اپنے لشکر میں آئی تو اس نے انہیں بتایا کہ وہ بھی نبی ہے چنانچہ میں نے اس سے شادی کرلی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اے سجاح! کیا تم کو اس نے کوئی مہر بھی دیا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ نہیں کوئی مہر تو نہیں دیا۔ انہوں نے کہا کہ پھر تم ایک مرتبہ دوبارہ مسیلمہ کے پاس جاؤ۔ تمہاری جیسی عورت کے لیے تو یہ زیب نہیں ہے کہ وہ بغیر مہر کے ہی واپس آجائے۔ چنانچہ سجاح ایک مرتبہ پھر مسیلمہ کے پاس گئی۔

جب مسیلمہ نے یہ دیکھا کہ ایک مرتبہ پھر سجاح اس کی طرف آرہی ہے تو اس نے قلعہ کا درازہ بند کروا دیا۔ اس نے دریافت کیا کہ سجاح اب کیوں آئی ہو تو اس نے کہا کہ اے مسیلمہ مجھے مہر تو دو۔ مسیلمہ نے پوچھا کہ اے سجاح تمہارا مؤذن کون ہے؟ سجاح نے جواب دیا کہ شیث بن ربعی۔ مسیلمہ نے کہا کہ اسے میرے پاس بھیجو۔ شیث بن ربعی جب اس کے پاس آیا تو مسیلمہ نے اس سے کہا کہ اپنے ساتھیوں میں جا کر اعلان کردو کہ مسیلمہ بن حبیب رسول اللہ نے تمہارے لیے ان نمازوں میں سے جن کا حکم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دیا ہے، دونمازوں یعنی عشاء اور فجر کی نمازوں کو معاف کرنے کا اعلان کرتا ہے۔ سجاح کے مصاحبوں میں اس وقت زبرقان بن بدر، عطا اور بن حاجب جیسے لوگ بھی شامل تھے۔ کلبی کا بیان ہے کہ بنی تمیم کے مشائخ نے یہ بات بتلائی تھی کہ صحرا کے اکثر بنی تمیم کے لوگ یہ دونوں نمازیں ادا نہیں کیا کرتے تھے۔

یہ مہر حاصل کرنے کے بعد سجاح اپنے مصاحبین زبرقان، عطارد بن حاجب، عمرو بن الاہتم، غیلان بن حرشہ اور شیث بن ربعی کے ہمراہ وہاں سے چلی گئی۔ عطارد نے اپنے ایک شعر میں اس بات کا فخریہ اظہار کیا تھا کہ سارے لوگوں کے نبی تو مرد ہوتے ہیں اور صرف ہماری نبی ہی عورت ہے۔

سجاح اور مسیلمہ میں یہ معاہدہ ہی ہوا تھا کہ مسیلمہ اس کو یمامہ کے محاصل کا

Marfat.com

نصف دے گا۔ سجاح نے کہا کہ اس سال کی رقم تو مجھے ابھی چاہئے۔ مسیلمہ نے اس کی یہ بات بھی تسلیم کر لی اور اسے کہا کہ اس مقصد کے لیے اپنا کوئی با اعتماد آدمی یہاں چھوڑ جاؤ۔ اس نے کہا کہ نصف رقم میں اس آدمی کے ہاتھ بھیج دوں گا اور آدھی رقم تم ابھی لے جاؤ۔ چنانچہ وہ قلعہ کے اندر چلا گیا جہاں سے اس نے آدھی رقم سجاح کو بھجوا دی۔ اس کے بعد سجاح واپس جزیرہ چلی گئی اور باقی رقم کی وصولی کے لیے اس نے وہاں پر هذیل، عقہ زیاد کو چھوڑا۔ یہ لوگ وہاں پر رقم کا انتظار کر رہے تھے کہ اچانک اس طرف حضرت خالد بن ولیدؓ آ گئے جس کی وجہ سے وہ لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

تاریخ طبری جلد اول حصہ چہارم صفحہ نمبر 65 پر رقم ہے کہ جب سجاح جزیرہ واپس چلی گئی تو مالک بن نویرہ اپنی حرکت پر بہت ڈرا۔ مالک کو اپنی حرکت پر بہت ندامت ہوئی۔ وہ حیران و پریشان تھا کہ اب کیا کرے یا کیا نہ کرے۔ اسی طرح وکیع اور سماعہ کو بھی اپنی حرکات پر بہت شرمندگی محسوس ہوئی۔ ان دونوں نے دوبارہ پھر کوئی سرکشی نہ کی اور تائب ہو کر اسلام میں واپس آ گئے۔ یہ دونوں زکوٰۃ کی رقم اپنے علاقوں سے وصول کر کے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگوں نے مرتدین سے کیوں تعلقات سے قائم کیے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بنی ضبہ نے ہمارے ایک شخص کو مار ڈالا تھا۔ اس کے خون کا بدلہ لینے کے لیے اس ہنگامے کو ہم نے مناسب موقع خیال کیا تھا۔ اب بنی حنظلہ کے علاقہ میں کوئی اور بات تو پریشان کن رہی نہ تھی البتہ مالک بن نویرہ اور جو لوگ بطاح میں اس کے پاس جمع ہو گئے تھے وہ باقی تھے کیونکہ اب تک اپنے معاملہ میں وہ سخت متردد اور حیران تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

قاسم اور عمرو بن شعیب سے مروی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کوچ کا ارادہ کیا۔ آپؓ ظفر سے چلے۔ اس سے پہلے آپ بنی اسد، بنی غطفان، بنی طے اور بنی ہوازن جیسے قبائل کی سرکوبی فرما چکے تھے۔ اب آپ نے بطاح کے علاقہ کی طرف چلے جو کہ حزن کے قریب واقع ہے، سے چلے جہاں مالک بن نویرہ موجود تھا۔

مالک بن نویرہ دراصل بنی تمیم کا ایک نامور سردار تھا۔ یہ شخص سخاوت اور فیاضی میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر

Marfat.com

اسلام قبول کیا تھا۔ آپؐ نے اس کو اس کے قبیلہ کا امیر مقرر کر دیا تھا۔ یہ شخص اس سعادت سے اس وقت محروم ہو گیا جب اس نے سجاح کی بیعت کی اور درجہ صحابیت سے مرتد بن گیا۔ درحقیقت مالک بن نویرہ اس سعادت سے محروم ہو گیا جس کی تمنا تاقیامت اہل اسلام کرتے رہیں گے۔ اگر یہ اپنے آپ پر قابو رکھتا اور دنیاوی جاہ و جلال کی تمنا نہ کرتا تو اس کو بھی صحابہ کرام کی صف میں ہی شمار کیا جاتا۔

جب سجاح جزیرہ کی طرف چلی گئی تو مالک کا مارے تردد کے برا حال تھا۔ مگر اب ایک نئی صورت حال اہل اسلام کے لشکر میں بھی پیدا ہو چکی تھی وہ یہ کہ انصار نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ بطاح جانے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے یہ عذر پیش کیا تھا کہ انہیں ایسا کرنے کا حکم امیر المومنین نے تو نہیں دیا تھا۔ انہوں نے تو یہ حکم دیا تھا کہ جب ہم براخہ سے فارغ ہو جائیں اور دشمن کے علاقوں کو مطیع کر لیں تو ان کے دوسرے حکم کا انتظار وہیں کریں۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ''ممکن ہے کہ انہوں نے تم کو یہی حکم فرمایا ہو مگر مجھے یہ حکم فرمایا گیا تھا کہ میں آگے بڑھوں۔ تمام خبریں تو مجھے موصول ہوتی ہیں اور مجھے تو میرے عمل کے خلاف اب تک کوئی بھی حکم نہیں ملا۔ دوسری بات یہ بھی سن لو کہ میں اس لشکر کا امیر ہوں جب تک مجھے ان کا کوئی قطعی حکم ان کے خلاف نہ ملے اور میں دشمن کو زیر کرنے کا کوئی موقع پاؤں تو کیا اس کے لیے ان کو اطلاع کر کے ان سے حکم حاصل کروں۔ یقیناً اس طرح وہ موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ میں تو ہرگز ایسا نہیں کروں گا بلکہ جو موقع دستیاب ہوگا اس سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گا۔

اسی طرح اگر ہم کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں جس کے متعلق انہوں نے اپنے فرمانِ تقرر میں کوئی تصریح نہ کی ہو تو اس موقع پر ہم کیا کریں گے چنانچہ ہم جو بہتر صورت دیکھیں گے وہی کریں گے۔ بالکل اسی طرح مالک بن نویرہ ہمارے قریب موجود ہے۔ میں تو بہرحال خود اور اپنے ہمراہی مہاجرین اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اس کے مقابلہ پر بڑھتا ہوں اور تم لوگوں کو اپنے ساتھ آنے پر مجبور ہرگز نہیں کرتا۔''

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک حقیقت پسند بزرگ تھے آپ کی جنگی حکمتِ عملی اور فہم و فراست اپنی مثال آپ تھی۔ آپ کی باتوں نے حقیقتاً انصار کے دلوں

Marfat.com

کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ مگر ان کو ہوش تب آیا جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں سے کوچ فرما چکے تھے۔ آپؓ کے چلے جانے کے بعد انہیں اپنے عمل پر ندامت ہوئی۔ اب انہوں نے کہنا شروع کیا کہ اگر خالدؓ کو کامیابی حاصل ہوئی اور اس میں بھلائی ہوئی تو ہم یقیناً اس سے محروم رہ جائیں گے اور اگر وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوئے تو سب مسلمانوں میں ہماری رسوائی ہو جائے گی۔

اس صورت حال میں وہ ہم سے اجتناب برتیں گے۔ انہی اندیشوں کی وجہ سے اب تمام انصار بھی حضرت خالدؓ کی معیت کے لیے بالکل آمادہ ہوگئے۔ انہوں نے اپنے ایک قاصد کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس دوڑایا تاکہ وہ ان کو روکے۔ حضرت خالدؓ انصار کے لیے ٹھہر گئے اور جب وہ آگئے تو وہ سب کو لے کر بطاح کے علاقہ میں آئے مگر وہاں پر کسی کو بھی نہیں پایا۔

بزرگوں کے یہی واقعات حقیقت میں ایمان افروز اور اخلاقی عظمت کے شاہکار ہیں یعنی اگر انصار نے آگے بڑھنے سے انکار کیا تو حضرت خالدؓ نے قطعاً برا نہیں منایا بلکہ انہیں نرمی اور دلائل کے ساتھ سمجھایا اور جب انصار کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے ذرا برابر دیر نہ لگائی اور حضرت خالدؓ کی ہمراہی قبول کی۔ سبق آموز بات یہ ہے کہ جب انصار نے حضرت خالدؓ کو پیغام بھیجا کہ ٹھہریئے ہم بھی آرہے ہیں تو آپ نے اسی جگہ پڑاؤ ڈال کر ان کا انتظار کرنا مناسب خیال کیا۔ یہ نہیں سوچا کہ انہوں نے پہلے میرا حکم نہیں مانا تھا۔ حالانکہ یہ بات بالکل درست تھی۔

جیسا کہ آپ درج بالا سطور میں پڑھ آئے ہیں کہ حضرت خالدؓ جب بطاح آئے تو انہوں نے وہاں کسی کو نہیں پایا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہاں پر مالک اور اس کے ساتھیوں میں سے کسی کو نہیں پایا تھا۔ ہاں مگر انہوں نے یہ دیکھا کہ مالک کو اپنے رویہ پر تردد ضرور تھا اور اس نے اپنے تمام پیروکاروں یا ساتھیوں کو اپنی اپنی جائیدادوں کو دیکھ بھال کے لیے روانہ کردیا تھا۔ اس نے عوامی اجتماع کی بھی ممانعت کردی تھی۔

حضرت خالدؓ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس نے اپنی جماعت سے کہا تھا کہ اے نبی یربوع! جب ہمارے امراء نے ہمیں اسلام کی دعوت دی تو ہم نے ان کی بات نہ مانی اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سے باز رکھا مگر اس فعل سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوا۔ میں

Marfat.com

نے اس معاملہ پر غور کیا تو مجھے احساس ہوا کہ ہم نے اس کام (یعنی مرتد ہونے) کو بغیر سوچے سمجھے اور مصلحت بینی کے اختیار کیا تھا۔ تم لوگ اب اس سے علیحدگی اختیار کرلو اور اپنے علاقوں کو لوٹ جاؤ اور اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

مالک بن نویرہ کے اس مشورے کے بعد اس کے تمام ساتھی اپنی اپنی قیام گاہوں کو واپس چلے گئے اور وہ بھی اپنے گھر چلا گیا۔ حضرت خالدؓ نے بطاح میں باغیوں کی تلاش کے لیے مختلف فوجی دستوں کو تعینات کیا اور انہیں یہ بھی ہدایت کی کہ وہ جہاں پہنچیں وہاں سے شعائرِ اسلامی کی منادی کریں جو اس کا جواب نہ دے اسے گرفتار کریں اور جو مقابلہ پر اتر آئے اسے قتل کردیا جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالدؓ کو حکم دے رکھا تھا کہ جب وہ کسی بھی مقام پر پہنچیں تو وہاں پر اذان دیں اور اقامت کہیں۔ اگر اس مقام کے باشندے بھی اذان اور اقامت کہیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور اگر وہ لوگ ایسا نہ کریں تو فوراً ان پر حملہ کردیا جائے اور انہیں بے دریغ قتل کردیا جائے اور اگر وہ لوگ شعائرِ اسلامی کا جواب دیں تو پھر ان سے زکوٰۃ کا اقرار لیا جائے اگر وہ مان جائیں تو بہتر ہے وگرنہ بغیر تنبیہہ کے اچانک ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کردیا جائے۔

انہی دستوں میں سے ایک دستے نے مالک بن نویرہ کو مع اس کے چند سرداروں کے گرفتار کر کے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا۔ مالک کے ان معتمد ساتھیوں میں بنی شعلبہ بن یربوع کے عاصم، عبید، عرین اور جعفر جیسے معروف لوگ بھی شامل تھے۔ اس دستے میں حضرت ابو قتادہؓ بھی شامل تھے۔ ان قیدیوں کے بارے میں اچھا خاصا اختلاف پیدا ہوا۔ حضرت ابو قتادہؓ اور چند دیگر اصحاب نے یہ گواہی دی کہ ان لوگوں نے اذان دی، اقامت کہی اور نماز پڑھی۔ حضرت خالدؓ نے اس اختلافِ شہادت کی وجہ سے ان تمام لوگوں کو قید کرنے کا حکم دیا۔

یہ ایک سرد ترین رات تھی۔ ہوا میں اس قدر تیزی تھی کہ اس کے آگے کچھ بھی نہیں ٹھہر رہا تھا۔ سردی کا جب زور زیادہ بڑھا تو حضرت خالدؓ نے منادی کو طلب فرما کر حکم دیا کہ وہ بلند آواز سے کہے کہ اپنے قیدیوں کو گرم کرو۔ اس منادی نے بلند آواز سے چلا کر کہا اِدْ فِؤا اسرا کم۔ یعنی اپنے قیدیوں کو گرم کرو۔ بنی کنانہ کے محاورے میں اس

Marfat.com

لفظ کو قتل کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ دوسروں کے محاورے میں جب اُدِفہ کہا جائے تو وہ قتل کے معنی میں سمجھا جاتا ہے۔

مجاہدین نے یہی خیال کیا کہ ان سب کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ انہوں نے تمام قیدیوں کو قتل کر دیا۔ حضرت ضرار بن ازورؓ نے مالک بن ویرہ کو قتل کیا۔ حضرت خالدؓ کو جو بے انتہا شور و غل سنائی دیا تو آپ اپنے خیمہ سے باہر نکل آئے مگر اس وقت تمام قیدیوں کو قتل کیا جا چکا تھا۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ جس کام کو کرنا چاہتا ہے وہ ہر حال میں پورا ہو کر رہتا ہے۔

حضرت ابو قتادہؓ نے اس قتلِ عام کا الزام حضرت خالدؓ پر لگا دیا۔ مگر حضرت خالدؓ نے ان کو خاموش رہنے کا جب فرمایا تو وہ مدینہ طیبہ چلے آئے۔ جب انہوں نے تمام واقعہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے گوش گزار کیا تو آپ بے حد ناراض ہوئے۔ آپ نے بڑے غصے سے فرمایا کہ تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی کہ تم امیر کی اجازت کے بغیر لشکر سے چلے آؤ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی سفارش کی مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نہ مانے اور فرمایا کہ جب تک یہ اپنے امیر کے پاس واپس نہ جائیں میں انہیں ہرگز معاف نہیں کروں گا۔ چنانچہ حضرت ابو قتادہؓ واپس حضرت خالدؓ کے پاس گئے اور انہی کے ساتھ مدینہ طیبہ واپس آئے۔

تاریخ طبری جلد اول جلد چہارم صفحہ 69 پر درج ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی فوجوں کو یہ ہدایات دی تھیں کہ جب تم کسی بستی میں جاؤ اور وہاں نماز کے لیے اذان سنو تو خاموش رہنا۔ پھر ان سے دریافت کرنا کہ ان لوگوں نے سرکشی کیوں اختیار کی تھی۔ اور اگر اذان سنائی نہ دے تو فوراً غارتگری کر کے وہاں کے باشندوں کو قتل کر دینا اور جلا دینا۔

بنی سلمہ کے ابو قتادہؓ حارث بن ربعی نے مالک کے مسلمان ہونے کی گواہی دی تھی اور ان کے قتل کے بعد انہوں نے قسم کھائی تھی کہ اب آئندہ وہ کبھی حضرت خالدؓ کے ہمراہ کسی جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ وہ بیان کرتے تھے کہ جب حضرت خالدؓ کی فوج نے مالک کے قبیلہ پر حملہ کیا تو وہ رات کی وجہ سے حملہ آوروں سے خائف

Marfat.com

ہو گئے۔ انہوں نے بڑی سرعت سے اپنے اپنے ہتھیار سنبھالے۔

انہوں نے زور زور سے پکار کر کہا کہ ہم لوگ مسلمان ہیں۔ حملہ آوروں نے کہا کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ پھر ان ہتھیاروں کا کیا مقصد ہے۔ ہم لوگوں نے پوچھا کہ تمہارے ہتھیاروں کا کیا مقصد ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ہمارے کہنے پر اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دیئے۔ اس کے بعد ہم نے نماز پڑھی۔ انہوں نے بھی نماز پڑھی۔ حضرت خالدؓ، مالک کے قتل کے متعلق یہ عذر پیش کرتے تھے کہ ملاقات کے دوران اس نے بار بار یہ کہا کہ ''میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے صاحب نے یہ اور یہ کہا ہو گا۔'' حضرت خالدؓ نے فرمایا کیا تم ان کو اپنا صاحب نہیں سمجھتے۔ پھر آگے بڑھے اور ان کی گردن مار دی۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مالک کا قتل حضرت ضرار ابن ازورؓ نے کیا تھا جبکہ ایک روایت کے مطابق عبد بن ازور اسدی نے یہ قتل کیا تھا۔ مگر کسی بھی روایت میں یہ نہیں ملتا کہ یہ قتل آپؓ نے خود کیا تھا۔ آپؓ جب مدینہ طیبہ آئے تو آپ نے ایک زنگ آلود قبا پہن رکھی تھی اور آپ کے عمامہ میں متعدد تیر چبھے ہوئے تھے۔ حضرت خالدؓ نے حضرت ابوبکر الصدیقؓ کو تمام واقعہ بلا کم و کاست سنا دیا چنانچہ آپؓ کو معاف کر دیا گیا۔

حضرت عروہ اپنے والد صاحب سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ اس موقع پر مہم کے بعض لوگوں نے تو شہادت دی کہ جب ہم نے اذان دی، اقامت کہی اور ان لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا مگر دوسروں نے کہا کہ نہیں ایسا نہیں ہوا جس کی وجہ سے وہ سب لوگ قتل کر دیئے گئے۔

خالدؓ بن ولید نامی کتاب میں جناب سید امیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ''بعض اشخاص حضرت خالد بن ولیدؓ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ مالک کی عورت بہت خوبصورت تھی۔ حضرت خالدؓ نے اسے حاصل کرنے کے لیے اسے بے گناہ قتل کروا دیا اور اس کی بیوی کے ساتھ خود نکاح کر لیا لیکن واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خالدؓ نے اسے اس وجہ سے قتل نہیں کروایا تھا کہ وہ اس کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے تھے۔''

تاریخ ابنِ خلدون اور تاریخ کی دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ جس وقت مالک بن نویرہ گرفتار ہو کر آیا اور اہل سریہ نے اذان و نماز کی بابت اختلاف کیا تو حضرت خالدؓ

Marfat.com

نے مالک بن نویرہ کے قرب و جوار کے گاؤں والوں سے اس بارے میں دریافت کیا۔ چنانچہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ مالک نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کی خبر سن کر بڑی خوشی منائی تھی اور یہ امر اس کے ارتداد کو ثابت کرتا تھا۔

اس کے علاوہ مالک بن نویرہ کے قتل ہونے کے فوراً بعد ہی حضرت خالدؓ نے اس کی بیوی سے نکاح نہیں کیا تھا۔ تاریخ میں اس کا کہیں بھی ثبوت نہیں ملتا بلکہ علامہ ابنِ خلدون نے اس واقعہ کو لکھا تک نہیں اور اگر یہی مان بھی لیا جائے کہ فوراً بعد نکاح کرلیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مالک نے ایک مدت ہوئی اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ لیکن رسمِ جہالت کے مطابق اسے اپنے گھر میں قید رکھا تھا اور یہ بات اس لیے قرینِ قیاس ہے کہ اگر صورتِ حال اس کے خلاف ہوئی تو شریعتِ اسلامی کی رو سے عدت کا عرصہ گزرے بغیر حضرت خالدؓ اس سے نکاح ہرگز نہیں کرسکتے تھے۔

روایات سے مالک کا قتل دو طرح سے ثابت ہے یا تو وہ حضرت ضرارؓ بن ازور کے ہاتھوں حضرت خالدؓ کے حکم و اجازت کے بغیر قتل ہوا۔ حضرت خالدؓ کے پہنچنے سے پہلے اس کا کام تمام ہو چکا تھا۔ اس صورت میں حضرت خالدؓ اس کے قتل کے ذمہ دار نہ تھے۔ اس کی نسبت حتمی طور پر یہ ثابت ہو چکا تھا کہ وہ مرتد ہوگیا تھا جو خود اس کی گفتگو سے بھی ثابت تھا اور اس صورت میں اس کا قتل مناسب تھا۔ غرض حضرت خالدؓ بن ولید اس الزام سے ہر حالت میں بری ہیں۔

مجھے بڑی حیرانگی ہوتی ہے جب میں اہلِ اسلام کے بزرگوں کی تحریروں میں یہ واقعہ اس طرح پڑھتا ہوں کہ حضرت خالدؓ نے مالک کی خوبصورت بیوی کی خاطر اس کو قتل کروا دیا۔ اس کو گرفتار کرنے والی جماعت میں تو حضرت خالدؓ شامل نہ تھے بلکہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گرفتار کر کے آپ کے پاس لائی تھی۔ چونکہ وہ بھی ایک جماعت کے ساتھ ہی گرفتار ہوا تھا چنانچہ یہ بات بعید از عقل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو بھی اپنے ساتھ ہی لیے پھرتا تھا اور اگر ایسا ممکن ہوتا تو اس کے دوسرے ساتھیوں کی بیویاں بھی موجود ہوتیں۔ جبکہ ایسی کوئی روایت مجھے تاریخ کی کسی کتاب سے دستیاب نہیں ہوئی۔

یہ تو صاف صاف ایسا واقعہ تھا کہ جس سے ہمیں عشقِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پتہ ملتا ہے۔ واقعہ تاریخ کی مستند کتابوں میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب

Marfat.com

حضرت خالدؓ بن ولید نے مالک کو طلب کیا اور اس کے ساتھ گفتگو فرمائی تو اس نے بار بار کہا کہ "تمہارا صاحب یہ کہتا ہے۔ تمہارے صاحب نے یہ کہا"۔ اس کی بار بار کی تکرار سے حضرت خالدؓ کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اے کتے! واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہی صاحب ہیں۔ تمہارا کوئی بھی ان کے ساتھ تعلق نہیں۔"

مالک بن نویرہ کا قتل دراصل ایک گستاخِ نبی کا قتل تھا جو کہ جائز تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں حضرت خالدؓ بن ولید سے کسی قسم کا کوئی بھی مواخذہ نہیں فرمایا۔ حالانکہ آپ ایک بااصول شخصیت تھے اگر اس میں ذرا برابر بھی حضرت خالدؓ کی غلطی ہوتی تو پھر وہ مواخذہ سے کسی بھی طرح بچ نہیں سکتے تھے مگر جب آپ نے سنا کہ مالک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کا مرتکب ہوا تھا تو آپ نے حضرت خالدؓ کو دوبارہ محاذوں پر روانہ فرما دیا۔

مالک کا بھائی متمم بن نویرہ جب اپنے بھائی کے قتل کا قصاص لینے مدینہ طیبہ آیا تو درخواست دی کہ ہمارے قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے ان کے قیدیوں کو آزاد کرنے کا حکم فرما دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت صدیقِ اکبرؓ سے حضرت خالدؓ کی برطرفی کا متعدد مرتبہ مطالبہ کیا مگر حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے ارشاد فرمایا کہ "اے عمر! میں یہ نہیں کرسکتا کہ اس تلوار کو میان میں رکھ دوں جس کو اللہ نے اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیام سے نکالا تھا۔ پھر بھلا میں کیونکر اسے نیام میں رکھ سکتا ہوں۔"

اس کے بعد ایک طویل عرصہ تو سجاح بنی ثغلب میں ہی مقیم رہی۔ یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہؓ کا عہد مبارک آیا۔ جب تمام اسلامی شہروں میں آپ کی حکومت قائم ہوگئی تو انہوں نے بنی ثغلب کو جزیرے سے منتقل کر دیا۔ سجاح بھی ان لوگوں کے ساتھ کوفہ چلی آئی اور پھر ایک راسخ العقیدہ مسلمان بن گئی۔ اس کی موت کے بارے میں نہیں معلوم ہوتا کہ کیا معاملہ ہوا۔

☆❁......❁☆

Marfat.com

Marfat.com

صاف بن صیاد

یہ ایک ایسی متنازعہ شخصیت کی داستان ہے کہ جس نے اگرچہ نبوت کا دعویٰ تو نہ کیا تھا مگر اس کا وجود ہی ایک کہانی بنا ہوا تھا۔ آئمہ تلبیس از ابو القاسم رفیق، تاریخ ابن خلدون از علامہ ابن خلدون، تاریخِ کامل از ابنِ اثیر، تاریخ طبری از جریر ابن طبری اور تاریخ الخلفاء از جلال الدین سیوطی وغیرہم نے اس سلسلہ میں جو تحریر کیا ہے اس کے مطابق نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ اسلام کو ایک مرتبہ دجالِ اکبر کے بارہ میں فرمایا تھا کہ ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جس کا نام دجال اکبر ہوگا۔ وہ شخص ایسے ماں باپ کے ہاں پیدا ہوگا جن کے ہاں عرصہ تیس برس سے کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی ہوگی۔ اس کی ایک ہی آنکھ ہوگی اور اس کے دانت بہت بڑے بڑے ہوں گے اور اس کا چہرہ بہت ہی کریہہ ہوگا۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلہ وسلم ہمارے ماں باپ آپ پر قربان، ہمیں اور بھی نشانیاں بیان فرمایئے۔ چنانچہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''وہ جب سوئے گا تب بھی اس کی اکلوتی آنکھ بند نہیں ہوا کرے گی۔ اس کا اگرچہ پورا وجود سو جایا کرے گا مگر دل اس کا بیدار ہی رہا کرے گا کیونکہ اس کے دل پر شیطان کا قبضہ ہوگا۔ اس کی طوطے کی چونچ جیسی ناک اس کے چہرے کو مزید ہولناک بنا دے گی۔ اس کے دراز ترین بازو ہوں گے جبکہ اس کو پیدا کرنے والی عورت عام عورتوں جیسی نہ ہوگی بلکہ وہ بہت ہی موٹی تازی اور

Marfat.com

لحیم شحیم عورت ہوگی۔"

صحابہ کرام رضوان الہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یہ دجال اکبر مشہور کیونکر ہوگا، جس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ "یہ دجال اکبر جب جوان ہوگا تو اس میں شیطانی قوتیں اپنا قبضہ جمالیں گی اور پھر یہ اہلِ اسلام کو گمراہ کرے گا۔ لوگ حیران ہوں گے کہ یہ طویل ترین فاصلوں کو پلک جھپکتے میں طے کرلیا کرے گا۔ اس کے ظاہر ہونے سے بڑے بڑے فتنے جنم لیں گے۔ اہلِ اسلام اس کو ختم کرنا چاہیں گے مگر اس کا خاتمہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوگا۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یہ تو دجالِ اکبر ہوگا مگر چونکہ لفظِ اکبر فرمایا گیا ہے چنانچہ اس کے علاوہ بھی کیا دوسرے دجال ہوں گے جس کا جواب یہ مرحمت ہوا کہ "ہاں دجال اکبر کے علاوہ بھی دوسرے کئی دجال ہوں گے جو مسلمانوں کو گمراہ کیا کریں گے۔ مگر یہ تمام دجال مکہ اور مدینہ میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کریں گے۔

یہ باتیں ابھی ہو رہی تھیں کہ اسی اثناء میں مکہ مکرمہ میں ایک عجیب الخلقت بچہ پیدا ہوا۔ یہ بچہ ایک یہودی کے ہاں پیدا ہوا تھا جس کا نام صیاد تھا۔ جب لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اس سے پہلے صیاد کے کتنے بچے ہیں تو انہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ ان کا پہلا بچہ ہے جو کہ عرصہ تیس برس کے بعد ان کے ہاں پیدا ہوا ہے۔ اس بچے کی صرف ایک ہی آنکھ تھی اور ناک بھی طوطے جیسی تھی۔ یہ بچہ پیدا کیا ہوا پوری وادی میں ایک دھوم سی مچ گئی۔ لوگ انہی نشانیوں کو تو سن چکے تھے چنانچہ اب لوگ اس بچہ کو حیران ہو کر دیکھنے کے لیے آتے تھے۔ اس بچے کا نام اس کے ماں باپ نے صاف رکھا۔

جب یہ بچہ ابھی نو عمر ہی تھا تو اس کی کہی ہوئی باتیں سچ ثابت ہونے لگیں۔ وہ جو بھی کہتا سوئے اتفاق وہ پورا ہو جاتا بہت جلد اس کی شہرت یہودیوں میں پھیل گئی۔ یہ اگر کسی جگہ سے گزرتا تو دور سے ہی پہچان لیا جاتا تھا کیونکہ اس کے بڑے بڑے دانت اور ایک ہی موٹی سی آنکھ تھی۔ یہودیوں نے اس لڑکے کی جھوٹی سچی باتیں مشہور کر رکھی تھیں کچھ تو سچ تھیں اور کچھ خود ساختہ تھیں۔

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمر فاروق

Marfat.com

رضی اللہ عنہ قلعہ بنی مقالہ تشریف لائے تا کہ اس سے بات کی جا سکے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ ابن صیاد لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس کے ساتھ پہلی ملاقات تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے دریافت کیا کہ ''اے لڑکے کیا تجھے معلوم ہے کہ میں کون ہوں؟'' اس نے کچھ دیر سوچا اور کہا ''جی ہاں! میں آپ کو بخوبی جانتا ہوں کہ آپ امیوں کے نبی ہیں۔'' اس نے کچھ دیر کے بعد پھر کہا کہ ''کیا آپ بھی اللہ کا رسول مانتے ہیں۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میں تو صرف اللہ تعالیٰ کے سچے رسولوں کو ہی مانتا ہوں مگر تم کیوں یہ کہتے ہو کیا تمہارے پاس بھی اللہ کا کوئی پیامبر آتا ہے۔'' اس نے بڑا ہی عجیب وغریب جواب دیا کہ میرے پاس ایک کاذب آتا ہے اور ایک صادق آتا ہے۔

یہ بڑا ہی عجیب معاملہ تھا۔ مسلمانوں نے اس کا صرف ایک ہی مطلب لیا کہ چونکہ اس کی کچھ پیشین گوئیاں سچ ثابت ہوتی تھیں اور کچھ جھوٹ چنانچہ اس کا مطلب یہی ہوا کہ اس کے پاس ایک موکل آتا تھا اور ایک شیطان یہ ایک عجیب وغریب صورت حال تھی گویا اس کی کچھ پیشین گوئیاں تو اس لیے سچ ثابت ہوتی تھیں کیونکہ اس کے پاس ایک موکل کی آمد ہوتی تھی جبکہ غلط پیشین گوئیوں کی وجہ دراصل شیطان کی اس کے پاس آمد ہوتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی کی شخصیت ایسی ہوتی ہے کہ اس کے پاس شیطان نہیں آسکتا۔

جیسا کہ حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ عالی شان ہے کہ شیطان ہر انسان کی شکل اختیار کرسکتا ہے مگر آقائے دوجہاں صلی الہ علیہ وسلم کی صورتِ مقدسہ خواب میں بھی اختیارنہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جس خوش نصیب کو بھی خواب میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے وہ فخریہ اس بات کا اظہار تازندگی کرتا ہے۔ چنانچہ صاف بن صیاد کے کاذب ہونے کے لیے یہی بات کافی تھی کہ اس کے پاس ایک شیطان بھی آتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اے

Marfat.com

صاف! گویا تمہارے اوپر سچ اور جھوٹ اکٹھے ہو گئے ہیں۔" اس کے بعد آپ نے وہاں موجود صحابہ کرام پر اس کے جھوٹ کو آشکار کرنے کے لیے اس کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ "اے صاف! میں اپنے دل میں کچھ سوچتا ہوں تم یہ بتلاؤ کہ میں نے کیا سوچا ہے۔"

صاف بن صیاد نے کچھ دیر کے بعد کہا کہ وہ ایک دھواں ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو جو سوچا تھا وہ پانچ کلمات تھے جبکہ تم نے صرف ایک کلمہ کو ہی بتلایا ہے۔ اس طرح تو تم نبوت کے دعویدار نہیں ہو سکتے۔ تم تو بس ایک نجومی اور کاہن ہی کہلا سکتے ہو۔ کیونکہ بندے کے ذاتی کمالات ہیں جبکہ نبوت تو عطائے ربی ہے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ یوں ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ عیہ وسلم کسی راہ سے گزر رہے تھے آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ نے دیکھا کہ سامنے سے ابن صیاد چلا آتا ہے جیسا کہ سب جانتے تھے کہ صاف ابن صیاد ابھی تک دولتِ ایمان سے بہرہ مند نہیں ہوا مگر اس پر کسی نے کسی بھی قسم کی سختی نہیں کی تھی اور صرف اس بات کی نہیں سختی تو خیر کسی پر بھی نہیں کی گئی تھی۔

صاف بن صیاد جب قریب آ گیا تو آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا کہ "اے صاف! کیا تم ابھی تک میری رسالت پر ایمان نہیں لائے ہو؟" صاف بن صیاد نے بھی جواب میں پوچھا کہ کیا آپ بھی مجھے اللہ کا رسول مانتے ہیں؟" رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میرا تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ایمان ہے اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان ہے مگر تم چونکہ کاذب ہو اس لیے بھلا تم پر کس طرح ایمان لایا جا سکتا ہے اور تمہیں کیسے رسول مانا جا سکتا ہے۔

صاف بن صیاد نے بڑے اعتماد سے کہا کہ "میں تو اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر دیکھتا ہوں۔" اس کے جواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اے صاف! یہ بات تو طے شدہ ہے کہ شیطان کا تخت یعنی عرش تو سطح آب پر بچھا ہوا ہے اور اس سے شیطان اپنی ذریات کو فتنہ انگیزیوں اور کفریات کی تلقین کرتا ہے تو نے بھی اسی تخت کو دیکھا ہے اور تجھے اس پر اللہ کے عرش کا گمان ہوا ہے۔

Marfat.com

یہ بہت ہی معقول اور مدلل جواب تھا۔ ابنِ صیاد بھلا اس کا کیا جواب دیتا وہ خاموش رہا۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے کچھ اور بھی ملاحظہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں! میں دو صادق اور ایک کاذب یا ایک کاذب اور ایک صادق کو دیکھتا ہوں۔"

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عجیب صورتِ حال ہے کہ یہ شخص تو اپنا اعتماد ہی کھو بیٹھا ہے۔ اس کو تو یہی یقین نہیں کہ یہ خود بھی سچا ہے کہ جھوٹا ہے۔"

ایک روایت کچھ یوں ہے کہ ایک مرتبہ ابنِ صیاد خود ہی رسولِ کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ وہاں اس وقت حضرت ابو سعید خدریؓ بھی موجود تھے۔ اس نے پوچھا کہ "یارسول اللہ! مجھے یہ بتلایئے کہ جنت کی مٹی کیسی ہے؟"

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "وہ تو بالکل سفید میدے جیسی ہے اور اس میں خالص کستوری جیسی خوشبو آتی ہے۔" اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن صیاد ایمان لے آیا تھا اس لیے وہ اکثر دربار نبوی میں حاضر بھی ہوا کرتا تھا۔

تمام تر تحقیق کے بعد یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی کہ ابنِ صیاد نے کبھی نبوت کا دعویٰ بھی کیا تھا یا یہ کہ کبھی اس نے لوگوں کو یہ کہا کہ وہ نبی ہے۔ یہی نہیں بلکہ نہ تو اس نے بدکرداری ہی کی اور نہ ہی کبھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھوڑی بہت بھی مخالفت کی۔ اس لیے یہ بات بھی ثابت نہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر کبھی سختی کی اور نہ ہی حکم فرمایا۔

چند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مورخین نے صاف ابن صیاد کو ہی دجالِ اکبر خیال کرلیا مگر یہ کسی جگہ پر بھی نہیں ملتا کہ اس نے کس طرح لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ روایت پیش کی جاتی ہے کہ محمد بن منکدر فرماتے ہیں کہ "میں نے ایک مرتبہ جابر بن عبداللہ کو اس بات پر حلف اٹھاتے دیکھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔" میں نے کہا کہ تعجب کی بات ہے کہ آپ اس بارہ میں اللہ کی قسم کھاتے ہیں۔ حضرت جابرؓ نے جواب دیا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے میری موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور اس بات پر قسم کھائی تھی اور

Marfat.com

آپ نے اس پر انکار یا اعتراض نہیں کیا تھا۔

ایک روایت یوں بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہیں جارہے تھے کہ معاً آپ کا آمنا سامنا صاف بن صیاد سے ہوگیا۔ آپؓ نے اس کی ایک خراب آنکھ جو کہ انگور کی طرح پھولی ہوئی تھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے دریافت فرمایا کہ ''اے ابنِ صیاد! یہ تو بتلاؤ کہ تمہاری آنکھ میں یہ خرابی کب اور کیونکر پیدا ہوئی۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا کہ ''یہ بات میں نہیں جانتا۔'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بڑی حیرانگی ہوئی۔ آپ نے حیرانگی سے دریافت فرمایا ''اے خدا کے بندے! کیا تیری آنکھ تیرے سر میں نہیں پھر بھلا تجھے یہ کیوں نہیں معلوم کہ اس میں خرابی کب اور کیسے پیدا ہوئی۔''

صاف ابن صیاد بھی بڑا کائیاں تھا اس نے آپ کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ''یا شیخ! اللہ تبارک تعالیٰ کی قدرت میں بھلا کون دخل دے سکتا ہے۔ اللہ اگر چاہے تو اس چھڑی میں ابھی ایسی ہی آنکھ پیدا کرسکتا ہے۔ یا شیخ! جب میں پیدا ہوا تھا تو یہ آنکھ ایسی ہی تھی۔ میں قدرتِ الٰہی میں بھلا کس طرح دخل دے سکتا تھا۔ میں نے شروع سے ہی اپنی آنکھیں ایسے ہی دیکھی ہیں۔''

یہ بات کہنے کے بعد ابنِ صیاد کو اپنی حد درجہ کم مائیگی کا احساس شدت سے ہوا اور اس نے زور زور سے رونا شروع کردیا۔ اس کی آواز بھی اس کی شکل ہی کی طرح مکروہ تھی اور کسی حد تک گدھے کی آواز سے مشابہ تھی۔ اتنی دیر میں وہاں پر اچھی خاصی بھیڑ جمع ہوچکی تھی۔

ان میں سے کسی نے دریافت کیا کہ ''اے ابن عمر! کیا آپ نے اپنی اس چھڑی سے ابن صیاد کو مارا ہے جو یہ اس قدر زور زور سے رو رہا ہے۔'' آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ ''جی نہیں میں بھلا اسے کیوں مارنے لگا۔ میں نے تو اس سے صرف یہی پوچھا تھا کہ اس کی یہ آنکھ کس طرح خراب ہوئی اور اس نے رونا دھونا شروع کردیا۔''

انہی لوگوں میں سے ایک یہودی نے آگے بڑھ کر جو دیکھا تو آپ کی چھڑی بالکل درست تھی۔ اس نے کہا کہ یوں دکھائی دیتا ہے کہ آپ نے اسے چھڑی سے تو نہیں مارا مگر اس کو ضرور زود کوب کیا ہے۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہ تو ایک

Marfat.com

مظلوم شخص ہے۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا "ارے میاں! تم کیسے یہ کہہ سکتے ہو میں بھی تیرے سامنے موجود ہوں اور یہ شخص بھی۔ تم اس سے کیوں نہیں پوچھ لیتے کہ آخر معاملہ کیا ہے۔" چنانچہ اس نے صاف بن صیاد سے پوچھا کہ وہ بتلائے کہ واقعہ کیا ہے۔ کیا انہوں نے تمہیں زدوکوب کیا ہے؟"

اس یہودی کی باز پرس کے جواب میں ابن صیاد نے کہا کہ "جی نہیں انہوں نے مجھے مارا پیٹا تو بالکل نہیں مگر انہوں نے مجھ سے سوال ہی ایسے کیے کہ میں اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا اور میں رونے لگا۔" بات تو خیر یہیں ختم ہوگئی مگر اس بات سے یہودیوں کو فکر لاحق ہوگئی کہ کہیں مسلمان صاف بن صیاد کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا دیں۔

اس سلسلہ میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس اثناء میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ "اگر اجازت ہو تو صاف بن صیاد کی گردن نہ ماری جائے!" آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "نہیں اس کی ضرورت نہیں اگر یہ واقعی دجالِ اکبر ہے تو پھر یہ ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ دجال اکبر تو قیامت کے نزدیک ظاہر ہوگا۔"

آپ نے مزید فرمایا کہ "جس دجال کا ذکر میں نے کیا تھا وہ تو قیامت سے کچھ عرصہ پہلے ظاہر ہوگا۔ جس کو عیسیٰ بن مریم ہی ہلاک کریں گے جبکہ ابھی تو ابنِ صیاد ایک لڑکا ہی ہے۔ نہ تو اس نے فتنہ برپا کیا ہے اور نہ ہی وہ میری موجودگی میں ایسا کرسکتا ہے۔ پھر بھلا میں کیسے اسے قتل کرنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ازاں بعد اسلام قبول کرلے اور یوں اس کے ساتھ زیادتی نہ ہو جائے۔"

روایت ہے کہ عام طور پر لوگ اسے دجالِ اکبر کہہ کر پکارتے اور اس کو چھیڑتے بھی مگر وہ اس کے جواب میں ہنس دیا کرتا۔ مگر وہ یہ ضرور کہا کرتا کہ "یقیناً میری شکل وصورت دجال جیسی ہے مگر میں دجال ہوں نہیں اور یہ بات بھی درست ہے کہ مجھے اپنے پیدا ہونے پر اختیار تو نہیں ہے۔ کیا یہ بھی درست نہیں ہے کہ میں اپنی صورت اور شکل بنانے کا بھی اختیار نہیں رکھتا۔ مجھے جو پیشین گوئی کی صفت عطا کی گئی ہے وہ بھی تو اللہ کی ہی عطا کردہ ہے۔ اس میں بھی تو میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔"

Marfat.com

آخرِ کار یہ ہوا کہ صاف بن صیاد نے اب خلوت نشینی اختیار کر لی تھی۔ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد جب جوان ہو گیا تو اس کی شادی ہوگئی اور اس کی اولاد بھی ہوئی مگر اس کے دکھ درد میں اس کی بیوی اور بچے بھی شامل ہوگئے۔ وہ بھی لوگوں کی طنز آمیز باتوں سے آزردہ رہنے لگے۔ مگر یہ بات بھی درست ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیثِ جساس کے ذریعے اس کو اپنی حیاتِ مقدسہ میں ہی اس سے بری قرار دے دیا تھا کہ وہ دجالِ اکبر نہیں ہے۔

عربی زبان میں جساسہ کا مطلب جاسوسی ہوا کرتا ہے۔ تفصیل کچھ یوں بیان کی جاتی ہے کہ حضرتِ فاطمہؓ بنت قیس ایک صحابیہ کو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نمازیں ادا کرنے کا بہت شوق تھا۔ یہ اکثر مسجد نبوی چلی جاتیں اور نمازیں ادا کرتیں۔ آپؓ روایت کرتی ہیں کہ ''ایک روز تمیم داری نامی ایک نومسلم ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ یہ پہلے عیسائی تھا۔ اس نے وہاں کچھ عجیب وغریب واقعہ سنایا۔ یہ واقعہ دراصل دجالِ اکبر سے ہی متعلق تھا۔

حضرت فاطمہؓ بنتِ قیس نے اس روز بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ جب نماز ادا ہو چکی تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر شریف پر بیٹھ کر تمام اصحاب کو ارشاد فرمایا کہ تمام لوگ اپنی اپنی جگہ موجود رہیں۔ جب تمام اصحاب نماز ادا کر چکے تو آپؐ نے تمیم داری کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''یہ جو تمیم داری ہیں پہلے عیسائی مذہب پر تھے مگر اب اسلام قبول کر چکے ہیں اس رشتہ سے یہ اب تم سب کے بھائی ہیں۔

انہوں نے ایک واقعہ سنایا جو کہ ان کی سابقہ ربانی تعلیمات سے متعلق ہے مگر یہ وہی ہے جو میں نے تمہیں سنایا تھا۔ یہ واقعہ یا قصہ ان کے عینی مشاہدہ پر مبنی ہے۔ چنانچہ تم لوگ بھی سنو اور اپنے ایمان میں یقین کرو۔'' اس کے بعد آپؐ نے تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ اپنی زبانی وہ تمام قصہ تمام اصحاب کو بھی سنائیں۔

تمیم داری نے کہنا شروع کیا ''میں نے بحری جہاز میں سوار ہو کر سمندر کا سفر اختیار کیا۔ میرے ساتھ قبیلہ کنم اور قبیلہ جذم کے بھی تیس لوگ اس سفر میں شریک تھے۔ ہمارے بحری جہاز میں اشیائے خورد ونوش کی کوئی کمی نہ تھی۔ ہم سب بڑے خوش خوش سفر

Marfat.com

طے کر رہے تھے۔ ہمارے جہاز کا ناخدا (کپتان) بھی بڑا مطمئن تھا۔ بظاہر کوئی خطرہ نہ دکھائی دیتا تھا۔

کئی روز کے مسلسل سفر کے بعد اچانک جنوب سے گہرے بادلوں نے ایک طرح سے اندھیرا دن میں قائم کردیا۔ روشن دن میں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ اسی دوران بادلوں کی زور دار گرج اور بجلی کی چمک نے تمام مسافروں کے دل ہلانے شروع کردیئے۔ کچھ ہی دیر کے بعد طوفانی ہوائیں بھی چلنا شروع ہوگئیں۔

یہ جہاز مضبوط لکڑی کے تختوں سے بنایا گیا تھا اور ان تختوں کو بڑے ہی مضبوط رسوں سے باندھا گیا تھا۔ مگر طوفانی ہوائیں تو جہاز کو ایک معمولی کھلونا سمجھ کر ایک طرح سے ادھر ادھر پھینک رہی تھیں۔ اب تمام مسافروں کو اپنی اپنی زندگی کی فکر لاحق ہوئی۔ لوگوں نے جہاز کے ناخدا سے پوچھا کہ کیا ہمارا جہاز اس طوفان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ناخدا بھی اگرچہ گھبرایا ہوا تھا مگر اس نے مسافروں کو حوصلہ دیا کہ سمندر میں تو ایسے طوفان معمول کی بات ہیں۔کوئی بھی نقصان نہیں ہوگا تمام مسافر اطمینان سے رہیں۔

جب طوفان اور بھی زیادہ بڑھ گیا تو لوگوں نے سوال کر کر کے ناخدا کو بھی پریشان کردیا۔ آخر اس نے بڑی درشتگی سے ان لوگوں سے کہا کہ کیا یہ طوفان میری وجہ سے آیا ہے اور یہ کہ اس کا ذمہ دار کیا میں ہوں۔ میں بھی تو تم لوگوں کے ساتھ ہی ہوں۔ اُن لوگوں نے اس کو کہا کہ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ جہاز کو کسی ساحل پر لے جایا جا سکے۔ ناخدا نے ان لوگوں سے کہا کہ میرے بھائیو یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ جہاز تو بادبان کے سہارے چلتا ہے اور بادبان کو ہوا چلاتی ہے۔

اب جبکہ طوفانی ہوائیں چل رہی ہیں تو بھلا ہم اس جہاز کا رخ کس طرح موڑ سکتے ہیں۔ اب تو ہم مکمل طور پر انہی ہواؤں کے رحم و کرم پر ہیں۔ یہ اب ہمیں جس طرف چاہیں لے جائیں ہم مجبور ہیں۔" یہ جواب ایسا تھا کہ جہاز کے تمام مسافر ہی اپنی زندگیوں سے مایوس ہوگئے۔ اب سب لوگوں کو اپنی زندگیاں بس چند گھڑیوں کی مہمان دکھائی دے رہی تھیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ ہر مسافر اور ملاح اپنے اپنے انداز میں دعا کر رہا تھا۔

ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ مسافروں نے دیکھا کہ جہاز کے بادبانوں کے چیتھڑے اڑنے لگے۔ جہاز کے ملاحوں نے دوسرے بادبان باندھنے کی کوشش کی مگر

Marfat.com

بادبان باندھنے والے ملاح بے چارے سمندر کی بپھری ہوئی لہروں میں گم ہوگئے۔ یہ دیکھنے کے بعد مسافروں کے ہوش وحواس اڑ گئے۔

تمام مسافروں کا یہی خیال تھا کہ ناخدا کو طوفان آنے کا علم ہونا چاہیے تھا مگر ناخدا بے چارہ یہ کہہ رہا تھا کہ یہ تو قدرتی کام ہوا کرتے ہیں۔ بھلا کوئی انسان قدرتی کاموں میں کس طرح دخل دے سکتا ہے۔ مگر اس تمام تر پریشانی کے عالم میں بھی چند مسلمان مسافروں کا اطمینان قابلِ دید تھا۔

مسلمان مسافروں نے بارہا برملا اس اطمینان کا اظہار کیا تھا کہ تمام کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی سرانجام پاتے ہیں۔ اگر اس طوفان میں تمام لوگوں کی موت لکھی ہے تو پھر کوئی بھی تدبیر انہیں نہیں بچا سکتی اور اگر ان کی زندگی بچی ہوئی ہے تو پھر انہیں موت نہیں آ سکتی۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ جہاز کے مضبوط رسے بھی ٹوٹنا شروع ہوگئے۔ یہی نہیں بلکہ زور دار بارش بھی شروع ہوگئی۔ ایسے وقت میں مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر عرض کیا کہ یا بارِ الہٰی! ہمیں تو یہ علم نہیں ہے کہ تیری رضا کیا ہے؟ اگر ہماری موت ہی تیری رضا ہے تو ہمیں دل و جان سے قبول ہے اور اگر تو ہمیں زندگی عطا فرمادے تو یہ تیری مہربانی ہے۔ ہمیں اپنی مہربانی سے اس مشکل صورتِ حال سے نکال۔
مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی اپنی اپنی مذہبی دعائیں صدقِ دل سے مانگ رہے تھے مگر ان سب سے بے نیاز طوفانی ہواؤں نے جہاز کو کہیں کا کہیں پہنچا دیا تھا۔ اب جہاز ٹوٹنا شروع ہوا تو ناخدا نے چند تختوں کو تھام کر مسافروں کو جان بچانے کا مشورہ دیا۔ اب اس کے سوائے چارۂ کار بھی نہ تھا۔ اس اثناء میں جہاز مکمل طور پر غائب ہو چکا تھا۔

چند مسافر اپنی جانیں بچانے میں کسی نہ کسی طرح کامیاب ہوگئے اور وہ سب بالآخر ایک جزیرہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ جب ان کے اوسان بحال ہوئے تو انہیں بھوک پیاس نے تنگ کرنا شروع کردیا۔ وہ لوگ کافی دیر سے طوفان کا مقابلہ کر رہے تھے تو ایسے میں بھلا انہیں کھانے پینے کا ہوش کہاں رہتا۔ مگر جب جان بچ گئی تو اب انہیں یقیناً پیٹ بھرنے کا خیال پیدا ہوا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب دن ڈھلنا شروع ہوا

Marfat.com

تھا۔ تھکے ماندے مسافروں نے اندھیرے میں بھٹکنے کی بجائے یہی طے کیا کہ صبح ہونے تک آرام کرنا چاہئے اور صبح کی روشنی میں کھانے پینے کی فکر کی جائے مگر کھلے جزیرے میں بھلا سونے کی تو کوئی صورت نہ تھی۔

بچے کھچے تمام مسافر ایک دوسرے کے قریب ہو کر بیٹھ گئے۔ ان میں تباہ شدہ جہاز کا ناخدا بھی شامل تھا۔ اس نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے دریافت کیا کہ ''اے لوگو! یہ تو بتلاؤ کہ اس قدر شدید طوفان میں بھی تم لوگ نہیں گھبرائے اور تم لوگ کس سے دعائیں مانگ رہے تھے؟

مسلمانوں نے اسے بتلایا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ رہے تھے جو تمام کائنات کا مالک اور خالق ہے۔ ناخدا نے بڑے ہی تعجب سے پوچھا کہ بھائیو یہ تو مجھے بتاؤ کہ تمہارا مذہب کونسا ہے؟ مسلمانوں نے اسے بتایا کہ ان کے مذہب کا نام اسلام ہے۔ اسلام کے بارہ میں ان لوگوں نے کافی کچھ سن رکھا تھا مگر انہیں کچھ بھی معلوم نہ تھا کہ اسلام کیا ہے۔

تباہ شدہ جہاز کے ناخدا نے مسلمانوں سے دریافت کیا کہ تم لوگ طوفان میں جب دعا مانگ رہے تھے تو تم لوگوں کو یہ یقین تھا کہ تم لوگ اس مصیبت سے زندہ بچ جاؤ گے؟'' مسلمانوں نے اس کی بات سن کر جواب میں کہا کہ ''اے محترم شخص! ہمارا تو یہ یقینِ کامل ہے کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہوتی ہے۔

یہ بھی جو کچھ ہمارے جہاز کے ساتھ گزرا یہ بھی تو اسی کی رضا سے ہوا۔ اس میں بھی اس کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوگی۔ یہ تو بالکل درست ہے کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس کی کیا مصلحت ہے۔ یہ تو وہی جانتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی بالکل درست ہے کہ ہمیں یقین کامل ہے کہ موت کا ایک وقت معین ہے اور اسی طرح مقام بھی۔ مگر ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ وقت اور مقام کون سا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود نہ تو وقت اور نہ ہی مقام تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ان حالات میں صرف اور صرف صبر ہی کیا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں کی ان ایمان افروز باتوں نے وہاں پر موجود تمام لوگوں کے دلوں میں ایمان کی روشنی پھیلا دی۔ تمام رات وہ لوگ مسلمانوں کی انہی ایمان افروز باتوں کو

Marfat.com

سنتے رہے۔ مسلمانوں نے انہیں بتلایا کہ ان کے مذہب میں کس طرح کی مساوات قائم ہے۔ ان لوگوں کو یہ بھی بتلایا گیا کہ ان کے پیشوا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ یہ باتیں سن کر وہ لوگ اور بھی زیادہ متاثر ہوئے۔

آدھی رات کے قریب وہاں پر موجود لوگوں کو شدت کی بھوک نے تڑپانا شروع کر دیا مگر ایسے میں بھی مسلمانوں کا حال وہی تھا۔ وہ لوگ حسبِ سابق بڑے ہی مطمئن اور آسودہ تھے۔ کسی ایک نے بھی بھوک کا ذکر نہیں کیا تھا۔ مسلمانوں کے علاوہ سبھی لوگ بھوک پیاس کا ذکر کر رہے تھے مگر اندھیرے کی وجہ سے مجبور تھے کیونکہ ان دیکھے جزیرے میں اور اندھیری رات میں بھلا وہ کہاں کچھ تلاش کرنے جاتے۔

یقینی بات ہے کہ وہاں پر کیڑے مکوڑوں اور درندوں کا بھی خوف لاحق تھا مگر ایسے وقت میں بھی مسلمانوں کا اطمینان دیدنی تھا۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ جب ان لوگوں کو بھوک پیاس نے زیادہ ستایا تو انہوں نے عبادت شروع کر دی۔ اسی طرح وہ لوگ اپنا وقت جہاز پر بھی گزارتے تھے اور یہاں بھی وہی کچھ کر رہے تھے۔ ان کی عبادت میں ذرا وقفہ آیا تو ان لوگوں سے کسی نے پوچھا کہ بھائیو! کیا تمہیں ہماری طرح بھوک پیاس نے تنگ نہیں کیا؟

ان کی یہ بات سن کر ایک مسلمان نے جواب دیا کہ ''بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمیں بھوک اور پیاس کی حاجت نہ ہو۔ ہم بھی تو انسان ہیں اور انسان ہونے کے ناطے یہ تو بڑی ضروری چیزیں ہیں۔'' ان لوگوں میں سے کسی نے پوچھا یہ تو بتایئے کہ اگر ہمیں کھانے پینے کی کوئی چیز دستیاب نہ ہوئی تو پھر ہمارا کیا بنے گا؟

ان مسلمانوں میں سے کسی ایک نے کہا کہ ''ہمارا یقینِ کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ رازق ہے۔ اس نے ہر ذی روح کو رزق پہنچانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ مگر ہمیں رزق تلاش کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے کہ کسی بھی حال میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مدد سے مایوس نہیں ہونا۔ ہمیں یہ بتلایا گیا ہے کہ مایوسی تو گناہ ہے۔''

مسلمانوں کی باتوں نے ان لوگوں کو بہت حوصلہ دیا اور وہ تمام لوگ صبح ہونے کا بڑی شدت سے انتظار کرنے لگے مگر دوسری طرف مسلمانوں نے دوبارہ عبادت شروع کر دی۔ اسی طرح وہ رات بھی تمام ہوئی۔ صبح ہوئی تو تمام لوگوں کی نظروں نے چاروں

Marfat.com

طرف متلاشی نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا۔

مگر یہ کیا؟ انہوں نے دیکھا کہ وہاں تو چاروں طرف خودرو جھاڑیاں ان کے استقبال کے لیے موجود تھیں مگر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا بھی تو نہیں جا سکتا تھا۔ سب لوگوں نے اپنی اپنی مرضی سے تلاش کا رخ متعین کیا۔ تمیم داری نے بھی تلاش کرنے کے لیے ایک راستہ اپنایا مگر یہ راستہ ایک غار کی طرف جاتا تھا۔

تمیم داری چلتے چلتے اس غار میں دور تک چلے گئے۔ انہیں یہ بھی فکر لاحق ہوئی کہ اگر وہاں کسی انسان یا درندے سے مڈبھیڑ ہوگئی تو پھر وہ خالی ہاتھ کیا کر لیں گے۔ مگر وہ چلتے رہے۔ یہ غار ایک بہت ہی کشادہ غار تھی۔ تمیم داری چاروں طرف نگاہیں دوڑاتے ہوئے چلے جا رہے تھے کہ اچانک ان کے سامنے ایک عورت ایک چٹان کی اوٹ سے نکل کر آ گئی۔ یہ ایک عجیب و غریب قسم کی عورت تھی۔ یہ بڑی لحیم شحیم اور بڑے بڑے بالوں والی عورت تھی اور دیکھنے میں بڑی ہیبت ناک دکھائی دیتی تھی۔

تمیم داری نے گھبرا کر اس عورت سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور وہاں پر کیا کر رہی ہے۔ کیا اس کے ساتھ اور بھی لوگ موجود ہیں؟ اس عورت نے جواب میں کہا کہ نہیں میں یہاں پر اکیلی ہی رہتی ہوں۔ تمیم داری نے پھر پوچھا کہ اچھا تم یہ بتلاؤ کہ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟

اس عورت نے کہا کہ میں تو ایک جساسہ (جاسوسہ) ہوں اور یہاں پر کسی کے لیے جاسوسی کے لیے موجود رہتی ہوں۔'' تمیم داری نے حیرانگی سے اس کی بات سنی اور اس سے کہا کہ ''جس طرح تمہارا حلیہ عجیب و غریب ہے اسی طرح تمہاری باتیں بھی عجیب و غریب ہیں۔ اب مجھے یہ بتلاؤ کہ تم کس کے لیے جاسوسی کرتی ہو؟''

اب عورت نے آپ سے کہا کہ آپ جس سمت میں جا رہے ہیں وہ راستہ ایک معبد کی طرف آپ کو لے جائے گا۔ آپ اس طرف چلتے جائیں۔ وہاں آپ کو ایک عجیب الخلقت آدمی ملے گا۔ وہ مجھ سے بھی زیادہ عجب و غریب ہوگا۔ آپ اس سے مل کر باقی باتیں اسی سے پوچھ لیجئے گا۔''

آپ اس کی باتیں سن کر حیران کھڑے تھے کہ اس نے آپ کو مخاطب کر کے دوبارہ کہا کہ آپ اس طرح خواہ مخواہ وقت ضائع مت کریں بلکہ جلد از جلد اس سے

Marfat.com

ملاقات کریں۔ یہاں سے فوراً چلے جائیں۔ تاکہ آپ کی ملاقات اس کے ساتھ جلد ممکن ہو۔ مگر تمیم داری تو اس عورت کی باتوں سے اور بھی الجھ گئے تھے آپ یہ سوچ رہے تھے کہ یہ نہ ہو کہ اس سے مل کر کسی بڑی مصیبت میں ہی گرفتار نہ ہو جائیں۔ اچانک انہیں یہ یاد آیا کہ وہ تو اپنے لیے اور اپنے ساتھیوں کے لیے خوراک تلاش کرنے نکلے تھے۔

اسی خیال کے پیشِ نظر انہوں نے اس عورت سے پوچھا کہ اے عورت یہ تو بتلا کہ کیا یہاں پر کھانے پینے کی کوئی چیز بھی مل سکے گی۔ میرے دوسرے ساتھی بھی اس جزیرے میں خوراک کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔ اس عورت نے جز بز ہوتے ہوئے کہا کہ آپ کے ساتھیوں کو اس جزیرے میں بہت کچھ مل جائے گا آپ فکر مت کریں بلکہ اس آدمی سے مل لیں۔ یہ کہہ کر وہ کسی طرف چلی گئی۔

تمیم داری وہاں پر کھڑے کچھ دیر سوچتے رہے مگر وہاں سے آگے بڑھنے کے سوائے اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ آپ کو کافی دیر تک مسلسل چلنا پڑا پھر کہیں آپ کو اس آدمی کا معبد دکھائی دیا۔ آپ نے دیکھا کہ راستہ میں ملنے والی عورت بھی وہیں موجود تھی۔ وہاں آپ نے دیکھا کہ مذکورہ آدمی واقعی عجیب الخلقت شخص تھا۔ اس شخص کے ہاتھ اس قدر طویل تھے کہ انہیں اس کے گھٹنوں کے گرد لپیٹ کر اس کی گردن کے عقب میں لے جا کر مضبوط رسی سے باندھ دیا گیا تھا اور وہ ایک دیو قامت شخص تھا۔

آپ کچھ دیر تو اس شخص کو دیکھتے رہے اور پھر اسی عورت کو مخاطب کر کے پوچھا ''آپ مجھے یہ تو بتلائیں کہ یہ کون شخص ہے اور اسے یہاں اس حالت میں کون لایا ہے اور کیوں اس طرح باندھ کر رکھا ہے؟'' اس عورت نے کہا کہ ''آپ کے تمام سوالوں کے جوابات یہی شخص دے گا۔ آپ اس سے خود ہی پوچھیں۔'' آپ نے اس شخص کو مخاطب کرتے ہوئے دریافت کیا کہ ''کیا مجھے بتائیں گے کہ آپ کو اس حال میں کون لایا ہے؟''

آپ کی بات سن کر اس شخص نے کہا ''جی ہاں کیوں نہیں میں ضرور بتاؤں گا مگر پہلے آپ اپنے بارہ میں تو بتائیں کہ آپ کون ہیں اور اس ویران جزیرہ میں پہنچے کس طرح۔ آپ نے اسے تمام واقعات نہایت اختصار سے سنائے جنہیں سن کر اس شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ بتلائیں کہ کیا نخلِ نسیان میں پھل اگتے ہیں؟

آپ نے اسے بتلایا کہ ''کیوں نہیں نخل نسیاں میں تو برابر پھل اگ رہے

Marfat.com

ہیں۔'' یہ سن کر اس نے بہت افسردگی سے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی میری رہائی کا وقت نہیں آیا اور مجھے ابھی اسی جگہ اسی حالت میں رہنا پڑے گا۔

آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ جب نخلِ نسیاں میں پھل نہیں اگیں گے۔ اس نے کہا کہ ہاں ایسا وقت بھی ضرور آئے گا۔ اس کے بعد اس شخص نے آپ سے پوچھا کہ کیا بحیرۂ طبریہ میں ابھی تک پانی موجود ہے یعنی کیا وہ خشک نہیں ہوا؟

آپ نے اسے بتایا کہ جی ہاں بحیرۂ طبریہ میں تو بہت زیادہ پانی موجود ہے۔ اس کے خشک ہونے کا کوئی بھی امکان نہیں ہے۔ یہ سن کر اس نے مایوسی اور افسردی سے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری رہائی کا وقت نہیں آیا۔ آپ نے حیرانگی سے پوچھا کہ بھلا تمہاری رہائی کا بحیرۂ طبریہ کی خشکی سے کیا تعلق ہے اور کیا کوئی ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ جب بحیرۂ طبریہ بھی خشک ہو جائے گا؟

اس شخص نے آپ کو بتایا کہ ''مجھے یہی بتایا گیا ہے کہ جب بحیرۂ طبریہ خشک ہوگا تو مجھے رہائی ملے گی۔'' اس کے بعد اس نے آپ سے پوچھا کہ ''مجھے یہ بتایئے کہ کیا زغر چشمہ میں پانی موجود ہے اور کیا اس کے پانی سے لوگ زراعت بھی کرتے ہیں؟''

آپ نے اسے بتایا کہ ''جی ہاں! زغر چشمہ تو پانی سے بھرپور ہے۔ اس چشمہ میں پانی وافر موجود ہے اور اس پانی سے لوگ خوب زراعت بھی کر رہے ہیں۔ اس کے پانی میں بھی کمی کے کوئی آثار نہیں ہیں۔''

اس نے یہ سن کر بے حد مایوسی کا اظہار کیا۔ بڑی ہی دل شکستگی کے انداز میں اس نے کہا ''افسوس کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی میری رہائی ممکن نہیں ہے۔ مجھے ابھی یہیں رہنا ہوگا۔''

کچھ دیر کے بعد اس نے آپ سے پوچھا کہ ''اچھا اب آپ مجھے یہ تو بتائیں کہ کیا خطۂ عرب میں امیوں میں کوئی نبی ظاہر ہوا ہے اور اس نے کچھ کیا ہے؟'' آپ نے اسے بتلایا کہ ''جی ہاں! وہ تو ظاہر ہو چکے ہیں اور ان کی قوم نے ان کی اطاعت قبول کر لی ہے۔

یہ خبر تو گویا ایک دھماکہ تھی جس نے اس شخص کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس نے نہایت ہی

Marfat.com

آزردہ لہجہ میں اور گلوگیر انداز میں کہا "اچھا تو یہ بات ہے۔ گویا اب تو میری رہائی ایک طویل عرصہ تک ممکن ہی نہیں۔ جن لوگوں نے اس نبی کی اطاعت کی ہے انہوں نے تو بہت ہی اچھا فیصلہ کیا ہے۔ اب میری بات غور سے سنو۔ میں دجالِ اکبر ہوں۔ شاید تمہارے علم میں ہو۔ میں نے اس سے پہلے جتنی بھی علامات بیان کی ہیں وہ یکے بعد دیگرے ظاہر ہوں گی۔ جب تمام نشانیاں پوری ہو جائیں گی تو مجھے آزادی نصیب ہوگی اور میں آزاد ہو کر کچھ بھی کر سکوں گا۔

یہ وہ وقت ہوگا کہ میں جہاں جانا چاہوں گا فوراً چلا جایا کروں گا۔ مجھے کسی بھی سواری کی قطعاً ضرورت نہ ہوگی۔ مجھے یہ سہولت بھی حاصل ہوگی کہ میں صرف چالیس روز میں کائنات کی کسی بھی بستی میں جا سکوں گا اور مجھے کوئی بھی روکنے والا نہیں نہ ہوگا۔ ہاں مگر یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ مجھے مقدس شہروں مکہ اور طیبہ میں داخل ہونے کی بالکل بھی اجازت نہ ہوگی۔"

یہ آخری بات سن کر تمیم داری نے اس سے پوچھا کہ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر تم مکہ اور طیبہ میں داخل ہونے کی کوشش کرو گے تو تمہیں فرشتے اپنی آتشیں تلواروں سے ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے اور کیا تم اتنی قوت بھی نہیں رکھتے ہو گے کہ تم ان شہروں میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جاؤ۔

اس شخص نے اپنے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا کہ "ڈرتا تو میں کسی سے بھی نہیں ہوں مگر یہ بات اٹل ہے کہ حکمِ ربی کو تو ہر صورت تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہ بھی میرے لیے حکم ربی ہے کہ میں صرف ان دونوں شہروں میں داخل نہیں ہونے کی کوشش کروں گا۔

دھیرے دھیرے وہاں پر دیگر تمام لوگ بھی پہنچ چکے تھے اور انہوں نے بھی کچھ باتیں سن لی تھیں۔

ان میں سے ایک مسلمان نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "مگر ہمیں تو یہ معلوم ہوا کہ مدینہ میں تو ایک دجالِ اکبر پیدا ہو چکا ہے۔ اس کا نام صاف بن صیاد ہے۔ عام طور پر اسے ابنِ صیاد کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے۔ لوگ تو اسے دجالِ اکبر تک کہہ دیتے ہیں۔"

وہ شخص کچھ دیر تک گہری سوچ میں گم رہنے کے بعد بولا کہ کیا تمہارے نبی صاحب نے بھی اس کے دجالِ اکبر ہونے کی تصدیق کی ہے۔ میرا تو یہ پختہ یقین ہے کہ انہوں نے ہرگز نہیں کی ہوگی۔

Marfat.com

مسلمانوں نے کہا کہ ہاں واقعی ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اس کی تصدیق نہیں فرمائی۔ تمیم داری نے اپنی یاد دہانی کے لیے اس شخص سے دوبارہ ان دونوں شہروں کے نام پوچھے۔ اس نے پھر بتلایا کہ یہ شہر مکہ اور طیبہ ہوں گے۔

تمیم داری جب تمام واقعہ تفصیل کے ساتھ سنا چکے تو نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری بات سن کر اپنا عصا مبارک منبر شریف پر مارا اور تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ یہی طیبہ ہے، یہی طیبہ ہے، یہی طیبہ ہے۔

اس قصہ کو سننے کے بعد یہ بات تو اب بالکل واضح ہو چکی تھی کہ ابنِ صیاد تو دجال اکبر نہیں ہے کیوں کہ دجال کا داخلہ تو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہو نہیں سکتا جبکہ ابن صیاد کی پیدائش تو مدینہ منورہ میں ہی ہوئی تھی تو پھر یہ دجالِ اکبر نہیں ہو سکتا تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ایک روز حضرت ابو سعید خدریؓ نے ابن صیاد سے دریافت فرمایا کہ ''اے ابنِ صیاد! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو تمہیں دجال ہونے سے بری قرار دے دیا تھا مگر اس کے متعلق یہ بھی نشانیاں بتلائی گئی تھیں کہ اس کو بے پناہ اختیارات بھی حاصل ہوں گے جن میں سے ایک یہ ہوگا کہ وہ دنیا میں جہاں بھی جانا چاہے گا فوراً پہنچ جایا کرے گا۔ بہت سے لوگ اس کا حکم بے چون و چرا مانیں گے تو پھر یہ بتاؤ کہ کیا تم ان خصوصیات کے ساتھ دجالِ اکبر بننا پسند کرو گے؟''

صاف ابنِ صیاد نے اسے مذاق خیال کرتے ہوئے کہا کہ ''ہاں ہاں جن خصوصیات کا ذکر آپ نے کیا ہے اگر وہ تمام خصوصیات مجھے مل جائیں تو پھر میں کیوں دجالِ اکبر بننا پسند نہیں کروں گا۔'' اس کا جواب اگرچہ ایک مذاق ہی تھا مگر لوگوں نے اسے دوبارہ دجال کہنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ پھر وہی صورتِ حال پیدا ہوئی کہ اس نے گھر سے باہر نکلنا بالکل ہی ترک کر دیا۔

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ ایک قافلہ میں اتفاق سے حضرت ابو سعید خدریؓ اور ابنِ صیاد شامل تھے۔ ابن صیاد نے اس قافلہ میں شریک مسافروں سے کہا کہ ''بھائیو! یہی وہ صاحب ہیں جنہوں نے میرے بارہ میں بالکل غلط خبریں لوگوں میں مشہور کر دی ہیں۔ اگر انہوں نے میرے ساتھ نہایت ہی سنجیدہ بات پر بحث نہ کی ہوتی اور میں نے اسے مذاق خیال نہ کیا ہوتا تو

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وضاحت کے بعد بھلا کس میں یہ جرأت تھی کہ مجھے وہ دجال کہہ سکتا۔ مگر انہوں نے لوگوں میں یہ تاثر پھیلا دیا ہے کہ میں ہی دجالِ اکبر ہوں۔"

اس کی یہ بات سن کر حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا کہ "تو کیسی باتیں کرتا ہے اگر تم نے وہ جوابات بہت زیادہ دلیری سے نہ دیئے ہوتے تو لوگ تو اسے بھلا ہی چکے تھے مگر تم نے خود ہی انہیں موقع دیا کہ وہ ایسی باتیں کریں۔" جس کے جواب میں ابنِ صیاد نے کہا کہ "مگر جناب عالی! آپ تو بخوبی جانتے ہیں کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں۔ باقاعدگی سے نماز باجماعت ادا کرتا ہوں۔ حج بھی ادا کرتا ہوں اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہوں اور آپ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ دجال مکہ اور مدینہ میں کسی بھی طرح داخل نہیں ہو سکتا۔ مگر آپ کو تو یہ بات معلوم ہے کہ میں مدینہ میں ہی پیدا ہوا ہوں اور وہیں پر جوان ہوا ہوں۔ اب میں آپ کے ساتھ اس قافلہ میں مکہ بھی جا رہا ہوں پھر بھلا میں دجال کس طرح ہو سکتا ہوں؟ آپ تو یہ کہتے ہیں کہ دجال کافر ہوگا مگر میں تو مسلمان ہوں۔ براہِ کرم مجھے مزید مت ستایئے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ اقدس میں ابن صیاد نے کسی بھی جہاد میں حصہ نہیں لیا۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ اکثر لوگ جہاد پر جا رہے تھے۔ اسی طرح اس نے حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے ادوار میں بھی کسی جہاد میں حصہ نہیں لیا تھا۔

خلافتِ راشدہ میں بلاشبہ بے پناہ فتوحات کیں مگر ابنِ صیاد کا ذکر کسی بھی تاریخ میں ہمیں نہیں ملتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے سلوک نے اسے تنہائی پسند بنا دیا ہو۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمانوں نے بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا ہو اور اس کو جہاد پر جانے کے لیے مجبور نہ کرتے ہوں۔

ابنِ صیاد نے بہت سے دور دیکھے۔ اس نے کسی بھی قسم کی کارروائی میں قطعاً حصہ نہیں لیا۔ آخر یہ ہوا کہ 63ھ میں جب بنو امیہ کی حکومت نے مدینہ طیبہ پر لشکر کشی کی تو اس میں بہت سے لوگ شہید ہوئے انہی میں ابنِ صیاد بھی تھا۔ اس کی نمازِ جنازہ تمام شہداء کے ساتھ ادا کی گئی۔

لعنت اللہ علی الکاذبین

Marfat.com

مرزا علی محمد باب شیرازی

مرزا علی محمد باب شیرازی ایک ایسی شخصیت تھا جس نے اپنا ایک الگ فرقہ بنایا اور اپنے فرقہ کو ''بابیت'' کے نام سے شہرت دلائی۔ یہ متنازعہ شخص 20 اکتوبر 1819ء بمطابق 1235ھ میں ایران کے مشہور و معروف شہر شیراز میں پیدا ہوا۔ اگر یہ کہا جائے تو قطعاً بے جا نہ ہوگا کہ شیراز کی وجہ شہرت عالمگیر شہرت یافتہ شخصیات کے حوالہ سے تا حال قائم ہے۔

مرزا علی محمد باب شیرازی کا باپ مرزا محمد رضا جب فوت ہوا تو اس وقت مرزا علی محمد باب ابھی بہت ہی کم عمر تھا۔ یوں اس نے یتیمی میں ہی اپنی زندگی کی ابتداء کی۔ باپ کی وفات کے بعد اس کی پرورش اور کفالت اس کے ماموں مرزا علی نے کی۔ مرزا علی یعنی اس کا ماموں شیراز شہر میں ہی بزازی کا کام کیا کرتا تھا۔ اس کے ہاں محمد باب نے اپنی زندگی کی ابتداء کی۔

یوں دکھائی دیتا ہے کہ محمد باب کو اپنے ماموں کے ہاں حصولِ تعلیم کے مواقع میسر نہیں آئے اور وہ ناخواندہ رہ گیا۔ اس خیال کی تائید اس کے ایک پیروکار جو کہ 1268ھ میں قتل ہوا، کے ایک بیان سے ہوتی ہے۔ اس کا نام مرزا جانی کاشانی تھا اور اس نے اپنی کتاب ''نقطۃ الکاف'' میں تحریر کیا تھا کہ ''انبیاء کرام اُمی تھے اور باب بھی اُمی یعنی ناخواندہ تھا۔ مگر اس خیال کی تردید ہمیں فرقہ بہائی کی کتاب ''دور بہائی'' میں دکھائی دیتی ہے۔ اس میں تحریر کیا گیا تھا کہ ''علی محمد باب نے بچپن میں ابتدائی تعلیم شیخ

Marfat.com

محمد سے جن کا لقب عابد تھا، سے حاصل کی تھی۔ تحصیلِ علم کے بعد جب علی محمد کی عمر 18 برس کی تھی تو شہر میں پہلے اپنے ماموں کے ساتھ مل کر تیل کا ہی کاروبار شروع کیا تھا مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ اپنے ماموں مرزا سے علیحدہ ہوگیا مگر اس نے اپنے طور پر کاروبار جاری رکھا۔"

اس روایت سے بھی ہمیں یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ اس نے تعلیم کون سی حاصل کی تھی۔ مگر یہ بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ اس نے تعلیم ضرور حاصل کی تھی۔ یہ روایت بھی ہے کہ اس نے بوشہر میں ہی شادی کی تھی جس سے اس کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا تھا مگر اس کا بیٹا بہت کم عمر میں فوت ہوگیا۔

علی محمد باب عرصہ پانچ برس تک تو یکسوئی کے ساتھ کاروباری طور پر مصروفِ عمل رہا۔ جس کے بعد اُس نے مشہور شہر نجف اشرف کا قصد کیا۔ یہاں یہ ایک برس تک قیام پذیر رہا۔ نجف اشرف سے اس نے کربلائے معلیٰ کا رخ کیا۔ وہاں اس نے تین ماہ قیام کیا۔

علی محمد باب پر اب وہ دور شروع ہوا جب اس نے مہدیت کا دعویٰ کرنے کا ارادہ کیا۔ کربلائے معلیٰ سے اس نے "ارض فاء" کا رخ کیا۔ یہاں اس نے اپنے دعویٰ کو عملی شکل دینے کی ابتداء کی مگر اس نے یہ سوچا کہ اگر اس نے یکدم مہدیّت کا اعلان کیا تو یقیناً عوام الناس اس کے خلاف ہو جائیں گے چنانچہ اس نے اپنے منصوبہ کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے پہلے پہل صاحب الزمان مہدی علیہ السلام کا واسطہ اور ذریعہ بننے کا فیصلہ کیا۔ اس نے سوچا تھا کہ جب ایران کے کثیر تعداد میں لوگ اس دعویٰ سے قدرے مانوس ہو جائیں گے تو اس کے بعد وہ اپنے مہدی ہونے کا برملا اعلان کردے گا اور چونکہ لوگ اس کے ساتھ مانوس ہو چکے ہوں گے لہٰذا وہ بڑی آسانی کے ساتھ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔

اپنے مقصد کی تکمیل کی خاطر اس نے 1260ھ میں ایک مرتبہ پھر شیراز کا رخ کیا کیونکہ یہاں اس کے اکثر عزیز و اقارب قیام پذیر تھے۔ اس وقت اس کی عمر 25 برس کے قریب تھی۔ شیراز میں وہ کافی عرصہ کے بعد وارد ہوا تھا۔ اب اس نے خود کو "باب" یعنی دروازہ کے نام سے متعارف کروانا شروع کردیا۔

دھیرے دھیرے لوگ اس کے گرد جمع ہونا شروع ہوگئے اور اس نے اپنی

Marfat.com

جماعت کو بابیت کا نام دے دیا۔ اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ وہ ایک بزرگوار ترین شخصیت یعنی مہدی علیہ السلام کی فیوض و برکات کا ایک واسطہ ہے جو کہ ہنوز پردۂ غیب میں ہی مستور ہیں۔

علی محمد باب نے اس سلسلہ میں ایک جگہ تحریر کیا کہ "اے خدائے عز و جل کے مظہر! میں آپ پر فدا، آپ مجھے اپنی محبت کا غلام، اپنی الفت کا بندہ بنالیں اور مجھے یہ قوتِ فہم اور ادراک عطا فرمائیے کہ میں خدائے بزرگ و برتر کو اپنی نجاتِ ابدی کا حاکم و متولی سمجھوں کہ آپ ہی میرے لیے کافی ذریعہ سفارش ہیں۔ آپ کی غلامی ہی میرے لیے باعث فخر اور موجبِ فلاح وفوز ہے۔"

تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس نے شیراز شہر میں مہدیت کا دعویٰ کر دیا۔ بہت ہی جلد اس کے دعویٰ نے شہرت حاصل کر لی اور اس کے گرد عقیدت مندوں کا ہجوم جمع ہونا شروع ہوگیا۔ اس کے مریدوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ مگر اکثریت یعنی جمہور نے اس کے دعویٰ سے یکسر انکار کر دیا۔ مگر ایک فرقہ اس کے ساتھ مل گیا یہ اس کی یعنی مرزا علی محمد باب کی ایک بڑی کامیابی خیال کی جاسکتی تھی۔ یہ فرقہ "شیخیہ فرقہ" تھا۔ یہ فرقہ دراصل اہل تشیع کا فرقہ تھا۔ اس فرقہ کے افراد ہمیشہ سے ہی حضرت مہدی علیہا السلام کی جستجو میں سرگرداں تھے۔

فرقہ شیخیہ نے علی محمد باب کو "مہدی موعود" تسلیم کر لیا مگر یہ بات بھی اہم ہے کہ اس فرقہ کے تمام لوگوں نے اس کو مہدی موعود تسلیم نہیں کیا بلکہ کچھ لوگوں نے اس کے دعویٰ سے انکار کر دیا تھا مگر اکثر لوگوں نے اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کا فخر ضرور حاصل کیا۔

اس کے ایک مشہور پیروکار ملا علی بسطامی کو باب نے ان لوگوں کو اپنے عقائد کی تشہیر کی خاطر پورے ایران میں روانہ کر دیا۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی کیا کہ اپنے خاص خاص لوگوں کو اس نے خصوصاً سلاطینِ عالم اور امراء کے پاس بغرضِ دعوت بھیجا تھا۔ ازاں بعد وہ مکہ مکرمہ چلا گیا اور جب وہ واپس شیراز آیا تو یہاں اس کے خلاف ایک محاذ قائم ہو چکا تھا جہاں اہلِ تشیع کے علماء نے اس کے خلاف فتویٰ جاری کیا تھا اور قتل اور تدمیر کا بھی فتویٰ بھی جاری کیا تھا۔

Marfat.com

اس کے علاوہ پورے شہر میں عوام الناس اور علمائے کرام میں بہت بری طرح برہمی پھیل چکی تھی جس کی وجہ سے فارس کے حاکم حسین خان آجودان کو بڑے بڑے لوگوں اور علمائے کرام نے اس بات پر مجبور کردیا کہ باب کے سرگرم داعی اور صادق مقدس کو کوڑے لگانے کی سزا تجویز کرے۔

مرزا علی محمد باب کے فرقہ کے مشہور لوگوں کو بھی یہاں پر ہر طرح سے ذلیل و رسوا کیا گیا۔ اس کے فرقہ کے مشہور داعیان ملا صادق، مرزا محمد علی بازفروشی اور ملا علی اکبر اردستانی وغیرہم کی داڑھیاں منڈوا کر انہیں شہر کی گلیوں اور بازاروں میں ایک جلوس کی صورت میں گھمایا گیا۔

یہ تو باب کے پیروکاروں کی بات تھی مگر اس کے بعد حاکم فارس نے علمائے کرام کے فتوؤں اور مطالبات سے مجبور اور متاثر ہو کر اسے اپنے پاس طلب کیا اور علماء اور فضلاء کی موجودگی میں بہت سخت وسست کہا۔ مگر باب نے بھی خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ اس نے تند و تیز جملوں سے جواب دیئے۔ جس کے بعد حاکم نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا جس کے بعد انہوں نے باب کو لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا۔

حاکم فارس کے دربار میں سپاہیوں نے باب کی اہانت و تذلیل میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس بے تحاشا مار پیٹ کی وجہ سے باب کا چہرہ بری طرح سُوج گیا تھا اور اس کو پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کی اطلاع کسی طرح اس کے ماموں کو بھی ہو گئی۔ چنانچہ وہ اسے اپنی ضمانت اور کفالت پر اپنے ہاں لے گیا۔ اور اس کو اس شرط پر ماموں کے ساتھ جانے کی اجازت دی گئی کہ اس کے ساتھ کسی کو ملاقات کی اجازت نہ ہوگی۔

چند دن تو اس نے اپنے ماموں کے ہاں خاموشی کے ساتھ بسر کیے مگر ایک روز یوں ہوا کہ جب وہ شیراز کی جامع مسجد میں موجود تھا تو قاضی شہر نے اس کو پہچان لیا۔ قاضی صاحب نے باب کو مسجد سے نکل جانے کا حکم دیا۔ مگر علی باب نے بجائے باہر جانے کے مسجد کے منبر کو سنبھالا۔ منبر پر بیٹھ کر اس نے وہاں پر موجود لوگوں کے سامنے مہدیت کی دعوت دینے لگا۔ اب یوں ہوا کہ وہاں پر موجود بہت سے لوگوں نے اس کے ہاتھ پر اسی وقت بیعت کرلی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شیراز کے اکثر لوگ اس کے دعویٰ کو تسلیم کرنے لگے تھے۔

Marfat.com

انہی ایام میں ایران کے شہنشاہ محمد شاہ کو باب کے دعویٰ مہدیت اور اس کی روز افزوں ترقی کا جب علم ہوا یا یوں بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو علمائے کرام نے بتلایا ہو، اس نے اہلِ تشیع کے ایک معروف عالم دین مولوی سید یحییٰ دارابی کو حکم دیا کہ وہ شیراز جائیں اور وہاں جا کر علی باب سے ملاقات کر کے اس کے دعووں کی حقیقت معلوم کریں اور تفصیل کے ساتھ اسے اطلاع کریں۔

یحییٰ دارابی نے شیراز پہنچ کر علی باب سے تین مرتبہ ملاقات کی۔ ان ملاقاتوں کی کوئی تفصیل کتب میں دستیاب نہیں ہوتی مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیسری ملاقات میں یحییٰ دارابی نے علی باب سے کہا کہ وہ سورہ کوثر کی تفسیر بیان کرے، علی باب نے اسی مجلس میں سورۂ کوثر کی تفسیر لکھ دی۔ سورۂ کوثر کی تفسیر پڑھنے کے بعد یحییٰ دارابی تو علی باب کا دیوانہ ہوگیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

یحییٰ دارابی نے بیعت کرنے کے بعد تمام تر تفصیلی واقعات کو تحریر کرنے کے بعد پیش خدمت مرزا لطف علی کے حوالہ کی اور اسے شاہِ ایران کے پاس روانہ کر دیا۔ اس کے بعد یحییٰ دارابی خود بھی باب کے نمائندہ کے طور پر ایران کے شہروں شہروں اور گاؤں گاؤں میں پہنچا۔ اس نے اس قدر تندہی کے ساتھ بابی فرقہ کے عقائد کی تشہیر کی کہ اس کی پورے ایران میں دھوم سی مچ گئی۔ یہاں تک کہ اہلِ تشیع کے علمائے کرام نے یہ کہنا شروع کردیا کہ یحییٰ دارابی کا دماغی توازن ہی درست نہیں۔

تقریباً یہی حالات ایران کے ایک اور مشہور و معروف شہر زنجان میں بھی پیش آئے جہاں اس دور کے مشہور مجتہد ملا محمد علی کا بڑا شہرہ تھا۔ ملا محمد علی نے بھی لوگوں اور اپنے شاگردوں کی زبانی علی باب اور اس کے فرقہ کے بارہ میں بہت سی باتیں سن رکھی تھیں مگر چونکہ وہ ایک مجتہد تھا چنانچہ اس نے اپنا ایک خاص آدمی شیراز روانہ کیا کہ وہ علی باب اور اس کے فرقہ یا مسلک کے بارہ میں تفصیلی معلومات حاصل کر کے اسے بتلائے۔

اس کا خاص آدمی جب شیراز سے زنجان واپس آیا تو اس کے پاس علی باب کی چند تالیفات بھی تھیں۔ ان تالیفات کا جب ملا محمد علی نے بغور مطالعہ کیا تو وہ بھی علی باب کا گرویدہ ہوگیا۔ اس کے پاس نایاب کتب کا ایک ذخیرہ موجود تھا جسے اس نے ایک کمرہ میں بند کردیا یعنی ان کا مطالعہ بالکل ترک کردیا اور یہ کہا کہ ''حصولِ مقصد کے بعد تحصیلِ علم مذموم ہے۔''

Marfat.com

اس نے اپنے خیالات و جذبات قلمبند کیے اور ایک مکتوب کی صورت میں علی باب کے پاس روانہ کیے جس میں اس نے علی باب کے دعویٰ و خیالات و عقائد کی تصدیق کی تھی اور اپنی مدد و اعانت کا یقین بھی دلایا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے عقیدت مندوں اور شاگردوں کو اپنے ہاں دعوت دے کر بلوایا۔ جب سب لوگ اس کے ہاں جمع ہو گئے تو اس نے عالمانہ انداز میں اس نئے مسلک سے انہیں روشناس کروایا۔ وہ تمام لوگ تو پہلے ہی اس کے والہ و شیدا تھے انہوں نے اسکی تمام تر باتوں پر سرِ تسلیم خم کیے اور یوں پورے زنجان شہر میں بابی مذہب ہر طرف پھیل گیا۔

عوام الناس تو بے شک علی باب کے عقیدت مند بن چکے تھے مگر دوسری طرف زنجان شہر کے اہلِ تشیع علمائے کرام نے اپنے خطابات میں لوگوں کو علی باب کے بدعقائد کے متعلق بتلانا شروع کیا مگر ہوا یہ کہ شہر کے عوام پر تو ملا محمد علی کا جادو پوری طرح چل چکا تھا۔ علمائے کرام کی نصیحتوں کے باوجود ان کے پختہ اعتقادات میں سرِ مو فرق نہیں آیا۔ علمائے کرام نے آخرکار مجبور ہو کر شاہِ ایران کو اپنی شکایات پہنچائیں۔

شاہِ ایران نے ان کی شکایات کے بعد ملا محمد علی کو تہران میں طلب کرلیا۔ جب محمد علی وہاں آیا تو وہاں معروف اور مستند علمائے کرام موجود تھے۔ محمد علی باب نے وہاں پر خوب کج بحثی کی۔ بڑے بڑے علمائے کرام نے بڑی بڑی کوششیں کیں کہ اس کو مغلوب اور لاجواب کردیں مگر وہ اپنی کوششوں میں ذرہ برابر بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ شاہِ ایران بھی یہ ساری صورتِ حال دیکھ رہا تھا اس نے کافی دیر کی لاحاصل بحث کے بعد اسے ایک قیمتی عصا اور پچاس تومان نقد رقم دے کر واپس جانے کی اجازت دے دی۔

اس کے بعد علمائے کرام نے حاکمِ فارس حسین خان کو قائل کیا کہ محمد علی کو کسی بھی طرح قابو میں نہیں لایا جاسکتا۔ بلکہ اس فتنہ نے روز افزوں ترقی ہی کی ہے۔ اب اس فتنہ کو ختم کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ کسی طرح باب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ ان علمائے کرام نے حسین خان کو یہ بھی باور کروایا کہ روز بروز محمد علی کی جمعیت اور قوت میں بڑی تیزی کے ساتھ اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی بھی وقت حکومت کے خلاف خروج کردے۔

حاکمِ فارس نے ان باتوں کو بڑے غور سے سنا اور شہر کے کوتوال عبدالحمید کو یہ

Marfat.com

حکم دیا کہ وہ آدھی رات کے وقت محمد علی باب کے ماموں کے گھر پر ایک بڑی جمعیت سپاہیوں کی لے کر جائے اور وہاں موجود محمد علی باب کے تمام پیروکاروں کو گرفتار کر کے لے آئے۔ اگر کوئی شخص مقابلہ پر اتر آئے تو فوری طور پر اسے قتل کر دیا جائے۔کوتوال شہر نے پوری تیاری کے ساتھ وہاں دھاوا بولا۔

کوتوالِ شہر نے تو پوری تیاری کے ساتھ وہاں پر دھاوا بولا تھا مگر اس کو وہاں پر محمد علی باب،اس کے ماموں اور باب کے ایک پیروکار سید کاظم زنجانی ہی ہاتھ لگے۔ کوتوال کو بڑی حیرانگی ہوئی وہاں تو اس کو یہ امید تھی کہ بہت زیادہ بابی موجود ہوں گے مگر وہاں تو صورتِ حال ہی دوسری دکھائی دی۔

کوتوالِ شہر نے ان تینوں کو گرفتار کیا اور صبح حاکم فارس کے دربار میں پیش کر دیا۔حسین خان نے محمد علی باب کو اس شرط پر آزاد کر دیا کہ وہ فوری طور پر یہ شہر چھوڑ کر چلا جائے۔چنانچہ محمد علی باب نے شیراز کو الوداع کہا اور اصفہان کی طرف چلا گیا۔

اس کے علاوہ ایک اور بھی روایت ہے جو کہ محمد علی باب کے خاص عقیدت مند حاجی مرزا جانی کاشانی نے اپنی تالیف ''نقطۃ الکاف'' میں تحریر کی ہے کہ ''حاکم شہر نے حکم دے رکھا تھا کہ باب کسی بھی شخص سے قطعاً ملاقات نہ کرے۔حمام میں غسل وغیرہ کرنے کے سوائے کہیں بھی نہ جائے اور نہ ہی کسی کا کوئی بھی خط وغیرہ موصول کرے اور نہ ہی کسی کی تحریر وغیرہ کا جواب لکھے۔مگران امتناعی احکام کے باوجود محمد علی باب نے لوگوں سے مخفی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا اور اس نے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔

پورے شہر میں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ باب کے اوپر چند پابندیاں عائد ہو چکی ہیں مگر وہ ان احکامات کو کسی طرح بھی خاطر میں نہیں لا رہا۔چنانچہ پھر ہوا یوں کہ اس کے مخالفین نے پروگرام کے تحت جب رات بھیگ گئی تو انہوں نے باب کے گھر پر حملہ کر دیا۔ وہاں انہوں نے باب اور اس کے پیروکاروں کو خوب مارا پیٹا۔ اس لیے باب نے شیراز کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سلسلہ میں اس نے اپنے ایک عقیدت مند آقا محمد حسین اردستانی کو پچاس تومان دے کر یہ حکم دیا کہ وہ اس کے لیے تین عمدہ گھوڑے خریدے۔ جب وہ گھوڑے لے کر اس کے پاس حاضر ہوا تو باب اور اس کے دو فدائیوں نے شیراز چھوڑا اور اصفہان کا رخ کیا۔ یہ واقعہ 21 رمضان المبارک کا ہے۔

Marfat.com

اس کتاب میں ایک دوسری جگہ حاجی مرزا جان نے آقا محمد حسین اردستانی کے اخلاص اور وفاداری کی ایک روایت بھی نقل کی ہے کہ ''تیر اسی کے پاس موجود تھے۔ شاہی لشکر نے محمد حسین کو گرفتار کرلیا اور اسے اس کے تیروں سمیت اپنے فوجی سردار کے پاس لے گئے۔ بابیوں نے اس وقت قلعہ پر قبضہ بھی کرلیا تھا۔

فوجی سردار نے اسے خوب پٹوایا مگر اس کو یہ کہا کہ حقیقت کچھ اور ہے۔ قوی ہیکل سپاہیوں نے اس کو بہت مارا پیٹا تو اس نے بالکل خاموشی اختیار کرلی۔ اس کو فوجی سردار کے قریبی افسروں نے ہر ممکن طریقہ سے یہ پوچھا کہ اس قلعہ اور قلعہ کے اندر کے بابیوں کے بارہ میں ٹھوس معلومات فراہم کرے مگر اس نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا۔

فوجی افسروں نے اسکی خاموشی کو دیکھتے ہوئے کہا کہ اگر اس نے اپنی زبان نہیں کھولی تو وہ اس کو ضرور ہلاک کر دیں گے۔ یہ سن کر آقا محمد حسین اردستانی نے کمال عقیدت سے جواب دیا کہ ''بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت کی بات ہوگی کہ حضرت قائم علیہ السلام (باب) کی راہ میں مارا جاؤں۔'' سردار نے دریافت کیا کہ ''اچھا یہ تو بتاؤ کہ تمہیں ہلاک کس طرح کیا جائے تاکہ تمہاری تسلی ہو جائے؟'' اس نے نہایت سکون کے ساتھ جواب دیا کہ ''مجھے ہلاک کرنے کا تو تم لوگ ارادہ کر ہی چکے ہو اب میری خواہش یہ ہے کہ مجھے آرام دہ موت ہرگز نہ دینا بلکہ مجھے انتہائی اذیت ناک موت دینا۔ ایسی موت کہ جس سے مجھے حد درجہ تکلیف کا سامنا ہو۔'' اس کی یہ بات سن کر ایک سپاہی نے بندوق کی نالی اس کی ایک آنکھ پر رکھ دی مگر اسے کوئی خوف محسوس نہ ہوا۔ وہ بڑے آرام و سکون کے ساتھ کھڑا رہا۔ سپاہی نے یکدم جو گولی چلائی تو چشم زدن میں آقا محمد حسین اردستانی کا خاتمہ ہوگیا۔

شیراز سے چل کر محمد علی باب جب اصفہان پہنچا تو یہاں کا حاکم معتمد الدولہ منوچہر خاں اس کا ارادت مند بن گیا۔ اس نے باب کا مذہب دل و جان سے قبول کرلیا مگر علانیہ طور پر اس کی تشہیر نہ کی بلکہ درپردہ ہی اس نے اپنا مذہب بدل لیا اور باب کے ساتھیوں میں شامل ہوگیا۔

حاکم شہر کی ارادت مندی نے باب کو بڑا حوصلہ عطا کیا اور اس نے اصفہان شہر میں اپنے بدعقائد کی تبلیغ بھرپور طریقہ سے شروع کردی۔ عام لوگ تو اس کے چنگل

Marfat.com

میں پھنستے چلے گئے مگر شہر کے صاحبان علم وفضل اور نامور علمائے کرام نے اس کی تکذیب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ چنانچہ بہت ہی تھوڑے عرصہ میں اصفہان شہر میں بدامنی اور شورش پیدا ہوگئی۔

چونکہ حاکمِ شہر کی پشت پناہی باب کو حاصل تھی اس لیے باب کے مخالفین نے اپنے طور پر اس فتنہ ساز کی سرکوبی کا پختہ فیصلہ کرلیا۔ اس کا علم باب کو بھی کسی ذریعہ سے ہوگیا۔ اس نے اس صورتحال کے پیشِ نظر ایک سرائے میں پناہ حاصل کرلی۔ لوگوں کو اس کے نئے ٹھکانہ کے بارہ میں بھی پتہ چل گیا مگر اس ساری صورتحال کے باوجود حاکمِ شہر نے اس کی ہر ممکن طریقہ سے امداد واعانت کی۔ جس کی وجہ سے اسے کوئی بھی نقصان نہ پہنچ سکا۔

حاکمِ شہر تو دل و جان سے باب کا معتقد بن چکا تھا۔ اب اس نے یہ کیا کہ شہر کے تمام شیعہ علمائے کرام کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا۔ اس کا خیال تھا کہ ان تمام علماء کرام کو باب یقیناً لاجواب کردے گا۔ یہ ایک طرح سے مجلس مناظرہ تھی۔ اس مجلس میں اس دور کے نامور علماء مرزا سید محمد آغا محمد مہدی اور مرزا محمد حسن کو منتخب کیا گیا۔

علمائے کرام کی جانب سے سب سے پہلے آغا مہدی نے باب سے سوال کیا کہ ”مجتہدین کرام از خود قرآنِ کریم اور احادیث مبارکہ سے تمام تر مسائل استنباط کیا کرتے ہیں مگر جو یہ قابلیت بھی نہیں رکھتے وہ کسی مستند مجتہد کی تقلید کرتے ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ ان دونوں میں سے کس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں؟“

باب نے اس اہم ترین سوال کا نہایت ہی احمقانہ جواب دیا اس نے کہا کہ ”میں کسی کی بھی تقلید نہیں کرتا اور نہ ہی مجتہدین کی مانند قیاس وغیرہ سے کام لیتا ہوں بلکہ میرے نزدیک تو قیاس فقہی قطعاً حرام اور ناجائز ہے۔“

آغا مہدی جو کہ ایک بہت بڑے شیعی عالم تھے، انہوں نے اس سے دوبارہ پوچھا کہ ”آپ کسی کی بھی اگر تقلید نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ خود مجتہد ہیں مگر آپ کا یہ کہنا ہے کہ آپ مجتہد بھی نہیں ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن مسائل یا امور پر آپ عمل پیرا ہیں اور جن کا آپ حکم دیتے ہیں وہ قیاسی نہیں بلکہ یقینی ہیں۔ مگر چونکہ اللہ کی حجت (مہدی علیہ السلام) غائب ہے لہٰذا جب تک امام آخر الزمان کا ظہور نہ ہو اور کوئی شخص خود ان کی زبانِ مبارک سے مسائل فقہ کو نہ سن لے وہ اس امر کا دعویٰ

Marfat.com

کسی طرح نہیں کر سکتا کہ اس کے مسائل مستخرجہ یقینی ہیں۔ پس آپ پر اپنے مسائل کے یقینی ہونے کا ثبوت لازم ہے۔''

آغا مہدی کی یہ تمام تر باتیں علمی دلائل سے بھرپور تھیں جنہیں سن کر یقینی طور پر باب کے دیوتا کوچ کر گئے اور اس نے جز بز ہوتے ہوئے آغا مہدی سے کہا ''بھلا تیری حقیقت ہی کیا ہے کہ تو مجھ جیسے شخص سے جس کا مقام قلبی ہے، مباحثہ کر سکے۔ یہ باتیں تو تیری عقل و فہم کی رسائی سے بہت دور ہیں۔ پس بجائے اس کے کہ تو فضول بکواس کرے اپنی جگہ خاموش بیٹھا رہ اور دوسروں کی باتیں سن۔''

اس کے بعد دوسرے عالم دین مرزا محمد حسن نے باب سے کہا کہ ''شاید آپ کو بھی اس امر سے انکار نہ ہو کہ جو شخص بھی مقام قلب پر پہنچ جاتا ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ جب آپ خود بھی بقول آپ کے اس مقام پر پہنچے ہوئے ہیں تو یقیناً اگر آپ سے کوئی سوال کیا جائے تو آپ اس کا جواب ضرور دیں گے۔''

باب نے مرزا محمد حسن کی بات سن کر اپنا سر ہلایا اور کہنے لگا ''ہاں ہاں تمہارا خیال بالکل درست ہے تم جو بھی پوچھنا چاہتے ہو پوچھو میں جواب دوں گا۔''

مرزا محمد حسن نے اس کو کہا ''حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ حضرت امیر المومنین علی ایک ہی رات میں بیک وقت چالیس آدمیوں کے مہمان ہوئے تھے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کو آپ عقلی دلائل سے ثابت کیجئے۔'' انہوں نے اسی طرح چند دیگر امور کی نسبت جو عقلاً محال ہیں، سوالات کیے۔

باب نے انہیں کہا کہ ''حضرت یہ باتیں تو نہایت ہی دقیق ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان کو نہایت تفصیل سے تحریر کر دیتا ہوں۔

مرزا محمد حسن نے کہا کہ جیسی آپ کی مرضی اگر آپ تحریر کرنا چاہتے ہیں تو پھر تحریر کر دیجئے چنانچہ باب لکھنے بیٹھ گیا۔ اتنی دیر میں کھانے کا وقت بھی ہو گیا۔ چنانچہ سب لوگ کھانا کھانے لگے۔ جب تمام لوگ طعام سے فارغ ہو گئے تو باب نے اپنی تحریر مرزا محمد حسن کے حوالہ کی۔ انہوں نے اسے پڑھ کر باب سے کہا ''یہ تو ایک خطبہ ہے جس میں کسی قدر حمد اور نعت ہے جبکہ باقی مناجات ہیں مگر جن امور کی نسبت سوال کیا گیا تھا ان میں سے کسی ایک کا بھی جواب نہیں۔''

Marfat.com

اس محفل کے اکثر لوگ تو پہلے ہی کھانا کھا کر جا چکے تھے باقی جو رہ گئے تھے انہوں نے بھی جانے کی تیاریاں شروع کر دیں اور یوں یہ مباحثہ بالکل بے مقصد اور فضول ثابت ہوا۔ مگر تمام حاضرین پر یہ بات ضرور کھل گئی کہ باب ایک دروغ گو اور فضول شخص ہے۔

اس کے باوجود کہ اس نشست میں باب کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا مگر معتمد الدولہ کا اعتماد باب پر قائم رہا۔ اب صورتِ حال تیزی سے بگڑنا شروع ہوئی۔ چونکہ وہ دلی طور پر باب ہی کا معتقد تھا مگر علانیہ اس کی حمایت کرنے سے قاصر تھا چنانچہ اس نے بپھرے ہوئے عوام کا غصہ کم کرنے کے لیے یہ حکم دیا کہ باب کو تہران پہنچایا جائے۔ یہ حکم دینے کے بعد اس نے اپنے چند خاص ساتھیوں کے ہمراہ گھوڑوں پر اسے اصفہان سے باہر نکال دیا۔

اس نے یہ کیا کہ جب باب موضع مورچہ خوار میں پہنچا تو اس نے خفیہ طور پر اسے یہ پیغام دیا کہ باب بڑی رازداری کے ساتھ واپس اصفہان آ جائے۔ اس کے واپس آ جانے کے بعد اس نے اس کو اپنی خلوتِ خاص میں رہنے کی جگہ دی۔

اب باب اپنے چند پیروکاروں کے ہمراہ معتمد الدولہ کے پاس بہت زیادہ آرام و سکون کے ساتھ رہنے لگا۔ معتمد الدولہ نے ایک روز باب سے کہا کہ ”آپ کو میرے مال اور میری دولت میں ہر طرح سے تصرف کرنے کا حق حاصل ہے۔“

باب کی عیش و عشرت کو ابھی محض چار ماہ ہی گزرے تھے کہ اچانک معتمد الدولہ راہی ملک عدم ہوا مگر اس نے مرنے سے پہلے یہ اہم کام کیا کہ اپنی تمام کی تمام جائیداد باب کے نام ہبہ کر گیا۔ جب معتمد الدولہ کے بھتیجے مرزا گرگین خاں نائب الحکومت کو جو کہ معتمد الدولہ کے بعد اصفہان کا حاکم مقرر کیا گیا تھا، یہ معلوم ہوا کہ باب خلوت خاص میں ہے تو اس نے باب کی موجودگی اور باب کے نام معتمد الدولہ کے جائیداد ہبہ کرنے کی کیفیت حاجی مرزا آقاسی وزیراعظم کو تہران میں لکھ کر روانہ کر دی۔ وزیراعظم نے فوری حکم جاری کیا کہ باب کو بہ تبدیل وضع و ہیئت بھیجا جائے اور معتمد الدولہ کی جائیداد میں سے ایک حبہ بھی اسے نہ دیا جائے۔

مرزا گرگین خان نے باب کو طلب کر کے کہا کہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ

Marfat.com

اس شہر کے اکثر لوگ آپ کے دشمن بن چکے ہیں۔ خصوصاً علمائے کرام تو آپ کے یہاں پر قیام کرنے کو بھی برا خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ آپ تہران تشریف لے جائیں۔

باب نے کہا کہ اچھا ہم ضرور چلے جائیں گے۔ حاکم نے کہا بہتر ہے کہ آپ آج ہی رات کو تشریف لے جایئے تاکہ لوگ آپ کو جاتا ہوا نہ دیکھیں اور آپ نقصان سے بچ جائیں۔ باب نے کہا کہ اس وقت تو کوئی بھی آدمی موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ سفر کا انتظام بھی تو ضروری ہے۔

حاکم نے کہا کہ ''اس میں بھلا فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اپنے آدمی آپ کے ساتھ کیے دیتا ہوں وہ آپ کو سفر کی تیاری میں بھرپور مدد فراہم کریں گے۔ یہ کہہ کر حاکم نے بارہ گھڑ سوار سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ باب کو جس قدر جلد ہو سکے اصفہان سے لے جائیں۔

چنانچہ بڑی تیزی کے ساتھ سفر کے سامان کو درست کیا گیا اور یوں باب وہاں سے رخصت ہوا۔ یہ سب کچھ اس قدر تیزی کے ساتھ ہوا کہ باب کو اپنی بیوی سے بھی نہ ملنے دیا گیا۔ باب نے یہاں شادی بھی کر لی تھی۔ یہ ایسی ذلت آمیز اور اندوہناک روانگی تھی کہ باب نے کھانا پینا بالکل ہی ترک کر دیا تھا۔ اس نے اپنی فاقہ کشی جاری رکھی۔ اس کے عقیدت مندوں کے لیے یہ صورتِ حال بہت زیادہ تشویشناک تھی۔ اس کے چند عقیدت مند بھی اس قافلہ میں شامل تھے۔

باب کے عقیدت مندوں کو یہ پریشانی لاحق ہوگئی کہ کہیں بہت زیادہ بھوک و پیاس کی وجہ سے باب مر ہی نہ جائے۔ انہوں نے بہت زیادہ منتیں کیں مگر باب نہ مانا مگر جب یہ کاشان پہنچایا گیا تو پھر اس نے شیخ علی خراسانی کی پرزور استدعا پر کھانا کھا ہی لیا۔

باب جب اصفہان سے چلا تھا تو وزیراعظم کی طرف سے یہ حکم آن پہنچا کہ باب کو تبریز اور ماکو لے جایا جائے۔ چنانچہ باب کو کاشان سے موضع خانق اور پھر وہاں سے تبریز لے جایا گیا۔ اب باب کو علم ہوا کہ یہ تو ہماری منزل نہیں ہے بلکہ ہمیں تو ماکو لے جایا جاتا ہے۔

باب ایک شاطر شخص تھا اس نے اپنا ایک خاص آدمی بطور قاصد تبریز کے حاکم

Marfat.com

شاہزادہ بہمن کے پاس بھیجا اور اس کے ذریعہ حاکم شہر تبریز کے آگے درخواست کے ساتھ ایک دھمکی بھی تھی کہ اگر حاکم تبریز انکار کرے گا تو پھر اللہ تعالیٰ اس سے ضرور انتقام لے گا۔

حاکم تبریز نے جواب دیا کہ اس تمام معاملہ میں میری اپنی تو کوئی مرضی شامل نہیں ہے۔ مجھے تہران سے جو بھی حکم موصول ہوتا ہے میں تو اسی کی تعمیل کرتا ہوں۔ قاصد نے جب واپس آ کر باب کو حاکم کا یہ جواب سنایا تو وہ آہ بھر کر کہنے لگا میں تو بس قضائے الٰہی پر راضی ہوں۔ یہ لوگ چند روز تک تبریز کے باہر ہی ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد سپاہیوں نے انہیں چلنے کا حکم دیا۔

اب باب نے ایک نئی چال چلنے کی کوشش کی وہ یہ کہ جب سپاہیوں نے اسے چلنے کے لیے کہا تو اس نے اپنا ایک قاصد بلوایا اور اسے کہا کہ تم ایک مرتبہ پھر شہزادہ بہمن میرزا کے پاس دوبارہ جا کر اتمام حجت کردو اور اس سے کہہ دو کہ میں تبریز سے حرکت نہیں کروں گا۔ بجز اس صورت کے کہ میں اپنی جان دے دوں اور وہ میری لاش لے جائیں۔ قاصد نے باب کا یہ پیغام اسی طرح شہزادے کو پہنچا دیا۔

شہزادہ اس پیغام کو قطعاً خاطر میں نہیں لایا۔ قاصد دل شکستہ واپس باب کے پاس واپس آیا۔ سپاہیوں نے روانگی کے لیے باب کو کہا مگر اس نے چلنے سے یکسر انکار کردیا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر ایک سپاہی بڑے غصے میں باب کی طرف بڑھا جیسے وہ اسے زبردستی اٹھانا چاہتا تھا۔ اس کے تیور دیکھ کر باب جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چلنے پر آمادہ ہوگیا۔ آخرکار یہ قافلہ ماکو پہنچا جہاں باب کو ایک پہاڑ کے اوپر واقع قلعہ میں رکھا گیا۔

باب کے ممتاز مرید حاجی میرزا جانی کاشانی نے اپنی تصنیف ''نقطۃ الکاف'' میں اپنے پیشوا مہدی موعود کے اخلاق عالیہ کے چند نمونے تحریر کیے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک روز ماکو میں ایک بہت بڑا عالم دین باب کے پاس آیا۔ یہ عالم بہت بارسوخ مجتہد تھا اور ماکو شہر میں جو تقریباً تین ہزار خوانین تھے، وہ سبھی اس کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اس نے باب سے چند باتیں یا مسائل دریافت کیے۔ اتفاق سے اس کے منہ سے کوئی ایسے الفاظ نکل گئے جن کو باب نے ادب کے خلاف خیال کیا۔

Marfat.com

باب نے بڑے غصے میں آ کر اپنی لاٹھی سے اسے مارنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ لاٹھی اس کے جسم پر ٹوٹ گئی۔ اس کے بعد باب نے اپنے ایک قریبی مصاحب کو کہا کہ اس کتے کو فوراً باہر نکال دو۔ چنانچہ اس عالم کو باہر نکال دیا گیا۔ اس واقعہ کو حاجی میرزا جانی کاشانی نے اپنے مہدی کی شان بڑھانے کو پیش کیا حالانکہ اس سے اس کی بداخلاقی اور بدتمیزی ظاہر ہوتی ہے۔

حاجی مرزا نے چند ایسے ہی واقعات تحریر کر کے یہ تحریر کیا ہے کہ ماکو کے حاکم علی خاں نے باب کو یہ حکم دیا کہ وہ اب کسی سے ملاقات نہ کرے اور نہ ہی کسی سے بھی خط و کتابت کرے گا۔ اس حکم کے باوجود باب کے پاس اس کے عقیدت مندوں کی آمد و رفت جاری رہی۔ یوں باب کی تبلیغ و دعوت جاری رہی۔ حاکم ماکو نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو اس نے حکام بالا کو تحریر کیا کہ یہاں تو باب پابندی کے باوجود لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور اپنے بدعقائد کی تبلیغ کرتا ہے۔ چنانچہ اسے یہاں سے کسی اور جگہ بھیج دیا جائے۔

ماکو میں باب تین برس گزار چکا تھا چنانچہ تین برس کے بعد اسے قلعہ چہریق میں منتقل کر دیا گیا۔ باب جب ماکو سے رہا ہونے لگا تو یہاں کے حاکم علی خان نے باب سے معذرت کی اور کہا کہ میری حقیقی خوشی تو اسی میں تھی کہ آپ یہیں رہتے مگر بعض مجبوریوں کی وجہ سے آپ کو یہاں سے منتقل ہونا پڑ رہا ہے۔ اس کی یہ بات سن کر باب نے کہا کہ اے ملعون! تو کیوں مجھ سے جھوٹ بول رہا ہے۔ خود ہی تو نے لکھا ہے اور خود ہی عذر پیش کرتا ہے۔

جہاں باب کو ٹھہرایا گیا وہ قلعہ چہریق تھا جو کہ ارومیہ شہر کے قریب واقع ہے۔ یہاں کا حاکم یحییٰ خان تھا۔ باب کو چہریق پہنچا کر یحییٰ خان کے حوالہ کر دیا گیا۔ مگر اس دور میں صورتِ حال یہ تھی کہ مجتہدین کے تمام تر فتوؤں اور ہر ممکن پابندیوں کے باوجود بابی مذہب زبردست ترقی کر رہا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ حق کی طرح باطل بھی برابر نشوونما پاتا ہے۔

یہ وہ دور تھا کہ جب پورے ایران میں ہر طرف بحث و جدال کا بازار گرم تھا اور ہر طرف بابی مذہب کے بارہ میں ہی بحث ہو رہی تھی۔ کوئی بھی مجلس ایسی نہ تھی جس میں بابی تحریک کے سوا کوئی اور گفتگو ہوتی تھی۔ اسی دوران باب کے پیروکاروں نے پورے ملک میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ انہیں بعض مقامات پر کامیابیاں بھی

Marfat.com

حاصل ہو چکی تھیں۔

قلعہ چہریق میں ابھی باب کو تین ماہ ہی گزرے تھے کہ تبریز کے علمائے کرام اور آزربائیجان کے فاضل بزرگوں نے ایران کے شاہ کو لکھا کہ باب اور اس کے پیروکاروں پر زبردست تشدد کیا جائے مگر انہوں نے یہ مناسب خیال نہ کیا کہ باب کو علمائے کرام کے مقابلہ میں لاجواب کر کے اسے ذلیل کیا جائے۔

جس کے بعد والی ایران محمد شاہ نے اپنے ولی عہد ناصر الدین شاہ کو جو کہ اس وقت آزربائیجان کا گورنر تھا، تحریر کیا کہ باب کو فوری طور پر قلعہ چہریق سے طلب کر کے علمائے کرام سے مناظرہ کروادو۔ اسی قسم کا ایک خط حاجی مرزا آقاسی نے بھی ولی عہد کو تحریر کیا۔ چنانچہ ولی عہد نے حکم جاری کیا کہ باب کو فوری طور پر تبریز میں حاضر کیا جائے۔ باب کو جب تبریز لایا گیا تو اس کے ساتھ اس قدر ضرور سلوک کیا گیا کہ اس کو اب کسی قید خانے میں نہیں رکھا گیا بلکہ اسے داروغہ کاظم خان کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔

ولی عہد کے حکم سے اگلے روز تبریز کے مجتہد اعظم نظام العلماء ملا محمود، ملا محمد ماماقانی، مرزا احمد، امام جمعہ مرزا علی اصغر شیخ الاسلام اور دوسرے شیعہ مجتہدین بھی جمع ہوگئے۔ اس مجلس میں باب کو بھی طلب کیا گیا۔ اس اجتماع کے بعد مباحثہ ہوا۔

نظام العلماء ملا محمود: آپ کس منصب کے مدعی ہیں؟

علی باب: جس کا ہزار برس سے انتظار کیا جا رہا تھا میں وہی ہوں۔

نظام العلماء ملا محمود: اچھا تو گویا آپ صاحب الامر یعنی مہدی علیہ السلام ہیں؟

باب: بھلا اس میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

نظام العلماء ملا محمود: آپ کے مہدی موعود ہونے کی کیا دلیل ہے؟

باب: باب نے اپنی مہدیت کے ثبوت میں کلام اللہ شریف کی بہت آیات اور بعض، دوسری عبارات پڑھ کر سنائیں اور کہنے لگا کہ صرف یہی نہیں بلکہ قرآن کریم کی ہر آیت ہی میرے دعویٰ کی تصدیق کرتی ہے۔

نظام العلماء ملا محمود: آپ کا نام کیا ہے اور آپ کے باپ کا نام کیا ہے؟ آپ کی ولادت کہاں کی تھی اور عمر کیا ہے؟

Marfat.com

باب: میرا نام علی محمد ہے۔ والد کا نام مرزا رضا ہے اور میری ولادت شیراز میں ہوئی۔ میری عمر 35 برس ہے۔

نظام العلماء ملا محمود: مگر جناب صاحب الامر کا نام محمد ان کے والد کا نام حسن، ان کی جائے ظہور سرمن رائے اور ان کی عمر ہزار برس ہے۔ اس لیے آپ تو کسی طرح بھی صاحب الامر نہیں ہو سکتے۔ (یہ عقیدہ ہو سکتا ہے کہ اہلِ تشیع کے کسی فرقہ کا ہو مگر عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت مہدی کا نام محمد احمد اور ان کے والد کا نام عبداللہ ہوگا۔ ان کی جائے ظہور مکہ مکرمہ میں ہوگی۔)

باب: اپنی ذات میں حضرت مہدی علیہ السلام کی کوئی علامت اور نصومیت ثابت نہ کر سکا۔ مجبور ہو کر اپنی کرامات کی باتیں کرنے لگا اور کہنے لگا کہ میں اپنی کرامت تم سے بیان کرتا ہوں کیا تم لوگ یقین کر لو گے؟

تمام ناظرین نے کہا کہ ہم یقین کر لیں گے۔

باب: میری ایک کرامت یہ ہے کہ میں ایک دن میں ایک ہزار اشعار لکھتا ہوں۔

حاضرین: اگر یہ بات درست ہے تو اس سے صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ ایک زود نویس کاتب ہیں۔

ناصر الدین شاہ: اگر آپ کرامت دکھا سکتے ہیں تو آپ نظام العلماء کا بڑھاپا زائل کر کے انہیں جوان بنا دیں؟

باب نے جواب میں خاموشی اختیار کی۔

نظام العلماء ملا محمود: صحیفہ سجادیہ کے نام سے جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں کیا وہ واقعی آپ کی ہی تصانیف ہیں؟

باب: یہ تو سب خدا کی جانب سے پاک وحی ہے جو کہ مجھ پر نازل ہوتی ہے۔

نظام العلماء ملا محمود: جب آپ خود صاحبِ وحی ہیں تو اس آیت

Marfat.com

کی تفسیر بیان کریں۔ ترجمہ: وہی خدائے برتر (بارش کے وقت) تمہیں بجلی دکھاتا ہے جس (کے گرنے) کا ڈر بھی ہوتا ہے۔ اور (بارش کی) امید بھی ہوتی ہے۔ اور گراں بار بادلوں کو بلند کرتا ہے اور رعد کا (موکل، فرشتہ) اس کو حمد وستائش کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ اور دوسرے ملائکہ بھی رب جلیل کے خوف سے حمد وثناء میں مستغرق رہتے ہیں اور وہ (بادل سے نکلنے والی نار) بجلیاں بھی مسلط کرتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے۔ لیکن (باایں ہمہ قدرت) منکر لوگ (پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے) خدائے واحد کے متعلق مخاصمت کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ نہایت قوی اور شدید البطش ہے۔ 13:13) ساتھ اس کی ترکیب نحوی بھی بتایئے۔ یہ سن کر باب گہری سوچ میں ڈوبا رہا مگر کوئی جواب نہ دیا۔

نظام العلماء ملا محمود: اچھا آپ بتائیں کہ ذرا فصاحت و بلاغت کی کیا کیا تعریف ہے؟ اور ان میں اور نسب اربعہ میں باہم کیا نسبت ہے؟

باب اس کا بھی کوئی جواب نہ دے سکا۔

نظام العلماء ملا محمود: اے ولی عہدِ سلطنت یہ شخص تو جملہ علوم سے بالکل عاری دکھائی دیتا ہے کسی بھی علم سے اس کو قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک مجتہد: اللہ تعالیٰ نے تو کلام پاک میں فان لِلّٰہِ خمسه (اللہ کے لیے خمس ہے) فرمایا ہے اور آپ نے اپنے کلام میں یعنی پانچویں حصہ کی جگہ ثلث یعنی تیسرا حصہ لکھا ہے۔ کیا قرآن کریم کی آیت منسوخ ہو چکی ہے؟

باب: ثلث اس وجہ سے کہ وہ خمس کا نصف ہے۔ یہ سن کر تمام حاضرین قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔

ملا محمد ماماقانی: فرض کر بھی لیا کہ ثلث خمس کا نصف ہے مگر اس سے سوال کا جواب تو نہیں نکلتا۔ آپ وجہ بیان کریں کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خمس فرمایا ہے تو پھر ثلث کیوں دینا چاہیے۔

باب نے اس کے جواب میں مکمل خاموشی اختیار کیے رکھی۔

Marfat.com

ناصر الدین شاہ نے باب کو مخاطب کر کے کہا کہ اے باب اس قدر جہالت اور کوری کے باوجود تم صاحب الامر بنے پھرتے ہو۔ تم تو یقیناً ایک مخبوط الحواس شخص معلوم ہوتے ہو۔ لہٰذا میں تمہارے قتل کا حکم نہیں دیتا۔ البتہ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ تم صاحب الامر ہونے کے دعویٰ میں جھوٹے ہو، چنانچہ تادیب تنبیہ لابہ ہے۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ سپاہیوں نے اسے مارنا شروع کر دیا۔ باب جان بچانے کے لیے پکارنے لگا توبہ کردم توبہ کردم توبہ کردم۔ اس کو بری طرح مار پیٹ کر دوبارہ قلعہ چہریق میں بھیج دیا گیا۔

روایت ہے کہ جس دور میں علی محمد باب ماکو اور چہریق میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہا تھا، اس دور میں اس کے پیروکار بھی چین سے نہیں بیٹھے۔ وہ لوگ منظم ہو گئے اور انہوں نے افرادی قوت کے ساتھ فوجی قوت بھی حاصل کر لی۔ ملا حسین بشرویہ کو باب نے ماکو سے خراسان میں تبلیغ کے لیے روانہ کیا تھا۔ اسی دوران شاہِ ایران محمد شاہ نے انتقال کیا تھا اور ناصر الدین شاہ نے اقتدار سنبھالا تھا۔

ملا حسین بشرویہ جب خراسان سے مازندران کی جانب روانہ ہوا تو اس کی معیت میں تین سو کے قریب بابی جنگجو بھی تھے۔ دوران سفر اس نے فیروزہ کوہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا اور نماز ادا کرنے کے بعد دنیا پر نفرین کرنے کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔ ''ساتھیو! ہمارا ماجرا حضرت ابو عبداللہ (امام حسین) کے ماجرے سے بے حد مشابہت رکھتا ہے۔ شہادتِ فی سبیل اللہ کے سوائے ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے۔ جس کسی نے دنیاوی مال و متاع کی خاطر ہماری رفاقت اختیار کی ہو وہ وطن مالوف کی طرف لوٹ جائے۔ تمام لوگ یہ یقین رکھیں کہ جونہی ہم مازندران پہنچیں گے تیغ جفا کا لقمہ بنیں گے۔ جو شخص جانے کا خواہش مند ہو وہ ابھی جا سکتا ہے مگر جو کوئی جامِ شہادت پینے کا متمنی ہو وہ ہمارے ساتھ مازندران چلے۔''

ملا حسین کی اس تقریر کو سننے کے بعد صرف تیس پینتیس افراد نے ہی اس کا ساتھ چھوڑنا گوارا کیا۔ باقی تمام افراد نے اسے یقین دلایا کہ ان کا شہادت اور جانثاری کے سوائے کوئی دوسرا مقصد ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ ملا حسین اس جواب سے بے حد خوش ہوا۔ اس نے جمعیت کو ترتیب دیا اور وہاں سے بارفروشی کے مقام پر پہنچا۔ حاکمِ شہر سعید العلماء نے جو دیکھا اس قدر بڑی جمعیت بابیوں کی شہر کی طرف بڑھی چلی آتی ہے اس

Marfat.com

نے فوری طور پر شہر کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔

اسی اثناء میں بابیوں کی جمعیت شہر تک آن پہنچی تھی۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ حاکم شہر نے ان پر شہر میں داخلہ پر پابندی عائد کردی ہے تو انہوں نے زبردستی شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ جس پر شہر کے محافظوں اور بابیوں میں خونریز جھڑپ ہوئی۔ اس جھڑپ میں سات شہری شہید ہوئے اور تین بابی بھی مارے گئے۔ کچھ روز کے بعد بابیوں نے پھر کوشش کی جس میں بابیوں کے ہی چند فدائی مارے گئے۔

بابیوں نے تھک ہار کر وہاں سے کوچ کیا اور وہاں سے چل کر قلعہ طبریہ کے مقام پر جا پہنچے۔ اسی مقام پر بابیوں کا معروف عالم ملا محمد علی بارفروشی بھی ان کے ساتھ آ کر مل گیا۔ یہاں ملا حسین کو محمد علی نے یہ مشورہ دیا کہ مناسب ہے کہ ہم اپنے اردگرد ایک مضبوط قلعہ بنالیں تاکہ خطرات سے محفوظ رہا جائے۔ بابی فدائین نے اس کے اس منصوبے پر کام شروع کردیا۔

ملا حسین نے قلعہ کی حدود متعین کردیں اور بابیوں نے قلعہ کی تعمیر میں دن رات ایک کردیئے۔ بابیوں کی محنت شاقہ کی وجہ سے یہ قلعہ بہت ہی جلد تیار ہوگیا۔ اگرچہ یہ ایک چھوٹا سا قلعہ ہی تھا مگر سامانِ خورد ونوش کے علاوہ جانوروں اور ہتھیاروں کی بھی یہاں مناسب حفاظت ہوسکتی تھی۔

بابی اب اردگرد کے دیہات پر یکبارگی حملہ کرتے اور ان سے مال و دولت کے علاوہ اشیائے خورد ونوش بھی چھین کر اس قلعہ میں واپس آ جاتے۔ یوں چند ہی دنوں میں ان کے پاس کم از کم دو برس کا راشن وغیرہ جمع ہوگیا۔ ان سب امور نے بابیوں کے حوصلوں کو بہت زیادہ قوت بخشی اور انہوں نے ایک رات یہ کیا کہ ایک گاؤں پر شبخون مارا۔ اس شبخون میں بابیوں نے گاؤں کے بے خبر ایک سوتیس بے گناہ افراد کو قتل کر ڈالا۔ اس گاؤں کے وہ لوگ ہی اس درندگی سے بچ پائے جنہوں نے کسی نہ کسی طرح گاؤں سے فرار حاصل کیا۔ یہاں سے بابیوں کو مال و اسباب کے علاوہ اناج کا بھی وافر ذخیرہ دستیاب ہوا۔ بابی سب کچھ سمیٹ کر اپنے قلعہ میں لے آئے۔

دیکھتے ہی دیکھتے بابیوں کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر ہزاروں تک جا پہنچی۔

ان حالات کی خبر تہران میں جب پہنچی تو مازندران کے حاکم شہزادہ مہدی علی خان کو یہ حکم

Marfat.com

دیا گیا کہ وہ ایک مضبوط حمیت کے ساتھ بابیوں پر دھاوا بولے اور ان کا قلعہ قمع کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔

یہ حکم موصول ہوتے ہی شہزادے نے بابیوں کو ایک مراسلہ ارسال کیا جس میں انہیں کہا گیا کہ یہ شوریدہ سری سے فوراً باز آ جاؤ۔ ورنہ تمہارا حشر بہت برا ہوگا۔ اس کے جواب میں پے در پے کامیابی حاصل کرنے والے ملا حسین اور ملا محمد علی بار فروشی نے جواب دیا کہ ہمارا کوئی بھی سروکار دنیا اور اس کے خطوط قانیہ سے نہیں ہے۔ ہمارا مقصد تو محض دینی ہے۔

انہوں نے مزید لکھا کہ ہماری جماعت کوئی معمولی جماعت نہیں ہے بلکہ اس میں بڑے بڑے علمائے کرام، سادات کرام، حجاج، متقین، نیک کردار اور منتخب معروف بلند پایۂ لوگ شامل ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ تم بھی دنیائے فانی کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کرلو اور ہمارے پاس چلے آؤ۔ تم بھی قائم علیہ السلام (باب) پر ایمان لے آؤ۔ یاد رکھو کہ ظالم سے مظلوم بننا بہت ہی اچھا ہوتا ہے۔

اس سے اگلے ہی روز بابیوں نے تین ہزار کی جمعیت سے مہدی قلی خاں کی لشکر گاہ پر شبخون مارنے کے ارادہ سے کوچ کیا۔ شاہی فوج بھی ان سے بے گماں نہ تھی۔ مگر انہوں نے یہ خیال کیا کہ شاید عباس قلی خاں کمک یعنی تازہ امداد کے لیے آتا ہے۔ بابیوں نے بڑی ہی سرعت کے ساتھ حملہ کیا اور فوراً ہی اسلحہ خانہ پر قبضہ کرلیا۔ اسلحہ خانہ پر قبضہ کے بعد ان کا رخ اب بارود خانہ کی طرف تھا۔ بابیوں نے بارود خانہ کو چشمِ زدن میں آگ لگا کر ایک تباہی سی مچا دی۔

اسلحہ خانہ پر قبضہ اور بارود خانہ کی تباہی شاہی سپاہیوں کے لیے ایک تازیانہ ثابت ہوا مگر بابیوں نے انہیں سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور ان پر باز کی طرح جھپٹے۔ یوں ایک اور خونریز جھڑپ ہوئی۔ اسی دوران بابیوں نے شہزادہ مہدی قلی خان کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔

شہزادہ تو کسی نہ کسی طرح وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا مگر دوسرے شہزادے تو عالم حیرانگی میں بالا خانے میں جا کر چھپ رہے۔ یہ دونوں شہزادے بہت شقاوت قلبی سے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ہوا یوں کہ بابیوں نے اس مکان کے

Marfat.com

چاروں طرف لکڑیاں جمع کر دیں اور آگ لگا دی یوں دونوں شہزادے زندہ جلا ڈالے۔ اس کے بعد بابیوں نے وہاں لوٹ مار شروع کر دی۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد شکست خوردہ شاہی فوج واپس پلٹی مگر اس مرتبہ بھی بابیوں نے انہیں ہزیمت سے دوچار کر کے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اسی جھڑپ میں ایک تیر بابیوں کے معروف سردار ملا محمد علی بار فروشی کے دانتوں پر آ کر لگا جس سے اس کے اگلے تمام دانت ٹوٹ گئے اور اس کا نصف چہرہ شدید مجروح ہو گیا۔ اب بابی مال غنیمت سے مالا مال ہو کر فتح و نصرت کے نقارے بجاتے ہوئے اپنے قلعہ میں واپس لوٹے۔

اس جھڑپ کے چند روز کے بعد شہزادہ عباس قلی خان سات ہزار کی فوج لے کر وہاں آن پہنچا اور بابی قلعہ کے سامنے ہی خیمہ زن ہوا۔ وہاں انہوں نے بڑی سرعت کے ساتھ مورچے اور خندقیں کھودنا شروع کر دیں۔ مگر گاہے بہ گاہے ان کی بابیوں کے ساتھ جھڑپیں بھی ہوتی رہیں۔

ایک رات یہ ہوا کہ ملا حسین بشرویہ نے ملا محمد علی بار فروشی سے بڑے ہی دل گرفتہ انداز میں کہا کہ "جب آپ کے مجروح چہرہ پر نظر پڑتی ہے تو دل دو نیم ہو جاتا ہے۔ میری تو یہی خواہش ہے کہ جلد از جلد اس کا جا کر انتقام لوں۔"

ملا محمد علی جس نے قدوس کا لقب اختیار کر رکھا تھا وہ اس کے جذبات سے خاصا متاثر ہوا۔ یوں ملا حسین نے اپنی تمام تر جمعیت کو ساتھ لے کر قلعہ سے باہر آ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جب بابی قلعہ سے باہر آ گئے تو دونوں لشکر آمنے سامنے صف آراء ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ بابیوں کی یہ رسم تھی کہ دورانِ جنگ خدائے تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کی بجائے یا صاحب الزمان اور یا قدوس کہہ کر علی محمد باب اور ملا محمد علی بار فروشی سے درپردہ استعانت کیا کرتے تھے۔ ابھی جنگ کی ابتداء ہی تھی کہ بابیوں کے سردار ملا حسین بشرویہ کے سینہ پر ایک تیر آ کر لگا جس سے وہ شدید زخمی ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ اپنے گھوڑے کی پیٹھ سے گر پڑتا کہ ایک بابی نے جلدی سے اس کے گھوڑے پر بیٹھ کر اس کو عقب سے تھام لیا۔ اس نے تیزی سے گھوڑا دوڑا کر قلعہ میں پہنچنا چاہا تاکہ ملا حسین زندہ بچ سکے مگر ابھی وہ قلعہ کے صحن میں ہی تھا کہ ملا حسین موت کی آغوش میں

Marfat.com

چلا گیا۔

سردار کے مرنے کے بعد تمام بابیوں نے بھی قلعہ کا رخ کیا اور دروازے بند کر ڈالے۔ شاہی فوج نے جلدی سے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ بابیوں کے پاس اس وقت قلعہ میں تین سو کے قریب گھوڑے، پچاس سے زائد گائیں اور چار سو کے قریب بھیڑیں موجود تھیں مگر چند روز میں ہی ان کا خوراک کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ باہر سے بھی اب اشیائے خورد ونوش کی کوئی سبیل نہ تھی۔ جب تمام جانور ختم ہو گئے تو لاچار ہو کر گھاس ہی کھانے لگے۔

اس دوران شہزادہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا رہا بلکہ اس نے قلعہ کے چاروں طرف چار مضبوط برج تیار کروائے اور ان پر توپیں چڑھوا دیں۔ ان برجوں کی بلندی اس قدر بلند تھی کہ ان سے داغا جانے والا گولا بڑی آسانی کے ساتھ قلعہ کے اندر گر سکتا تھا۔

بابیوں نے بھی برج بنتے ہوئے دیکھ لیے تھے۔ انہوں نے اپنی حفاظت کی خاطر قلعہ میں خندقیں کھودنا شروع کر دیں۔ تاکہ ان میں چھپا جا سکے۔ جب گولہ باری شروع ہوئی تو بڑی شدید تباہی برپا ہوئی۔ قلعہ کی اندورنی زمین کچھ اس قسم کی تھی کہ اس کے نیچے بہت ہی نزدیک پانی تھا۔ یعنی تھوڑی سی کھدائی ہی کے نتیجہ میں پانی نکل آتا تھا۔ اب ہوتا یہ تھا کہ جب ان خندقوں میں گولے پھٹتے تو وہاں پانی اور کیچڑ ہی ہر طرف پھیل جاتا۔

خوراک ختم ہوئے اب انیس روز گزر چکے تھے۔ پہلے پہل تو انہوں نے گھاس پھونس پر ہی گزارا کیا پھر گھوڑوں کی چرمی زینیں چبانا شروع کر دیں۔ جب یہ بھی ختم ہو گئیں تو مجبور ہو کر قلعہ سے نکلنا چاہا مگر توپوں کی شدید گولہ باری اور دروازوں کے باہر تیر اندازی نے روک دیا۔ ان کے پیٹ فاقہ کشی کی وجہ سے کمر کے ساتھ جا لگے تھے۔ جبکہ پانی اور کیچڑ میں ہر وقت رہنے کی وجہ سے ان کے کپڑے بھی گل چکے تھے جس کی وجہ سے ستر پوشی بھی محال تھی۔ انہوں نے سب کچھ جیسے تیسے برداشت کرلیا مگر شاہی فوج کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے۔

اب شاہی فوج نے یہ کام کیا کہ قلعہ کی دیوار کے ایک حصہ میں سرنگ لگا کر

Marfat.com

اس میں بارود بھر کر آگ لگا دی۔ وہاں سے دیوار ایک دھماکہ سے ریزہ ریزہ ہو گئی۔ دیوار گرنے کے بعد ملا محمد علی بارفروشی نے ہتھیار ڈال دیئے۔ شہزادہ نے باقی ماندہ دو تین سو بابیوں کو گرفتار کرلیا۔ ان تمام قیدیوں کو پابند طوق و سلاسل کر کے بارفروش لایا گیا۔

بارفروش میں منادی کروا دی گئی کہ ملا محمد علی بارفروشی کو کھلے عام میدان میں ہلاک کیا جائے گا۔ پورا شہر امڈ آیا۔ کہا جاتا ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا شہری ہوگا کہ جس نے ملا محمد علی بارفروشی کے ساتھ نفرت کا اظہار نہ کیا ہو۔ لوگوں نے اس کو طمانچے اور ٹھوکریں بھی رسید کیں اور اس کے کپڑے بھی تار تار کردیئے گئے۔ اسے میدان کے وسط میں کھڑا کردیا گیا جہاں مدرسوں کے لڑکے آ آ کر اس پر تھوکتے اور نفرین بھیجتے۔ آخر کار ہزار ذلت و رسوائی کے بعد اس مردود کا سر اس کے جسم سے تلوار کے ایک ہی وار سے جدا کر دیا گیا۔

ملا بارفروشی کے بعد دیگر تمام بابیوں کو بھی یکے بعد دیگرے واصل جہنم کردیا گیا۔ جب باب کو یہ اطلاع دی گئی کہ ملا محمد علی بارفروشی کا سر قلم کردیا گیا ہے تو وہ انیس شبانہ روز روتا ہی رہا۔ اس دوران اس نے خوراک برائے نام ہی کھائی۔

باب کا ایک معتمد ملا محمد علی زنجانی بھی تھا۔ باب کی ارادت مندی قبول کرنے سے پہلے یہ شخص نماز جمعہ باقاعدگی سے ادا کیا کرتا تھا۔ مگر جب باب نے ''فروغ دین'' نامی کتاب میں لکھا کہ اب میرے اور اس شخص کے سوا جسے میں اذن دوں ہر شخص کے لیے (معاذ اللہ) نمازِ جمعہ قطعاً حرام ہے تو ملا محمد علی زنجانی نے نماز جمعہ بالکل ترک کردی۔ مگر جب باب نے اس کو اجازت دے دی تو وہ نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں گیا۔

زنجان شہر کے ایک ذی اثر عالم نے اسے اپنی مسجد میں نماز ادا کرنے سے منع کردیا مگر اس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اس عالم نے اس کی شکایت حاکم سے کر دی۔ حاکم نے محمد علی زنجانی کو طلب کرلیا۔ جب یہ حاکم کے پاس حاضر ہوا تو اس کو فوراً حراست میں لے لیا گیا۔ بابیوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے مسلح جدوجہد کر کے اسے رہائی دلوائی۔ یہ خبر جب تہران پہنچی تو وہاں سے ایک جماعت اس کی گرفتاری کے لیے روانہ ہوئی۔

ملا محمد علی زنجانی بہت کائیاں شخص تھا۔ اس نے حکام کی طرف سے ناکامی

Marfat.com

دیکھتے ہوئے دوسرے ملکوں کے سفیروں سے خط و کتابت شروع کی اور ان سے مدد کا طلب گار ہوا۔ سفیروں نے فوجی حکام سے اس کی سفارش کی مگر انہوں نے صاف انکار کردیا۔ سفیروں نے اپنے ملکوں میں اس کی اطلاع بھی کردی۔ وہاں پر موجود روس اور ترکی کے سفیر بذات خود بابیوں سے ملاقات کے لیئے آئے۔

ملا محمد علی زنجانی نے ان کو بتلایا کہ ''ہمارے درمیاں ملکی منازعت بالکل نہیں ہے۔ بلکہ ہم سب اہلِ اسلام ہیں۔ مسلمانوں کا ہزار سال سے یہ عقیدہ ہے کہ ہمارا امام مہدی و غائب ہوگیا تھا، ایک دن ظاہر ہوگا۔ تمام مسلمان اس کے لیے چشمِ براہ تھے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ وہ امام مہدی ظاہر ہوگیا ہے اور وہ مرزا علی محمد باب ہے مگر یہ لوگ ہماری تکذیب کرتے ہیں۔

ہم جواب دیتے ہیں کہ جس دلیل سے تم نے مذہب قبول کیا اسی دلیل سے تم مرزا علی محمد باب کا مذہب قبول کرو مگر یہ کچھ توجہ نہیں دیتے۔ ہم کہتے ہیں کہ احادیثِ آئمہ ہی کو جو باب علیہ السلام کے متعلق وارد ہوئی ہیں، محک و باطل بنالو مگر یہ کچھ اعتناء نہیں کرتے۔ پھر ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ اچھا ان حضرات کے علم وعمل، تقویٰ و طہارت، توجہ الی اللہ اور ایثار وغیرہ ہی کا شیعی علماء کے علم وعمل سے مقابلہ کرلو۔ وہ ہمارے اس مطالبہ کا بھی کوئی مثبت جواب نہیں دیتے۔ خلاصہ یہ کہ یہ ہماری کسی بھی تجویز کو خاطر میں نہیں لاتے۔ سفیر یہ سن کر واپس لوٹ گئے۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ ایک روز جب کہ ملا محمد علی زنجانی اپنے ایک مورچہ کا معائنہ کر رہا تھا تو معاً اس کو ایک تیر آ کر لگا۔ اس کے ساتھی اسے جلدی سے قیام گاہ پر لے آئے جہاں اس کا علاج شروع ہوا۔ مگر تین روز موت و حیات کی کشمکش میں رہنے کے بعد آخر واصل جہنم ہوا جس کے بعد اس کے تمام ساتھیوں نے خود کو شاہی فوج کے حوالہ کردیا۔ شاہی فوج نے نہیں پا بہ زنجیر کر کے تہران روانہ کردیا۔ جہاں ان کا خاتمہ کیا گیا۔

یہ وہ وقت تھا کہ جب پورے ایران میں بابیوں نے اچھی خاصی شورش برپا کر رکھی تھی چنانچہ ارباب اقتدار نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اس فتنہ کی جڑ کو ہی ختم کر دیا جائے یعنی باب کو ہی قتل کر دیا جائے کیونکہ جب تک یہ شخص زندہ ہے، فتنہ و فساد کا بازار گرم ہی رہے گا۔ ان کی تائید تو تمام علمائے کرام پہلے ہی کر چکے تھے۔ اگرچہ علمائے کرام کے

Marfat.com

فتوے اس کے خلاف پہلے ہی موجود تھے مگر ایک مرتبہ پھر باب کو چہریق سے تبریز لایا گیا اور اسے علماء کی ایک مجلس میں حاضر کیا گیا۔ اس کے ساتھ سید محمد حسین عزیز اور آقا محمد علی تبریزی بھی تھے۔

اس مجلس میں موجود علمائے کرام نے باب کو لاکھ سمجھایا کہ تم اپنے الحاد و زندقہ اور دعویٰ مہدیت سے توبہ کر کے سیدھا راستہ اختیار کرو مگر اس نے ایک نہ سنی۔ اس مجلس میں موجود حشمت الدولہ نے باب سے کہا کہ تمہیں حامل وحی ہونے کا دعویٰ ہے اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو تو دعا کرو کہ کوئی آیت تم پر نازل ہو۔ باب نے فوراً سورہ نور کی ایک آیت کا کچھ حصہ سورۂ ملک کی ایک آیت کے حصہ سے ملا کر پڑھ دیا۔ حشمت الدولہ نے وہ کلمات لکھوا لیے تھے۔ پھر اس نے باب سے پوچھا کہ یہ وحی کیا آسمانی ہے۔ وہ بولا جی ہاں! حشمت الدولہ نے کہا کہ وحی مہبط وحی کے دل سے فراموش نہیں ہوتی اگر فی الواقع یہ وحی ہے تو ذرا دوبارہ پڑھ دو۔ جب باب نے اسے دوبارہ پڑھا تو الفاظ میں رد و بدل پیدا ہو گیا۔

حشمت الدولہ نے یہ سن کر کہا کہ اے باب! یہ تمہارے جھوٹ اور دجل کی بیّن ترین دلیل ہے۔ اس کے بعد اس کے قتل کا حکم علما نے صادر کیا جس کے بعد یہ مشورہ ہوا کہ اس کو مجمع عام میں قتل کیا جائے۔ چنانچہ یہی فیصلہ کیا گیا کیونکہ اگر اسے چار دیواری میں قتل کیا گیا تو اس کے عقیدت مند یہ کہیں گے کہ اسے خدا نے آسمان پر زندہ اٹھا لیا ہے۔ چنانچہ اس کے قتل کے لیے 28 شعبان 1266ھ کا دن متفقہ طور پر مقرر کیا گیا۔

آج 28 شعبان ہے اور آج ایران میں برپا فتنہ کا خاتمہ ہوا چاہتا ہے۔ صبح سویرے ہی آقا محمد علی تبریزی کو اس غرض سے باندھا گیا کہ سب سے پہلے اسی کو گولیوں کا نشانہ بنایا جائے گا۔ میدان کے چاروں طرف لوگوں کا ایک جم غفیر موجود تھا۔ اس کو ایسی جگہ باندھا گیا تھا جہاں سے باب کی طرف اس کی پشت ہوتی تھی۔ اس نے جب دیکھا تو اس نے آہ و زاری کر کے حکام سے کہا کہ اسے اس طرح باندھو کہ اس کا منہ اس کے محبوب یعنی باب کے سامنے رہے۔

چنانچہ اس کی خواہش پوری کر دی گئی۔ فوجی افسروں نے اسے بہت سمجھایا کہ ابھی وقت گزرا نہیں ہے، تم اگر توبہ کر لو تو تمہاری جان بخشی کی جا سکتی ہے مگر اس نے ایک

Marfat.com

نہ سنی اور کہنے لگا کہ عشقِ حق سے توبہ کرنا تو بہت بڑا گناہ ہے۔ دوسری طرف اس کے عزیز رشتہ داروں نے حکام سے پرزور انداز میں کہا کہ یہ تو دیوانہ ہے اور دیوانہ کا قتل تو کسی بھی طرح جائز نہیں۔ یہ جب اس نے سنا تو چلا چلا کر کہنے لگا کہ کون کہتا ہے کہ میں دیوانہ ہوں میں تو عقل وفہم سے پوری طرح آراستہ ہوں۔ میں تو صرف حضرت حق (باب) کا دیوانہ ہوں۔ آؤ مجھے قتل کردو۔ کیونکہ قتل ہی سے ابدی حیات حاصل ہوتی ہے۔

جب گولیوں کی باڑھ مار کر ہلاک کرنے کا وقت آیا تو باب نے اسے کہا کہ تو جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ محمد علی تبریزی اور باب دونوں ہی بندھے ہوئے تھے۔ آزربائیجان کے گورنر حمزہ مرزا نے ارمن سپاہیوں کو باڑھ مارنے کا حکم دیا۔ یہ عیسائی لوگ تھے وہ کچھ توہم پرست بھی واقع ہوئے تھے۔ یہ بابیوں کے قصے کہانیوں سے کسی حد تک مرعوب بھی تھے۔ چنانچہ ان سے درست طریقہ سے گولیاں نہ چلیں۔ صرف ایک گولی محمد علی تبریزی کو لگی جب وہ مرنے لگا تو اس نے باب کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا آپ اب مجھ سے راضی ہوئے۔ یہ کہہ کر جان دے دی۔

باب کو ایک بھی گولی نہ لگی تھی اس نے حاضرین کو مخاطب کر کے چلا چلا کر کہنا شروع کیا لوگو میری کرامت دیکھو کہ گولیوں کی بوچھاڑ میں بھی کوئی گولی مجھے چھو کر بھی نہیں گزری۔ مگر ایک گولی باب کی رسی کو ضرور لگی تھی جس کی وجہ سے وہ رسی کٹ گئی۔ اچانک باب نے خود کو آزاد کیا اور قریب ہی موجود ایک سپاہی کی کوٹھری میں گھس گیا۔

باب نے وہیں سے لوگوں کو کہنا شروع کیا کہ لوگو! دیکھو مجھے ایک بھی گولی نہیں لگی۔ کیا یہ میری کرامت نہیں کہ میں رہا ہو گیا ہوں۔ تمام لوگوں نے شور مچانا شروع کردیا۔ مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد سپاہیوں نے باب کو لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا۔ جس کے بعد اسے میدان میں لا کر واصلِ جہنم کیا۔

لعنت اللہ علی الکاذبین

Marfat.com

اسود عنسی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہن رکھے ہیں۔ چونکہ اسلام میں مردوں کے لیے سونا حرام ہے چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سونے کے کنگنوں کو نفرت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ مگر جونہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کنگنوں پر نفرت اور ناپسندیدگی کی نظر ڈالی تو فوراً دونوں کنگن غائب ہو گئے۔

صبح جب ہوئی تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا یہ خواب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سنایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دراصل عاشقانِ صادقین تھے۔ یہ اصحابِ قدسی ہمیشہ یہی عرض کرتے رہتے تھے کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ اور اللہ کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلہ وسلم اس خواب کی تعبیر سے مطلع فرمایئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ دو فتنے اسلام کے خلاف ایسے اٹھیں گے جن کا رخ میری جانب ہوگا۔ مگر دونوں فتنوں کو اہلِ اسلام نیست و نابود کر دیں گے۔ ان میں سے ایک فتنہ تو یمن کی جانب سے اٹھے گا اور دوسرا فتنہ یمامہ کی طرف سے اٹھے گا۔'' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ سن کر کہ اہلِ اسلام دونوں فتنوں کو نیست و

Marfat.com

نابود کر دیں گے، ہر طرح سے مطمئن ہو گئے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب والا واقعہ سات یا آٹھ ہجری میں پیش آیا تھا۔ یہ وہی دور تھا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے چھوٹے بڑے حکمرانوں کو دعوت اسلام دینے کے لیے نامے روانہ فرمائے تھے۔ تذکرۃ الکرام" کے صفحہ نمبر 46 پر درج ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا سے بادشاہوں کے پاس مکتوب ایمان لانے کے لیے روانہ فرمائے۔ اس مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہر بھی تیار کروائی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے عرض کی تھی کہ عجم کے بادشاہ بغیر مہر کے خطوط اور فرمانوں کو اہمیت نہیں دیتے۔ چنانچہ یہ مہر تیار کروائی گئی۔

تبلیغی خطوط ارسال کرنے کے سلسلہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روم کے حکمران قیصر ہرقل، ایران کے حکمران خسرو پرویز جو کہ کسریٰ لقب سے یاد کیا جاتا تھا،، مصر کے حکمران مقوقس، حبشہ کے حکمران نجاشی اور یمن کے حکمران کو بیک وقت خطوط ارسال فرمائے۔ قیصر ہرقل کے پاس جب نامۂ مبارک پہنچا تو اس کا دل اسلام کی جانب مائل ہوا مگر اس کے درباری مزاحم ہوئے۔ اس لیے وہ ایمان لانے سے مجبور رہا۔ اسی طرح جب نامۂ مبارک خسرو پرویز کو ملا تو اس ملعون نے نامۂ مبارک کو شدید غصے کی حالت میں نامۂ مبارک کو پھاڑ کر پھینک دیا اور گستاخانہ کلمات بھی کہتا رہا۔ جب یہ اطلاع آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی تو آپ نے بڑے اطمینان سے فرمایا کہ اس نے میرے نامہ کے ٹکڑے نہیں بلکہ اپنی سلطنت کے ٹکڑے کر ڈالے۔ (تاریخ گواہ ہے کہ بالکل ایسا ہی ہوا)۔

حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس جب نامۂ مبارک پہنچا تو اس نے اس کی حد درجہ تعظیم کی اور اپنی آنکھوں پر لگا کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ اس بادشاہ نے اسی وقت اسلام قبول کرلیا تھا۔ 9 ہجری بمطابق 630ء میں جب اس نے انتقال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے مرنے کی خبر سنائی اور اس کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی۔

اسی طرح آپ کا نامۂ مبارک مقوقس یعنی مصر کے حکمران کو ملا تو اس نے بھی اسلام قبول کرلیا اور پے در پے تحائف خدمتِ اقدس میں ارسال کیے۔ انہی تحفوں میں

Marfat.com

اس نے ایک کنیز ماریہ قبطیہؓ بھی آپ کی خدمت میں بھیجیں۔ ان کے بطن سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ بھی پیدا ہوئے مگر بچپن ہی میں وفات پا گئے۔

یمن کا علاقہ دراصل خسرو پرویز کی عملداری میں آتا تھا چنانچہ یمن کے حاکم کو خسرو پرویز نے حکم جاری کیا کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے تم اس کو فوراً گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ اس مقصد کے لیے حاکمِ یمن نے اپنے دو ہوشیار آدمی روانہ کیے۔ وہ دونوں جب مدینہ منورہ پہنچے اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آج رات خسرو کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر ڈالا ہے تم یہ خبر اپنے حاکم تک پہنچاؤ۔

وہ دونوں یہ خبر سن کر یمن پہنچے اور اپنے حاکم کو یہ خبر سنائی۔ حاکم یمن یہ سن کر کہنے لگا کہ اگر خبر درست ہے تو پھر بے شک وہ شخص نبی ہے اور یقیناً ان پر ایمان لے آئیں گے۔ اسی اثناء میں شیرویہ کا نامہ بھی اس کے پاس آ گیا جس میں لکھا تھا کہ خسرو ایک ظالم شخص تھا وہ مارا گیا اور ہم بادشاہ ہوئے۔ ہماری اطاعت کرو اور عرب میں جو نبوت کا دعوے دار ہے ہمارے آئندہ حکم تک اس سے کچھ مت کہو۔

چنانچہ یمن کا حاکم اپنے ساتھیوں سمیت اسی وقت مشرف بہ اسلام ہوا اور اس طرح یمن میں اسلام پھیل گیا۔ یہ مختصر حالات ہم نے اس دور کے اس لیے درج کیے ہیں تاکہ محترم قارئین کرام کو کچھ اندازہ ہو سکے کہ نبوت کا پہلا جھوٹا دعویدار کن عوامل کی وجہ سے میدانِ کذب وافترا میں در آیا تھا۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یمن ایران کی عملداری میں تھا اور اس کے حاکم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (معاذ اللہ) گرفتاری کے لیے اپنے آدمیوں کو رانہ کیا تھا اور ازاں بعد وہ اپنے اہلِ خانہ اور عزیز و اقرباء سمیت مشرف بہ اسلام ہو گیا تھا۔ اس لیے یمن میں بڑی تیزی سے اسلام پھیلا۔ یہاں کے اکثر لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ یمن کے ایک گاؤں کہف خار میں متعدد قبائل آباد تھے جن میں سے ایک قبیلہ "عنس" نامی بھی تھا۔ یہ قبیلہ اگرچہ اپنی کسی خصوصیت کی وجہ سے مشہور نہ تھا مگر دو تین برس میں یہ قبیلہ تاریخ کا مستقل باب بن گیا۔

Marfat.com

عنس قبیلہ میں ایک شخص عیہلہ بن کعب بن عون تھا۔ یہ شخص سیاہ رو تھا چونکہ سیاہ رو یعنی کالے کو عربی میں اسود کہا جاتا ہے اسی لیے اس کا نام اسود عنسی زیادہ مشہور ہوا۔ اس کی حرکات دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رنگ ہی سیاہ نہ تھا بلکہ اس کا باطن بھی سیاہ تھا۔ یہ ایک شاطر شخص تھا اور اس کا رجحان سفلی علوم کی طرف بھی تھا۔

اسود عنسی ایک عرصہ سے یہ خبریں سن رہ تھا کہ خطۂ عرب میں ایک صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور ان کو مسلسل کامیابیاں اور کامرانیاں نصیب ہو رہی ہیں۔ وہ یہ بھی دیکھ چکا تھا کہ ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے ان صاحب کی ایک پیشین گوئی برائے خسرو پرویز پوری ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس نے ان لوگوں سے معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں جو مدینہ طیبہ سے واپس آتے۔ اسی دوران اس نے اسلام بھی قبول کرلیا اور قرآن کریم کو بھی بڑے ذوق و شوق سے پڑھتا۔ دراصل وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ اس جیسا کلام بنا سکتا ہے کہ نہیں۔

اسود عنسی کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت مکہ مکرمہ میں اس لیے ہوئی کہ دوسرے قبائل کو یہ دکھ تھا کہ ان کے قبیلہ میں نبوت کیوں نہیں اتری۔ اس نے بڑی تیزی کے ساتھ یہ منصوبہ بنایا کہ کیوں نہ میں خود ہی نبی بن جاؤں۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ نبوت کا دعویٰ کرے گا تو اس کے قبیلہ والے اپنی شان دوسروں پر جتلانے کی خاطر ہی سہی اس پر ایمان لے آئیں گے۔ دوسرے یہ کہ اس طرح اس کی حفاظت بھی ہوگی۔

اسود عنسی چونکہ سفلی علوم میں اچھی خاصی دلچسپی لیتا تھا لہٰذا اس کے پاس چند ایسے شعبدے بھی آ گئے تھے جن کی وجہ سے وہ اکثر لوگوں کو متاثر کر دیا کرتا تھا۔ وہ قبل از قبول اسلام بھی لوگوں سے الگ تھلگ رہتا تھا مگر جب بھی لوگوں سے ملتا جلتا تو لوگ اس کی شیریں بیانی کے قائل ہو جاتے۔ جب وہ لوگوں سے ملتا جلتا یا شہر میں گھومتا پھرتا تو اس کے سر پر ہمہ وقت عمامہ موجود ہوتا اور اپنے جسم پر ایک لمبی سی چادر اوڑھے رکھتا۔ عام طور پر لوگ اسے ذوالخمار یعنی اوڑھنی والا کہہ کر یاد کیا کرتے تھے۔

قبولِ اسلام سے قبل تو اسود عنسی سفلی علوم پر دسترس محض اس لیے حاصل کرنا چاہتا تھا کہ وہ اپنے قبیلہ والوں کو مرعوب کر سکے مگر قبولِ اسلام کے بعد اس کا مطمعٔ نظر

Marfat.com

تبدیل ہوا۔ مسلمان تو بس وہ نام کا ہی ہوا تھا۔ اس کا دراصل منصوبہ تو دوسرا ہی تھا۔ اس نے یہ تو معلوم کر ہی لیا تھا کہ اہلِ اسلام سب سے زیادہ قدر اور عزت قرآن مجید کی کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اس نے اپنے پاس سے کچھ آیات اور سورتیں بنا لیں۔ واں تو ابھی ٹھیک طرح سے اسلام پھیلا ہی نہیں تھا اس لیے لوگوں کو اس کی خباثت کا علم ہی نہ ہو سکا۔

اسود عنسی نے اب لوگوں سے ملنا جلنا بالکل ترک کر دیا اور اپنا پورا وقت اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے طریقوں پر سوبچار میں صرف کرنے لگا۔ وہ اپنے قبیلہ کے افراد کی ذہنی قوت سے بخوبی واقف تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ نبیوں سے لوگ معجزے بھی طلب کرتے ہیں چنانچہ اس نے ایک ایسا منصوبہ بنایا کہ لوگوں کو حیران کرنے کے لیے کافی تھا۔ چونکہ وہ اکثر تنہا رہتا تھا اس لیے لوگوں کی بھی توجہ اس کی طرف ذرا کم ہی تھی۔

اسود عنسی نے ایک طرف تو سفلی علوم کی طرف زیادہ وقت صرف کرنا شروع کیا اور دوسری طرف اس نے ایک عجیب وغریب منصوبہ پر عمل درآمد شروع کیا۔ سفلی علوم کی طرف اس کی زیادہ تو یہ یہی تھی کہ وہ بہت ہی جلد کوئی موکل قابو کرے تاکہ لوگوں پر اپنی دھاک بٹھا سکے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں وہ کسی حد تک کامیاب ہو گیا تھا۔ منصوبہ کے دوسرے حصہ کے مطابق اس نے ایک گدھا خریدا۔

اسود عنسی نے اب یوں کرنا شرع کیا کہ اس گدھے کو ایک ماہر کی طرح سدارنے لگا غالباً اسے یہ علم تھا کہ جانوروں کو کیسے سدھایا جاتا ہے۔ یہ واقعی ایک مشکل اور صبر آزما کام ہوتا ہے۔ مگر ایک طویل عرصہ کی شدید ترین محنت کے بعد وہ اپنے اس منصوبہ میں کامیاب ہوگیا۔ یہ عرصہ اس نے غالباً کسی بڑے سے غار میں ہی گزارا ہوگا۔ کیونکہ جانوروں کو سدھانے کے لیے انہیں کئی کئی روز بھوکا بھی رکھنا پڑتا ہے اور مارنا بھی پڑتا ہے چنانچہ یہ کام اس نے کسی ایسی جگہ ہی کیا ہوگا جہاں اس کو دیکھنے والا کوئی نہ ہو۔

گدھے کو سدھانے کے بعد اب اس نے اپنے گھر کی طرف رخ کیا۔ کچھ روز آرام کرنے کے بعد اس نے گدھے کی آزمائش کی۔ اس نے گدھے کو حکم دیا کہ وہ اسے سجدہ کرے، اس نے فوراً اسے سجدہ کردیا پھر اس نے حکم دیا کہ وہ بیٹھ جائے چنانچہ

Marfat.com

گدھا بیٹھ گیا پھر اس نے حکم دیا کہ وہ کھڑا ہو جائے چنانچہ وہ کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے گدھے کو حکم دیا کہ اپنی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہو جائے اور وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔ یہ اس نے تنہائی میں بار بار کیا۔ اطمینان کر لینے کے بعد اس نے عام اور خاص لوگوں سے دوبارہ ملنا جلنا شروع کر دیا۔ لوگ بھی اس کو مہینوں بعد دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔

سفلی علوم میں وہ تھوڑا بہت کامیاب ہو چکا تھا۔ اس کے قبیلے والے اس سے متاثر ہونا شروع ہو گئے۔ کیونکہ اس کی کہی ہوئی اکثر باتیں درست ثابت ہوتیں۔ ضعیف العقیدہ لوگ اس کے قریب ہوتے چلے گئے۔ وہ اپنے پاس آنے والوں کو ان کے جب حالات بتلاتا تو لوگ حیران رہ جاتے۔ یہ سب تو ٹھیک تھا مگر اسود عنسی اس موقع کی تلاش میں تھا کہ جب اس کی باتوں سے لوگ انکار نہ کریں۔ یعنی وہ انہیں حد درجہ متاثر کر دینا چاہتا تھا۔

دراصل سفلی علوم صدیوں سے سادہ لوح انسانوں کو متاثر کرنے کے لیے چالاک اور شاطر قسم کے لوگ استعمال کرتے آ رہے ہیں۔ صدیوں پہلے بھی لوگوں نے اپنی یکسوئی اور کامل ریاضت سے اس میں ایسی طاقتیں حاصل کرنا شروع کر دی تھیں کہ جو انہیں عام لوگوں کو متاثر کرنے کے کام آتی تھیں۔ مگر ان کا مقابلہ کسی بھی طرح انبیائے کرام یا اولیائے عظام کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا۔ ان علوم کا سب سے اثر مصر کے علاوہ خطۂ یونان اور ملک ہندوستان میں تھا۔ یہیں سے کوئی ایک شخص ان علوم کی شدید حاصل کر کے اپنے علاقوں میں غیر معمولی شخصیت بن جاتا تھا۔ یہی کچھ اسود عنسی نے بھی کیا۔ اسے بھی کچھ علم کہیں سے حاصل ہو گیا تھا جس کے بل بوتے پر اس نے پہلے تو اپنے قبیلہ کے عوام کو متاثر کرنا شروع کیا۔ اسی اثناء میں اس نے سنا کہ خطۂ حجاز مقدس میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے۔ اب اس کو ایک نئی ترکیب سوجھی۔ اس نے سوچا کہ اس طرح مجھے مزید حیثیت حاصل ہو جائے گی۔

چونکہ وہ ایک ماہر مخفی علوم تھا اس لیے اس نے ایک عرصہ سے لوگوں کو خود سے خوفزدہ کر رکھا تھا۔ لوگوں میں یہ بات بھی عام تھی کہ وہ جو کہہ دے پورا ہو جاتا ہے۔ لوگ اس سے اپنے حالات دریافت کرنے کے لیے آتے۔ ایک طرح سے اس کے قبیلہ کا ایک خاص طبقہ اس کا پہلے ہی سے عقیدت مند تھا۔ اس کو جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضور

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ سب سے پہلے اپنے قبیلہ والوں کو گھر میں دعوت دے کر کیا تھا تو اس نے بھی یہی کچھ کرنے کا پروگرام بنالیا۔

اسود عنسی نے بہت سوچ بچار کے بعد اپنے قبیلہ کے سربرآوردہ لوگوں کو اپنے گھر کھانے کی دعوت پر بلوایا جب تمام لوگ آن پہنچے تو اس نے ایک مختصر سے خطاب کے دوران انہیں یہ بتلایا کہ خدا نے اس کو نبی مقرر کیا ہے جیسا کہ مکہ میں بھی ایک نبی ہوا ہے۔ لوگ حیران ہوئے کہ ابھی کچھ ہی دن پہلے تو یہ خود بھی مسلمان تھا۔

جب ان میں سے کسی نے اسے یہ کہا کہ بھلے آدمی تم بھی تو مسلمان تھے تو اس شاطر آدمی نے یہ کہہ کر ان لوگوں کو مطمئن کردیا کہ تم لوگ نہیں جانتے مکہ والے نبی کا انتقال ہوگیا ہے لہٰذا نبوت میری طرف منتقل کر دی گئی ہے۔ اس نے انہیں یہ بھی کہا کہ یہ بہت اعلیٰ و ارفع باتیں ہیں بھلا تم لوگوں کو کیسے ان کا ادراک ہوسکتا ہے۔

عنس قبیلہ ایک پسماندہ سا قبیلہ تھا اور ذرا دب کر ہی یمن میں رہتا تھا۔ اس قبیلہ کے بڑے لوگوں نے جب یہ سنا کہ ان کے قبیلہ میں ایک نبی آ گیا ہے تو انہوں نے بے حد خوشی کا اظہار کیا۔ ان میں سے کسی سیانے بندے نے اسود سے کہا کہ جنابِ عالی ہم تو مطمئن ہو ہی گئے ہیں مگر جب ہم سے لوگ آپ کی نبوت کی سچائی کے بارے میں دریافت کریں گے تو پھر ہم کیا جواب دیں گے۔ لوگ تو نبی کے معجزات سن کر یا دیکھ کر ہی ایمان لاتے ہیں۔

اسود ایک شاطر انسان تھا اس نے یہ سب کچھ تو پہلے ہی سے سوچ رکھا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا کہ بس اتنی سی بات۔ میں تمہیں اس قدر معجزات دکھاؤں گا کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔ اب میری بلا سے کہ تم لوگ کسی سے کیا کہتے ہو۔ اس نے جب یہ کہا تو وہاں موجود لوگ اصرار کرنے لگے کہ جناب ہمیں تو معجزات کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہم نے تو بس ایسے ہی بات کردی تھی۔

اسود عنسی بھلا اس موقع سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتا۔ اس نے تو مہینوں بلکہ سالوں تک رات دن ایک کر کے ایک گدھا اسی دن کے لیے تیار کیا تھا۔ پھر وہ کیوں نہ انہیں اپنا معجزہ دکھاتا۔ اس نے ان میں سے ہی ایک آدمی کو کہا کہ ذرا صحن میں بندھے ہوئے گدھے کو تو پکڑ لاؤ۔ اس زمانہ میں گدھا ایک طرح سے ہر گھر کی ضرورت تھا اور

Marfat.com

سواری یا بار برداری کے کام آتا تھا۔ چنانچہ کسی کو بھی شک نہ گزرا۔ اس نے ان سب کی موجودگی میں ہی اس گدھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ بھائیو بھلا تم لوگ اس پر اپنا حکم چلا سکتے ہو۔ ان لوگوں نے بڑی بے بسی کے ساتھ کہا کہ نہیں۔ اس نے پھر کہا کہ اس سے تم میں سے کوئی شخص کچھ کہہ کر تو دیکھے مگر بھلا اس گدھے پر کیا اثر ہونا تھا۔

جب سب لوگ اس گدھے کی طرف پوری طرح متوجہ ہوگئے تو اس نے گدھے کو حکم دیا کہ خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جا۔ وہ تو ایک سدھایا ہوا گدھا تھا فوراً سجدہ ریز ہوگیا۔ لوگ دانتوں تلے انگلیاں دبائے حیران کن واقعہ دیکھ رہے تھے۔ اسود اس دوران اپنی بڑائی بیان کرتا رہا۔ آخر اس نے ان لوگوں سے کہا کہ اب اگر تم لوگ کہو تو میں اس کو اٹھنے کا حکم دوں کیوں کہ جب تک میں نہیں کہوں گا یہ نہیں اٹھے گا۔ سب لوگوں نے بیک زبان کہا کہ ہاں ہاں اس کو حکم دیں۔

"اے گدھے! اب اٹھ جا" اسود عنسی نے اپنے مخصوص لہجہ میں گدھے کو حکم دیا تو وہ گدھا فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ ان سادہ لوح لوگوں کے لے ایک محیر العقول واقعہ تھا۔ ابھی ان کی حیرانگی اپنے عروج پر ہی تھی کہ اچانک اسود نے اس گدھے کو حکم دیا کہ "اے گدھے تجھے حکم دیا جاتا ہے کہ اپنی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہو جا۔"

وہ گدھا تو گدھا تھا اور پھر تربیت یافتہ بھی وہ اسی وقت اپنی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہوگیا۔ یہ اس قدر اچانک ہوا تھا کہ اس کے قبیلے کے تمام لوگ ہی بھونچکا رہ گئے۔ ہر شخص حیران و ششدر تھا کہ جب یہ شخص ایک گدھے جیسے جانور پر حکم چلا سکتا ہے تو پھر یہ ہمارے ساتھ کیا نہیں کرے گا۔

کھانا تو وہ پہلے کھا چکے تھے۔ اب انہیں وہاں سے نکلنے کی جلدی ہوگئی۔ وہ سب یہ سوچنے لگے کہ کسی طرح باہر جا کر لوگوں سے ان معجزات کی بات چیت کریں۔ ان کے جذبات سے اسود عنسی بھی آگاہ تھا مگر وہ چونکہ ایک منصوبہ ساز شخص تھا اس لیے لوگوں کو اس نے اپنی باتوں میں الجھائے رکھا اور ان کی بے چینی کو بڑھاتا رہا۔

اس نے ان لوگوں سے کہا کہ تم میرے قریبی ہو اب یہ تمہارا فرض ہے کہ اپنے قبیلہ اور دوسرے قبیلوں کو تم لوگ ہی مطمئن کرو۔ ہاں اگر کوئی شخص تمہیں مجھ سے ملوانے کو کہے تو تم بے دھڑک اسے میرے پاس لے آنا۔ میں اسے خود ہی مطمئن کرلوں

Marfat.com

گا مگر تم لوگ میرے معجزات کو عام لوگوں تک ضرور پہنچاؤ تاکہ لوگوں کی نجات کا موقع ان لوگوں کو حاصل ہو سکے۔ یہی تو وہ چاہتے بھی تھے۔ کافی دیر سے تو اس کے گھر سے باہر نکلنے کے لیے بے تاب تھے مگر موقع نہیں مل رہا تھا اب جبکہ اسود نے خود ہی کہہ دیا تو ان کی جیسے عید ہو گئی۔

ان لوگوں کو متاثر کرنے کے بعد اب اس نے اپنے چند اعتماد والے دوستوں کو اپنے گھر بلوایا اور ان سے کہا کہ تم لوگ یہاں ہمہ وقت موجود رہا کرو اور کسی بھی شخص کو مجھ سے ملنے نہ دیا کرو۔ کوئی بھی شخص اگر مجھ سے ملنے کے لیے آئے تو تم کہہ دینا کہ میں عبادت میں مصروف ہوں۔ اس عرصہ میں اس نے یہ کوششیں کر دیں کہ کسی طرح وہ قرآن کریم جیسی چند آیات وضع کرے تاکہ ان لوگوں سے کہہ سکے کہ اس پر وحی نازل ہوئی ہے۔

اسود عنسی نے اسلام بھی اس لیے قبول کیا تھا کہ وہ قرآن کی آیات یاد کرے اور ان جیسی ہی آیات خود بنا کر یہ شوشہ چھوڑے کہ اس پر نزولِ وحی ہوتا ہے۔ اس کو یہ بھی زعم تھا کہ چونکہ اس کی زبان بھی عربی ہے لہٰذا وہ بھی بڑی آسانی کے ساتھ قرآن سے ملتی جلتی آیات بنا لے گا۔ اس نے یہی کیا اور لوگوں میں مشہور کر دیا کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔

یمن کا علاقہ مدینہ طیبہ سے خاصا دور تھا اور پھر یہ بات بھی تھی کہ یہاں حفاظ ابھی تک پہنچے نہ تھے چنانچہ وہاں کے سادہ لوح لوگ اس کے چکر میں آ گئے اور یہی سمجھنے لگے کہ واقعی اس پر وحی نازل ہوئی ہے۔ اس کا قبیلہ عنس دراصل یمن کے ایک بڑے قبیلے مذحج کی ایک ذیلی شاخ تھا مگر ہوا یہ کہ مذحج کی تمام شاخوں نے ہی اس کی کھلے دل سے حمایت کر دی اور یوں اس کو اچھی خاصی افرادی قوت حاصل ہو گئی۔

یمن میں سرکاری طور پر اسلام رائج ہو چکا تھا کیونکہ حاکم یمن یعنی بازان نے ایران کی عملداری سے الگ ہو کر ہی اسلام قبول کیا تھا۔ بازان بذات خود مدینہ طیبہ آیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کیا مگر کچھ ہی عرصہ کے بعد جب اس کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے سمیت گیارہ افراد کو یمن کا علاقہ دے دیا گیا۔ صنعا کے علاقہ کی حکومت تو بازان کے بیٹے شہر کے

Marfat.com

حوالے کی گئی۔

نجران پر عمرو بن حزم، نجران اور زبیر کے درمیانی علاقہ پر خالد بن سعید، ہمدان پر عامر بن شہر، مارب پر ابوموسیٰ، مراد پر فردہ بن مسیک، جند پر یعلیٰ بن ابوہالہ کو ملک اور اشعریوں پر مقرر کیا گیا۔

یہ وہ دور تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت ناساز رہنے لگی تھی چنانچہ ان علاقوں کے انتظام و انصرام کی طرف پوری توجہ نہ دی جاسکتی تھی۔ دوسری یہ بات بھی بڑی اہم تھی کہ جو لوگ دوسرے علاقوں سے مدینہ طیبہ آتے تھے وہ مدینہ طیبہ میں جب صحابہ کرام کا پریشانی کے مارے برا حال دیکھتے تو اپنے علاقوں میں جا کر بتلاتے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بس اب دو چار دن کے ہی مہمان ہیں۔ چنانچہ ان خبروں نے بھی اسود عنسی کو اچھا خاصا شیر کردیا۔ اسے یہ تو بخوبی علم تھا کہ حضور اقدس کے صحابہ کو اس طرف دھیان آئے گا تو پھر اس کی خیر نہیں۔ اس لیے وہ کم سے کم وقت میں اپنی طاقت کو مستحکم کرلینا چاہتا تھا۔

اسود عنسی کے خیال کے مطابق اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ اس کو ابھی تک یہ اطلاع بھی موصول نہیں ہوئی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحت یاب ہوئے ہیں یا نہیں یا یہ کہ کیا آپ نے پردہ فرمالیا ہے۔ اس نے اب اپنے دیرینہ خواب کو پورا کرنے کا ارادہ کرلیا اور اپنے قبیلہ میں سے تجربہ کار آدمیوں کو جمع کر کے ان کو ایک فوج تیار کرنے کا حکم دیا۔

بہت ہی جلد ان کے پاس ایک بڑی فوج تیار ہوگئی۔ اسود عنسی نے سب سے پہلے تو نجران اور اس کی ملحقہ ریاستوں کو فتح کیا اور یوں بہت ہی کم عرصہ میں حضرت عمرو بن حزم اور خالد بن سعید کی حکومتوں کو ختم کر کے اپنے بندے مقرر کردیئے۔ مسلمان حاکم تو یہاں حکومت کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ ان کے ذمہ تو دین سکھلانا تھا۔ چنانچہ کسی بھی جگہ جنگ نہ ہوسکی۔

اسود عنسی کی یہ بڑی خوش قسمتی کہی جاسکتی ہے کہ اسے اپنی فوج کا سپہ سالار قیس بن عبدیغوث مرادی جیسا شخص ملا۔ یہ اس کا قابل اعتماد وزیر بھی تھا اور جنگ و جدل کا بھی اس کو وسیع تجربہ تھا۔ مراد کے علاقہ پر حضرت فردہ بن مسیک کی حکومت تھی

Marfat.com

مگر چونکہ وہ علاقہ قیس کا تھا چنانچہ وہاں کے لوگوں نے بلا تاخیر قیس کا ساتھ دیا اور یوں وہاں سے بھی مسلمانوں کو الگ ہونا پڑا۔

صنعا چونکہ یمن کا مرکزی شہر خیال کیا جاتا تھا اس لیے اب اسود عنسی نے قیس کو حکم دیا کہ اب صنعا کا رخ کرے۔ صنعا میں باقاعدہ فوج موجود رہتی اور یہاں پر بازان کا بیٹا شہر حاکم تھا۔ صنعا میں بڑی ہی خونریز جنگ ہوئی۔ دونوں طرف سے بہادری کے جوہر دکھائے گئے مگر اسود عنسی کے ساتھی تو جنونی تھے انہوں نے صنعا کی فوج کو بری طرح شکست سے دوچار کیا اور صنعا پر قبضہ کرلیا۔ حاکم صنعا شہر بن باذان دلیری سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔

صنعا میں اس وقت حضرت معاذ بن جبلؓ بھی موجود تھے مگر اس اچانک افتاد پر انہوں نے صنعا کو خیر باد کہا اور علاقہ سکون کا رخ کیا۔ صنعا کے بچے کھچے مسلمانوں نے صنعا کی پہاڑیوں میں پناہ حاصل کر کے اپنی جان بچائی۔ یہ وہ لوگ تھے جو کہ اسلام پر سختی کے ساتھ کاربند تھے۔ اکثر علاقوں میں تو یہ ہو رہا تھا کہ وہاں کے لوگ اسود عنسی پر ایمان لا کر اپنی جان بچا رہے تھے اور کوئی انکار کرتا تو اس کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسود عنسی نے بڑی ہی سرعت کے ساتھ علاقوں پر اپنی حکومت قائم کی۔ اس کی اس قدر تیز رفتاری سے فتوحات کی وجہ ایک ہی تھی کہ اہلِ اسلام تو اس وقت اس پریشانی میں مبتلا تھے کہ ان کے آقا و مولا کی طبیعت اس وقت شدید ناساز تھی۔ ایسے میں بھلا کسے یہ ہوش تھی کہ وہ اسود عنسی کی طرف دھیان دیتا۔ اگر دیکھا جائے تو اسود عنسی نے محض دو تین برسوں ہی میں یہ تمام تر کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ ایسی صورت حال میں اکثر مسلمان بھی منحرف ہو گئے۔ ان میں سے بعض تو ایسے مسلمان تھے جن کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان و مال کا خطرہ تھا اور کچھ ایسے بھی تھے جو اسود عنسی کی طاقت سے مرعوب ہو چکے تھے۔

اسی صورت حال سے عمرو بن معدی کرب نے بھی فائدہ اٹھانا چاہا۔ عمرو بن معدیکرب دراصل حضرت خالد بن سعیدؓ کی مجلسِ شوریٰ کا ممبر تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ اسود عنسی کی طاقت دن بہ دن بڑھتی چلی جا رہی ہے تو اس نے اس سے بھرپور فائدہ

Marfat.com

اٹھانا چاہا۔ اس نے جب دیکھا کہ حضرت عمرو بن حزمؓ اور حضرت خالد بن سعیدؓ اس خراب صورتِ حال کی اطلاع دینے مدینہ منورہ جا رہے ہیں تو اس نے اپنے ایک اعتماد کے آدمی کے ہاں اسود عنسی کو یہ پیغام بھجوایا کہ اگر وہ اس کو اپنا نائب بنا دے تو وہ اس پر ایمان لا سکتا ہے۔

اسود عنسی کو بھلا کیونکر انکار ہو سکتا تھا۔ وہ تو یہی چاہتا تھا کہ کوئی معروف صحابی اس کے دامِ فریب میں پھنسے۔ جب عمرو بن معد یکرب نے یہ پیغام بھجوایا تو اسود نے بلا تاخیر اس کا یہ مطالبہ قبول کر لیا اور یوں عمرو بن معدیکرب کو اس نے نام نہاد نائب مقرر کر دیا۔

اسود عنسی اب پر سکون ہو چکا تھا کیونکہ وہ جس قدر علاقہ فتح کرنا چاہتا تھا کر چکا تھا چنانچہ اب وہ مزید کسی ملک کے ساتھ جنگ نہیں کر رہا تھا۔ اس نے اپنا دارالحکومت صنعا کو بنایا اور شاہی محل کو ہی اپنے لیے منتخب کر لیا۔ اس نے حاکم صنعا شہر بن بازان کی بیوہ کو اپنی بیوی بنا لیا۔ مگر اس نے اس کے ساتھ نکاح نہیں کیا تھا۔ اس کی بیوی کا نام آزاد تھا اور یہ بہت ہی زیادہ خوبصورت تھی۔ جبکہ اسود خود کالا بھجنگ تھا۔

اسود نے ہر ممکن طریقہ سے آزاد کا دل جیتنے کی کوشش کی مگر آزاد اس سے نفرت ہی کرتی رہی۔ یہ بھی ہوا کہ اسود نے اب لوگوں کے ساتھ انکسار کے ساتھ پیش آنا ترک کر دیا جو کہ ایک طرح سے اس کا خاصہ کہلاتا تھا۔ اب وہ ایک حکمران تھا اور عام لوگوں سے بہت ہی کم ملتا جلتا تھا۔ اس کی تمام مفتوحہ ریاستوں سے بڑے بڑے لوگ اس سے ملنے آتے تو وہ ان سے بھی نہایت متکبرانہ انداز میں ملاتا کرتا تھا۔

اسود نے اپنے شاہی محل میں ہر کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دی تھی مگر صرف دو نوجوان ایسے بھی تھے جو کسی بھی وقت اس کے محل میں آ جا سکتے تھے۔ یہ دونوں سگے بھائی تھے۔ ان کے نام فیروز دیلمی اور جشنس دیلمی تھے۔ یہ دونوں دراصل آزاد کے چچا زاد بھائی تھے اور اس کے علاوہ یہ دونوں اس کے دودھ شریک بھائی بھی تھے۔ چونکہ آزاد ان دونوں سے بے حد پیار کرتی تھی چنانچہ اسود نے ان دونوں کے ساتھ بگاڑنے کی کبھی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ دونوں اچھے خاصے صحت مند تھے۔ انہوں نے ابھی تک اسود عنسی کی نبوت پر ایمان لانے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اگرچہ اسود بزور قوت ان کو

Marfat.com

مجبور بھی کر سکتا تھا مگر وہ محض آزاد کا دل جیتنے کی خاطر ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

یہ دونوں بھائی آزاد یعنی اسود عنسی اور اپنی بہن کے ساتھ حد درجہ پیار کرتے تھے اور اسی لیے انہیں یہ دکھ تھا کہ اسود عنسی نے ان کی بہن کو بغیر نکاح کے ہی اپنے پاس ڈال رکھا تھا۔ ان کی نظر میں یہ سراسر زنا تھا مگر وہ بھی دیگر مسلمانوں کی طرح مجبور تھے۔ اسود عنسی ایک ظالم اور شاطر شخص تھا مگر انہی مجبوریوں اور لاچاریوں کے باوجود اسود عنسی کے برے وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ وقت جس کا انہیں انتظار تھا انہیں جلد ہی حاصل ہونے کی امید پیدا ہونے لگی۔ انہیں یوں لگا کہ جیسے قدرت ان کے لیے سامان پیدا کر رہی ہے۔

یہ وقت انہیں اس وقت نظر آیا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ اسود عنسی اپنے اس سپہ سالار سے بے اعتنائی برت رہا ہے جس نے اس کی حکومت کو وسیع کرنے میں دن رات ایک کر دیا تھا۔ اس سپہ سالار کا نام قیس مرادی تھا۔ یہ قیس مرادی ہی تھا کہ جس نے اپنی سپاہیانہ اور قائدانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اسود عنسی کو ایک وسیع وعریض حکومت کا مالک بنا دیا تھا۔ اسی قیس مرادی کو اسود عنسی نے بری طرح نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا۔

وہ قیس مرادی جو ایک وقت میں اسود عنسی کی مونچھ کا بال بنا ہوا تھا وہی قیس اب ملاقات کے لیے پہروں محل سے باہر منتظر بیٹھا رہتا تھا۔ جب وہ منتظر بیٹھا ہوتا تو ادھر سے گزرنے والے اس کو بھی بہت عجیب عجیب نظروں سے دیکھا کرتے تھے اور جب قیس یہ دیکھتا کہ فیروز اور حشنس روزانہ محل میں آ جا رہے ہیں تو قیس اندر ہی اندر کھولنے لگتا۔ یہ روزانہ کا ہی معمول تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر قیس کڑھتا رہتا مگر منہ سے کچھ بول نہیں سکتا تھا۔

ادھر یہ دونوں بھائی جو کہ بہت ہی کم گو تھے، قیس کی درگت بنتے دیکھا کرتے تھے۔ ایک روز یوں ہوا کہ اسی بے بسی اور لاچاری کی تصویر بنا قیس محل کے صدر دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا کہ فیروز نے اس کے قریب جا کر بڑی ہی اپنائیت کے ساتھ پوچھا ''کیوں جناب عالی! بڑے چپ چپ بیٹھے ہیں کیا آج بھی آپ کی ملاقات اسود عنسی کے ساتھ نہیں ہوئی؟''

Marfat.com

قیس مرادی پر تو جیسے گھڑوں پانی گر گیا۔ وہ مارے ندامت کے ٹھیک طرح سے بول بھی نہیں پا رہا تھا۔ اس نے خاموش رہنا چاہا مگر فیروز نے جب دوبارہ اس سے دریافت کیا تو کہنے لگا ''مجھے تو خود معلوم نہیں ہو رہا کہ میرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔ مجھے تو یوں دکھائی دے رہا ہے کہ جیسے اب تو میری وقعت اور قدر و منزلت نبی محترم کے دل میں پہلی جیسی نہیں رہی۔ مجھے تو اب خود سے بھی گھن آنے لگی ہے۔''

فیروز یہ سن کر بے حد خوش ہوا۔ اس کے تو دل میں ایک طرح سے قرار آ گیا۔ مگر اس نے مصنوعی افسردگی سے قیس سے کہا کہ ''ہاں جناب عالی! اب تو آپ کے نبی صاحب پورے یمن کے بلا شرکتِ غیرے مالک بن چکے ہیں۔ چونکہ اب وہ ایک عظیم الشان حکمران ہیں اس لیے بھلا ان کے پاس اپنے ادنیٰ ملازمین کے لیے وقت کہاں سے آئے گا؟''

''ادنیٰ ملازم'' قیس مرادی روہانسا ہو کر بولا۔ ''میں تو واقعی ایک ادنیٰ ملازم ہی بن کر رہ گیا ہوں۔ میں، میں، میں یعنی قیس مرادی، وہ قیس مرادی جس نے اپنے نبی کو اس قدر وسیع و عریض سلطنت کا والی بنانے میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ وہی قیس اب بیچارگی اور بے بسی کی جیتی جاگتی تصویر بنا ہوا ہے۔ مجھے تو اب یوں دکھائی دیتا ہے کہ جیسے میرے نبی محترم مجھ سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔''

قیس ابھی اتنا ہی کہنا پایا تھا کہ فیروز کا بھائی حشنس بھی ان دونوں کے قریب پہنچ گیا۔ قیس اس کو دیکھ کر یکدم خاموش ہو گیا۔ یہ دیکھ کر حشنس بول اٹھا کہ ''کون سی خاص بات ہو رہی تھی بھئی۔ مجھے دیکھ کر تو تم لوگ بالکل خاموش ہو گئے ہو۔''

فیروز نے اپنے لہجے میں شدید ترین یاسیت سموتے ہوئے کہا کہ ''آؤ حشنس بھائی! تم بھی آ جاؤ، ہم تو کوئی ایسی خفیہ بات نہیں کر رہے تھے۔ تم نے دیکھا ہے اس عظیم شخص کو، یہ موصوف قیس مرادی ہیں۔ جن سے پورا یمن تھراتا ہے۔ جس کی تلوار سے اسود عنسی کو پورے یمن کا مختار بنا دیا ہے۔ آج یہی عظیم شخص اسود عنسی کے دربار میں باریابی کا منتظر ہے۔ کیا عظیم لوگوں کو ان کی خدمات کا صلہ ایسے ہی ملا کرتا ہے۔ کیا تمہیں اب ایک عام سپاہی اور سپہ سالار میں کوئی فرق دکھائی دیتا ہے۔ کم از کم مجھے تو ایسا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔''

Marfat.com

فیروز کی اپنائیت بھری باتیں سن کر قیس کے ضبط کے بندھن بھی ٹوٹ گئے اور وہ گلوگیر آواز میں کہنے لگا ''ہاں صاحبو! ہاں میں کل کا عظیم شخص آج ایک معمولی شخص کی طرح منتظر بیٹھا ہوں۔ کل کا منکسر المزاج نبی آج ایک مطلق العنان بادشاہ بن چکا ہے۔''

''جی ہاں! سپہ سالارِ اعظم یہی تو مطلب پرستوں کی ایک خاص نشانی ہوا کرتی ہے کہ جب مطلب پورا ہو جائے تو پھر پہچانتے ہیں نہیں''۔ فیروز نے قیس سے ہمدردی جتلاتے ہوئے کہا۔ فیروز کے خاموش ہوتے ہی خشنس یوں گویا ہوا ''عظیم سپہ سالار! آپ کیا بات کرتے ہیں۔ ہم سے پوچھیں کہ ہمارے شب و روز کس طرح گزرتے ہیں۔ آپ اگر برا نہ منائیں تو ایک بات عرض کروں حالانکہ مجھے یہ بات مناسب دکھائی نہیں دیتی۔ کیونکہ آپ اس کے سپہ سالار اعظم ہیں۔ مگر میں اپنے دل اور اپنے دین کی وجہ سے مجبور ہوں کہ یہ بات آپ جیسے دلیر شخص سے ضرور کروں کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ اسود عنسی نے ہماری بہن کو نکاح کیے بغیر ہی اپنے حرم میں ڈال رکھا ہے۔''

خشنس یہ کہہ کر رونے لگا۔ اسے روتا دیکھ کر قیس نے بڑی حیرانگی سے دریافت کیا کہ ''میرے بھائی مجھے بتلاؤ کہ کیا نبی محترم نے آپ کی بہن سے نکاح نہیں کیا؟'' خشنس سے پہلے ہی فیروز بول اٹھا کہ ''جی ہاں! جناب عالی ایک طرف تو اس نے دعویٰ نبوت کر رکھا ہے اور دوسری جانب اس قدر قبیح فعل کا مرتکب ہو رہا ہے۔ کیا کوئی بھی مذہب اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ کسی عورت کو بغیر نکاح کیے اپنے حرم میں ڈال لیا جائے؟''

قیس اب سمجھ چکا تھا کہ یہ دونوں بھائی بھی اسود عنسی سے حد درجہ نالاں ہیں۔ اس نے سوچا کہ ان دونوں سے دوستی کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ دونوں ہی اس کے کام آ سکتے ہیں۔ اس کو یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ یہ دونوں بھائی بھی اسود عنسی کے شدید خلاف ہیں۔ اس نے دیکھا کہ محل کے دربان ان تینوں کی طرف بہت ہی مشکوک نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے ان دونوں سے کہا کہ ''میرے عزیز دوستو! یہاں تو سکون اور آزادی سے بات چیت نہیں کی جا سکتی۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ مجھے کسی ایسی جگہ ملیں جہاں پر آزادی کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا جا سکے؟''

Marfat.com

یہی کچھ وہ دونوں بھی چاہتے تھے۔ فیروز نے اس کی بات سن کر رازدارانہ انداز میں کہا کہ ''جناب خیال رکھیئے گا کہ ہم الحمد للہ ابھی تک مسلمان ہیں اور یقیناً مسلمان ہی رہیں گے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی اپنے ذہن میں رکھئے گا کہ ہم اسود عنسی کے خلاف ہیں تو بالکل جائز وجہ سے۔ آپ ہم سے اپنے دل کی بات کر سکتے ہیں۔ مگر کہیں یہ تو نہیں ہوگا کہ آپ ہم سے ملاقات کے تمام روداد اپنے نبی تک پہنچا دیں۔''

قیس ایک عملی شخص تھا اس کو فیروز کا محتاط رویہ بہت اچھا لگا۔ اس نے بلا تردد کہا کہ ''نہیں میرے دوستو! بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے میں یقیناً کوئی بات بھی اسود عنسی تک نہیں پہنچاؤں گا۔ اس سلسلہ میں آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ مجھے تو یوں دکھائی دیتا ہے کہ جیسے آپ کے اور میرے دکھ ایک جیسے ہیں۔'' یہ سن کر دونوں بھائی وہاں سے رخصت ہو گئے۔ ان کے جانے کے کچھ ہی دیر کے بعد قیس کو دربان نے آ کر بتلایا کہ اسود عنسی اسے بلا رہا ہے۔

اسود عنسی کے پاس جانے سے قبل قیس نے اپنے آپ کو ہر طرح سے تیار کیا اور اس کے پاس جا پہنچا۔ قیس نے دیکھا کہ اسود ایک چھوٹے سے قالین پر نیم دراز ہے اور ایک عمدہ گاؤ تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے ہے۔ قیس نے اس کے آگے کھڑے ہو کر اس کو تعظیمی سلام کیا اور گلوگیر انداز میں عرض کیا ''حضور اقدس! مجھے تو آج آپ کی خدمت میں بہت زیادہ تاخیر سے بلایا گیا کیا مجھ سے کوئی گستاخی ہوگئی ہے؟''۔

اسود عنسی اس دوران اس کو بڑے ہی غور سے دیکھتا رہا۔ قیس جب خاموش ہوا تو اس نے قیس پر گہری نظر ڈالتے ہوئے کہا ''تم نے ایک نبی کو سمجھ کیا رکھا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں یہاں بیکار تو نہیں بیٹھا رہتا۔ کبھی میرے ساتھ دور دراز سے بڑے بڑے لوگ آتے ہیں اور کبھی فرشتے آتے ہیں۔ کیا تم یہ سمجھے ہو کہ میں تمہارے آگے جواب دہ ہوں؟''

اسود عنسی نے فرشتے کا ذکر قیس کے آگے اس لیے کیا تھا کہ اس کو مرعوب کیا جا سکے وگرنہ اس کے پاس بھلا کسی فرشتہ وغیرہ کے آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ویسے یہ ہوسکتا ہے کہ اس نے سفلی علوم کے ذریعہ سے کوئی بدروح یا کوئی موکل

Marfat.com

وغیرہ قابو کر رکھا ہو۔ قیس نے کسی قدر خوفزدہ ہوتے ہوئے عرض کیا کہ ''حضور والا! کیا مجھے بھی اس لیے تاخیر سے یاد فرمایا گیا کہ آپ کے پاس فرشتہ بیٹھا ہوا تھا۔'' اسود عنسی نے قیس کو گھورتے ہوئے کہا ''ہاں ہاں! تم کیا سمجھتے ہو کہ تم جو کچھ مرضی کرتے پھرو مجھے کچھ علم نہیں ہوتا۔ مجھے فرشتہ یہی بتلا رہا تھا کہ تم میرے دشمنوں کے ساتھ میرے خلاف باتیں کر رہے تھے۔ فرشتہ مجھے یہ کہہ کر گیا ہے کہ تجھے اب آزاد نہیں چھوڑنا چاہئے اور قید خانہ میں ڈال دینا چاہئے۔''

قیس فرادی نے خفگی سے جواب دیا کہ جناب عالی! یہ کیسا فرشتہ ہے کہ آپ کو بالکل غلط اطلاع فراہم کر رہا ہے۔ بھلا میں کیوں آپ کے خلاف باتیں کروں گا۔ میں تو آپ کا ایک سچا جانثار ہوں۔ کیا میں نے آپ کی خاطر اپنی جان بارہا خطروں میں نہیں ڈالی؟''

''قیس تمہاری یہ جرأت کیسے ہوئی کہ تم میرے فرشتے کے بارہ میں اس قسم کی باتیں کرو۔ کیا تم اس بات سے انکار کر سکتے ہو کہ تم یہاں آنے سے پہلے فیروز اور حشنس سے راز و نیاز کر رہے تھے۔'' اسود عنسی نے شدید ترین غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے قیس سے کہا۔ قیس یہ سن کر بھونچکا رہ گیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کو فیروز اور حشنس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ وہ یہ سن کر حیران رہ گیا مگر اس نے اپنی حیرانگی کا اظہار اپنے چہرہ سے نہیں ہونے دیا۔

قیس ایک عقل مند شخص تھا اس نے بات کو سنبھالنے کی خاطر کہا کہ ''حضور والی! آپ مجھے بولنے کا موقع کہاں دے رہے ہیں۔ میں نے خود آپ کو بتلانا تھا کہ میں کچھ دیر پیشتر ان دونوں کے درمیاں تھا مگر میں یہ تو نہیں جانتا کہ ان کے نام کیا ہیں۔ یا ان کی حیثیت یہاں کیا ہے۔ بس میں نے ان کو اکثر محل میں آتے جاتے ضرور دیکھا ہے۔ میرا تو خیال یہی تھا کہ یہ دونوں آپ کے مقرب لوگ ہیں۔ چنانچہ جب یہ دونوں میرے پاس آئے تو میں نے ان سے باتیں کیں۔''

''اچھا تو پھر کیا باتیں ہوئیں؟'' اسود عنسی نے عدم دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ حالانکہ وہ اس کی زبانی کچھ اہم خبریں سننا چاہتا تھا۔ مگر قیس بھی کوئی بچہ نہ تھا۔ اس نے بڑے ہی اطمینان سے کہنا شروع کیا ''جناب عالی! اگر میں کچھ نہ بھی کہوں

Marfat.com

تو آپ کو فرشتے بتلا ہی دیں گے کہ ہمارے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی مگر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے مجھ سے یہ کہا کہ آپ کی مصروفیات میں حد درجہ اضافہ ہو چکا ہے۔ سلطنت کے معاملات تو ہیں ہی مگر آپ کو فرشتوں کے ساتھ بھی دیر تک باتیں کرنا ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ بھلا کس طرح ادنیٰ ملازم کے لیے وقت نکالیں۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ مجھے فرشتہ غلط کہہ رہا تھا۔ حالانکہ فرشتوں کو بھلا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ وہ تو مجھے یہ کہہ رہا تھا کہ تجھے بلا تاخیر قید میں ڈال دیا جائے کیوں کہ تو اب خطرناک ہوتا جارہا ہے۔" قیس تو یقیناً سر تا پاؤں لرز کر رہ گیا کیونکہ بات تو درست ہی تھی۔ باتیں تو اسود کے خلاف ہی ہو رہی تھیں۔ مگر وہ اقرار بھی تو نہیں کر سکتا تھا۔

اسود عنسیؔ نے ایک گدھے کو سدھا کر اپنے قبیلہ کے بڑوں کو گدھا بنایا تھا مگر اب قیس نے اسود ہی کو گدھا بنانے کا تہیہ کر لیا۔ قیس نے بڑی مکاری کے ساتھ اپنا سر اسود کے پیروں پر رکھ دیا اور آہ و زاری کرتے ہوئے کہنے لگا "جناب عالیٰ! اب مجھے اپنی زندگی بالکل بے کار دکھائی دینے لگی ہے۔ کیونکہ آپ کو میرے یعنی قیس مرادی جیسے سچے جانثار کی وفا اور اس کے ایمان پر ہی یقین نہیں رہا۔ اب یہ غلام زندہ بھی رہ کر کیا کرے گا۔ آپ مجھے زندان میں مت ڈالیں بلکہ آپ مجھے فی الفور قتل کروا دیں۔ اب میری زندگی کا بھلا کیا مقصد رہ گیا ہے۔ ایسی زندگی سے تو واقعی موت اچھی۔"

اسود عنسی اس کے بچھائے ہوئے جال میں آ گیا۔ قیس کو اس نے خود اٹھ کر اٹھایا ار جب قیس کا چہرہ اس کے سامنے آیا تو اسود نے دیکھا کہ آنسوؤں سے قیس کا چہرہ تر تھا۔ "اے قیس! فی الحال تو اپنے گھر چلا جا اور مجھے کچھ وقت دے تاکہ میں فرشتہ سے تیرے بارہ میں پوچھ لوں کہ کیا تو سچ کہہ رہا ہے میں ابھی تجھے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

یہ سن کر حقیقتاً قیس کی جان میں جان آئی اور اس نے وہاں سے نکلنے میں قطعاً دیر نہیں کی۔ مگر اس نے نہایت عقل مندی کا مظاہرہ کیا اور خوشی ظاہر نہیں ہونے دی۔ آہستہ خرامی سے وہ محل سے باہر نکل گیا۔ مگر اس وقت اس کے ذہن میں اگر کوئی سوچ تھی تو وہ یہی تھی کہ اب وہ کسی بھی طرح اسود عنسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

Marfat.com

قیس یہ جان چکا تھا کہ اب اسود عنسی دراصل اس پر پہلے جیسا اعتماد نہیں کرتا۔ جب وہ یہ سوچتا تو اس کے دل و دماغ پر اس کے موکل کا یقین راسخ ہو جاتا کہ واقعی اس کے پاس کوئی مؤکل یا فرشتہ ہے ضرور جو اس کو ہر طرح کی خبریں فراہم کرتا ہے۔ اسی یقین میں یہ بھی شامل تھا کہ اسود عنسی واقعی ایک نبی ہے۔

پورے یمن کی طرح دارالحکومت صنعا میں بھی اہل اسلام نے خود پر خاموشی طاری کر رکھی تھی۔ انہی میں حضرت معاذ بن جبلؓ بھی شامل تھے۔ آپ جس علاقہ میں مقیم تھے آپ نے وہاں پر ایک مسلمان گھرانہ میں شادی کر لی تھی۔ کیونکہ اہلِ عرب اپنے داماد کا ہر طرح سے تحفظ کیا کرتے تھے۔ مگر حضرت معاذ بن جبلؓ نے فقط اس وجہ سے شادی نہیں کی تھی بلکہ آپ کے پیش نظر یہ بھی تھا کہ اس طرح آپ آرام و سکون کے ساتھ دینِ متین کی تبلیغ و ترویج بھی کر سکیں گے۔

اہلِ اسلام کی اس خاموشی کو اسود عنسی اور اس کے حمایتی یہ سمجھتے تھے کہ گویا اہل اسلام نے ان حالات سے ایک طرح سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ اہل اسلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ کوئی بھی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے تھے کہ جس کا حکم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ ارشاد فرمایا ہو۔ دوسرے یہ کہ اسود عنسی نے اپنے حمایتیوں کی مدد سے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ اس کے خلاف کوئی بھی شخص آواز نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس نے جن علاقوں پر قبضہ کر رکھا تھا وہاں پر اپنے اعتماد کے آدمیوں کو ہی حاکم مقرر کیا تھا۔

اسی دوران اڑتی اڑتی یہ خبریں بھی مسلمانوں تک پہنچیں کہ اسود عنسی اپنے قابل اعتماد سپہ سالار قیس مرادی سے کسی وجہ سے ناراض ہو چکا ہے۔ نیز یہ بھی کہ قیس بھی اسود کے خلاف ہو چکا ہے۔ مگر چونکہ ابھی تک اسود عنسی نے قیس کو اس کے عہدہ سے برخوست نہیں کیا تھا اور نہ ہی از خود قیس نے ہی اپنے عہدہ کو چھوڑا تھا لہٰذا کوئی بھی شخص کھل کر کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔

دھیرے دھیرے یہ خبریں مسلمانوں تک پہنچیں تو انہوں نے اب قیس مرادی کے ساتھ روابط استوار کرنے شروع کر دیئے۔ انہوں نے قیس کو یہ کہنا شروع کر دیا کہ اے سپہ سالارِ اعظم اب آپ کی خیر نہیں۔ اب تو ہمیں دراصل یوں دکھائی دیتا ہے کہ

Marfat.com

جیسے اسود عنسی آپ سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔ اس کو مسلمان یہ بھی مشورہ دیتے کہ مناسب تو یہی ہوگا کہ اگر وہ کسی طرح اس سے ہی پیچھا چھڑا لے۔

ابھی وہ اس انتظار میں ہی تھے کہ مدینہ طیبہ سے کوئی حکم وارد ہو کہ انہیں یہ معلوم ہوا کہ قیس بھی اسود عنسی کے خلاف ہے اور نہ صرف قیس بلکہ اسود عنسی کی بیوی آزاد کے دونوں دودھ شریک بھائی بھی اسود عنسی کے شدید ترین مخالف ہیں۔ چنانچہ انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ اب دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ تینوں مل کر اس کو قتل کر دیں اور یوں بے تحاشا لوگوں کی جانیں بچ جائیں۔

قیس تک پہنچنے والی ان تمام تر خبروں نے درحقیقت اس کی راتوں کی نیندیں اڑا کر رکھ دی تھیں اور وہ ہر وقت اپنی زندگی بچانے کی ہی تدبیریں کیا کرتا تھا۔ جس دن سے وہ اسود کے محل سے بے آبرو ہو کر نکلا تھا دوبارہ اس نے اس کے محل میں جانے کی غلطی نہیں کی تھی۔ ایک روز اچانک اسے یہ حکم ملا کہ جس قدر جلد ہو وہ اسود کے محل میں پہنچے۔

قیس تو یہ خبر سن کر ہی سر تا پا کانپ کر رہ گیا کہ نجانے اب کونسی افتاد اس پر پڑنے والی ہے۔ مگر مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اس کو محل میں تو جانا ہی تھا۔ قیس نے اس مرتبہ یہ ضرور کیا کہ اپنے ہمراہ اپنے دس بااعتماد مسلح ساتھی بھی لیتا گیا۔ اسود عنسی کو بھلا اس بات کی توقع کیونکر ہوسکتی تھی۔

قیس کو اسود نے بڑی ہی خشمگیں نگاہوں سے دیکھا اور پوچھا کہ ''اے قیس! میں نے تو صرف تجھے ہی طلب کیا تھا مگر تو اپنے ساتھ یہ مسلح لوگ لے آیا ہے۔ کیا میں اس کا کوئی مطلب سمجھوں۔ کیا تو مجھ پر رعب ڈالنے کے لیے انہیں یہاں پر لایا ہے۔''

''یا حضرت! بھلا آپ کیسی باتیں ارشاد فرما رہے ہیں۔ میں کیونکر آپ پر رعب ڈالنے کی کوشش کرنے لگا۔ جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ جس وقت سے میں نے آپ کا ساتھ دیا ہے اور آپ کی نبوت پر ایمان لایا ہوں میں نے اپنی جان کو آپ کی امانت خیال کیا ہے۔ مگر یہ مسلمان میرے شدید ترین مخالف ہو چکے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ آپ کی کامیابی میں میرا ہی ہاتھ ہے۔ میرے دوستوں نے مجھے یہ خبر بھی پہنچائی ہے کہ مسلمان میرے قتل کی سازشیں تیار کر رہے ہیں۔ مجھے یہ بھی اطلاع ملی ہے

Marfat.com

کہ مسلمانوں نے آپ کو بھی میرے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا ہے۔ اب یہ میرے لیے بہت ضروری ہو چکی ہے کہ میں حتی المقدور اپنی حفاظت کروں۔

قیس کی ان باتوں پر کسی بھی قسم کا ردعمل کا اظہار اسود عنسی نے نہیں کیا بلکہ اسے حکم دیا کہ اپنے ساتھیوں سے کہے کہ یہ محل سے باہر چلے جائیں۔ قیس نے جب انہیں باہر چلے جانے کا کہا تو دھیرے سے یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اپنے کانوں کو محل کی طرف ہی رکھیں اور اگر انہیں اس کی کوئی چیخ سنائی دے تو فوراً محل کے اندر داخل ہو جائیں۔

قیس جب اپنے ساتھیوں کو محل سے باہر جانے کا کہہ کر اسود کے پاس آیا تو اسود عنسی نے بڑے ہی فکر مند انداز میں اس سے کہا کہ ''اے قیس! میں کیا کروں تیری باتوں سے میں ضرور کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں مگر مجھے فرشتہ یہی کہتا ہے کہ تو میرے دشمنوں کے ساتھ میرے خلاف سازشیں کر رہا ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ تجھے بطور سزا موت کے اندھیرے کنویں میں پھنکوا دیا جائے۔ میں اب کیا کروں۔ تو بھی میرا بااعتماد اور جانثار ساتھی ہے اور فرشتہ بھی قطعاً جھوٹ نہیں کہتا۔''

اسود عنسی نے قیس سے کسی حد تک درست ہی کہا تھا مگر اس وقت قیس نے تو اس کو کسی بھی طرح مطمئن کرنا تھا چنانچہ اس نے بہترین اداکاری کرتے ہوئے کہنا شروع کیا ''اے نبی محترم! میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ آپ کو فرشتہ غلط اطلاع دیتا ہے مگر یہ ضرور کہوں گا کہ میں آپ کا وہی پہلے والا غلام قیس ہوں اگر آپ کو یقین نہ آئے تو میرا سر آپ کے قدموں میں ہے آپ بلا تاخیر اس کو تن سے جدا کر کے اپنی تسلی کر سکتے ہیں۔ اس طرح آپ کو یقین ہو جائے گا اور میں آپ پر قربان ہونے کی سعادت حاصل کر لوں گا۔'' یہ کہتے ہوئے قیس نے اپنا سر اسود کے قدموں میں رکھ دیا۔

قیس کا جھکا ہوا سر اسود نے اٹھاتے ہوئے کہا کہ ''اے قیس! تو یہ کیسی دلخراش باتیں کرتا ہے۔ مگر مجھے بار بار یہی اطلاع فرشتہ دیتا ہے کہ تو فیروز اور اس کے بھائی کے ساتھ ملا ہوا ہے اور تم تینوں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ میرے خلاف سازش کرتے ہو۔ مجھے فرشتہ یہ بھی کہتا ہے کہ تو اب پہلے جیسا قیس نہیں جو میرا سچا جانثار تھا۔''

قیس نے گہری سوچ ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ''اے محترم نبی! میرے پاس تو آپ کی کسی بات کا کوئی بھی جواب نہیں۔ میری ناقص عقل میں صرف یہی بات آتی ہے

Marfat.com

کہ آپ اپنے فرشتہ کے کہنے پر اپنے دیرینہ ساتھیوں ہی کے خلاف ہو چکے ہیں۔ آپ یوں کیجئے کہ آپ میرے غلیظ خون سے اپنے مقدس ہاتھوں کو ہرگز گندہ مت کریں بلکہ میں اپنے ساتھیوں کو یہیں بلواتا ہوں اور آپ انہی کے ہاتھوں مجھے اپنے سامنے ہی قتل کروادیں تاکہ یہ قضیہ ہی ختم ہو جائے۔ میں بھی اس روز روز کی بے اعتمادی سے بری طرح تنگ آ چکا ہوں۔"

قیس کی ان باتوں نے اسود جیسے شاطر کو بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا اور وہ کہنے لگا "نہیں قیس مجھے اب فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اب قیس کو قتل نہیں کرنا بلکہ اس کے ہاتھوں کو کاٹ دیا جائے اور اس کو دنیا کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا جائے۔"

"واہ میرے آقا واہ! کیا اس طرح آپ صرف مجھے ہی نشانِ عبرت بنائیں گے نہیں میرے آقا بلکہ آپ ان لوگوں کو بھی کچھ سوچنے پر مجبور کر دیں گے۔ کہ ان کی وفاداریوں کا بھی انہیں یہی صلہ تو نہیں ملے گا۔ پھر وہ آپ کے ساتھ وفاداری نبھانے سے پہلے سوچیں گے ضرور۔" قیس نے بڑے ہی پرسوز انداز میں یہ کہا۔

قیس کے یہ درد انگیز الفاظ سن کر اسود عنسی نے اس کو تسلی دینے کے انداز میں کہا کہ "اے قیس! تیری بھی بات ٹھیک ہے۔ اگر مجھے فرشتہ درست خبریں نہیں دیتا تو پھر میں اس کو پوچھ لوں گا۔ کیونکہ اگر میں نے اپنے ہی پیاروں کو قتل کروانا شروع کردیا تو پھر میرے پاس بچے گا ہی کیا۔ مگر ایک بات یاد رکھنا کہ میری اطلاع غلط بالکل نہیں ہوتی۔ ہاں یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ مجھے کوئی غلط فہمی نہ ہو جائے۔ تو اب یہاں سے جا اور کسی قسم کی غلط سوچ کو اپنے اندر سے نکال دے۔ کیونکہ اس طرح بندہ کبھی درست سمت کی جانب سفر نہیں کر سکتا۔"

فی الحال تو مجھے صرف ایک ہی فرشتہ تیری بداعمالیوں سے آگاہ کر رہا ہے اور اگر مجھے میرے دوسرے فرشتوں نے بھی تیری شکائتیں کیں تو مجبوراً مجھے تیرے بارہ میں کچھ اور ہی سوچنا پڑے گا اور وہ دن تیرے لیے کچھ اچھا نہ ہوگا۔ ابھی میں تجھے وقت دیتا ہوں کہ تو اپنا آپ درست کرلے اور خود کو پہلے والا قیس ثابت کر لے۔

یہاں تو یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور دوسری طرف اہلِ اسلام اپنے طور پر جہاد کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ خاص طور دارالحکومت صنعا میں جہاد کی تیاریاں زور پکڑ چکی

Marfat.com

تھیں۔ابھی اہلِ اسلام نے جہاد کا عملی اعلان نہیں کیا تھا کہ فیروز نے اہل اسلام کے عمائدین کو یہ سمجھایا کہ میرے بزرگو ابھی کچھ دن آپ لوگ صبر کریں شاید آپ کو بہت اچھی خبر سننے کو ملے۔ فیروز کی یہ بات سن کر انہوں نے بہت سوچ بچار کی اور پھر اس کی بات مان لینے میں ہی دانشمندی جانی۔ فیروز انہیں سمجھا بجھا کر گھر واپس آ گیا۔

فیروز نے مسلمانوں کے عمائدین کو یہ تو کہہ دیا کہ کچھ روز صبر کریں تاکہ حالات میں خود بخود بہتری آ جائے مگر اس کے نزدیک کوئی بھی ایسا لائحہ عمل نہ تھا کہ جس سے یہ قضیہ خود بخود تمام ہو جاتا۔ فیروز نے یہ مناسب خیال کیا کہ اس سلسلہ میں اپنی دودھ شریک بہن اور اسود عنسی کی بیوی سے بھی مشورہ کرنا چاہئے۔ فیروز کو یہ بھی خیال بری طرح تنگ کر رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی بہن بھی اسود عنسی کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس چکی ہو۔ اس لیے وہ آزاد کے ساتھ بات کرتے ہوئے ڈرتا تھا۔

فیروز جب محل میں پہنچا تو اس نے آزاد سے کہا کہ ''پیاری بہن! میں تم سے ایک نہایت اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔تم ایسی جگہ چلو جہاں ہماری باتیں کوئی نہ سنے۔''
آزاد نے فیروز کو ایک طرف لے جاتے ہوئے کہا کہ پیارے بھائی کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ یہاں تم آزادی سے بات کر سکتے ہو۔

آزاد کی یہ حوصلہ افزا بات سن کر فیروز نے روہانسی آواز میں کہا کہ ''پیاری بہن! کیا تجھے معلوم ہے کہ تجھے کس نے بیوہ کیا اور کون تجھ پر ظلم وستم کا ذمہ دار ہے؟''
آزاد بھی گویا بھری بیٹھی تھی۔ اس نے فوراً کہا کہ پیارے بھائی میں ہی کیا سبھی جانتے ہیں کہ مجھے شرمناک حال تک پہنچانے کا ذمہ دار صرف اور صرف یہ منحوس اسود ہے۔''

فیروز کے لیے یہ بات تقویت کا باعث تھی اس کے تمام تر اندیشہ از خود رفع ہو گئے اور اس کے اندر ایک نیا حوصلہ پیدا ہوا۔ اب اس نے ذرا دلیری سے بات کی کہ ''پیاری بہن! یقین کرو کہ یہ ملعون شخص پرلے درجے کا فریبی اور بدکردار شخص ہے۔ اس نے نبوت کا دعویٰ بھی کر رکھا ہے اور دوسری طرف حرام حلال میں بھی تمیز نہیں کر رہا۔ میں اس ملعون کو جان سے مار ڈالنا چاہتا ہوں۔ کیا میں یہ یقین کرلوں کہ مجھے تیری حمایت اور مدد حاصل رہے گی؟''

حلال وحرام کی جو بات فیروز نے کہی تھی وہ دراصل ناجائز طریقہ یعنی آزاد کو

Marfat.com

بغیر نکاح کے اپنے حرم میں ڈالنے سے متعلق کہی تھی۔ یہ بات آزاد خوب سمجھتی تھی۔ آزاد نے فیروز کو کہا کہ ہاں یہ بات تو درست ہے کہ اس نے حرام وحلال میں تمیز نہیں کی۔ تم مجھے ہر وقت اپنا مددگار پاؤ گے۔ مگر میری بات غور سے سن لو کہ تم لوگوں کو بڑی ہی احتیاط سے یہ سب کچھ کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس کے پاس بعض ان دیکھی قوتیں ہیں جن کو یہ ملعون شخص فرشتے کہتا ہے۔"

آزاد کی باتوں میں خاصا وزن تھا چنانچہ فیروز نے کہا کہ ہاں میں ضرور اس بات پر غور کروں گا۔ مگر یہ بات سن لو کہ یمن میں اہلِ اسلام اسود کے خلاف جہاد کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے انہیں کسی طرح سمجھا بجھا کر کچھ روز کے لیے روک دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یمن میں مسلمانوں کی فوجی قوت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اگر خدانخواستہ جنگ ہوئی تو مسلمانوں کا بڑا شدید نقصان ہوگا۔ اور اسی وجہ سے میں جنگ نہیں چاہتا۔ میں اسے اس طرح قتل کرنا چاہتا ہوں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

فیروز کی باتیں سن کر واقعتاً آزاد کسی گہری سوچ میں پڑ گئی اور یہ سوچنے لگی کہ اگر فیروز سے کوئی غلطی ہوگئی تو پھر فیروز، خشنس کے ساتھ ساتھ آزاد کی جان بھی جائے گی۔ کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہئے کہ ہم تینوں پر کسی بھی طرح کی کوئی آنچ نہ آنے پائے۔

"فیروز میرے بھائی تم جو بھی کرنا پہلے اس پر کافی سوچ لینا میرے لیے اسود کی موت سے زیادہ اہم تمہاری زندگی ہے۔" آزاد نے بڑے پیار سے فیروز کو سمجھایا۔ آزاد کی بات ابھی مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ اچانک وہاں اسود عنسی کی دھاڑ سنائی دی۔ "اے فیروز! تیرا یہاں کیا کام ہے۔"

"کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ یہ میرا رضاعی بھائی ہے اور پھر یہ میرا چچا زاد بھی تو ہے۔ کیا اسے میرے پاس آنے کے لیے بھی آپ سے اجازت لینا پڑے گی۔" آزاد نے ترش روئی سے جواب دیا۔ اسے یہ تو معلوم تھا کہ اسود اس پر جان چھڑکتا ہے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بہانے تلاش کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے اس پر یہی حربہ استعمال کرنا مناسب خیال کیا۔

آزاد کا حربہ کامیاب ہوا اور اسود عنسی کا غصہ یکدم ہی کافور ہو گیا۔ اس نے دھیمے لہجہ میں آزاد سے کہا "یہ سب کچھ میں جانتا ہوں۔ میں نے تم دونوں پر کسی قسم کا

Marfat.com

شک تو نہیں کیا مگر مجھے یوں چھپ چھپ کر ملاقاتیں کچھ درست نہیں لگتیں۔ اگر تم لوگ ملنا چاہو تو پورے محل میں تمہیں کوئی روک تھوڑی سکتا ہے۔ پھر اس قدر تنہائی کا کیا مقصد ہے؟''

اسود عنسی کی بات اگرچہ درست ہی تھی مگر آزاد نے اچھا خاصا شور شرابہ کر ڈالا اور اس نے اسود کی کوئی بھی مزید بات سننے سے صاف انکار کر دیا۔ جب خاصی دیر تک آزاد نے آہ و پکار جاری رکھنے کے بعد قدرے خاموشی اختیار کی تو اسود عنسی نے موقع غنیمت جانتے ہوئے بڑی ملائمت سے کہا کہ ''اے آزاد! تو سمجھتی کیوں نہیں، تو کیوں اپنے مرتبہ سے آگاہی حاصل نہیں کرتی۔ اے آزاد! اب تو تیرا مقام میری امت میں تمام عورتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ ایسی حرکتوں سے تو اپنا وقار کیوں ضائع کرتی ہے۔ تو ایک نبی کی بیوی ہے۔ ایک نبی کی بیوی ہونے کی حیثیت سے تیری ذمہ داریوں میں اچھا خاصا اضافہ ہو چکا ہے۔ اب تو ایک عام عورت نہیں رہی۔''

اسود عنسی نے تو آزاد کو ایک طرح سے بلند مقام کا مژدہ سنایا تھا مگر اسے کیا معلوم تھا کہ یہ مژدہ تو اسی کے لیے ہوگا جو اس کو نبی تسلیم کرے گا۔ یہاں تو معاملہ ہی دوسرا تھا۔ آزاد ہی نہیں اس کے دونوں بھائی بھی اسود کو نبی سمجھنے پر تیار نہیں تھے۔ پھر بھلا وہ کیونکر اپنا مرتبہ دیگر لوگوں سے افضل سمجھتی وہ تو یہ چاہتی تھی کہ کسی بھی طرح اس ملعون سے جان چھوٹ جائے۔

بات دراصل یہ تھی کہ اسود کسی بھی طرح آزاد کا دل جیتنا چاہتا تھا۔ مگر جب اس نے خودکشی کی دھمکی دی تو اسود نے طیش میں آ کر اس کو یہ کہہ دیا کہ اچھا ٹھیک ہے مگر تم میری ایک بات اچھی طرح سمجھ لو کہ آئندہ میں تمہارے پاس کسی کو بھی نہ پاؤں بھلے وہ تمہارا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔

وہ خاموشی کے ساتھ اس کی باتیں سنتی رہی۔ آخر تھوڑی دیر کے بعد اسود عنسی وہاں سے چلا گیا اور آزاد نے سکھ کا سانس لیا۔ مگر وہ یہی سوچ رہی تھی کہ کس طرح وہ اس منحوس شخص سے اپنی جان چھڑائے۔ ابھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اس کا دوسرا رضاعی بھائی یعنی خشنس وہاں آن پہنچا اور فیروز کے بارہ میں پوچھنے لگا۔

آزاد نے اسے تمام واقعہ رو رو کر سنایا اور خشنس کو کہنے لگی کہ میرے پیارے

Marfat.com

بھائی تم بھی اب ذرا محتاط رہا کرو۔ کیونکہ اس کے پاس ان دیکھی طاقتیں ہیں۔ اس کو ہر طرح کی خبر مل جاتی ہے۔ تم بھی اب یہاں ذرا دھیان سے ہی آیا کرو۔ مجھے تو بڑا ڈر لگتا ہے۔"

آزاد نے ایک ہمدرد بہن کی طرح اس کو سمجھایا کہ میں یہ تو نہیں کہتی کہ تم موت سے ڈرتے ہو یا تم بزدل ہو مگر احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا بھی تو عقلمندی نہیں کہی جا سکتی۔ ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ معاً وہاں اسود عنسی آن پہنچا اور خشنس کو برا بھلا کہنے لگا۔

"آزاد ابھی کچھ ہی دیر پہلے میں نے تمہیں کیا سمجھایا تھا؟ میری بات تمہیں کیوں سمجھ میں نہیں آتی؟" اسود عنسی نے اب آزاد کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔ آزاد نے روتے ہوئے کہا کہ میں بھی آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ یہ میرا رضاعی بھائی ہے۔ اب بھلا میں ان دونوں بھائیوں کے بغیر کس طرح زندہ رہ سکتی ہوں۔ آپ کو شاید یہ علم نہیں کہ ہم آپس میں کس قدر پیار کرتے ہیں۔"

اسود عنسی نے آزاد سے کہا کہ "کیا میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ اگر تمہیں کوئی ملنے آئے تو میرے علم میں ضرور ہونا چاہئے۔" آزاد نے مسکراتے ہوئے کہا کہ "واہ جناب واہ! آپ کے پاس تو فرشتے آتے ہیں اور پل پل کی خبریں پہنچاتے ہیں پھر بھلا ہم کس طرح آپ کو خبریں دے سکتے ہیں۔"

اسود عنسی آزاد کے اس طنز کو فوراً سمجھ گیا اور کہنے لگا کہ "آزاد! میں بھلا تمہاری جاسوسی کیوں کروانے لگا۔ مجھے تو تمہارے اوپر مکمل اعتماد ہے۔ پھر میں کیوں تمہارے لیے فرشتہ مقرر کروں۔ اب میری بات غور سے سن کہ میرے فرشتے نے مجھے یہ کہا ہے کہ فیروز اور خشنس میرے خلاف سازشیں تیار کر رہے ہیں چنانچہ تم جس مرضی عزیز رشتہ دار سے ملو مگر ان سے مت ملو۔"

خشنس یہ توہین آمیز باتیں سن کر بھی قطعاً طیش میں نہیں آیا بلکہ بڑے درد بھرے انداز میں کہنے لگا "ہم دونوں بھائی تو محض اپنی پیاری بہن کے پیار میں یہاں پر آ جاتے ہیں۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ اس شہر میں ہمارے رشتہ دار ہیں ہی کتنے۔ میں نے اور فیروز نے بارہا آزاد سے کہا ہے کہ وہ بھی ہمارے ساتھ ہی شہر میں رہے مگر یہ تو

Marfat.com

آپ کی وجہ سے محل کو نہیں چھوڑتی۔ مگر ہمیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارا یہاں آنا ہماری بہن کو بھی ناپسند ہے تو پھر ہمیں یہاں کوئی نہیں دیکھے گا۔ بھلا ہی محل میں اس کے علاوہ اور کیا کام رہے کہ ہم یہاں دوڑے چلے آتے ہیں۔''

اسود عنسی نے جب یہ سنا کہ آزاد اس کی وجہ سے اپنے بھائیوں کے ساتھ نہیں جا رہی تو اس کو اس بات کا یقین ہونے لگا کہ آزاد اس سے اب نفرت نہیں کرتی۔ پہلے تو اس کو یہی خیال کھائے جا رہا تھا کہ آزاد بہت ہی مجبوری کے عالم میں اس کے ساتھ محل میں رہتی ہے۔ مگر یہ سن کر تو جیسے اسود عنسی کو نئی زندگی مل گئی۔

''آزاد! میری پیاری بیوی تو خوش ہو جا کیونکہ عنقریب تو پوری دنیا کی ملکہ بن جائے گی۔ میری حکومت ہی پوری دنیا پر ہوگی اور تجھے اس حکومت میں سب سے زیادہ عزت حاصل ہوگی۔ میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تیرے علاوہ کسی بھی دوسری عورت سے ہرگز ہرگز شادی نہیں کروں گا۔'' اسود عنسی نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے آزاد سے کہا۔

''جی ہاں! کیوں نہیں بے شک میری ہی حکومت پوری دنیا پر ہوگی۔ لاکھوں لوگوں پر میری حکومت تو ہوگی مگر میرے اپنے عزیز رشتہ دار مجھ سے جدا کر دیئے جائیں گے۔''میں تن تنہا محل میں پڑی سڑتی رہوں گی مگر میری حکومت لاکھوں انسانوں پر ہوگی۔ مجھے بھلا ایسی حکومت سے کیا لینا ہے جس سے مجھے سکون ہی حاصل نہ ہو۔'' آزاد نے اسود عنسی کو نرم پڑتے دیکھا تو اس کا دل مزید نرم کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے تمہیں کسی بھی عزیز رشتہ دار سے ملنے سے کبھی نہیں روکا ہے مگر چونکہ میرے فرشتے مجھے یہ کہہ رہے ہیں کہ فیروز اور خشنس میرے خلاف مسلمانوں کے ساتھ ملکر سازشیں کر رہے ہیں چنانچہ انہیں میں کسی بھی طرح محل میں تمہارے پاس آنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ مجھے میرے فرشتے کبھی غلط اطلاع نہیں پہنچاتے۔ یہ تو میرا برسوں کا آزمودہ ہے۔'' اسود عنسی نے آخرِ کار اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کر چلا گیا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد خشنس بھی محل سے باہر چلا گیا۔

خشنس دراصل محل سے بہت ہی مایوس ہو کر نکلا تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ کیا کرے مگر حالات کے ہاتھوں مجبور تھا۔ اسود کے جاسوس ہر جگہ موجود رہتے

Marfat.com

تھے۔ اہلِ اسلام کے متعلق خبریں دینے کے لیے اسود عنسی کے پاس ہمہ وقت عمرو بن معدیکرب موجود رہتا تھا۔ ایسے میں کسی بھی قسم کے اقدام کے لیے گنجائش بہت مشکل تھی۔

عمرو بن معدیکرب اہل اسلام کی نفسیات سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کو اس کی طرف سے بھی دھڑکا سا لگا رہتا تھا۔ اسود عنسی بھی عمرو بن معدیکرب کو گاہے بگاہے اپنے پاس بلواتا رہتا تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی تشویش میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ اس ساری صورتحال سے نپٹنے کے لیے فیروز اور حشنس نے مسلمانوں سے کہا کہ بڑے ہی منظم طریقہ سے وہ پورے صنعا شہر میں یہ افواہ اڑا دیں کہ عنقریب اسود عنسی اپنے سپہ سالار کو قتل کرا دے گا۔

چنانچہ مسلمانوں نے آہستہ آہستہ اور بڑی رازداری کے ساتھ یہ تاثر پھیلانا شروع کر دیا کہ اسود عنسی کے مؤکلوں کے مشوروں سے اسود عنسی بہت جلد قیس کو ٹھکانہ لگا دے گا۔ اور اگر قتل نہ بھی کرے تو پھر بھی اس کو قید میں ڈال کر عبرتناک سزا ضرور دے گا۔

اسود عنسی نے اب اپنے آپ کو صرف محل تک ہی محدود کر لیا تھا۔ کبھی کبھار وہ باہر آیا کرتا تھا اس طرح گویا وہ اپنے امتیوں پر رعب ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اب تمام تر احکامات بھی محل سے ہی جاری کرنا شروع کر دیئے تھے۔ اس کو محل سے باہر آنے کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ پورا یمن ہی اس کے زیرنگیں آ چکا تھا۔ کسی بھی سرحد پر جنگ کی صورتِ حال نہ تھی۔ غالباً اس کی وجہ یہی تھی کہ تمام مسلمان تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خرابیٔ طبع پر ازحد ملولِ خاطر تھے۔

دوسری طرف یہ بات بھی اہمیت کی حامل تھی کہ اس کو اس کے مؤکل بھی اس کے خلاف ہونے والی سازشوں سے آگاہ کر دیا کرتے تھے یعنی مسلمان جب بھی قیس یا فیروز اور اس کے بھائی کے ساتھ اسود کے خلاف باہمی مشاورت کرتے تو اس کی خبر جلد ہی اسود عنسی کو ہو جایا کرتی تھی۔ انہی ایام میں اسود کو اس کے مؤکل فرشتہ نے یہ اطلاع فراہم کی کہ اب یہاں کے مقامی مسلمانوں نے بھی اس کے خلاف منصوبہ بندی شروع کر دی ہے۔

Marfat.com

اسود نے پہلی فرصت میں ہی مسلمانوں کے عمائدین کو اپنے محل میں طلب کرلیا۔ اس نے ان تمام بزرگوں پر اپنی حکومت اور نبوت کا رعب ڈالنے کی پوری کوشش کی اور بارعب ماحول پیدا کر کے ان کے ساتھ ملاقات کی۔ مسلمانوں کے ان بزرگوں سے اس نے کہا کہ ''صاحبو! کل تک میں بھی تمہارے ساتھ تھا اور میں نے بھی اسلام قبول کیا تھا مگر اب چونکہ نبوت میری طرف منتقل ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت کے منصب سے سرفراز فرمایا ہے لہٰذا تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم لوگ میری اطاعت کرو۔ ہاں اگر تم میری اطاعت نہیں کرتے تو پھر تمہیں چاہئے کہ میرے خلاف منصوبے بھی مت بناؤ۔''

اسود نے اپنا لہجہ پروقار بناتے ہوئے انہیں کہا کہ ''تم بھلا میرے خلاف کیا منصوبے بنا سکتے ہو۔ تم لوگ جو بھی کارروائی کرتے ہو میرے فرشتے مجھے اس کی من وعن اطلاع دے دیتے ہیں۔ تم ابھی صرف میرے خلاف سوچتے ہو کہ مجھے غیبی طاقتیں خبردار کردیتی ہیں۔'' اسود نے اس کے بعد مختلف مسلمانوں کے نام لے لے کر انہیں بتلانا شروع کردیا کہ تمہارے گھروں میں میرے خلاف سازشیں تیار ہوتی ہیں۔

جب اسود عنسی اپنی بات ختم کر چکا تو مسلمانوں کے ایک بزرگ نے بڑی متانت سے کہا کہ ''اے اسود عنسی! آپ خود فرمایئے کہ آپ کے پیروکار جو ہمارے اوپر اور ہمارے اہل خانہ پر جو ظلم وستم روا رکھتے ہیں کیا ان سے بچنے کے لیے ہم کوئی لائحہ عمل طے نہ کریں اور کیا ہمارے پاس احتجاج کا بھی حق نہیں؟''

ایک دوسرے بزرگ نے کہا کہ ''اے اسود عنسی! واقعی کل تک آپ بھی مسلمان تھے اور ہمارے ساتھی ہی تھے مگر اب تو آپ ہمارے ساتھی نہیں ہیں کیونکہ اب تو آپ خود ہی نبی بن چکے ہیں چنانچہ اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھی مسلمانوں کے خلاف ہو چکے ہیں۔''

اسود عنسی نے ان بزرگوں کی باتوں کو ان کی کمزوری سے تعبیر کیا اور کہنے لگا کہ ''صاحبو! تمام علاقہ ہی میرے پیروکاروں سے بھرا ہوا ہے۔ تم لوگ تو نہایت ہی قلیل تعداد میں ہو۔ میں تو عنقریب پورے عرب پر قبضہ کرلوں گا۔ مگر اس بات میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ جب تم لوگ اتنی کم تعداد میں ہو تو تمہیں اکثریت کی طرف سے کچھ نہ

Marfat.com

کچھ جھگڑے وفساد کے لیے تو تیار ہی رہنا پڑے گا۔ ویسے تو میں یہ چاہوں گا کہ پورے یمن میں ایک بھی مسلمان نہ رہے جو میری اطاعت نہ کرتا ہو۔“

اس کا خیال تھا کہ اس کی ان باتوں سے مسلمانوں کے بزرگ خوفزدہ ہو جائیں گے مگر ادھر تو صورتِ حال ہی دوسری تھی۔ ان میں سے ایک مسلمان بزرگ نے بڑے ہی تحمل سے کہا کہ ”آپ نے بالکل درست ارشاد فرمایا۔ ہم خود بھی اب یہاں سے ہجرت کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اب ہم لوگ یہ بات محسوس کر رہے ہیں کہ یہ ملک ہمارے لیے جائے امن نہیں رہا ہے دوسری بات ہم یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ اگر ہمارے مذہبی معاملات میں بے جا مداخلت کی گئی تو پھر ہم لوگ یہاں سے کہیں اور ہجرت کر جائیں گے۔ مگر ذرا سوچیئے کہ یہ کوئی اچھی بات نہ ہوگی۔“

یقیناً اسود عنسی کے لیے یہ اچھی خبر نہ تھی۔ کہ مسلمان ہجرت کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ اس نے چاپلوسی کے انداز میں کہنا شروع کیا۔ ”صاحبو اور دانشورو! میں نے قطعاً اپنی طرف سے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ مجھے تو اللہ نے کہا کہ میں یہ اعلان کردوں۔ میری نبوت پر یقین کرو اور پورے اعتماد کے ساتھ مجھ پر ایمان لے آؤ۔

ذرا ٹھہر کر اس نے کہا ”تمہیں شاید میری بات کی سمجھ نہیں آ سکی ہے۔ میں نے یہ کہا تھا کہ پورے یمن میں ایک بھی مسلمان نہیں رہنے دوں گا۔ تو اس کا یہ ہرگز مطلب نہ تھا کہ تمام مسلمانوں کو قتل کر دوں گا بلکہ میرا مطلب تو یہ تھا کہ تمام مسلمان ہی مجھ پر صدقِ دل سے ایمان لے آئیں گے۔

ویسے اگر میں تم لوگوں کو قتل کروانا چاہوں تو کیا یہ کوئی مشکل کام ہے۔ تم لوگ جس قدر کم تعداد میں ہو صرف چند یوم میں ہی تم لوگوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیا تم لوگ یہ خیال کرتے ہو کہ میں تم لوگوں سے خوفزدہ ہوں۔ نہیں نہیں میں ہرگز تم لوگوں سے خوفزدہ نہیں ہوں مجھے تو تم لوگوں پر بری طرح ترس آتا ہے۔

مجھے میرے فرشتے یہ بتلا رہے ہیں کہ میرے خلاف مسلمان فیروز اور جشنس کے ساتھ مل کر کوئی منصوبے بنا رہے ہیں۔ ان میں سے چند ایک تو میرے سپہ سالار سے بھی رابطہ کر چکے ہیں۔ کیا میں ان سب باتوں سے بے خبر ہوں۔ مگر میں نے ابھی تک تم لوگوں کے خلاف کوئی بھی قدم نہیں اٹھایا ہے۔ میں پہلے تم لوگوں کو صرف انتباہ کرنا چاہتا

Marfat.com

ہوں اور اس کے باوجود بھی تم لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو پھر تمہارا بہت ہی برا حشر کروں گا۔ اب تم لوگ اپنے گھروں کو جاؤ اور میری باتوں پر اچھی طرح غور و فکر کرو۔"

مسلمانوں کے عمائدین اس کی اجازت کے بعد اپنے گھروں کو چلے گئے مگر یہی سوچتے رہے کہ اب ایسی بدترین صورت حال میں انہیں کون سا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے۔ ان میں سے چند ایک نے باہم مشورے کے بعد قیس کے ساتھ ملاقات کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ ملاقات بھی بڑے رازدارانہ انداز میں ہونا تھی۔

قیس کے ساتھ جب ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے قیس سے کہا کہ "اے قیس! آپ کو کچھ اپنے بارہ میں بھی خبر ہے؟" قیس نے حیران ہو کر کہا کہ "نہیں مجھے تو قطعاً علم نہیں ہے کچھ آپ ہی فرمائیے۔ آج آپ کی ملاقات اسود عنسی کے ساتھ طے تھی۔ فرمائیے کہ آپ کی ملاقات کیسی رہی؟"

انہوں نے قیس سے کہا کہ "اے سپہ سالار محترم! عنقریب آپ کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ ہمیں تو یہ اطلاع ملی ہے کہ عنقریب اسود عنسی آپ کو قتل کروا دے گا اور آپ کی جگہ عمرو بن معدیکرب کو سپہ سالار اور وزیراعظم کے عہدے دے دے گا۔ آپ نے بھی کچھ اس کے متعلق فیصلہ کیا ہے کہ اپنے خلاف کارروائی کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہم تو اب آپ جیسے عظیم شخص کے لیے بے حد متفکر ہیں۔"

ان کی یہ باتیں سن کر قیس کی تو ہوائیں اڑ گئیں۔ اس نے بڑی بے بسی اور لاچاری سے کہا کہ "میرے بزرگو! میں اب کیا کروں، چونکہ میں اسود عنسی کا سپہ سالار ہوں اور اس لحاظ سے میں تو اس کے خلاف کوئی بھی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ اگرچہ پوری فوج میرے ہی حکم پر چلتی ہے مگر پوری فوج اسود عنسی کی پیروکار بھی تو ہے۔ اب آپ خود خیال فرمائیں کہ وہ میرا کوئی بھی ایسا حکم نہیں مانے گی جو کہ اسود عنسی کے خلاف ہو۔ دوسری طرف یہ بات بھی آپ ذہن میں رکھیں کہ محل میں اس کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہاں تو قدم قدم پر اس کے محافظ موجود ہوتے ہیں۔

ان بزرگوں میں سے ایک نے کہا کہ "اے عظیم سپہ سالار! یہ بات تو آپ کی بالکل درست ہے مگر جناب عالی ہمیں کچھ تو آخر کرنا ہی ہوگا۔ ہمیں تو محل میں داخلہ کی

Marfat.com

اجازت اسی وقت ہی ملتی ہے جب اسود عنسی ہمیں خود طلب کرتا ہے۔ مگر آپ تو کسی وقت بھی محل میں آ جا سکتے ہیں۔ آپ تو یہ کام بڑی آسانی کے ساتھ کر سکتے ہیں۔''

''یہ آپ کیسی بات فرما رہے ہیں جناب مجھے تو محل میں داخل ہونے کے لیے پہروں انتظار کرنا پڑتا ہے پھر کہیں جا کر شرف باریابی ملتی ہے۔ واقعی وہ وقت بھی تھا کہ جب میں بلا روک ٹوک محل میں آ جا سکتا تھا مگر اب تو خود مجھے اپنے آپ سے شرم آنے لگی ہے۔'' قیس مرادی نے روہانسا ہو کر ان سے کہا۔

''اے سپہ سالار اعظم! ہمیں تو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اسود عنسی کے پاس فرشتے اور مؤکل بھی آتے رہتے ہیں جو کہ اس کو ہر قسم کی خبریں پہنچاتے ہیں۔ ہمیں تو یقین ہے کہ وہ اس طرح توہم پرستی پھیلا رہا ہے ورنہ اس میں کوئی بھی صداقت نہیں ہے۔ اصل میں بات محض اس قدر ہے کہ اس نے اپنے جاسوس ہر طرف پھیلا رکھے ہیں جو اس کو پل پل کی خبریں پہنچاتے ہیں اور وہ کہہ دیتا ہے کہ اس کو یہ خبریں فرشتے اور مؤکل پہنچاتے ہیں۔'' ایک مسلمان بزرگ نے قیس سے کہا۔

''نہیں جناب عالی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس کے پاس واقعی کوئی موکل یا فرشتہ ہے کیونکہ اس کو ان باتوں کی بھی خبر ہو جاتی ہے جو ہم لوگ بالکل خفیہ کرتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ جو باتیں میں فیروز اور اس کے بھائی کے ساتھ کرتا ہوں وہ بھی اس تک پہنچ جاتی ہیں حالانکہ وہاں ہمارے علاوہ چوتھا شخص کوئی نہیں ہوتا۔'' قیس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

اسی قسم کی باتوں سے یہ خفیہ ملاقات بھی اختتام پذیر ہو گئی مگر اس میں کچھ بھی طے نہیں ہو سکا کہ آخر اسود عنسی سے کس طرح چھٹکارا پایا جائے۔ مسلمانوں کو تو صرف اپنے دین کی فکر تھی مگر قیس کو اپنی جان کی بے حد فکر تھی۔ کیونکہ ہر طرف سے ملنے والی اطلاعات نے اس کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ عنقریب اس کو قتل کر دیا جائے گا چنانچہ وہ اب یہی سوچا کرتا تھا اس سے پہلے کہ اسود عنسی اس کا خاتمہ کرے وہ خود ہی اس کو جہنم واصل کر دے۔

ایک روز پھر قیس کی چند مسلمانوں کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ بتلاؤ تم نے اسود عنسی سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے کیا تدبیر اختیار کرنے

Marfat.com

کا فیصلہ کیا ہے تو اس نے کہا کہ میں تو کوئی بھی فیصلہ نہیں کر پا رہا۔ کیونکہ میں جس کے ساتھ بھی ملاقات کرتا ہوں اس کی اطلاع مؤکل اسود عنسی تک پہنچا دیتے ہیں۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ کیا اسود عنسی کی بیوی آزاد بھی اس کے خلاف ہے یا نہیں۔ قیس نے انہیں بتلایا کہ ہاں ہاں وہ بھی اسود کی شدید ترین مخالف ہے۔

ان مسلمانوں میں سے ایک نے کہا کہ ''سپہ سالارِ اعظم! آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اگر واقعی اسود عنسی کے پاس موکل یا فرشتہ آتا ہو تو پھر یقیناً اسے آزاد کے بارہ میں بھی ضرور اطلاع مل جائے مگر آپ یہ کہتے ہیں کہ اس نے کبھی آزاد کا نام نہیں لیا کہ آزاد بھی اس کے خلاف سازش میں مصروفِ عمل ہے۔ ہم نے بھی یہی سنا ہے کہ فیروز اور اس کا بھائی دیگر مسلمانوں کے ساتھ مل کر اس کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ کبھی کبھار وہ آپ کا نام بھی لیتا ہے مگر اس نے کبھی آزاد کے متعلق تو بات نہیں کی۔''

قیس نے ان کی بات سن کر کہا کہ 'میں بھی پہلے پہل یہی سوچتا تھا مگر بعد میں یہ احساس ہوا کہ شاید اس کی وجہ یہ ہوگی کہ چونکہ وہ خود پرلے درجہ کا بدصورت اور کالا ہے چنانچہ وہ اس حسین و جمیل عورت کا دل جیتنا چاہتا ہو اور اس لیے وہ اس کے اوپر شک و شبہ نہیں کرتا۔ اس کی بجائے وہ اس کے دونوں دودھ شریک بھائیوں پر حد درجہ شک کرتا ہے اور ان کی بھی خفیہ باتوں کی اسے پوری خبر ہوتی ہے۔''

ان مسلمانوں نے قیس سے کہا کہ اچھا چلو تمہاری بات ہی مان لیتے ہیں مگر آخر کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ اگرچہ ہم یہ جانتے ہیں کہ یہ کام تمہارے سوا کوئی دوسرا نہیں کر سکتا مگر تمہیں بھی یہ معلوم ہوگا کہ اکیلے تم بھی یہ کام سرانجام نہیں دے سکتے۔ اس لیے مناسب ہوگا کہ تم کم از کم فیروز اور جشنس کی مدد حاصل کرو ان کا بھی محل میں آنا جانا رہتا ہے لہٰذا یہ کام ان کی مدد سے شاید آسان ہو جائے۔ یہ بات قیس کی سمجھ میں بھی آ گئی کہ واقعی یہ کام صرف طاقت اور بہادری ہی سے سرانجام نہیں پا سکتا بلکہ اس کے لیے بے پناہ ذہانت بھی درکار ہے۔

قیس نے اب یہ کوششیں شروع کیں کہ کسی طرح اس کی ملاقات بالکل تنہائی میں فیروز اور اس کے بھائی کے ساتھ ہو جائے۔ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ جب ان تینوں کی ملاقات ہو تو اس دوران وہاں پر چوتھا فرد کوئی نہ ہو۔ چند دن اس نے اسی اُدھیڑبُن میں

Marfat.com

گزار دیئے۔ مگر اس کی ملاقات ان دونوں بھائیوں سے نہ ہو سکی۔ پھر ایک روز گویا قدرت اس پر مہربان تھی کہ صنعا شہر کی حدود سے باہر واقع ایک باغ میں اس کی ملاقات ان دونوں بھائیوں سے ہو گئی۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ اس باغ میں اس وقت اور کوئی بھی نہ تھا۔ چنانچہ ان تینوں کو کھل کر باتیں کرنے کا موقع حاصل ہو گیا۔

فیروز نے قیس سے پوچھا کہ اے قیس! کیا آپ نے اسود سے چھٹکارا حاصل کرنے کا کوئی منصوبہ بنایا ہے تو وہ بے بسی کے ساتھ کہنے لگا جناب فیروز صاحب! میں تو ایک سپاہی ہوں جس کا کام لڑنا ہوا کرتا ہے۔ یہ منصوبہ بندی وغیرہ تو ہمارے بس کی بات نہیں۔ ہمیں تو آپ یہ فرمایئے کہ کہاں تلوار چلانا ہے تو ہمیں آپ کسی سے پیچھے نہیں پائیں گے۔ مگر کسی بھی قسم کی منصوبہ بندی تو ہمارے لیے ممکن نہیں۔ یہ تو بڑی ہی سمجھ بوجھ کا اور قوتِ برداشت کا کام ہے۔ مجھے تو اپنی بھی زندگی کے بچنے کی امید صرف آپ دونوں سے ہی وابستہ ہے۔

ان دونوں بھائیوں نے قیس سے متفقہ طور کہا کہ ''جو کچھ بھی ہم کرنا چاہتے ہیں وہ کسی بھی طرح صرف ہمارے ہاتھوں ممکن نہیں ہے۔ ہمیں ہر صورت شہر بن باذان کی بیوہ آزاد کی مدد کی ضرورت درکار ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ آزاد کے ساتھ اس سلسلہ میں ضرور بات کرنا چاہئے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ خشنس محل میں جائے اور اس کے ساتھ بات کرے کہ اس کو کیسے کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے۔ خشنس چونکہ مسکین صورت ہے اس لیے اس پر کسی کو بھی شک نہیں گزرے گا۔ فیروز کی یہ بات سن کر خشنس ایک دم گھبرا گیا اور کہنے لگا کہ بھائی وہ تو مجھ سے بہت خفا ہے اور مجھے بھی بارہا محل میں نہ آنے کا کہہ چکا ہے مگر تم اگر کہتے ہو تو پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہ کام بھی تو ہمیں آخر کرنا ہی ہے۔

اسود عنسی کا زیادہ تر وقت چونکہ آزاد کا دل بہلانے میں صرف ہوتا تھا اس لیے یہ بھی ایک دقت تھی کہ آزاد کے ساتھ کس وقت ملاقات کی جائے۔ محل میں جب خشنس داخل ہوا تو آزاد سے ملنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ ابھی ابھی اسود آزاد کے پاس سے اٹھ کر گیا ہے اور اب کچھ دیر تک اس کی ادھر آنے کی کوئی امید نہیں۔ چنانچہ اب دونوں بہن بھائی اطمینان سے باتیں کر سکتے تھے۔

Marfat.com

آزاد نے جو حشنس کے چہرہ پر ہوائیاں اڑتے دیکھیں تو کہنے لگی کہ ''اے حشنس! کیا بات ہے تم تو بہت زیادہ گھبرائے ہوئے ہو۔'' حشنس نے آزاد سے کہا کہ ''پیاری بہن! میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں مگر ایسی جگہ جہاں اسود کے آنے کا کوئی خطرہ نہ ہو اور نہ ہی اس کا آدمی ہمیں دیکھے۔''

آزاد نے پورا محل ہی دیکھا ہوا تھا چنانچہ وہ اسے ایک ایسی ہی جگہ پر لے گئی اور بولی کہ اچھا اب تم جلدی سے بات کرو اور وقت ضائع کرنے کی کوشش مت کرو۔ میں تم سے ایک بات کروں کہ اب ہمارے پاس وقت بہت ہی کم ہے۔ کیونکہ اب اسود عنسی تم دونوں کو بڑی ہی مشکل سے برداشت کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اب مجھ پر بھی شک کرتا ہے۔''

حشنس بولا کہ ''میں اور فیروز دراصل یہ چاہتے ہیں کہ اب جلد سے جلد اس ملعون سے جان چھڑائی جائے کیونکہ اب ہمارے لیے اس بے غیرتی کے ساتھ جینا مشکل ہوتا جارہا ہے۔ کہ اس نے تمہیں بغیر نکاح کیے اپنے حرم میں ڈال رکھا ہے۔''

حشنس کی بات سن کر آزاد بولی کہ ''پیارے بھائی! کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ میں یہاں پر خوش وخرم ہوں۔ کیا تمہیں یہ اندازہ بھی ہے کہ میں تو کانٹوں پر جی رہی ہوں۔ مجھے تو اب خود سے بھی گھن آنے لگی ہے۔ مگر اسلام میں تو خودکشی بھی حرام ہے۔ اب تم جاؤ کہیں اسود نہ ٹپک پڑے۔ تم اپنا منصوبہ ضرور بتادینا شاید میں تمہارے کسی کام آ سکوں۔''

حشنس نے اس کو کہا کہ ''میری بہن! میں تیری حالت کا اندازہ خوب کرسکتا ہوں اس لیے تو میں یہاں ذلیل ہونے کے باوجود بھی آ جاتا ہوں۔ اچھا میری بات غور سے سن لو کہ ہم اسود کو محل سے باہر کہیں بھی ختم نہیں کر سکتے کیونکہ اول تو وہ محل سے باہر اب جاتا ہی نہیں اور اگر جاتا بھی ہے تو اس کے چاروں طرف اس کے محافظ موجود ہوتے ہیں۔ ہم جو بھی کریں گے وہ اس محل میں ہی کریں گے۔ اب ایک کام آپ یہ کردیں کہ ہمیں یہ ٹھیک ٹھیک بتلادیں کہ اسود کے آپ کے پاس آنے جانے اور محل میں اس کی دیگر مصروفیات کیا ہیں۔ اس کے بعد ہی ہم کوئی اپنا پروگرام ترتیب دے سکیں گے۔

آزاد نے ذرا سوچ کر کہا کہ ''اچھا چلو ٹھیک ہے تم لوگ مجھے اس کے لیے

Marfat.com

ہفتہ عشرہ دے دو میں تمہیں یہ سب معلومات دے دوں گی اور آئندہ یہاں تم دونوں میں سے کوئی نہ آئے بلکہ اگر میں نے کوئی بات کرنا ہوگی تو میں خود ہی بلوا لوں گی اور یقیناً میں اس وقت ہی بلواؤں گی جب تم لوگوں کو یہاں کوئی خطرہ نہ ہوگا۔"

حشنس نے آزاد سے اجازت طلب کی اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔ ابھی اسے گئے ہوئے کچھ ہی لمحات گزرے تھے کہ اسود عنسی آزاد کے پاس پہنچ گیا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا "اے آزاد! وہ تمہارا بھائی حشنس کیا وہ چلا گیا، کیا تم نے اسے کہیں چھپا دیا ہے، ابھی کچھ ہی دیر پہلے تو وہ یہاں موجود تھا۔ تم نے میری بات کو بھی کوئی اہمیت نہیں دی حالانکہ میں تمہیں بارہا کہہ چکا ہوں کہ ان دونوں بھائیوں کو اپنے پاس مت بٹھایا کرو۔ مگر تم ہو کہ میری بات پر عمل ہی نہیں کرتیں۔ میں ان دونوں کو محض تمہاری وجہ سے ہی برداشت کر رہا ہوں۔ وگرنہ انہیں میں کب کا ختم کروا چکا ہوتا۔"

آزاد نے اس کی بات سن کر ایک گہرا سانس لیا اور کہنے لگی "تم کس قدر وہمی ہو گئے ہو کہ ہر وقت تمہارے اوپر فیروز اور حشنس کا بھوت ہی سوار رہتا ہے۔ کسی وقت انہیں بھول بھی جایا کرو۔ ویسے مجھے تمہارے فرشتوں اور موکلوں پر کچھ شک سا ہونے لگتا ہے کہ انہیں یہ تک معلوم نہیں کہ فیروز اور حشنس اب بہت ہی تھوڑے دنوں کے مہمان ہیں۔"

اسود اس کی یہ بات سن کر حیران ہی رہ گیا کہ اب یہ دونوں بھائی محض چند دنوں کے مہمان ہیں۔ اس نے پوچھا کہ تم ذرا کھل کر بات کرو کہ تم کہنا کیا چاہتی ہو۔ آزاد نے اسے بتلایا کہ "اے اسود عنسی! اگر تم کچھ نہ پوچھتے تو میں خود ہی بتا دیتی کہ میرے دونوں بھائی بہت ہی جلد ویلم چلے جائیں گے۔ ویسے مجھے بڑی حیرت ہے کہ تمہارے موکلوں نے تمہیں یہ سب کیوں نہیں بتایا۔ میرا تو خیال تھا کہ تم آتے ہی مجھ سے یہ کہو گے کہ وہ دونوں ویلم جا رہے ہیں۔"

"مگر وہ یہاں سے کیوں جا رہے ہیں۔ کیا انہیں یہاں کوئی تکلیف ہے۔ بالکل شہزادوں کی طرح تو وہ رہتے ہیں اور انہیں کیا چاہئے۔" اسود عنسی گڑبڑا چکا تھا اور اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس کی اس بات سے آزاد کے چہرے پر شدید ترین حیرت کے تاثرات نمودار ہو گئے اور وہ روہانسی ہو کر بولی "واہ حضرت واہ! کیسی عجیب و

Marfat.com

غریب بات آپ فرماتے ہیں کہ انہیں یہاں کیا تکلیف ہے۔ میں آپ سے یہ پوچھتی ہوں کہ انہیں یہاں کیا تکلیف نہیں ہے۔ آپ تو ہر وقت انہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔

اگر ان میں سے کوئی مجھ سے ملنے چلا بھی آئے تو آپ دھاڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ کئی مرتبہ تو آپ انہیں میرے سامنے ہی بے عزت کر چکے ہیں اور کئی مرتبہ آپ مجھے بھی کہہ چکے ہیں کہ وہ دونوں آپ کے خلاف سازشیں تیار کر رہے ہیں۔ اس لیے ان کا یہاں آنا درست نہیں اور یہ بھی کہ آپ انہیں قید خانہ میں ڈلوا دیں گے۔ اس لیے میں نے ہی مناسب سمجھا کہ انہیں اگر زندہ رہنا ہے تو ان دونوں کو ویلم چلے جانا چاہئے۔ یہاں وہ کئی مرتبہ مجھ سے ویلم جانے کی اجازت مانگنے آئے تھے اور جب میں نے دیکھا کہ آپ کا دل ان کی طرف سے صاف نہیں ہو پایا تو میں نے انہیں ویلم چلے جانے کی اجازت دے دی۔ کیونکہ یہ بات تو مجھے بھی معلوم نہیں ہے کہ کب آپ کو آپکے موکل میرے ہی خلاف کر دیں۔ یوں میں ان کے چلے جانے کے بعد اکیلی ہی مروں گی ورنہ ان دونوں کی خیر نہیں۔"

اسود عنسی منہ پھاڑے آزاد کی یہ تمام باتیں سن رہا تھا۔ اسے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ چپ چپ رہنے والی آزاد جب بولے گی تو ایسا خطرناک لہجہ اختیار کرے گی۔ اس نے اب ایک نئی چال چلنے کا فیصلہ کیا اور کہنے لگا "اے آزاد! وہ تو میری مصلحت پسندی تھی اور میرے موکل کا سوال جو تم نے کہا ہے تو میری جان میں نے آج تک موکل سے تمہارے بارے میں تو کچھ بھی نہیں پوچھا۔ ایک بار ضرور کہوں گا کہ اگر تم نے اپنے دونوں بھائیوں کو ویلم بھیجنے کا پختہ ارادہ کر ہی لیا ہے تو پھر میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔ اب تم ایسا کرو کہ جب تک وہ ویلم چلے نہیں جاتے تم ان سے کسی بھی وقت مل سکتی ہو۔

ہاں ایک اور بات بھی سن لو کہ اگر وہ میری نبوت پر ایمان لے آئیں تو پھر میں ان کو ویلم میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیج سکتا ہوں۔ بے شک انہوں نے یہاں تو کچھ نہیں کیا اگر وہ عزت اور شہرت چاہتے ہیں تو ان کو یقین دلاؤ کہ مجھ پر ایمان لا کر وہ کسی قسم کا نقصان نہیں اٹھائیں گے۔ میں انہیں بڑے سے بڑا عہدہ دوں گا۔ یقین کرو کہ میں انہیں وسیع و عریض جاگیریں بھی دوں گا اور اگر وہ شہروں کو فتح کریں گے تو میں انہیں وہ

Marfat.com

شہر ہی دے دوں گا۔ تمہاری ہر بات مانتے ہیں لٰہذا تم انہیں آمادہ کرو کہ مجھ پر ایمان لے آئیں۔ ان کی بہتری اسی میں ہے۔''

یہ بات تو آزاد کے وہم و گمان میں نہ تھی۔ اس نے تو بس اسود کو ٹالنے کی خاطر یہ بات کی تھی۔ مگر اس کا نتیجہ تو آزاد کے لیے حیران کن تھا۔ اب وہ دل ہی دل میں خوش ہوئی کہ چلو اب دونوں کے ساتھ مل کر اطمینان کے ساتھ منصوبہ بندی ہو سکے گی۔ اس نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا کہ ''میں ضرور آپ کی تجویز ان کو پیش کروں گی۔ اگر انہیں قبول ہوا تو میں ان کی ملاقات آپ کے ساتھ کروادوں گی۔ مگر اب براہ مہربانی اپنے آپ پر قابو رکھیئے گا۔'' اسود نے یہ سن کر کہا ہاں ہاں کیوں نہیں میں ان کی بھرپور مالی اعانت بھی کروں گا اور بوقتِ روانگی ان کے ساتھ میرا محافظ دستہ بھی روانہ ہوگا۔ اس طرح ان کے رعب و وقار میں خاطر خواہ اضافہ ہو جائے گا۔''

آزاد کی تو جیسے مراد بر آئی تھی۔ اب وہ آزادی کے ساتھ فیروز اور جشنس کے ساتھ مشاورت کر سکتی تھی اور اب اسے ہر وقت اسود عنسی کے آنے کا بھی دھڑکا نہیں رہے گا۔ یہی سوچ سوچ کر وہ خوش ہو رہی تھی مگر اسود عنسی یہ سوچ کر خوش ہو رہا تھا کہ شاید آزاد اس کی مراعات والی پیش کش پر خوش ہو رہی ہے۔ ایک عرصہ سے وہ یہ بات سوچ رہا تھا کہ کسی طرح وہ یمن کے خطہ سے باہر بھی اپنی نبوت کا پرچار کرے اور اگر وہ لوگ اس کی بات نہ مانیں تو پھر انہیں تلوار کے ذریعہ زیر کیا جائے مگر آزاد نے تو یہ بتا کر اس کی ایک مشکل ہی آسان کر دی کہ فیروز اور جشنس ویلم جا رہے ہیں۔ چنانچہ اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس طرح ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں گے۔

اس نے سوچا کہ چلو یہ دونوں بھائی تو اب جا ہی رہے ہیں اب قیس کو بھی بلوانا چاہئے اور اس سے بھی کہنا چاہئے کہ وہ بھی اپنی وفاداری ثابت کرے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ قیس سے کہے گا کہ وہ اب یمن کے اردگرد کے علاقوں کو بھی زیر کرے اور اس کا دین وسیع ترین علاقوں تک پھیلائے۔ اسود عنسی یہ تو جانتا ہی تھا کہ قیس مرادی واقعی ایک کہنہ مشق سپہ سالار تھا اور اگر وہ وفاداری کا ثبوت دے تو پھر نئے نئے علاقوں کو بڑی آسانی کے ساتھ فتح کر سکتا تھا۔

اسود عنسی نے اپنے ایک خاص آدمی کے ہاتھ قیس کو پیغام بھجوایا کہ وہ جلد ہی

Marfat.com

اسود عنسی کے پاس پہنچے۔ اسود عنسی کا خیال یہ تھا کہ اگر بالفرض محال قیس سرحدوں پر کامیاب نہ بھی ہوا تو پھر بھی اس سے جان تو چھوٹ ہی جائے گی اور اگر کامیاب ہو گیا تو پھر سلطنت تو اسود ہی کی وسیع ہوگی۔ دونوں طرح فائدہ یقیناً اسود ہی کا ہونا تھا۔

اسود عنسی کا پیغام جب قیس کو ملا تو وہ گھبرا گیا۔ اس نے یقین کرلیا کہ اب اس کا آخری وقت قریب آ چکا ہے۔ آج تو اس کی خیر نہیں۔ صنعاء میں تو یہ خبر ویسے ہی گرم تھی کہ عنقریب اسود عنسی قیس مرادی کو یا تو قتل کرا دے گا اور یا پھر اس کو قید میں ڈلوا دیا جائے گا۔ اس نے پیغام لانے والے سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر تک محل میں پہنچتا ہے۔

قیس نے جلدی جلدی اپنے دس پندرہ قابلِ اعتماد جنگجو بلائے اور انہیں مناسب ہدایات دے کر اپنے ساتھ لے کر محل پہنچا۔ مگر یہ کیا جب وہ محل کے صدر دروازہ پر پہنچا تو وہاں پر موجود محافظوں نے اس کو روک لیا اور کہا کہ قیس اکیلا اندر جا سکتا ہے اور اس کے ساتھیوں کو اندر جانے کی اجازت نہیں۔ یہ سن کر قیس تو پھٹ پڑا۔ قیس نے ان سے کہا کہ یہ بتاؤ کہ کیا میں تمہارا سپہ سالار نہیں ہوں۔ اگر میں تمہارا سپہ سالار ہوں تو پھر تم مجھے کیسے روک سکتے ہو۔ ویسے بھی میں یہاں از خود تو آیا نہیں ہوں مجھے تو فلاں محافظ کہہ کر گیا ہے کہ مجھے نبی محترم نے طلب کیا ہے۔ اب بھی اگر تم لوگ مجھے محل کے اندر جانے سے روکنا چاہتے ہو تو میں کیا کہہ سکتا ہوں سوائے اس کے کہ میں واپس چلا جاؤں۔"

ان محافظوں میں سے ایک محافظ نے گویا اپنے دفاع کا استعمال کرتے ہوئے کہا کہ جناب سپہ سالارِ اعظم صاحب! یہ تو بالکل درست بات ہے کہ بلاشبہ آپ ہمارے سپہ سالار ہیں مگر آپ کے آنے کے انداز سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آپ کے عزائم کچھ اچھے نہیں ہیں۔ کیا آپ نبی سے لڑنے آئے ہیں؟"

"نہیں نہیں! بھلا میں نبی محترم سے جنگ کا خیال بھی کیسے اپنے ذہن میں لا سکتا ہوں۔ میں نے تو آج تک اپنی تلوار مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے نیام سے نکالی ہے۔ اور یہ بات بھی ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھنا کہ لڑائی جھگڑے تو صرف دشمنوں کے ساتھ ہوا کرتے ہیں۔ اسود عنسی تو ہمارے آقا و مولیٰ ہیں۔" قیس نے اس دربان کو تنبیہہ کرتے ہوئے کہا۔

اس گفتگو کے بعد دربانوں نے قیس کو مع اسکے ساتھیوں کے محل میں جانے کی

Marfat.com

اجازت دے دی۔ جب قیس مرادی کو اسود عنسی کے حضور پیش کیا گیا تو اسود نے حد درجہ غضبناک لہجہ میں کہا کہ اے قیس! تو حد سے بڑھتا جا رہا ہے۔ تجھے پہلے بھی میں نے اس بات سے منع کیا تھا کہ تو جب میرے سامنے آئے تو تیرے محافظ آئندہ تیرے ساتھ یہاں نہ آئیں۔ کیا تجھے یہاں پر کوئی خطرہ دکھائی دیتا ہے۔ میرا تو خیال یہی ہے کہ مجھے فرشتہ درست ہی کہتا ہے۔''

''اگر مجھے کچھ بولنے کی اجازت ملے تو عرض کروں؟'' قیس نے چہرہ پر مسکینی طاری کرتے ہوئے کہا۔ جس کے جواب میں اسود نے محض اپنا سر ہلا کر اسے بولنے کی اجازت دیدی۔ ''حضورِ اقدس! عرض یہ ہے کہ جیسا کہ آپ کو بخوبی علم ہے کہ میں ٹھہرا ایک سپاہی میں نے یہ سب کچھ بہت سوچ سمجھ کر ہی کیا ہے۔' قیس نے پراعتماد انداز میں کہا۔

''اے قیس! تو میرے ساتھ گہری گہری باتیں نہ کیا کر بلکہ مجھے صاف صاف بتلا۔'' اسود عنسی نے استفسارانہ انداز میں کہا۔ ''ہاں ہاں! کیوں نہیں میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے یہ سب کیوں کیا۔ میرے نزدیک اس کے دو مقصد تھے ایک تو یہ کہ جیسا کہ آپ کا دل میری طرف سے از حد میلا ہو چکا ہے۔ اس لیے اگر آپ نے میرا خاتمہ کرنا ہوا تو یہی میرے ساتھی آپ کا کام آسان کر دیں گے کیونکہ یہ آپ کے امتی ہیں اگرچہ میرے ساتھی ہیں۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ جیسا کہ آپ نے بارہا یہ فرمایا کہ یہاں آپ کے چند دشمن موجود ہیں جن میں فیروز اور حشنس وغیرہ شامل ہیں۔ اگر آپ حکم فرمائیں تو میں اپنے ساتھیوں کی مدد سے ان کا صرف چند لمحوں میں خاتمہ کردوں گا۔'' قیس نے اپنی وفاداری ثابت کرتے ہوئے کہا۔

''اے قیس! میں تو تیری باتیں سن کر حیران رہ گیا ہوں۔ حیران اس لیے بھی ہوا ہوں کہ میرے مؤکل تو تیرے بارہ میں کچھ اور ہی اطلاعات فراہم کرتے ہیں مگر جب تو آتا ہے تو میرے تمام خدشات غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔ میں نے جو کچھ بھی سوچ رکھا ہوتا ہے۔ سب الٹ ہو کر رہجاتا ہے۔ مجھے یہ بتلا کہ کیا تو نے بھی کوئی مؤکل تو قابو نہیں کر رکھا؟'' اسود عنسی نے ستائشی لہجہ میں قیس سے کہا۔ ''مجھے تو یہی بتلایا جاتا ہے کہ تو میرے قتل کی سازشیں تیار کرتا ہے۔ تیرے آنے سے قبل میں آج تہیہ کر چکا تھا کہ آج تجھے ضرور قتل کروا دوں گا۔ یا یہ کہ تجھے زندان میں ڈلوا دوں گا۔ مگر تو نے ایسی باتیں کی

Marfat.com

ہیں کہ میں تجھ سے خوش ہو گیا ہوں اور تجھے کوئی بھی سزا نہیں دوں گا۔"

"میں نے آپ پر ایمان میں جلدی کی۔ مگر مجھے اس کا یہ صلہ مل رہا ہے جبکہ میں نے تو سنا ہے کہ اہل اسلام ایمان والوں کی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں مگر اس کے باوجود اگر آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں تو میری گردن حاضر ہے اور اگر زندان میں ڈالنا چاہیں تو پھر میرے ہاتھ پاؤں باندھنے کی کوئی ضرورت نہیں مجھے صرف جگہ بتلا دیں میں خود ہی زندان میں چلا جاؤں گا مگر ایک بات ضرور کہنا چاہوں گا کہ میں ایک سپہ سالار ہوں جس کی قدر ہر قوم میں کی جاتی ہے۔ اگر آپ نے مجھ بے قصور کو محض اپنے فرشتہ کے کہنے پر ہلاک یا قید کر دیا تو آپ کے تمام امتی کیا سوچیں گے کہ ان کے نبی آپ ہیں یا آپ کا ان دیکھا فرشتہ؟" قیس مرادی نے روہانسی آواز میں کہا۔

"تیری ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تو میرے موکل اور فرشتہ پر الزام تراشی کر رہا ہے۔ تیرا کیا خیال ہے کہ فرشتہ مجھے غلط اطلاع پہنچاتا ہے۔" اسود عنسی نے نہایت سخت لہجہ میں دریافت کیا؟"

"میرے آقا! آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہے۔ فرشتہ کی اطلاع میں اور وحی میں تو بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ آپ یہ فرماتے ہیں کہ آپ کا موکل اطلاع دیتا ہے۔ اگر یہ کہیں کہ آپ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام آ کر یہ سب کچھ بتلاتے ہیں تو پھر یہ تو وحی ہوئی ناں مگر چونکہ یہ صورتِ حال وحی والی نہیں ہے اس لیے یقیناً اس میں غلطی کا احتمال ضرور ہو سکتا ہے۔ برائے مہربانی آپ حضرت جبرائیل سے پوچھیں کہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم کیا ہے۔ اس طرح میرے خیال میں بات صاف ہو سکتی ہے۔ وگرنہ میں تو اور کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔" قیس مرادی نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

بات چونکہ قیس کی بے حد معقول تھی اس لیے اسود عنسی کو ماننی ہی پڑی اور پھر یہ بات بھی بالکل درست تھی کہ اس ملعون کو وحی تو نہیں ہوتی تھی۔ اس نے تو بس محض ڈھونگ ہی رچایا ہوا تھا۔ چنانچہ اس نے بات میں حقیقت کا رنگ بھرنے کی خاطر کہا کہ "اچھا اے قیس میں اب تیرے سلسلہ میں وحی کا انتظار کروں گا اگر وحی میں بھی تیرے خلاف ہی حکم مجھے ملا تو میں تجھے ہرگز اپنے پاس طلب نہیں کروں گا اور جو کچھ بھی کرنا ہوگا کر گزروں گا۔"

Marfat.com

قیس مرادی نے اسود عنسی کو نرم پڑتے دیکھا تو کہا کہ ''اے میرے محترم نبی! مجھے حکم فرمائیے کہ میں آپ کے دشمنوں فیروز اور حشنس کو ان کی بغاوت کی سزا دے دوں تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو اور آئندہ کوئی آپ کے خلاف بغاوت کرنے کا خیال بھی اپنے ذہن میں نہ لائے۔''

آزاد اور اسود کی باتیں فیروز نے چونکہ قیس کے گوش گزار کر دیں تھیں اس لیے قیس نے یہ انتہائی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ اسود عنسی کا دل اس کی طرف سے صاف ہو جائے۔ وہ یہ بات تو جانتا تھا کہ موجودہ صورتِ حال میں فیروز اور اس کے بھائی کے خلاف اسود کوئی بھی قدم نہیں اٹھا سکتا اور ہوا بھی یہی کہ اسود عنسی نے جھلائے ہوئے لہجہ میں قیس کو خبردار کیا کہ ''نہیں نہیں! انہیں ابھی کچھ نہیں کہنا تم میرے حکم کا انتظار کرو اور جب میرا حکم تمہیں موصول ہو تو پھر تم بلا تاخیر ان کی گردنیں قلم کر کے میرے پاس بھیج دینا مگر میرے حکم کے بغیر تمہیں کوئی بھی قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔''

آزاد نے اسود عنسی کو یہ بتا دیا تھا کہ اس کے بھائی ویلم جا کر اس کے لیے ضروری کام کریں گے اور اگر انہوں نے اسؑ پر ایمان لانے کا بھی فیصلہ کیا تو پھر وہ یہاں نہیں کریں گے بلکہ وہ اعلان بھی ویلم جا کر ہی کریں گے۔ اسود عنسی یہ خبر پا کر بے حد خوش ہوا۔ اب وہ یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح فیروز یا حشنس کی ملاقات اس کے ساتھ ہو جائے تاکہ وہ ان سے بذاتِ خود پوچھ لے۔ مگر اس کے بار بار بلوانے کے باوجود ان دونوں کو طلب کیا مگر انہوں نے یہی جواب دیا کہ فی الحال ہم یہ منصوبہ بندی کر رہے ہیں کہ اگر ہم ویلم میں جا کر آپ کے دین کی تبلیغ کریں تو اس کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے۔ ابھی تک ہم کچھ طے نہیں کر پائے۔ جیسے ہی ہم نے کچھ طے کر لیا تو ہم بلاتاخیر آپ کی خدمت میں خود بخود حاضر ہو جائیں گے۔

ان کے یہ جواب سن کر اندر ہی اندر اسود عنسی خوش ہو جایا کرتا تھا۔ اسی لیے اس نے قیس کو کسی بھی قسم کے انتہائی قدم اٹھانے سے منع کر دیا تھا۔ حالانکہ قیس اس کی وجہ بخوبی جانتا تھا مگر اس نے بہت زیادہ جوش و خروش کا مظاہرہ کیا جس کا مقصد محض یہ تھا کہ اسود عنسی کے دل سے یہ خیال نکالا جا سکے کہ قیس ان دونوں بھائیوں کا ساتھی نہیں۔

Marfat.com

آزاد اپنے کسی بھائی کی آمد کا انتظار کر رہی تھی کہ اچانک ایک روز فیروز دیلمی آ گیا۔ آزاد نے اس سے پوچھا کہ بھائی تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ فیروز نے کہا کہ تم نے خود ہی کہا تھا کہ جب تک تم نہ ہمیں بلواؤ ہم نہیں آئیں گے۔ مگر تم نے نہیں بلوایا تو میں خود ہی آ گیا۔ یہ بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

آزاد نے اس کو دور ہی سے اسود عنسی کی خواب گاہ دکھلائی۔ فیروز کو اس نے سمجھایا کہ بس اسی خواب گاہ میں تم اس ملعون کا خاتمہ کر سکتے ہو۔ کیونکہ اس کے ارد گرد کوئی بھی محافظ یا دربان موجود نہیں ہوتا۔ مگر اس میں داخل ہونا ہی اصل کام ہے۔ یہ کام تم اس طرح کر سکتے ہو کہ کسی طرح تم نقب لگا کر محل میں داخل ہو جاؤ۔ وگرنہ دوسرا کوئی طریقہ نہیں ہے۔

فیروز نے جب اس کی عادات کے بارہ میں دریافت کیا تو آزاد نے بتلایا کہ ''اسود عنسی کو بہت ہی جلد نیند آ جاتی ہے اور خواب گاہ میں داخل ہی اس وقت ہوتا ہے کہ جب اس پر نیند کا غلبہ طاری ہو جاتا ہے۔ اگر تم لوگ نقب لگانے میں کامیاب ہو گے تو پھر تم لوگ یہ احتیاط کرنا کہ خواب گاہ میں اس وقت داخل ہونا جب اس کے خراٹوں کی آواز گونج رہی ہو۔ یہ آواز تم لوگ خواب گاہ سے باہر بھی باآسانی سن لو گے۔

خواب گاہ میں جب تم لوگ داخل ہو جاؤ تو پھر تمہیں اس کام میں قطعاً دیر نہیں کرنی چاہئے یعنی تم کو چاہئے کہ تم لوگ جتنی جلد ہو سکے اس کو قتل کر دو کیونکہ اگر دیر ہوئی تو پھر مار دھاڑ کی آوازیں محافظوں اور دربانوں کو ضرور چوکنا کر دیں گی اور یہ صورتِ حال یقیناً کسی بھی طرح ہم سب کے لیے مناسب نہ ہوگی۔ پھر یہ بات یاد رکھنا کہ اسود مرے یا نہیں مرے ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔''

فیروز نے کہا کہ ''ہاں! یہ تمام باتیں تو میرے ذہن میں ہیں اور میں نے یہ سوچ رکھا ہے کہ مجھے خواب گاہ میں کیا کرنا ہے۔ میں قطعاً اس کو خنجر یا تلوار سے قتل نہیں کرنا چاہتا۔ میں اس کا ناپاک خون خواب گاہ میں گرانا نہیں چاہتا۔ میں یہ جانتا ہوں کہ میں نے وہاں اپنا کام کیسے کرنا ہے۔''

ابھی فیروز نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ اچانک اسود عنسی وہاں آن پہنچا۔ اس نے وہاں پہنچتے ہی غصے سے دھاڑنا شروع کر دیا۔ اس کے چیخنے چلانے کی وجہ سے

Marfat.com

آزاد نے حیران ہونے کا مظاہرہ کیا اور کہنے لگی "آپ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں کیا آپ نے خود ہی نہیں کہا تھا کہ میں اگر چاہوں تو ان سے روزانہ ملاقات کر سکتی ہوں اور کیا یہ بات سچ نہیں ہے کہ فیروز آج بہت عرصہ کے بعد یہاں آیا ہے۔ یہ بات بھی بالکل درست ہے کہ یہ میرے بلوانے پر آیا ہے از خود تو نہیں آیا۔"

اسود عنسی کو جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا کہ واقعی اس نے تو آزاد کو اجازت دے رکھی تھی۔ اس نے آزاد سے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اب یہ یہاں کیوں آیا ہے اور یہ کیا فیصلہ کر کے آیا ہے۔ ذرا میں بھی تو سنوں"۔

آزاد نے اسود کو بتایا کہ "فیروز اور جشنس نے فیصلہ کرلیا ہے کہ یہ دونوں اب بہت ہی جلد ویلم چلے جائیں گے مگر یہ آپ پر ایمان اسی محل میں لے آئیں گے۔ مگر اعلان ویلم پہنچ کر ہی کریں گے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر اعلان یہاں کردیا تو پھر یہاں پر موجود عزیز و اقارب ان کے دشمن ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہ ویلم جا کر اعلان کریں گے اور پھر آپ کے دین کے لیے ویلم میں کام کریں گے۔ مگر ان کو اس کے بدلہ میں کیا ملے گا۔ کیونکہ آپ نے اپنے آپ کو شکی مزاج بنا کر پیش کیا ہے۔ یہی بات کرنے کے لیے یہ یہاں آیا تھا کہ آپ نے حد درجہ بداخلاقی کا مظاہرہ کردیا۔"

"اے اسود عنسی! کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آپ نے بارہا مجھے اور میرے بھائی کو طلب کیا۔ مگر چونکہ ہم دونوں ابھی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچے تھے اس لیے نہ آسکے۔ مگر جب میں آ ہی گیا ہوں تو حسب معمول آپکے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہو رہا ہوں۔ میں تو اب پچھتا رہا ہوں کہ میں یہاں آیا ہی کیوں۔" فیروز نے موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے کہا۔

اسود عنسی نے کہا "ہاں یہ بات تو درست ہے کہ میں نے بارہا تمہیں بلوایا تھا۔ مگر میں نے تمہیں اپنے پاس اس لیے بلوایا تا کہ آزاد سے اگر تم نے کچھ دریافت کرنا ہے تو میرے پاس آئے اور دریافت کرلے اب ایسا ہے کہ تم لوگ آئندہ اس محل میں قطعاً داخل نہیں ہوگے۔ اگر داخل ہونا چاہو تو پھر اعلانیہ میرے دین میں داخل ہو جاؤ۔ جو بھی رشتہ دار تمہاری مخالفت کریں گے میں انہیں بے دریغ قتل کروا دوں گا۔ مگر تمہیں مجھ پر ایمان لانے کا سرعام اعلان کرنا ہوگا۔"

فیروز یہ سن کر کچھ نہیں بولا اور محل سے چلا آیا۔ اس نے ان باتوں کی تفصیل

Marfat.com

حشنس اور قیس مرادی کو بھی بتلائی اور یہ بھی کہ اب محل میں کسی طرح نقب لگا کر ہی داخل ہوا جا سکتا ہے۔دوسرا کوئی اور طریقہ نہیں۔ اسی دوران انہیں معلوم ہوا کہ اگلے روز اسود عنسی ایک عام اجتماع منعقد کروا رہا ہے۔ جب ان لوگوں نے زیادہ معلوم کیا تو انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اس اجتماع میں اسود عنسی قیس مرادی کو معزول کر کے قید کردے گا یا پھر بھرے مجمع میں قتل کروادے گا۔ قیس مرادی کی جگہ عمرو بن معدیکرب سپہ سالار بنا دیا جائے گا۔

اس روز عوامی اجتماع میں شرکت کرنے یا نہ کرنے کے بارہ میں ان تینوں کے درمیان بڑی گرما گرم بحث ہوئی مگر آخر کار یہ طے پایا کہ نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو یہ تینوں اس اجتماع میں شرکت ضرور کریں گے۔ صبح سویرے مقررہ جگہ پر لوگوں نے جمع ہونا شروع کردیا۔ اسود عنسی بالکل بادشاہوں کی مانند ایک تخت پر براجمان تھا اور اس کے عین سامنے عمرو بن معدیکرب بیٹھا ہوا تھا۔ اور دوسری طرف قیس مرادی بیٹھا ہوا تھا کیونکہ ابھی تک وہی سپہ سالار تھا۔

اچانک اسود عنسی نے بولنا شروع کیا کہ لوگو تمہاری قیس مرادی کے بارہ میں کیا رائے ہے تو بعض نے قیس کی حمایت کی اور بعض نے مخالفت، بہرحال اس اجتماع میں قیس کو معزول نہ کیا گیا اور نہ ہی قتل کیا گیا۔

باوجود اس کے کہ اسود عنسی نے ان تینوں کی جان بخشی کر دی تھی مگر ان تینوں کو اپنے مستقبل کی فکر لاحق تھی چنانچہ اب اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ بے داغ منصوبہ تیار کیا جائے۔

فیروز نے قیس سے کہا کہ ہمیں آپ یہ بتلائیے کہ محل میں کس جگہ نقب لگائی جائے جہاں سے آسانی کے ساتھ اسود عنسی کی خواب گاہ میں داخل ہوا جا سکے۔ یہ ذمہ داری قیس نے اپنے سر لے لی اور چند روز کے بعد فیروز وغیرہ کو وہ جگہ بتا دی جہاں پر آسانی سے نقب لگائی جا سکتی تھی اور یہ جگہ خواب گاہ سے بھی نزدیک تھی۔

فیروز نے دس پندرہ بھروسہ کے آدمیوں کو ساتھ لیا اور محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ جب ذرا رات گہری ہوئی تو فیروز کے ساتھیوں نے بڑی احتیاط کے ساتھ نقب لگانی شروع کردی۔ یہ بڑا ہی کٹھن مرحلہ تھا کیونکہ اگر کسی محافظ کو بھنک بھی پڑ جاتی تو پھر

Marfat.com

ان سب کی خیر نہ تھی۔ یہ احتیاط اور صبر کے ساتھ کیا جانے والا کام تھا۔

اذان فجر میں ابھی کچھ ہی دیر باقی تھی کہ نقب لگانے کا کام مکمل ہو گیا۔ فیروز نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ پہلے میں اندر داخل ہوتا ہوں پھر ایک ایک کر کے تم لوگ بھی آ جانا مگر ذرا برابر بھی شور پیدا نہ ہو۔ ہاں مگر یہ بات ضرور ہے کہ اگر مجھے تم خطرہ میں گھرا ہوا دیکھو تو تم لوگ تمام احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر طے شدہ منصوبہ کو پورا کرنا۔

طے شدہ منصوبہ کے مطابق آزاد نے خواب گاہ کا دروازہ کھلا رکھا تھا اور شمع دان ایسی جگہ پر رکھا تھا کہ اس کی روشنی پوری خواب گاہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ فیروز نے اپنے ساتھیوں کو دروازہ کے اردگرد کھڑا کیا اور چوکنا رہنے کی ہدایت کی۔ اب وہ احتیاط کے ساتھ خواب گاہ میں داخل ہوگیا۔ فیروز اگرچہ خواب گاہ میں داخل ہو چکا تھا مگر وہ ایک طرح سے سکتہ کی حالت میں تھا۔ اس کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس قدر آسانی کے ساتھ یہاں پہنچ چکا ہے۔ ابھی تک وہ مبہوت سا کھڑا ہوا تھا کہ اس کے قریب آزاد آ کر کھڑی ہوگئی اور سرگوشی کے انداز میں کہنے لگی ''اے فیروز! تجھے کیا ہوگیا ہے وقت بہت کم ہے۔ یہ بہت ہی گہری نیند سویا ہوا ہے تو جلدی سے اس کا قصہ تمام کیوں نہیں کرتا۔ یہ نہ ہو کہ یہ جاگ جائے۔''

فیروز نے سر کے اشارے سے کہا کہ ہاں اب یہ کام جلدی سے ہو جانا چاہئے۔ ابھی فیروز نے ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ اسود عنسی نے بولنا شروع کردیا اگرچہ اس کی آنکھیں بند ہی تھیں۔ اس نے فیروز کو مخاطب کر کے کہا ''اے فیروز تو آخر یہاں آ ہی گیا۔ مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا کہ تو یہاں آئے گا۔ یہی تو میں شروع سے کہتا چلا آ رہا تھا۔

میرے موکل مجھے غلط اطلاع نہیں دیتے مجھے ابھی ابھی بتلایا گیا ہے کہ تو اپنے ساتھیوں سمیت میری خواب گاہ میں داخل ہو چکا ہے۔ تو اکیلا ہی خواب گاہ میں داخل ہوا ہے جبکہ تیرے باقی ساتھی باہر کھڑے ہوئے ہیں۔ تیرے ارادے یقیناً بہت ہی خراب ہیں۔ تو چلا جا، تو یہاں سے چلا جا تیرے لیے یہی اچھا ہوگا ورنہ تیرا حشر بہت برا ہوگا۔''

فیروز نے اس دوران اپنے قدموں کو روکا نہیں اور آہستہ آہستہ وہ بالکل اسود عنسی کے قریب جا پہنچا۔ اس نے اسود کی تمام تر باتیں سنیں اور آگے بڑھ کر اسود عنسی کی

Marfat.com

گردن کو ایک خاص انداز سے پکڑ لیا۔ ایک عرصہ سے وہ اس کی تربیت حاصل کر رہا تھا۔ اس نے نپے تلے انداز میں جو جھٹکا دیا تو اسود عنسی کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

فیروز کو اپنے اوپر مکمل اعتماد تھا اس نے اسود عنسی کو اس کے بستر پر آہستگی سے ساتھ لٹایا اور باہر جانے کے ارادہ سے مڑا۔ آزاد نے جو اسود کی خرخراہٹ سُنی تو فیروز سے کہنے لگی فیروز تو نے کیا کیا ہے یہ تو مجھے ابھی تک زندہ لگ رہا ہے۔

فیروز نے مسکراتے ہوئے کہا نہیں میری بہن یہ اب زندہ نہیں ہے۔ یہ آواز تو جان کنی کی ہے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر میں یہ ملعون بالکل سرد ہو جائے گا۔ فیروز باہر چلا گیا اور آزاد سہم کر ایک کونہ میں کھڑی ہو گئی۔ اس نے پہلی مرتبہ ایک مرتا ہوا شخص دیکھا تھا۔ ابھی وہ اپنے آپ کو سنبھال ہی رہی تھی کہ اسود کی خرخراہٹ میں زبردست قسم کی تیزی آ گئی۔ یہ آوازیں رات کے سناٹے میں گونج رہی تھیں۔ چنانچہ محافظوں نے خواب گاہ کا رخ کیا۔

انہوں نے جب اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آزاد نے انہیں بتلایا کہ تم لوگ جاؤ نبی محترم پر اس وقت وحی نازل ہو رہی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ مطمئن ہو کر چلے گئے۔ اتنی دیر میں خشنس بھی چپکے سے خواب گاہ میں داخل ہو گیا اور اس کے ساتھی بھی۔ خشنس نے جو دیکھا کہ اسود ابھی تک خرخر کر رہا ہے تو اس نے تلوار کا ایک ہی وار کیا جس کے نتیجہ میں اسود عنسی کے تن سے اس کا سر پکے ہوئے پھل کی طرح دور جا گرا۔

اس کے بعد فیروز اور خشنس اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر محل سے باہر چلے گئے۔ آزاد کو بھی وہ لوگ اپنے ساتھ لیتے گئے تاکہ جب اسود عنسی کی ہلاکت کا پتہ چلے تو اسود عنسی کے ساتھی اس کو نقصان نہ پہنچا دیں او یہ بات عین ممکن بھی تھی۔

فجر کی نماز کے وقت انہوں نے یہ خبر تمام مسلمانوں کو پہنچا دی اور اپنی اپنی حفاظت کے لیے بھی کہہ دیا۔ یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا جس کا شدید ترین ردعمل ہونا تھا۔ یہی ہوا جب اسود عنسی کے ساتھوں کو یہ معلوم ہوا کہ اسود عنسی ہلاک ہو چکا ہے اور اس کی بیوی غائب ہے تو ان کو یہ سمجھنے میں قطعاً دیر نہ لگی کہ یہ کام یقیناً آزاد اور اس کے دونوں بھائیوں کا ہے۔

اسود کے ساتھیوں نے صنعا میں قتل و غارت گری کا پروگرام بنایا مگر مسلمانوں

Marfat.com

نے اپنی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام کر رکھا تھا جس کی وجہ سے ہنگامہ آرائی کی فضا قائم نہ ہو سکی۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مسلمانوں نے تو ایک طرح سے جہاد کا پروگرام بنا ہی رکھا تھا۔ چنانچہ اسودی بدمعاشوں کو الٹا نقصان ہی اٹھانا پڑا۔

اسود کے ساتھیوں کی ناکامی میں قیس کا بھی بڑا دخل تھا۔ جس نے اپنی فوج کو حکم دے دیا کہ جب تک مجرموں کا پتہ نہ چل جائے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ فوج کا وہ سپہ سالار تھا چنانچہ اسی نے تمام تر انتظامات سنبھال لیے اور صنعا میں خون خرابہ نہ ہو سکا۔ وگرنہ ہزاروں مسلمانوں کی شہادت لازمی تھی۔

جس صبح اسود عنسی جہنم واصل ہوا، اسی صبح بعد از نماز فجر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی ادائیگی کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مخاطب فرمایا اور ان سے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ یمن میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

انہوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے سنا ہے۔ مگر آپ کی پیشین گوئی ہے کہ اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا تو سنو! کہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس کو فیروز نامی جوان نے ہلاک کر دیا ہے۔

اس کے چند روز کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے پردہ فرمایا۔ جس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفۂ اول بنے تو انہیں یہ خبر ملی کہ اسود عنسی تو اسی صبح ہلاک ہو گیا تھا۔ اس فتنہ کے خاتمہ کے بعد صنعا اور نجران کی حکومت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی گئی اور اسود عنسی کا نام و نشان ختم ہو گیا مگر ملعونوں میں اس کا نام زندہ ہے۔

لعنت اللہ علی الکاذبین

Marfat.com

مغیرہ بن سعید عجلی

نبوت کا یہ جھوٹا دعویدار دراصل ایک غلام تھا۔ یہ شاطر انسان اگرچہ ایک غلام تھا مگر اس کا ذہن عمدہ ترین منصوبہ کی آماجگاہ تھی۔ یہ شخص عراق کے والی خالد عبد اللہ قسریٰ کا غلام تھا۔ یہ دور اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا دور خلافت تھا۔ غالباً یہ 729ء بمطابق 106 ھ کا زمانہ تھا۔

مغیرہ ایک سچے مسلمان کا غلام تھا چنانچہ اس پر کوئی بھی پابندی وغیرہ عائد نہ تھی۔ جیسا کہ مسلمانوں کے ہاں اس دور میں رواج تھا۔ مغیرہ اسی رواج سے فائدہ اٹھا کر حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کی مجالس میں بھی حاضر ہوا کرتا تھا۔ اپنے آقا یعنی خالد قسریٰ کو اس نے جب یہ بتایا کہ وہ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے تو انہوں نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا۔

حضرت امام باقرؓ کی مجالس میں پہلے پہل تو مغیرہ ایک مسلمان کی حیثیت سے بطور عقیدت مند ہی حاضر ہوتا رہا مگر دھیرے دھیرے لوگوں کی حضرت امام کے ساتھ والہانہ ارادت مندی اور فریفتگی نے اس کے دل و دماغ میں بری طرح سے ہلچل مچانا شروع کر دی وہ اب یہ خواب دیکھنے لگا کہ بے پناہ لوگ اس کے عقیدت مند ہیں اور اس کی جانثاری کا دم بھر رہے ہیں۔ مغیرہ جب خوابوں کی دنیا سے باہر آتا تو وہ خود کو ایک غلام کے روپ میں دیکھتا۔

مغیرہ کے خوابوں کو اسی وقت کامیابی حاصل ہو سکتی تھی جب وہ آزاد ہو جاتا۔ یہ بھلا کوئی معمولی بات تو نہ تھی ایک صورت تو یہ تھی کہ کوئی امیر کبیر شخص مغیرہ کو خرید کر

Marfat.com

آزاد کرتا پھر یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دے دیتا جس سے خوش ہو کر خالد قسری اس کو بخوشی آزادی کا پروانہ دے دیتے۔ مگر فی الوقت یہ دونوں باتیں ہی محال دکھائی دیتی تھیں۔ اس کی خوشامد اور چاپلوسی کوئی نرالی بات تو نہ تھی یہ تو عام غلام ہی کیا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر مغیرہ نے ایک انوکھا کھیل کھیلنے کا فیصلہ کیا۔

مغیرہ نے کچھ ہی دنوں میں چند ایسے اوباش لوگوں کو راضی کر لیا کہ وہ کچھ رقم کے عوض اس کے کہنے پر عمل کریں گے۔ یہ ایک شاطر اور چالباز شخص تھا۔ اب اس نے بازار میں جانا کم کر دیا۔ بس بہت ہی ضروری کام کے لیے ہی باہر جاتا تھا۔ ان اوباش لوگوں کے ذمہ اس نے یہ ذمہ داری لگائی کہ وہ کوفہ شہر میں اس افواہ کو بڑے ہی منظم طریقہ سے پھیلائیں کہ کوفہ کے امیر کی جان کو شدید ترین خطرات لاحق ہیں اور کسی بھی وقت اس کو اچانک قتل کر دیا جائے گا۔

مغیرہ کے لوگوں نے اس خبر کو نہایت منظم طریقہ سے کوفہ میں مشہور کر دیا۔ چونکہ یہ ایک منظم گروہ تھا چنانچہ اس میں کسی پر بھی شک نہیں کیا گیا اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم ہو پایا کہ یہ افواہ پھیلانے والا کون ہے۔ جب یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی اور لوگوں نے اپنی اپنی محافل میں اسی پر تبصرہ کرنا شروع کر دیا تو لازمی بات ہے کہ اس کی اطلاع کوفہ کے امیر جناب خالد قسری کے کانوں تک بھی جا پہنچی۔ مغیرہ تمام حالات کو بغور دیکھ رہا تھا۔ ایک روز اس نے موقع پا کر خالد قسری کو بہت ہی جانثاری کے انداز میں پوچھا "میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے آقا کئی روز سے بے حد متفکر ہیں۔ اگرچہ میری کوئی حیثیت تو نہیں ہے مگر کیا میں یہ پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں اس کی وجہ کیا ہے۔"

خالد قسری نے اس کی بات کو سن کر کہا کہ "نہیں کوئی خاص بات تو نہیں ہے"

یہ سن کر مغیرہ نے بڑے ہی مؤدب انداز میں عرض کیا کہ "میرے آقا! یہ درست ہے کہ کوئی خاص بات نہ رہی ہوگی مگر کوئی عام سی بات تو ہوگی۔ یہ کوئی عام سی بات ہے تو میرے آقا کو بھلا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

مغیرہ کے چرب زبان لہجہ نے امیر کے ہونٹوں پر تبسم پھیلا دیا۔ خالد قسری نے مغیرہ کی بات کو سن کر مسکراتے ہوئے کہا "اے مغیرہ! کیا تجھے اس خبر کے متعلق کبھی علم نہیں کہ پورے شہر میں لوگ کیسی کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ بات تو یقیناً تیرے علم

Marfat.com

میں ہوگی۔" مغیرہ اس کے جواب میں دست بستہ کہا کہ "یا امیر! یہ تو واقعی ناممکن ہے کہ مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ کوفہ میں کون سی خبر گردش کر رہی ہے۔"

خالد قسریٰ نے اس سے پوچھا کہ "اے مغیرہ یہ تو بتا کہ کیا مجھے ایسی خبروں نے پریشان نہ کیا ہوگا۔" مغیرہ نے اب ایک اور چال چلی کہ "اے امیر محترم! آپ کو جب اس خبر کے مخرج کا علم نہ ہو آپ براہ مہربانی احتیاط فرمائیں۔ آپ پر جان نثار کرنے کے لیے میں بھی دیگر غلاموں کے ساتھ ہمہ وقت آپ کے ساتھ رہوں گا۔ تاکہ اگر کوئی بھی آپ پر وار کرنے لگے تو ہم آپ کی ڈھال بن جائیں۔"

اس کی یہ بات سن کر خالد قسریٰ نے کہا کہ "تمہارے جذبات کی میں دل و جان سے قدر کرتا ہوں مگر تم لوگ میری حفاظت کہاں تک کرو گے۔ چونکہ مغیرہ عجلی یہ سب پہلے سے طے کر چکا تھا چنانچہ اس نے پر اعتماد انداز میں عرض کیا کہ "اے امیر! میں کچھ ایسا انتظام کروں گا کہ کوئی بھی غیر شخص کسی بھی جگہ آپ پر کوئی لعین شخص حملہ نہ کر سکے اور اگر وہ حملہ کرنے کی کوشش کرے تو ہم آپ پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔" اس کے بعد مغیرہ نے ان لوگوں کے نام گنوائے جو کہ اس کے ہی نمائندے تھے۔

چنانچہ اب یہ تو بات طے شدہ تھی کہ امیر کوفہ جب بھی کہیں جائیں گے تو ان کے ہمراہ مغیرہ عجلی اور اسی کے اعتماد یافتہ چند غلام بھی ہوا کریں گے۔ خالد قسریٰ تو خیر مطمئن ہوگئے تھے مگر مغیرہ بھی کچھ کم مطمئن نہ تھا۔ یہی تو وہ چاہتا تھا کہ خالد قسریٰ اس پر مکمل اعتماد کریں۔ یہ سلسلہ کچھ عرصہ تو چلتا رہا مگر رفتہ رفتہ خالد قسریٰ کے قتل والی افواہوں کی بات پرانی ہوتی چلی گئی۔ اب لوگوں نے یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ یہ تو محض افواہیں تھیں۔

یہ صورت حال مغیرہ بھی بھانپ گیا تھا۔ مگر انہی ایام میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس سے مغیرہ کی اہمیت ایک مرتبہ پھر خالد قسریٰ کی نظروں میں کافی حد تک بڑھ گئی۔ ہوا یہ کہ ابھی سابقہ واقعات کو ایک برس بھی نہیں گزرا تھا کہ خالد قسریٰ پر ایک قاتلانہ حملہ ہوا۔ یہ حملہ اس وقت ہوا جب وہ کوفہ کی چھاؤنی میں فوجی سرداروں سے خاص اہمیت کی ایک ملاقات کرنے کے لیے جا رہے تھے۔ چھاؤنی میں داخل ہی ہوئے تھے کہ تین آدمی ان کی طرف بڑھے۔ ان کے انداز سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ

Marfat.com

جیسے وہ کوئی فریادی ہیں۔

خالد قسریٰ کے پاس آ کر ابھی وہ کہنے ہی والے تھے کہ ان میں سے ایک جو سب سے آگے تھا کو مغیرہ نے روک لیا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور امیر سے کیوں ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ اس شخص نے مغیرہ کو بھروسا دیا اور کہا کہ تو تو ایک معمولی درجہ کا غلام ہے میں کیوں تجھ سے بات کروں۔ مغیرہ نے اس کو جب سختی سے روکنا چاہا تو اس نے یکدم اپنی کمر سے خنجر نکال کر دھمکی آمیز لہجہ میں کہا کہ تو میرے راستہ سے ہٹ جا وگرنہ تجھ کو میں ضرور قتل کر دوں گا۔

وہاں پر موجود تمام لوگ اس صورت حال کو سمجھ چکے تھے کہ اصل میں تو حملہ خالد قسریٰ پر کرنے کا منصوبہ تھا۔ مغیرہ نے بڑی پھرتی کے ساتھ حملہ آور کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اتنی دیر میں دیگر محافظ بھی وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے حملہ آور کے ہاتھ سے خنجر چھین لیا۔ مگر ابھی ان کے دو ساتھی تو آزاد تھے۔ مغیرہ اور اس کے ساتھیوں کی پوری توجہ صرف اس کی جانب ہی مبذول تھی۔ اسی اثناء میں خالد قسریٰ نے جو پلٹ کر دیکھا کہ یہ شور کیسا ہے تو انہوں نے دیکھا کہ دو آدمی خنجر بکف ان کی ہی طرف بڑھے چلے آرہے ہیں۔

خالد قسریٰ نے وہیں ٹھہر کر مغیرہ کو آواز دی کہ ان دونوں آدمیوں کو بھی سنبھالے۔ مغیرہ نے بڑی ہی تیزی کے ساتھ نیام سے تلوار نکالی اور ایک آدمی پر وار کیا۔ یہ شخص اپنی پوری توجہ خالد قسریٰ پر رکھے ہوئے تھا۔ مغیرہ کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام ہوگیا۔ جب کہ دوسرے کا کام خالد قسریٰ نے تمام کر دیا۔

وہ دونوں تو اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے مگر ایک شخص ابھی بھی زندہ تھا جو کہ بظاہر فریاد لے کر آیا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ خالد قسریٰ اسی جگہ ایک طرف بیٹھ گئے اور حکم دیا کہ اس شخص کو ان کے روبرو پیش کیا جائے۔ جب اسے پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ وہ انہیں کیوں قتل کرنا چاہتا تھا۔؟

وہ دردناک انداز میں گویا ہوا کہ ” جناب عالی! میرا باپ ایک سپاہی تھا۔ اسے چند برس قبل خراسان میں جاری ایک بغاوت کو فرو کرنے کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔ مگر اس کی بعد میں کوئی بھی اطلاع نہیں مل سکی۔ ہم نے جب اس کی خیر خبر حاصل

Marfat.com

کرنے کی کوشش کی تو ہمیں بڑی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ حد تو یہ ہے کہ ہمیں آپ سے ملنے کی بھی اجازت نہیں مل سکی۔ جب آج ہم نے سنا کہ آپ یہاں آ رہے ہیں تو ہم نے آپ کی خدمت میں اپنی فریاد پیش کرنے کی کوشش کی۔ اسی دوران آپ کے محافظوں نے میرے دو بھائیوں کو مار ڈالا۔ مجھے یہ بھی خطرہ ہے کہ یہ لوگ مجھے بھی ضرور قتل کر دیں گے۔

اس کی دردناک کہانی سن کر خالد قسری کا دل پسیج گیا اور انہوں نے اس شخص کو نہایت نرم لب و لہجہ میں کہا کہ "نہیں تم بالکل فکر نہ کرو۔ میں ضرور تمہارے باپ کو تلاش کرنے کا حکم دوں گا۔ اسی طرح تمہاری شکایت بھی رفع ہو جائے گی۔" آپ کی یہ بات سن کر مغیرہ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ "میرے آقا! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہ تو بالکل جھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیں تو آپ کو بھی لگے گا کہ یہ بالکل جھوٹ بک رہا ہے۔"

خالد قسری نے مغیرہ کی بات کو ذرا برابر بھی اہمیت نہ دی۔ آپ نے حکم دیا کہ اس شخص کو پوری احتیاط کے ساتھ قید میں رکھا جائے۔ اور اس کے بیان کی صداقت جاننے کے لیے اس کا نام اور اس کے باپ کا نام بھی درج کر کے اسے تلاش کیا جائے۔ چنانچہ اس کے باپ کی تلاش شروع کر دی گئی۔

مغیرہ دیکھ رہا تھا کہ خالد قسری نے اس کی جان نثاری کی کوئی قدر نہ کی۔ اس کا تو خیال یہ تھا کہ خالد قسری اس کی جانثاری کی حد درجہ تعریف و توصیف کریں گے۔ ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ خالد قسری وہاں سے تحقیقات کا حکم جاری کر کے اپنی رہائش گاہ کی طرف جا چکے تھے۔ وہ تو یہ سوچ رہا تھا کہ ابھی خالد اس سے پوچھیں گے کہ تمہاری کیا خواہش ہے تو کہوں گا کہ میں آزادی چاہتا ہوں۔

مگر ہوا یہ کہ خالد قسری نے اس حملہ آور کو مظلوم خیال کر کے اس کے باپ کی تلاش کا حکم جاری کر دیا۔ یہ تحقیقات چند ماہ جاری رہیں۔ اس کے بعد یہ معلوم ہوا کہ وہ شخص تو بالکل ہی جھوٹا تھا۔ کیونکہ اس کا باپ تو کبھی فوج میں رہا ہی نہ تھا اور نہ ہی اسے کبھی خراسان کی مہم پر روانہ ہی کیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ شخص خالد قسری کو قتل کرنے کے ہی منصوبے سے آیا تھا۔ مگر صرف مغیرہ کی پھرتی کی

Marfat.com

وجہ سے ناکام رہا تھا۔ اس کے بعد اس شخص کو قتل کر دیا گیا۔ خالد قسریؒ نے اگرچہ مغیرہ کا شکریہ ادا کیا مگر اسے انعام و کرام سے نہیں نوازا گیا۔ اس کی خواہش پوچھنا تو بات ہی دوسری تھی۔

مغیرہ عجلی کو اس ساری صورت حال سے بہت مایوسی ہوئی۔ اس کے تو تمام تر منصوبے ہی برباد ہو کر رہ گئے۔ چنانچہ اس نے کوفہ بھر میں ایک مرتبہ پھر حسب سابق افواہوں کو پھیلا دیا کہ خالد قسریؒ کے مخالفین اب ان پر ایک نیا حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان افواہوں کو سن کر ایک مرتبہ پھر خالد قسریؒ کو پریشانی لاحق ہوئی۔ جو کہ ایک قدرتی امر تھا۔

مغیرہ نے جب بہت زیادہ سوچ و بچار کیا تو اس کو یہ بات سمجھ بھی آئی کہ جھوٹی افواہوں کے ذریعہ کبھی بھی آزادی حاصل نہیں کر سکتا۔ اگرچہ ان افواہوں کے بعد خالد قسریؒ تمام غلاموں میں سب سے زیادہ مغیرہ پر ہی اعتماد کیا کرتا تھا۔ مگر رہتا تو وہ غلام ہی تھا۔ دوسری بات یہ بھی بڑی اہم تھی کہ متواتر افواہوں کی وجہ سے خالد قسریؒ نے اپنے اردگرد محافظ پھیلا دیئے۔ اس صورت حال کے پیش نظر مغیرہ نے خالد کا دل جیتنے کا فیصلہ کر لیا۔ حالانکہ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی وہاں درجنوں کے حساب سے غلام موجود تھے۔ مگر مغیرہ نے بھی ٹھان لی تھی کہ کسی طرح بھی وہ خالد کے دل میں ضرور گھر کرے گا۔

مغیرہ نے خالد کی حد درجہ خدمت گزاری شروع کی۔ جس کی وجہ سے خالد اس پر پہلے سے بھی زیادہ مہربان ہو گیا۔ ایک روز خالد جب خوشگوار اور مہربان نظر آ رہا تھا تو مغیرہ نے بڑے ہی ادب سے عرض کیا کہ "حضور والا ایک عرض کرنا چاہتا ہوں۔" خالد نے پوچھا "بولو کیا کہنا چاہتے ہو۔" مغیرہ نے کہا کہ "میں علم حاصل کر کے عالم دین بننا چاہتا ہوں۔" خالد نے حیرت سے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا "یہ اچانک عالم بننے کا شوق تمہیں کیوں پیدا ہو گیا۔ پہلے تو تم نے کبھی یہ بات نہیں کی تھی۔"

مغیرہ بھی ایک کائیاں شخص تھا کہنے لگا "میرے آقا! دراصل حصول علم کا شوق تو مجھے بچپن سے ہی تھا مگر میں ٹھہرا غلام۔ بھلا ایک غلام کس طرح علم حاصل کر سکتا تھا۔" خالد قسریؒ ایک رحم دل شخص تھا اس نے کہا "اچھا تو یہ بات ہے میری طرف سے تجھے حصول علم کی مکمل آزادی ہے اور اس سلسلہ میں اخراجات کی تم پرواہ مت کرنا یہ میری

Marfat.com

ذمہ داری ہوگی۔"

مغیرہ نے گلوگیر آواز میں کہا "مگر میں اس غلامی میں بھلا کس طرح علم حاصل کر سکتا ہوں۔ میں تو ہمہ وقت یہی سوچتا رہوں گا کہ میں تو ایک غلام ہوں۔" خالد اگرچہ اس کی بات کی تہہ تک پہنچ چکے تھے مگر پوچھا کہ "کھل کر بات کرو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" مغیرہ نے وہ بات کہہ دی جس کے لیے وہ مدتوں سے انتظار کر رہا تھا کہنے لگا "مجھے اگر اس غلامی سے آزادی نصیب ہو جائے تو میں آپ کو دکھاؤں گا کہ آپ کا غلام کتنا بڑا عالم دین بن گیا ہے۔"

خالد نے اس کو کہا کہ وہ کچھ عرصہ انتظار کرے وہ سوچ کر اسے بتلائے گا۔ اس کے چند روز بعد ہی خالد کو بنو امیہ کی خلافت کے خلاف برپا بغاوتوں کو کچلنے کے لیے کوفہ سے باہر جانا پڑا۔ یہ وقت بھی مغیرہ کے لیے نعمت ثابت ہوا۔ اس نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا تہیہ کر لیا۔ مغیرہ بہت جلد ایک عالم کے روپ میں نظر آنے لگا۔ اس کے انداز و اطوار بدل گئے تھے۔ اب وہ پہلے جیسا گنوار نہ تھا۔ بلکہ اب تو وہ بات بھی معقول انداز میں کرتا تھا۔

خالد کی واپسی جب ہوئی تو اس نے مغیرہ کو اس نئے روپ میں ہی دیکھا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مغیرہ تمام غلاموں کا ایک طرح سے ہیرو بن چکا تھا۔ اس نے مغیرہ کو طلب کیا اور اس کے ساتھ باتیں کیں۔ اسے یہ محسوس ہوا کہ مغیرہ تو بڑی صلاحیتوں کا حامل شخص ہے۔ خالد کو یہ بھی خوشی ہوئی کہ مغیرہ نے بہت جلد تعلیمی قابلیت پیدا کر لی تھی۔

خالد قسری نے اسی ملاقات کے دوران مغیرہ کی حد درجہ تعریف کی اور کہا کہ "اے مغیرہ! میں تجھے بخوشی آزاد کرتا ہوں۔ جا تو آج سے آزاد ہے۔" مغیرہ کی خوشی دیدنی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ناچنے لگتا۔ اس نے اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ غلامی کی صعوبتیں جھیلتے گزارا تھا۔ اب اس نے ایک ارادہ کیا کہ اسے امام بننا ہے۔ امام کے رتبہ سے تو درحقیقت خلفاء بنو امیہ بھی تھراتے تھے۔

یہ فیصلہ کر لینے کے بعد مغیرہ نے امام وقت حضرت امام باقر کی مجالس میں بیٹھنا اٹھنا شروع کر دیا۔ وہ کوشش کرتا کہ جتنا زیادہ ممکن ہو وہ امام موصوف کی خدمت

Marfat.com

اقدس میں حاضر رہے۔ اس دوران اس نے مجاہدے بھی کئے اور عبادت میں بھی کثرت کی۔ اس کا ارادہ امام بننے کا تھا۔ مگر اس کا حسب ونسب اس کے آڑے آتا تھا۔ وہ یہ بات بخوبی جانتا تھا کہ جونہی وہ یہ اعلان کرے گا چہار جانب سے اس کی مخالفت شروع ہو جائے گی۔

مغیرہ نے غور کیا تو اس کو یہ معلوم ہوا کہ لوگوں کو کرامات دکھا کر بہت ہی جلد مرعوب کیا جا سکتا ہے۔ لوگ اس شخص کو ولی مان لیتے تھے جس میں کرامات پائی جاتی تھیں۔ مگر چونکہ وہ ولی نہ تھا۔ بلکہ یہ اس کا ارادہ تھا کہ کسی طرح وہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے۔ چنانچہ اس نے اب ایسی کتابوں کی تلاش کی جن میں طلسمات، سحر اور جادو ٹونے کی تراکیب درج تھیں۔ اس نے ان کتابوں کا نہایت عرق ریزی کے ساتھ مطالعہ کیا اور چند عملیات پر بھی عبور حاصل کر لیا۔

چند ماہ کی مسلسل ریاضت سے مغیرہ اس قابل ہو گیا کہ اب وہ سادہ لوح افراد کو بڑی آسانی کے ساتھ بے وقوف بنا سکتا تھا۔ سادہ لوح اور توہم پرست افراد ہمیشہ سے ہی چالاک اور ماہر نفسیات قسم کے لوگوں کے آسان شکار ثابت ہوا کرتے ہیں۔ یہ لوگ عام سی باتوں کو بھی مافوق الفطرت باتیں خیال کر لیتے ہیں اور پھر یہ بھی بات اہم ہے کہ ایسے لوگوں میں جستجو کا مادہ موجود ہی نہیں ہوا کرتا

جب کچھ لوگ اس کے پاس آنا جانا شروع ہوئے تو اس نے ان کی آمدورفت سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اب ان لوگوں سے کہنا شروع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی طاقتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ ان کی مدد سے وہ مستقبل کا حال معلوم کر لیتا ہے۔ اور یہ بھی کہ اس کے پاس ایسی قوتیں بھی ہیں جن کی مدد سے وہ لوگوں کے دلوں کی باتیں بھی بڑی آسانی سے معلوم کر سکتا ہے۔

مغیرہ ایک سمجھ دار شخص تھا وہ یہ بات بخوبی جانتا تھا کہ اگر اس نے امامت کا دعویٰ کیا تو لوگ اس کے خاندانی پس منظر کا کھوج ضرور لگائیں گے پھر اس کے حسب و نسب کی بابت چھان بین بھی ضرور ہوگی۔ یہی وہ وقت ہوگا کہ اسے عام لوگوں میں ذلیل و رسوا ہونا پڑے گا۔

اس خیال کے پیش نظر اس نے لوگوں میں یہ تاثر پھیلانا شروع کر دیا کہ

Marfat.com

حضرت حسن مثنیٰ کے پوتے حضرت محمد بن عبد اللہ نفس ذکیہ امام ہیں۔ پہلے پہل تو اس نے امام موصوف کا ہی نام لیا مگر دھیرے دھیرے لوگوں کو یہ باور کرانا شروع کر دیا کہ وہ عارضی اور جزوی امام ہے۔ وہ لوگوں سے کہتا کہ تمہیں چاہئے کہ تم لوگ پہلے میری امامت پر ایمان لاؤ۔

ابتداء میں تو یہ باتیں لوگوں کے لیے بڑی ہی عجیب وغریب تھیں مگر وہ بہت جلد ہی اس کے شعبدوں سے متاثر ہونا شروع ہو گئے۔ ان شعبدوں کو ان نادانوں نے کرامات کا نام دینا شروع کر دیا۔ سادہ لوح اس کے چنگل میں بڑی آسانی کے ساتھ پھنستے چلے جا رہے تھے۔ اس کے پاس بہت سی رقم بھی موجود تھی جو اس نے خالد قسریٰ کی غلامی کے دور میں جمع کی تھی۔ وہ یہ رقم بڑی احتیاط کے ساتھ ان نادار لوگوں پر خرچ کر رہا تھا۔ وہی نادار لوگ اس کے صحیح معنوں میں معاونین بن گئے۔

ان لوگوں نے درحقیقت مغیرہ کے لیے بڑے بڑے اہم کام سرانجام دیئے۔ جب کہ انہیں اس کی حقیقت بھی معلوم نہ تھی۔ وہ لوگ شہر کے مختلف علاقوں میں جاتے اور وہاں سے معلومات سمیٹ کر مغیرہ کو آ کر بتلاتے۔ مغیرہ نے ان سب کو یہ تمام گر سکھلائے تھے۔ میغرہ ان معلومات کو بڑے اہم مواقع پر استعمال کرتا۔ چونکہ مغیرہ بہت زیادہ گھومتا پھرتا نہ تھا اس لیے جب وہ کچھ باتیں بتلاتا جو ان لوگوں کے ساتھ پیش آئی ہوئیں تو وہ لوگ اس کو بھی مغیرہ کی کرامت سے تعبیر کرتے۔

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ کوفہ کے بازار میں ایک مالدار تاجر کو لوٹ لیا گیا۔ تاجر کے غلاموں میں سے دو غلام بھی لوٹنے والوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے تھے۔ مغیرہ کے تربیت یافتہ لوگ بھی وہیں موجود تھے ان لوگوں نے قتل ہونے والے غلاموں کے نام اور لٹنے والے اسباب کی مکمل تفصیل بڑی ہوشیاری کے ساتھ مغیرہ تک پہنچا دی۔

مغیرہ کے لوگوں نے اس تاجر کے آگے مغیرہ کا نام بڑی عقیدت سے لیا اور اس کو یہ باور کروایا کہ اگر وہ مغیرہ کے پاس جائے تو اس کے نقصان کی تلافی ممکن ہو سکتی ہے۔ جب یہ تاجر پریشان حال مغیرہ تک پہنچا تو مغیرہ نے اسے دیکھتے ہی کہا کہ ”مجھے معلوم ہے کہ تیرے ساتھ کیا واقعہ پیش آ چکا ہے۔“

وہ تاجر حیرت کی تصویر دکھائی دینے لگا۔ وہ حیرانگی سے بولا ”جناب عالی!

Marfat.com

آپ کو کیا معلوم ہے کہ میرے ساتھ کیا کچھ ہو چکا ہے'' مغیرہ نے پر اسرار انداز میں کہنا شروع کیا'' ارے میاں جب تمہیں ڈاکو لوٹ رہے تھے تو میں بھی وہاں موجود تھا۔ مگر میں کسی کو نظر تو نہیں آ سکتا۔ میں تو روحانی طو پر وہاں موجود تھا۔ میں نے دیکھا کہ تمہارے غلاموں نے بہت ہمت کی مگر ان کا بس نہ چلا۔ اس جدو جہد میں تمہارے دو غلام بھی زندگی کی بازی ہار گئے۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟''

تاجر کی حیرت نے اب عقیدت مند کا روپ دھار لیا تھا۔ اس نے عقیدت سے بھرپور انداز میں کہا'' بلا شبہ سب کچھ اسی طرح ہی پیش آیا ہے۔ مگر حضور والا آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا۔'' تاجر کی یہ بات سن کر مغیرہ مسکرایا اور کہنے لگا کہ'' اگر تم کہو تو میں تمہارے مقتول غلاموں کے نام بھی تمہیں بتلا سکتا ہوں'' تاجر نے کہا کہ'' جی ہاں آپ بتلایئے کہ ان کا نام کیا ہے؟'' مغیرہ نے کچھ دیر سوچنے کی اداکاری کی اور پھر کہا کہ'' ان میں ایک غلام کا نام تو ربیع تھا اور دوسرے کا نام فضل تھا۔ تمہارے یہ دونوں غلام جوان تھے جبکہ بچ رہنے والے غلام ادھیڑ عمروں کے ہیں۔''

وہ تاجر یہ سن کر واقعی حیران ہوا۔ اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا کہ اچھا اب ان غلاموں کے نام بتلائیے جو زندہ بچ گئے ہیں۔ مغیرہ نے اس مرتبہ بلا تامل کہا کہ'' ان کے نام خالد، خلیل، بلال اور حارث ہیں'' تاجر نے اس کے بعد دریافت کیا اچھا آپ مجھے یہ بتلایئے کہ اس سانحہ میں میرا کس قدر نقصان ہوا ہے۔

مغیرہ کے آدمیوں نے یہ تمام تفصیل بھی اس کے گوش گذار کر دی تھی چنانچہ اس نے تاجر سے کہا کہ'' تیل کی مد میں تمہارا نقصان ایک ہزار دینار کے لگ بھگ ہوا۔ اناج کی صورت میں تین ہزار دینار اور کپڑے کی صورت میں چھ ہزار کا نقصان ہوا ہے جب کہ ڈاکو تمہاری ایک خوبصورت کنیز بھی لے گئے ہیں۔ جس کا نام مونسہ تھا۔''

تاجر کے خیال میں تو ان باتوں کا علم صرف تاجر کو ہی تھا۔ اب تاجر کی عقیدت مندی اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ اس نے فرط عقیدت سے لرزتے ہوئے کہا کہ'' یا حضرت میں آپ کے دست اقدس کو بوسہ دینا چاہتا ہوں'' مغیرہ بھی تو یہی چاہتا تھا اس نے جھٹ اپنا سیدھا ہاتھ اس کے آگے کر دیا۔ تاجر نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھام کر پہلے تو اپنی آنکھوں سے لگایا اور پھر چہرے پر پھیرنے لگا۔ اس کے بعد بوسہ

Marfat.com

دے کر اپنے سینہ پر لگایا۔ اس کے بعد اس نے عرض کیا "یا حضرت! کیا میں یہ پوچھنے کی گستاخی کر سکتا ہوں کہ یہ سب کچھ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

مغیرہ نے مسکراتے ہوئے کہا' ارے نادان! کیا تم یہ بھول گئے کہ میں نے کہا تھا کہ میں وہاں پر روحانی طور پر موجود تھا۔ پھر بھلا مجھے یہ سب کیسے معلوم نہ ہوتا۔" تاجر یہ سن کر کہنے لگا "اگر آپ چاہتے ہیں تو پھر میری مدد بھی کر سکتے تھے۔ آپ نے وہاں میری مدد کیوں نہ کی" یہ سوال واقعی معقول تھا۔ مگر مغیرہ تو اس سوال کے لیے بالکل تیار تھا کہنے لگا کہ "میں وہاں تمہاری مدد کو کس طرح آ سکتا تھا مجھے اس کی اجازت ہی نہیں۔ میں تو وہی کرتا ہوں جس کا حکم مجھ رب کی طرف سے ہوتا ہے۔"

تاجر یہ سن کر حیران ہی تو رہ گیا کہ اس کے غلاموں کے قتل اور کنیز کے اغوا کے ساتھ ساتھ اس کے مال و اسباب کے لٹنے میں رب نے مغیرہ کو مداخلت کی اجازت نہیں دی وگرنہ میرے ساتھ اتنا ظلم نہ ہوتا اور نہ ہی میرے غلام موت کے گھاٹ اترتے۔ نہ ہی کنیز اغوا ہوتی۔ اس کی سوچ کا اندازہ لگا کر مغیرہ نے کہا کہ "اے تاجر! تجھ سے حقوق العباد کی ادائیگی میں بہت زیادہ غفلت برتی گئی جس کی وجہ سے یہ دن دیکھنا پڑا۔"

مغیرہ کی یہ بات سن کر تاجر بے چارہ ہکا بکا رہ گیا کیونکہ درحقیقت وہ ایک نرم دل اور ملنسار شخص تھا اور وہ ہمیشہ دوسروں کے کام آتا تھا۔ کافی دیر تک وہ اس شش و پنج میں پڑا رہا پھر بولا "اے محترم انسان! میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مجھ سے کسی کو بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ مگر آپ بھی غلط نہیں کہہ سکتے یہ ہو سکتا ہے کہ بھولے سے میں کوئی غلطی کر بیٹھا ہوں جس کی مجھے یہ سزا ملی ہے۔"

اس کے بعد وہ کچھ دیر تک تو خاموش ہی بیٹھا رہا اور پھر بولا کہ "یا حضرت! جب آپ کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ میرے ہی کسی بدعمل کی سزا ہے تو پھر مجھے یہ بتلایئے کہ اس کی تلافی کیا ہے۔ مجھے حکم فرمایئے کہ میں کیا کروں۔" مغیرہ نے یہ سن کر اس کو کہا کہ "تم اچھی طرح یہ سوچو کہ تم نے کہاں غلطی کی ہے۔ جب تمہیں یہ یقین ہو جائے گا کہ تم نے کسی کے ساتھ زیادتی کی ہے تو پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے۔"

Marfat.com

تاجر نے بڑی ممنونیت سے کہا کہ آپ مجھے ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ رکھیں تاکہ میں آپ سے دانائی کی باتیں سیکھ لوں۔" مغیرہ نے اس کو ٹالتے ہوئے کہا "ارے میاں صاحب! یہ ضروری تو نہیں کہ تم میرے ساتھ رہ کر ہی دانائی کی باتیں سیکھو۔ تم خود سمجھ دار ہو جاؤ اپنا کام کاج کرو میری دعائیں یقیناً تمہارے ساتھ رہیں گی۔ چنانچہ وہ تاجر اس کے ساتھ اظہار ممنونیت کر کے چلا گیا۔

اسی قسم کے چند واقعات نے ہی مغیرہ کو اچھی خاصی شہرت دلا دی۔ اب مجبور اور توہم پرست لوگوں کا اس کے ہاں تانتا بندھا رہتا۔ یہ بات بہت حیرت انگیز تھی کہ جو ایک بار بھی اس کے پاس آتا مغیرہ اس کو دوسری ملاقات میں فوراً پہچان لیتا اور گزشتہ ملاقات میں ہونے والی گفتگو بھی دہرا دیتا۔ جس کی وجہ سے لوگ اس سے متاثر ہو جاتے۔ یہ قدرتی تحفہ تھا جو اسے عطا ہوا تھا۔

ان معمولی باتوں کو مغیرہ کے لوگ دیگر لوگوں میں خاصا بڑھا چڑھا کر پیش کرتے۔ اب اس کے پاس غلاموں اور عورتوں کی اکثریت آنا شروع ہوئی۔ مغیرہ دونوں طبقات سے ہی اپنے کام لیتا رہا۔ انہوں نے یہ مشہور کر دیا کہ مغیرہ تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ ان دونوں طبقات کی آمد کی وجہ سے مغیرہ کے پاس مال بھی اچھا خاصا جمع ہو گیا۔

انہی دنوں یہ ہوا کہ کوفہ شہر میں اس کو یہ معلوم ہوا کہ شہر میں ایک شخص کو اپنی دو بیگمات کے جھگڑے کی اطلاع ملی۔ مغیرہ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس جھگڑے میں دونوں خواتین نے بہت ہی عالیانہ قسم کی زبان استعمال کی۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس جھگڑے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ دونوں خواتین کو یہ خدشہ لاحق ہو چکا تھا کہ کہیں ان کا شوہر تیسری شادی نہ کر لے۔ انہیں یہ اطلاع ملی تھی کہ جیسے امیر موصوف بہت ہی جلد تیسری شادی کر رہا ہے۔ جھگڑے کی بنیادی وجہ یہی تھی۔

مغیرہ کی مخبر عورتوں نے اسے یہ اطلاع پہلے ہی پہنچا دی۔ یہ تو ظاہر ہی تھا کہ جھگڑے کی وجہ ان کے شوہر کی تیسری شادی بن رہی تھی مگر مغرہ کو اس کی مخبر عورتوں نے یہ اطلاع بھی پہنچائی تھی کہ ان دونوں میں سے ایک عورت ہی اپنے شوہر کو تیسری شادی پر اکسا رہی تھی۔ ہر روز مغیرہ کو تازہ خبریں حاصل ہو رہی تھیں اور وہ خود کو اس وقت کے لیے تیار کر رہا تھا جب اس کے پاس امیر زادہ یا اس کی بیویوں نے آنا تھا۔

Marfat.com

اسی جھگڑے کے مرکزی کردار یعنی امیر زادے کی جان پر بن آئی تھی اس کو کسی نے یہ کہہ کر حد درجہ خوفزدہ کر دیا تھا کہ یوں دکھائی دیتا ہے کہ جیسے دونوں بیویوں میں سے کوئی ایک اس کی جان کی کوشش بھی کر سکتی ہے اور اس مقصد کے لیے اسے زہر بھی دیا جا سکتا ہے۔ مگر چونکہ یہ بات محض قیاس آرائی ہی تھی اس لیے امیر زادہ اب اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی بیویوں کے دلوں میں کیا ہے۔ مغیرہ عجلی کے بارہ میں اس نے بھی کچھ تھوڑا بہت سن رکھا تھا۔

امیر زادہ نے اپنے ایک با اعتماد ساتھی کو ساتھ لیا اور مغیرہ کے پاس پہنچ گیا۔ مغیرہ تو کافی دنوں سے اس وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ دلی طور پر تو مغیرہ بہت مسرور ہوا مگر اس نے ظاہر نہ ہونے دیا۔ امیر زادہ اس کے پاس گومگو کی کیفیت میں بیٹھ گیا۔ اپنا تعارف کروانے کے بعد اس نے مغیرہ سے پوچھا "یا حضرت! میں نے یہ سنا ہے کہ آپ دلوں کے حال بتا دیتے ہیں۔ کیا یہ بات سچ ہے۔"

مغیرہ بھی کوئی عام آدمی نہ تھا اس نے ایک طویل عرصہ اس مقام تک پہنچنے کے لیے انتظار کیا تھا وہ اگرچہ اس امیر زادے کا انتظار کافی دنوں سے کر رہا تھا مگر اب وہ ایک طرح سے اس پر اپنا اثر جمانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے لہجہ میں درویشانہ انداز پیدا کیا اور یوں گویا ہوا "بات تو ایسی ہی ہے مگر میں لوگوں کے دلوں کے حال بس اسی قدر جان سکتا ہوں جس قدر اللہ کی رضا اور اجازت ہو۔ ورنہ میں تو بے بس ہوں۔"

امیر زادہ اس کے لب و لہجہ سے بے حد متاثر ہوا۔ کچھ دیر تک وہ بالکل خاموش بیٹھا رہا اور پھر اس نے مغیرہ سے بڑی ہی نیاز مندی سے کہا "یا حضرت! بات دراصل یہ ہے کہ میں ایک شادی شدہ شخص ہوں اور پہلے میں نے دو شادیاں کی ہیں۔ اب میں تیسری شادی کا ارادہ رکھتا ہوں۔ پریشان کن بات یہ ہے کہ میری ایک بیوی تو مجھے اجازت دے چکی ہے مگر دوسری بیوی نے تو میرے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ میں اس لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ براہ مہربانی آپ ذرا میری بیویوں کے دلوں کا حال تو بتلائیں کہ آخر ان کے دلوں میں کیا ہے اور کیا واقعی وہ مجھے نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ میں نے ایسا ہی سنا ہے۔

مغیرہ نے آنکھیں موندھ لیں اور تھوڑی دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا۔ کچھ دیر

Marfat.com

کے بعد اس نے سر اٹھایا اور آنکھیں کھول کر امیر زادے کو دیکھا۔ ''اے امیر زادے! میں روحانی طور پر ابھی تمہاری دونوں بیگمات کے دلوں کا حال ہی دیکھ رہا تھا۔ میں حیران ہوں کہ میں نے یہ دیکھا کہ تمہاری دونوں بیگمات کے دلوں پر تو گویا ایک پردہ سا حائل ہے۔ اسی وجہ سے میں یہ نہیں جان سکا کہ ان دونوں عورتوں کے دلوں میں کیا ہے۔ کیا آپ براہ مہربانی کل دوپہر کے وقت میرے پاس تشریف لا سکتے ہیں۔''

امیر زادہ اسی مقصد کے لیے تو حاضر ہوا تھا وہ بھلا اگلے دن کیوں نہ آتا اس نے بلا تامل مغیرہ سے کہا کہ'' حضور والا! کیوں نہیں میں کل ضرور آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر امیر زادہ تو خیر اپنے گھر چلا گیا مگر مغیرہ نے فوری طور پر اپنی مخبر عورتوں کو اس امیر زادے کے گھر کے آس پاس روانہ کر دیا تاکہ وہ مزید معلومات جمع کریں نیز یہ کہ وہ عورتیں اس امیر زادے کی دونوں بیگمات سے بھی فرداً فرداً ملیں اور ان کو مغیرہ سے ملنے کی ترغیب دیں۔

وہ دونوں عورتیں مخبر عورتوں کے چکر میں جلد ہی آ گئیں اور دونوں نے مغیرہ سے الگ الگ ملاقات کی۔ مغیرہ نے ان دونوں سے ملنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان میں سے ایک عورت کو اس امیر زادے کی جائداد اور مال و دولت کی فکر لاحق تھی کہ اگر اس نے تیسری شادی کر لی تو پھر وہ تیسری عورت بھی جائداد اور مال و دولت میں حصہ دار بن جائے گی۔ جب کہ دوسری عورت چونکہ اس عورت سے نفرت کرتی تھی اس لیے وہ چاہتی تھی کہ اس امیر زادے کی تیسری شادی کروا دی جائے اور یہ شادی وہ ایک بہت ہی خوبصورت عورت سے کروانا چاہتی تھی تاکہ اس کی وجہ سے پہلی عورت کو حسد میں مبتلا کیا جا سکے۔

اگلے روز وہ امیر زادہ حسب وعدہ مغیرہ کے ہاں پہنچا مگر اس کے غلاموں نے امیر زادے کو بڑی خوبصورتی سے ٹرخا دیا۔ وہ کئی روز تک مغیرہ کے ہاں چکر لگاتا رہا۔ آخر کئی روز کے بعد اس کی ملاقات مغیرہ کے ساتھ ہو ہی گئی۔ مغیرہ نے اسے دیکھ کر اس کو کہا کہ ارے میاں آپ کہاں تھے؟ اس نے بتایا کہ حضرت میں تو روزانہ ہی آتا رہا مگر آپ کے ساتھ ملاقات نہ ہو سکی۔ مغیرہ نے اس کو بتلایا کہ وہ ایک مصروف ترین شخصیت ہے اور اس کو روزانہ کئی کئی ملاقاتیں کرنا ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہی ہوا ہوگا کہ جب آپ

Marfat.com

آئے ہوں گے تو میں کسی سے ملاقات کے لیے کسی جگہ چلا گیا ہوں گا۔ اب آپ یہ تو جانتے ہی ہیں کہ مجھے ایسا کرنا ہی پڑتا ہے۔

مغیرہ کی یہ بات سن کر اس امیر زادے نے سکون کا سانس لیا اور اس کی تائید کی۔ کچھ دیر کے بعد اس نے بڑے ہی ادب سے سوال کیا کہ یا حضرت آپ نے میرے کام کا کیا کیا ہے؟ میری تو راتوں کی نیندیں اڑ چکی ہیں۔ مغیرہ نے کسی قدر لا پرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ" جب تم اس روز مجھ سے رخصت ہوئے تو کچھ دیر کے بعد مجھے اللہ نے تمام صورت حال کے بارہ میں آگاہ کر دیا تھا۔ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ تمہاری ایک بیوی دوسری کے حسن سے حسد کرتی ہے جس کی وجہ سے وہ چاہتی ہے کہ تم تیسری شادی کسی بہت ہی خوبصورت عورت کے ساتھ کرو تاکہ وہ اپنی سوتن کا غرور توڑ سکے۔ جبکہ تمہاری دوسری بیوی جو کہ حد درجہ خوبصورت ہے دراصل وہ یہ چاہتی ہے کہ تمہاری جائداد اور مال و دولت میں کوئی تیسری بیوی کسی بھی طرح حصہ دار نہ بن سکے۔

یہ بات سن کر وہ امیر زادہ تو ششدر ہی رہ گیا۔ اس نے حیرانگی سے پوچھا "یا حضرت! یہ تو بہت ہی خوفناک صورت حال ہے اس طرح تو مجھے اپنی دونوں بیویوں سے شدید خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔ آپ مجھے یہ فرمائیے کہ ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

مغیرہ نے کچھ دیر تو سوچتا رہا پھر بولا کہ ہو تو بہت کچھ سکتا ہے مگر تمہیں چاہیے کہ تم اپنی بیویوں سے بھی ذرا ہوشیار ہی رہا کرو۔ یہ مشورہ قبول کر کے وہ امیر زادہ وہاں سے اپنے گھر چلا گیا۔ چند روز کے بعد مغیرہ کو اس کے مخبروں نے یہ اطلاع دی کہ اس امیر زادے نے تیسری شادی کر لی ہے۔

اب ہوا یہ کہ خطرناک عزائم والی عورت نے چند غلاموں کو اس امیر زادے کو قتل کرنے کے لیے تیار کیا اور اس سلسلہ میں انہیں بہت بھاری رقم بھی دی۔ اس نے ان غلاموں کو یہ بھی لالچ دیا کہ کہ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو پھر اس کی جائداد اور مال و دولت میں سے انہیں بہت کچھ ملے گا۔ ان غلاموں کے اذہان پر بھی مغیرہ ہی کا اثر چھایا ہوا تھا۔ یہ غلام بھی مغیرہ کے پاس گئے اور اس کو تمام ماجرہ کہہ دیا۔

Marfat.com

مغیرہ نے اب خود کو امام وقت کہلوانا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ اس کے عقیدت مندوں کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی۔ مغیرہ آخر کار خود کو امام کہلوانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ مگر اب ہر طرف اسی کے چرچے تھے۔ یہ خبر کس طرح خالد قسری تک بھی پہنچ گئی۔ کہ اس کا آزاد کردہ غلام مغیرہ عجلی امام بن چکا ہے اور عنقریب نبوت کا دعویٰ بھی کرنے والا ہے۔ خالد نے یہ کہا کہ بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اہل بیت کے بزرگوں کی موجودگی مین کوئی دوسرا شخص یہ جرأت کرے۔ مگر اسے یہ بتایا گیا کہ یہ ہو چکا ہے اور وہ وقت دور نہیں ہے کہ جب مغیرہ نبوت کا دعویٰ بھی کر دے گا۔

مغیرہ نے پورے شہر میں اپنے مخبروں کا جال پھیلایا ہوا تھا جو اسے پل پل کی خبریں پہنچاتے تھے۔ اس نے بہت ہی سمجھ دار لوگ اپنے گھر کے اردگرد متعین کر رکھے تھے۔ جب اس سے ملاقات کرنے کے لیے کوئی آتا تھا تو اس کے غلام فوراً اس کے پاس حاضر ہوتے تو یہ لوگ خاموشی کے ساتھ مغیرہ کے پاس خفیہ راستہ سے آتے اور آنے والے کے متعلق مکمل معلومات فراہم کر دیتے۔ جب ملاقات کے لیے کوئی مغیرہ کے پاس آتا تو مغیرہ اس کو اس کے نام سے ہی پکارتا اور قبل اس کہ آنے والا مزید کوئی بات کرتا مغیرہ از خود اس کی پریشانی اس کو بتلا دیتا۔ یہ اس زمانہ میں ایک بہت بڑی کرامت خیال کی جاتی تھی۔

جب کسی مہمان کے ساتھ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو وہ اس کی بھی خوب تواضع وغیرہ کرتا تھا۔ یوں دونوں مہمان ہی اس کے چنگل میں پھنستے چلے جا رہے تھے۔ اسی اثناء میں ایک روز ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جس نے مغیرہ کو صاحب کرامت اور صاحب معجزہ بھی مشہور کر دیا۔ ہوا یوں کے صبح سویرے مغیرہ ایک قبرستان سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ ان قبروں میں سے ایسے چھوٹے چھوٹے پرندے نکل رہے ہیں جنہیں اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے دیکھا یہ ننھے ننھے پرندے جس تیزی کے ساتھ قبروں میں سے نکلتے تھے اسی تیزی کے ساتھ دوبارہ ان قبروں میں واپس گھس جاتے تھے۔

مغیرہ نے وہاں پر کافی وقت گزارا۔ اس نے اپنی آواز کو خاص لب و لہجہ میں جو استعمال کیا تو وہ پرندے نکلنا شروع ہو گئے اور کچھ دیر کے بعد دوبارہ انہی قبروں میں روپوش ہو گئے۔ کافی دنوں تک وہ اس قبرستان میں جاتا رہا اور ایک خاص انداز سے اس

Marfat.com

نے کچھ کلمات ادا کرنے شروع کر دیئے۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ یہ ننھے ننھے پرندے اس کی آواز کے زیر و بم سے مانوس ہوگئے ہیں تو اس نے اس کام کو بطور معجزہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔

ایک روز اس کے پاس جب کافی سارے لوگ موجود تھے تو اس کی ہدایت کے مطابق اس کے ایک خاص ارادت مند نے اس سے کہا کہ کیا وہ کوئی معجزہ بھی دکھلا سکتا ہے کہ نہیں۔ اس نے بلا تامل یہ بات کہی کہ یہ بھی کوئی بات ہے میں تو قبرستان میں ارواح کو بھی حاضر کر سکتا ہوں۔ مگر تمہیں کیا معلوم ہوگا کہ یہ روحیں ہی ہیں۔ ایک بات یاد رکھنا کہ روحیں کسی بھی روپ میں آ سکتی ہیں۔ وہ لوگ اس کی اس بات سے مطمئن ہوگئے۔ چنانچہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ اگلے روز روحیں حاضر کی جائیں گی۔

اگلے روز صبح سویرے ہی مغیرہ کے گھر لوگوں نے آنا شروع کر دیا۔ ہر شخص روحیں نکلتی ہوتی دیکھنے کا حد درجہ مشتاق تھا۔ جب کافی تعداد میں لوگ جمع ہوگئے تو مغیرہ گھر سے باہر نکلا اور ان کی معیت میں دھیرے دھیرے قبرستان کی طرف چلنے لگا۔ ابھی قبرستان کی حدود شروع نہیں ہوئی تھی کہ اس نے لوگوں سے کہا کہ وہ قبرستان میں بالکل آہستہ روئی اور دبے دبے قدموں کے ساتھ داخل ہوں مبادا روحیں پریشان نہ ہو جائیں۔

چنانچہ لوگوں نے اسی طرح قبرستان میں داخل ہونا شروع کیا۔ مغیرہ قبرستان میں ایک اونچی اور نمایاں جگہ پر ایستادہ ہوگیا اور لوگوں کو آتا ہوا دیکھتا رہا۔ جب سبھی لوگ قبرستان میں پھیل گئے تو مغیرہ نے ان سے کہا کہ ''اے لوگو! اپنا دھیان قبروں کی طرف رکھو کیونکہ روحیں قبروں سے ہی نکلیں گی۔ اور جب یہ نکلیں تو قطعاً شور و غل مت کرنا۔'' لوگ دم سادھے کھڑے تھے۔ اسی اثناء میں مغیرہ نے مخصوص کلمات اونچی آواز میں پڑھنا شروع کر دیئے۔ وہ سفلی علوم کا ماہر بن چکا تھا۔ اور ان الفاظ سے وہ پرندوں کو قبروں سے نکالنے کا عمل پہلے بھی کئی بار کر چکا تھا۔ اب لوگوں نے دیکھا کہ قبروں سے عجیب و غریب پرندوں نے نکلنا شروع کیا۔

یہ کوئی عام سے پرندے نہ تھے یہ ٹڈیاں تھیں۔ لوگوں نے یہی خیال کیا کہ روحوں نے اس طرح حاضر ہونا تھا۔ ابھی وہ کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ پرندے واپس

Marfat.com

قبروں میں جا چکے تھے۔ مغیرہ یہ دکھا کر فوری طور پر اپنے گھر کی طرف چل دیا اس کے پیچھے پیچھے ایک جم غفیر تھا جو اس کی اس کرامت یا معجزہ کی تعریفیں کر رہا تھا۔

اس کے بعد لا تعداد لوگوں نے مغیرہ کی امامت کو تسلیم کر لیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ مگر علماء نے اس کی کسی بات کو تسلیم نہ کیا اور اس کی شکایت خلیفہ ہشام بن عبدالملک سے کی کہ ہمارے درمیان ایک جھوٹا امام پیدا ہوا ہے یہ امام مغیرہ عجلی نام ہے جو کہ پہلے امیر کوفہ خالد قسریٰ کا غلام تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر اس فتنہ کو فوری طور پر روکا نہ گیا تو یہ فتنہ اسلام کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ نیز یہ بھی کہ انہوں نے خالد قسریٰ کے گوش گزار پہلے بھی کیا تھا مگر انہوں نے اس کا سد باب نہیں کیا چنانچہ اب یہ باقاعدہ ایک فتنہ بن چکا ہے۔

خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے یہ اطلاع اپنے درباریوں کو بھی دی اور ان سے مشورے کے بعد ایک خط کے ذریعے خالد قسریٰ کو ہدایت کی کہ اس فتنہ کا فوری سد باب کیا جائے۔ چنانچہ خالد قسریٰ نے پہلے تو اپنے طور پر مغیرہ کے متعلق معلومات اکٹھی کیں پھر مغیرہ کو طلب کر لیا۔

آج خالد قسریٰ کے دربار میں مغیرہ آزاد شخص کی حیثیت سے داخل ہو رہا تھا۔ ایک زمانہ تھا کہ جب وہ روزانہ یہاں ایک غلام کی حیثیت سے داخل ہوتا تھا۔ آج اس کو دربار تک چھوڑنے کے لیے لوگوں کا ہجوم آیا تھا۔ یہ دیکھ کر خالد قسریٰ نے اس کو مخاطب کر کے کہا کہ ”اے مغیرہ! تم نے یہ کیا چکر چلایا ہے۔“ مغیرہ نے سر جھکا کر جواب دیا ”یا امیر! میں کچھ سمجھا نہیں کہ آپ کون سے چکر کی بات فرما رہے ہیں۔“

خالد نے کہا ”میں نے یہ سنا ہے کہ تم نے امام ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے تم ایک غلام تھے۔ یہ اچانک کیسی تم نے قلا بازی لگائی ہے۔“ مغیرہ نے مودب لہجہ میں کہا۔ ”یا امیر! میں تو کسی سے نہیں کہتا کہ مجھے امام کہیں وہ تو خود ہی کہتے ہیں اس میں بھلا میرا قصور کیا ہوا۔“

خالد نے دوبارہ پوچھا۔ ”اے مغیرہ! سنا ہے کہ تم نے کرامات بھی دکھانی شروع کی ہیں اور یہ بھی کہتے ہو کہ تم لوگوں کے دلوں کا حال بھی جان جاتے ہو۔ یہ سب کیا ہے۔ میں نے تو تمہیں صرف حصول علم کے لیے آزاد کیا تھا مگر تم تو ایک فتنہ کھڑا

Marfat.com

کر رہے ہو۔" مغیرہ نے یہ بات سن کر کہا کہ "یا امیر! میں نے تو کبھی کسی سے نہیں کہا کہ آؤ تمہیں کرامت دکھاؤں لوگ اپنے طور پر اگر یہ کہیں تو اس میں بھی میرا کوئی قصور نہیں۔" اس کے بعد خالد نے مغیرہ کو گھر جانے کی اجازت دے دی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت نفس ذکیہؒ حکومت کے خلاف تحریک چلا رہے تھے۔ مغیرہ نے اب خود کو امامت سے تجاوز کرتے ہوئے نبی کہلوانا شروع کر دیا۔ اس نے اچانک ایک اعلان کیا کہ تم سب دیکھ لینا کہ آخر کار حکومت حضرت نفس ذکیہ کے قبضہ میں ہوگی۔ اس کے بعد پوری دنیا ان کے زیر نگیں ہوگی اور انہی کے خاندان میں قائم رہے گی۔ یہ اعلان ایک دھماکہ ثابت ہوا لوگوں کی ہمدردیاں اب اس کے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ ہوگئیں۔

وجہ یہ تھی کہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ حضرت نفس ذکیہ کی مقبولیت اور قوت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ ان کے خیال میں مغیرہ کی پیشن گوئی یقیناً سچ ثابت ہونے ہی والی تھی۔ مگر مغیرہ کی پیشن گوئی دمشق میں پہنچ چکی تھی۔ وہاں سے ایک فرمان خالد قسریؒ کے نام جاری ہوا کہ فوری طور پر اس فتنہ کا خاتمہ کیا جائے۔

خالد قسریؒ نے اب حکم جاری کیا کہ مغیرہ کو جلد از جلد گرفتار کیا جائے۔ مگر مغیرہ کو بھی یہ اطلاع مل چکی تھی وہ گرفتاری سے بچنے کے لیے روپوش ہوگیا۔ اس کے ارادت مند بھی اس کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ وہ تو اس پر اپنی جانیں نچھاور کرنا چاہتے تھے مگر ان کا نبی تو غائب ہو چکا تھا۔ اچانک انہوں نے یہ مشہور کر دیا کہ ان کا نبی ایک روز اس شان سے ظاہر ہوگا کہ سبھی اس کی نبوت کو تسلیم کر لیں گے۔

مغیرہ نے اب اپنی تبلیغ کو پوشیدہ طریقہ سے جاری رکھا تھا۔ چونکہ مغیرہ گرفتار نہیں ہو سکا تھا۔ چنانچہ اس کے بہت سے پیروکار گرفتار کر لیے گئے تھے۔ مغیرہ نے سرحدی علاقوں میں خاص کامیابی حاصل کی تھی۔ خالد قسریؒ پر خلیفہ کا دباؤ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اب خالد بھی بڑی تندہی کے ساتھ اس کی تلاش میں مصروف ہوا۔

خالد کے سپاہیوں کو آخر کار یہ اطلاع ملی کہ مغیرہ ایک سرحدی بستی میں موجود ہے اور وہاں سے فرار ہو کر ایران کی کسی مصروف آبادی یا شہر میں پہنچنا چاہتا ہے۔ اب اس کو گرفتار کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ مغیرہ کو اس وقت گرفتار کر لیا گیا جب وہ ایک اونٹ پر

Marfat.com

سامان کے درمیان چھپ کر فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ مغیرہ اور اس کے چند قریبی ساتھیوں کو رسیوں سے باندھ کر اونٹوں پر سوار کر کے کوفہ لایا گیا۔

مغیرہ کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا جہاں اس کے ارادت مند اس سے ملاقات کرتے اور پوچھتے کہ ان حالات میں انہیں کیا کرنا چاہیے۔ مغیرہ انہیں کہتا کہ اپنی بے عزتی نہ کروانا اور اپنے عقائد پر ہی قائم رہنا۔ میری رہائی اب تقریباً ناممکن ہے۔ میں خالد قسریٰ سے درخواست کروں گا اگرچہ مجھے امید ہے کہ وہ مجھے چھوڑے گا نہیں۔" مغیرہ کو اپنے انجام سے زیادہ اس بات کی خوشی تھی کہ اس کے پیرو اس کے ساتھ بے حد محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ مغیرہ کے اکثر پیروکار یہ کہتے سنائی دیتے تھے کہ وہ اپنے نبی پر اپنی جان بخوشی قربان کر سکتے ہیں۔

مغیرہ کو قید میں کئی روز گزر چکے تھے کہ اچانک ایک روز خالد قسریٰ قید خانے میں آئے اور انہوں نے مغیرہ کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے مغیرہ! یہ تو بتاؤ کہ تمہارا یہ طریقہ کار کیا درست تھا اور کیا تمہیں اپنے کیے پر ندامت اور پچھتاوا نہیں۔"

خالد کے اس سوال پر مغیرہ نے پُرسکون انداز میں جواب دیا "یا امیر! میں جو بھی کچھ ہوں وہ میں اپنی مرضی سے تو نہیں بنا ہوں۔ میں تو صرف اپنی ذمہ داری پوری کر رہا ہوں۔" خالد نے پوچھا "یہ تو بتاؤ کہ کیا تم نے امامت کا دعویٰ بھی کیا تھا۔"

مغیرہ نے پر اعتماد انداز میں کہنا شروع کیا " میں امام تھا اور امام ہوں۔ میں تو اس وقت بھی امام ہی تھا جب آپ کا غلام تھا مگر مجھے اپنی امامت ظاہر کرنے کا حکم نہیں تھا یہ میری امامت ہی کی صداقت تھی کہ آپ نے مجھے بخوشی آزاد کر دیا تھا۔ وگرنہ دوسرے غلام تو ابھی تک آپ کے پاس موجود ہیں۔"

خالد اس کی اس بات سے حیران رہ گئے کہ کہاں تو وہ وقت تھا کہ مغیرہ دن رات اس کے پاؤں پکڑ پکڑ کر آزادی کی التجائیں کیا کرتا تھا اور اس کی حد درجہ التجاؤں ہی کی وجہ سے اسے آزادی دی گئی تھی۔ خالد قسریٰ نے اس کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "اے مغیرہ! بات اگر امامت تک رہتی تو پھر بھی اگرچہ غلط ہی تھا مگر تم نے تو نبوت کا بھی دعویٰ بھی کر ڈالا ہے۔ اگرچہ تم ایسے کمتر شخص ہو اور نبوت کے اہل بھی نہیں ہو۔"

مغیرہ نے اب اپنا لہجہ تبدیل کر لیا اور خالد سے نہایت گستاخی سے کہا کہ "

Marfat.com

اے خالد! کیا تم جانتے ہوں کہ کس کو امام بننا چاہیے یا کسی کو نبی بننا چاہیے۔ سن لو کہ یہ اللہ کے فیصلے ہیں'' خالد نے اس کے اس انداز گفتگو کو پسند نہیں کیا اور اسے کہا کہ ''تم یہ بتلاؤ کہ کیا تم اب بھی خود کو امام ہی سمجھتے ہو۔ یہ بھی بتاؤ کہ کیا تم خود کو نبی بھی سمجھتے ہو کہ نہیں۔''

مغیرہ نے کہا'' اے خالد! ایسا کرو کہ میرے پاس کاغذ اور قلم لے آؤ تا کہ میں تمہیں یہ سب کچھ لکھ دوں تا کہ تم بار بار سوال مت کرو۔''

خالد نے اس کو کہا کہ یہ بتاؤ کہ کیا تم اب بھی خود کو امام سمجھتے ہو؟

مغیرہ: ہاں امام ہوں۔

خالد: کیا تم نبوت کا دعوئی کرتے ہو؟

مغیرہ: ہاں نبی بھی ہوں (یہ جواب اس غلام کا تھا جو کل تک خالد کی خوشنودی کی خاطر اپنی جان تک نثار کرنے کے لیے فخر خیال کرتا تھا مگر اب وہی غلام نا صرف اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کر رہا تھا بلکہ امامت اور نبوت کا بھی دعویدار تھا۔)

خالد نے اس قسم کے سوالات اس کے پیروکاروں سے بھی کیے جنہوں نے یہی جوابات دیئے کہ وہ مغیرہ کو ناصرف امام بلکہ نبی بھی تسلیم کرتے ہیں۔ خالد نے ان سے کہا کہ کیا تم یہ جانتے ہو کہ تم لوگوں نے مغیرہ کے ساتھ مل کر جو گناہ کیا ہے اس کی سب سے کم سزا بھی موت ہے تو انہوں نے کہا کہ وہ بڑی خوشی کے ساتھ موت کا استقبال کریں گے۔

اس گفتگو کے بعد مغیرہ اور اس کے چند بااعتماد ساتھیوں کو ایک مرتبہ پھر قید خانہ میں بھیج دیا گیا۔ جہاں اس کے پیرو اس سے سوال کرتے کہ اب ہمارا کیا بنے گا تو مغیرہ انہیں جھوٹی تسلیاں دے کر بہلاتا رہتا حالانکہ وہ یہ بات تو سمجھ ہی چکا تھا کہ اب حکومت اس کی جان بخشی کرے گی نہیں۔

مغیرہ کا ایک ساتھی ایک روز اس سے کہنے لگا'' امام محترم! مجھے تو خالد قسریٰ کے خیالات آپ کے اور ہمارے لیے کچھ اچھے دکھائی نہیں دے رہے۔ مجھے تو یوں دکھائی دیتا ہے کہ جیسے وہ حقیقت میں ہم سب کے خون کا پیاسا ہے۔'' مغیرہ نے پر اعتماد انداز میں کہا'' اس بات کی تم لوگ بالکل فکر مت کرو کیونکہ خالد قسریٰ کے بہت سے

Marfat.com

امیر میرے ہم خیال ہیں۔ وہ اگر یہ دیکھیں گے کہ خالد اب ہمارے قتل کے در پے ہوگیا ہے تو وہ اس کا خاتمہ کر کے ہمیں رہائی دلا دیں گے۔''

اس کے ساتھی اس کی باتوں سے مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ وہ جب پوچھتے جناب اگر آپ کو کچھ ہو جاتا ہے تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔'' مغیرہ کہتا ہے کہ'' تم لوگ وہی کچھ کرنا جس کے تمہیں حالات اجازت دیں اور جہاں تک ممکن ہو میرے قتل کے مجرموں کو اپنے انتقام سے شرمندہ کرنا۔

مغیرہ کے بعض پیروکار تو یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ مغیرہ کو اور ان سب کو یقیناً ایک روز رہائی نصیب ہوگی، مگر اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہیں یہ یقین تھا کہ مغیرہ کے ساتھ ساتھ وہ بھی مارے جائیں گے۔ مگر اس کے باوجود وہ لوگ اس کے حد درجہ وفادار ساتھی ہی دکھائی دیتے تھے۔ باوجود موت کے یقین انہوں نے مایوسی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ یہ بدستور مغیرہ کو اپنی جانثاری اور وفا شعاری کا یقین دلاتے رہتے تھے۔

یہ سب کچھ تو اپنی جگہ مگر خالد قسریؒ نے بارہا اپنے معتمد لوگ مغیرہ کی طرف روانہ کئے تھے جنہوں نے مغیرہ سے آ کر کہا تھا کہ'' خالد قسریؒ کا تمہیں یہ مشورہ ہے کہ تم اپنے جھوٹے دعوؤں سے تائب ہو جاؤ تاکہ تمہاری جان بھی بچ جائے اور اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف فرما دے۔'' خالد قسریؒ نے تو یہ پیغامات نیک نیتی اور خلوص نیت سے بھجوائے تھے مگر مغیرہ اور اس کے قریبی ساتھیوں نے ان پیغامات کے غلط مطلب اخذ کیے۔

مغیرہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھا تم لوگوں نے اب خالد کوئی بہانہ تلاش کر رہا ہے کہ اس طرح وہ ہم لوگوں سے اپنی جان چھڑا لے۔ اگر ہم لوگ جھوٹ بھی بول دیں تو وہ ہمیں ضرور قید سے رہا کر دے گا مگر ہم بھلا ایسا کریں گے ہی کیوں۔ ہم اس کی کسی چال میں کبھی نہیں آئیں گے۔ اسی زعم میں مغیرہ نے خالد کے پر خلوص پیغامات کے جواب میں کہلوایا کہ'' اے امیر کوفہ! جس کو اللہ تعالیٰ امام اور پھر نبی مقرر کرے وہ بھلا تم جیسے حقیر شخص کے کہنے پر کیونکہ اس بات سے انکار کر سکتا ہے۔ اور جو تم نے تائب ہونے کی بات کی ہے تو اے بے وقوف شخص میں بھلا کیوں تائب ہونے کا اعلان کروں گا تائب تو وہ ہوتا ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہو۔ کیا کبھی

Marfat.com

کسی امام یا نبی نے بھی تائب ہونے کا اعلان کیا ہے۔ یاد رکھنا کہ میرے یہ دعوے جھوٹے نہیں بلکہ سچے ہیں۔

ابھی بھی سوال و جواب چل رہے تھے کہ دارالحکومت دمشق سے خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے بڑی سختی سے خالد سے ایک خط کے ذریعہ پوچھا کہ "ابھی تک ہمیں یہ معلوم نہیں ہو پایا کہ تم نے امامت اور نبوت کے جھوٹے دعویدار کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔ ابھی تک تو ہمیں صرف یہی معلوم ہو پایا ہے کہ تم نے اسے اس کے چند ساتھیوں سمیت گرفتار کیا ہے۔ کیا تم نے ابھی تک انہیں قید خانوں میں رکھا ہوا ہے۔ جلد از جلد یہ بتاؤ کہ ان کا انجام کیا ہوا۔"

خالد قسریٰ اگرچہ ایک اہم ترین شخصیت تھا مگر اس قدر سخت مضمون کے خط کا جواب بھی دینا از حد ضروری تھا چنانچہ خالد نے جواب میں تحریر کیا کہ "ابھی تک میں یہ کوشش کر رہا ہوں کہ مغیرہ اپنے ساتھیوں سمیت جھوٹے دعوؤں سے کسی طرح باز آ جائے۔ میں نے ان لوگوں کی طرف بار ہا یہ پیغام بھی بھجوایا ہے مگر ابھی تک کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ میں نے مغیرہ کو اس کے چھ خاص آدمیوں سمیت گرفتار کیا تھا۔ میرا یہ خیال ہے کہ قید میں ان لوگوں کے دماغ ضرور ٹھکانے آ جائیں گے اور وہ اس جھوٹے امام اور نبی کی حمایت سے باز آ جائیں۔

اسی طرح میرا یہ بھی خیال ہے کہ شاید قید و بند کی صعوبتیں مغیرہ کو بھی درست کر دے اور وہ اپنے جھوٹے دعوؤں سے تائب ہو جائے۔ اگر مغیرہ تائب ہوتا ہے تو بے شمار بھٹکے ہوئے مسلمان راہ راست پر آ جائیں گے اگر ہمیں اس میں کامیابی حاصل ہوتی ہے تو یقیناً ہمارا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور پسند کیا جائے گا۔"

یہ جواب تحریر کروانے کے بعد خالد نے مغیرہ اور اس کے ساتھیوں کو اپنے دربار میں طلب کیا جہاں اس نے مغیرہ کو کہا "اے مغیرہ! اگر تم نے دینی علوم پر دسترس حاصل کی ہے تو تمہیں یہ بھی یقیناً علم ہو گیا ہوگا کہ نبی کبھی بھی کمتر حسب و نسب والا نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی تمہیں ضرور علم ہوگا کہ کسی غلام کو نبوت نہیں مل سکتی۔ تم نے پھر بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے اگرچہ تم ایک طویل عرصہ میرے غلام رہ چکے ہو اور تمہاری رات دن کی منت سماجت کے بعد ہی میں نے تمہیں غلامی سے آزاد کیا تھا۔ مگر تم نے تو آزادی حصول علم

Marfat.com

کے لیے حاصل کی تھی۔

میں نے تو تم پر احسان کیا تھا اور تم نے اس احسان کا یہ بدلہ دیا ہے کہ مجھے ہر جگہ بدنام کر کے رکھ دیا ہے۔ لوگ یہی کہتے ہیں کہ خالد کے غلام مغیرہ نے یہ جھوٹے دعوے کئے ہیں۔ کیا احسانوں کا بدلہ اسی طرح دیا جاتا ہے تم نے ایک عرصہ میری خدمت گزاری کی ہے اس لیے میں نے ابھی تک تمہیں زندہ رکھا ہوا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم اب بھی تائب ہونے کا اعلان کر دو تا کہ تمہاری جان بخشی کی جائے۔''

مغیرہ نے خالد کی تمام تر باتیں تحمل کے ساتھ سنیں اور گردن ہلاتا رہا مگر منہ سے بولا کچھ نہیں۔ خالد نے اس کی خاموشی دیکھتے ہوئے حکم دیا کہ تشدد کرنے والوں کو اندر بلایا جائے۔ کچھ ہی دیر میں تشدد کرنے والے بھی وہاں آن موجود ہوئے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں میں چمڑے کے کوڑے تھامے ہوئے تھے اور یہ مضبوط جسموں کے لوگ تھے۔

مغیرہ کے ایک قریبی ساتھی سلمان پر ان کی ہیبت چھا گئی اس نے چیختے ہوئے خالد سے کہا ''اے امیر! مجھے اللہ کے لیے معاف کر دیجئے۔ میں صدق دل سے توبہ کرتا ہوں۔ میں آپ کے سامنے اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ مغیرہ دروغ گو ہے۔ یہ نہ تو امام ہے اور نہ ہی نبی۔ یہ تو گم کردہ راہ شخص ہے اور ہمیں بھی اس نے بھٹکا دیا تھا۔ مجھے اس کے چنگل سے نکالا جائے۔''

مغیرہ کے لیے یہ بات بہت غیر متوقع تھی۔ وہ چلا چلا کر سلمان کو بددعائیں دینے لگا۔ وہ سلمان کو کہتا رہا کہ اس نے اپنی جان کے خوف سے اپنا ایمان ضائع کر دیا۔ مگر اس کی چیخ و پکار کے باوجود اس کے ساتھی نے اس کی مخالفت نہ کی۔ جب کہ دوسرے پانچ اس کے ساتھی اس پر نفرتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر تک خالد نے یہ دیکھا کہ شاید اور بھی کوئی تائب ہو جائے مگر کسی نے بھی اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا۔

خالد نے اب حکم دیا کہ مغیرہ اور اس کے ساتھیوں کی مشکیں کس دی جائیں۔ جب مشکیں کس دی گئیں تو ان پانچ لوگوں پر کوڑے برسانے کا حکم دیا گیا۔ تھوڑے ہی تشدد کے بعد ان میں سے دو نے تائب ہونا قبول کر لیا۔ اس کے بعد تین باقی رہ گئے۔ ا تینوں کو مغیرہ کے ساتھ ہی دوبارہ قید خانہ بھیج دیا گیا اور تینوں توبہ قبول کرنے والوں کو خالد نے اپنے ساتھ آنے کا حکم دیا۔

Marfat.com

قید خانہ میں پہنچ کر ان تینوں نے مغیرہ سے کہا کہ " آپ ہمیں یہ بتلائے کہ کیا آپ سچے نبی ہیں اگر آپ سچے نبی ہیں تو ابھی تک آپ کی مدد اللہ نے کیوں نہیں کی۔" مغیرہ نے ان کی یہ باتیں پہلی مرتبہ سنیں تھیں۔ وہ متحیر ہو کر بولا۔ "یہ تم لوگ کیسی باتیں کرتے ہو۔ تم نے اس قسم کی باتیں تو میرے ساتھ پہلے کبھی نہیں کی تھیں۔ کیا تم بھی دین سے پھرنا چاہتے ہو جس طرح سلمان اور ان تینوں نے اپنا دین ضائع کر دیا ہے۔"

مغیرہ کا جواب سن کر تینوں میں سے ایک شخص نے اپنے بدن میں شدید درد کو برداشت کرتے ہوئے کہا "نہیں جناب عالی! یہ بات نہیں ہے اگر ہم نے پھرنا ہی ہوتا تو پھر بھلا ہم اتنی مار ہی کیوں کھاتے۔ ہم تو صرف یہ عرض کر رہے ہیں کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرر کردہ امام اور نبی کو بری طرح مار کھاتے ہوئے دیکھے اور اس کی کس طرح بھی مدد نہ کرے۔"

اس کی بات تو معقول تھی مگر مغیرہ نے جواب میں یہ کہا۔ " ہاں ضرور اس کی مدد ہمیں حاصل ہو گئی یہ تو ہم لوگوں کی آزمائش ہے یقیناً اللہ کبھی ظالموں کو معاف نہیں کرتے۔" اس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ شدید ترین مار پیٹ نے اس کے ان تینوں ساتھیوں کو حوصلے توڑ دیئے تھے۔ اس نے تینوں کو نصیحتیں کیں اور ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتا رہا۔

اس کی نصیحت آموز باتوں نے ان کو مطمئن نہ کیا بلکہ دوسرے دونوں بھی پہلے کے ہمنوا بن گئے اور کہنے لگے جناب عالی! اب آپ کو یہ ثابت کرنا ہے کہ آپ اللہ کے مقرر کردہ ہیں۔ اگر ہم اسی طرح بے بسی کے ساتھ پٹتے رہے تو پھر بھلا آپ کی سچائی کہاں کی اور آپ کی نبوت کہاں کی۔

ان کی یہ باتیں سن کر گویا مغیرہ اپنے اوسان کھو بیٹھا اور بری طرح چلانے لگا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے جسمانی مار پیٹ نے اسے اس قدر تکلیف نہیں پہنچائی جس قدر ان کی باتیں اس کو تکلیف دے رہی ہیں۔ اس نے نہایت بسی کے ساتھ کہا " مجھے تو تم لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی طرح دکھائی دے رہے ہو۔ جنہوں نے ان کا آخری وقت پر ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ مگر میں بھی اپنی بات پر آخری وقت تک قائم رہوں گا۔ موت تو سبھی کو آنی ضرور ہے۔ موت سے ڈر کر اپنے اصولوں کو قربان کرنا پرلے درجہ کی

Marfat.com

بزدلی ہے۔"

یہ تینوں بھی اس مغیرہ سے متنفر ہو چکے تھے۔ ایک کہنے لگا کہ مغیرہ کی بے بسی دیکھ کر تو یہ نہیں لگتا کہ یہ امام یا نبی ہے۔" دوسرے نے کہا "اگر ہم تائب نہیں ہوتے اور پھر ہم پر اللہ عذاب نازل کرتا ہے تو پھر ہم کہاں جائیں گے۔ پھر تو ہمیں مغیرہ بھی نہیں بچائے گا۔"

اس رات صبح تک یہ لوگ یہی باتیں کرتے رہے اور انہوں نے خود کو مغیرہ سے بالکل الگ تھلگ رکھا۔ مگر محض چند دنوں کے بعد ہی اس قید خانہ میں مغیرہ اکیلا ہی رہ گیا تھا اور وہ تینوں خالد کے سامنے تائب ہو کر آزاد ہو چکے تھے۔ اس کے جب تمام ساتھی اس کو چھوڑ کر چلے گئے تو خالد نے اپنا ایک خاص آدمی اس کے پاس بھیجا۔ جس نے اس کو سمجھایا کہ "اے مغیرہ! تمہارے تمام ساتھی تو تمہارا ساتھ چھوڑ کر آزادی کی نعمت حاصل کر چکے ہیں تم بھی ایسا ہی کیوں نہیں کرتے۔ اب بھی وقت ہے کہ تائب ہو جاؤ ورنہ بہت بری موت مارے جاؤ گے۔"

مغیرہ جانتا تھا کہ اب اگر وہ تائب ہو بھی جائے تو بھی اس کا زندہ رہنا محال ہوگا۔ اس کو اس کے ارادت مند ہی مار ڈالیں گے۔ اس نے جواب دیا "اے اچھے آدمی! تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ میں احکامات الٰہی کی کس طرح خلاف ورزی کر سکتا ہوں۔ میں اگر ایسا کچھ کروں گا تو اللہ تعالیٰ کو میں کیا جواب دوں گا۔"

یہ جواب جب خالد قسری کو ملا تو خالد نے افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ "یقیناً مغیرہ بہت بڑی غلطی کر رہا ہے۔ میں اس کو ایسی عبرت ناک موت سے دوچار کروں گا جو اس سے پہلے کسی کو کسی نہ دی ہو۔"

خالد قسری نے اب مغیرہ کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا تھا تاکہ اس کے پیروکاروں کو عبرت حاصل ہو سکے۔ چند روز کے بعد اس نے اعلان کروا دیا کہ لوگ میدان میں جمع ہو جائیں۔ یہاں مغیرہ کو بھی لایا گیا۔ خالد کے ساتھ مغیرہ کے چھ منحرف ساتھی بھی موجود تھے۔ خالد نے مغیرہ کو اس مرتبہ بھی بڑی نرمی سے سمجھایا کہ وہ اب بھی اپنے افکار و خیالات سے اگر تائب ہو جائے تو اس کی خلاصی ہو جائے گی۔

خالد کی یہ بات مغیرہ کو راضی نہ کر سکی اور اس نے کہا کہ میں خود تو نہیں امام

Marfat.com

اور نبی بنا ہوں۔ مجھے یہ مقام اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ اب صورت حال یقیناً مغیرہ کے حق میں نہ تھی۔ خالد نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہاں پر موجود سرکنڈوں کو اکٹھا کر کے ان کے چند گٹھے بنا لیے جائیں۔

جب یہ گٹھے بن گئے تو خالد نے مغیرہ کو حکم دیا کہ وہ ایک گٹھا پکڑے اور اپنے سینے کے ساتھ لگا لے۔ سرکنڈوں کے چھوٹے بڑے گٹھے مغیرہ کے چاروں طرف رکھ دیئے گئے۔ مگر اس سے پہلے اس کے ہاتھ پاؤں مضبوطی سے باندھے جا چکے تھے۔ اب چند سپاہیوں نے چربی ان سرکنڈوں پر ڈال دی۔

چربی ڈالنے کے بعد خالد نے حکم دیا کہ ان سرکنڈوں کو آگ لگا دی جائے۔ یہ حکم سنتے ہی مغیرہ نے بری طرح چلانا شروع کر دیا کہ اے خالد! یہ قطعاً غیر اسلامی اور غیر اخلاقی سزا ہے۔ اے خالد! باز آ جا۔ مگر اتنی دیر میں سرکنڈوں کو آگ دکھائی جا چکی تھی۔ بہت ہی جلد مغیرہ کے چاروں طرف آگ ہی آگ تھی۔ مغیرہ نے اس موقع پر بھی اپنی نبوت کا دعویٰ کیا۔ سلمان اور اس کے چھ ساتھی بھی وہاں دیگر تماشائیوں کے ساتھ موجود تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے سرکنڈوں نے آگ پکڑ لی۔ تماشائی اس کو جلتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ یہ ایک متکبر شخص کی اس غلطی کی سزا تھی جو اس کو تمام زندگی لاحق رہی۔ یہ اس شخص کا عبرت ناک انجام تھا جس نے غلامی سے نجات حاصل کی اور ذلالت مول لی۔

چند علمائے کرام نے خالد قسریٰ سے ملاقات کی اور کہا کہ خالد نے مغیرہ کو غیر اسلامی سزا کیوں دی۔ خالد نے ان لوگوں سے پوچھا کہ ''میرے بھائیو! یہ تو مجھے بتلاؤ کہ جو دعوے مغیرہ نے کئے تھے۔ کیا وہ سب عین اسلامی تھے؟ خالد کی اس بات نے ان علمائے کرام کو خاموش کر دیا۔

اس طرح ایک اور توہین رسالت کا مرتکب اپنے انجام آخر (جہنم) کو پہنچ گیا۔

لعنت اللہ علی الکاذبین

☆......☆......☆

Marfat.com

Marfat.com

اسحاق اخرس

اموی خلافت کا سورج غروب ہو چکا تھا اور خلافت بنو عباس قائم ہو چکی تھی مگر ابھی اس میں استحکام پیدا نہیں ہوا تھا۔ یہ 135ھ بمطابق 752ء کا دور تھا۔ خلافت عباسیہ کا پہلا حکمران ایک ظالم و جابر شخص تھا جس کو اس کی شقاوت قلبی کی وجہ سے سفاح کہہ کر تاریخ میں یاد کیا جاتا ہے۔ اس کا نام ابو جعفر منصور تھا مگر اس کو تاریخ میں منصور سفاح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

خلافت عباسیہ دراصل اہل بیت نبوی ﷺ کی حمایت و اعانت کی وجہ سے ہی قائم ہوئی تھی۔ عباسی ارباب اقتدار یہ تو جانتے ہی تھے کہ یہ اقتدار انہیں سادات اہل بیت کی ہی وجہ سے حاصل ہوا تھا۔ اس لئیے انہوں نے سب سے پہلے سادات اہل بیت ہی کو تباہ و برباد کرنا شروع کیا۔ عام طور پر لوگوں کو یہی معلوم ہے کہ خلافت عباسیہ کے پہلے خلیفہ یعنی ابو جعفر منصور سفاح نے صرف امویوں کو ہی بے تحاشا قتل کیا تھا۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس نے سادات کو بھی تباہ برباد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

نبوت کا یہ داعی اسی دور میں سن شعور تک پہنچا تھا۔ اگرچہ خلافت عباسیہ کی ابتداء نہایت خونریز تھی مگر اس دور میں بھی علمائے حق اور بزرگان دین نے علم پھیلانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتی تھی۔ فقہ کی تدوین بھی اس دور میں ہوئی تھی یعنی اس دور میں امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ نے لازوال فقہ کی تدوین فرمائی تھی۔ اسحاق اخرس نے بھی اس دور میں حصول علم کی کوششیں شروع کیں تھیں۔

Marfat.com

اسحاق اخرس شمالی افریقہ کے ایک ملک الجزائر میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ ایک سیدھا سادھا مسلمان تھا اور بکریاں پال کر گزر اوقات کیا کرتا تھا۔ اسحاق اخرس نے نوجوانی میں ہی کلام پاک حفظ کیا اور اس کے بعد اس نے دیگر تینوں الہامی کتابوں کا مطالعہ بڑی ہی عرق ریزی سے کیا۔ اس نے بہت پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ اس نے کرنا کیا ہے۔

حصول علم کے بعد اب اسحاق اخرس نے مختلف شہروں کی سیاحت شروع کی۔ اس نے بہت سی زبانیں بھی سیکھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جس علاقہ میں جاتا وہاں کے لوگوں میں رچ بس جاتا۔ خصوصیت کیساتھ اس نے ظہور مہدی کے بارے روایات کا مطالعہ کیا اور علمائے کرام سے بھی اس سلسلہ میں تبادلہ خیال کیا۔ اس نے ان جھوٹے مدعیان کے بارہ میں بھی مکمل معلومات حاصل کیں کہ وہ کیوں اور کس طرح ناکام ہوئے تھے۔

اسحاق اخرس کی یاداشت قدرتی طور پر بہت اعلیٰ تھی اور یہ بات بھی مسلم تھی کہ اس کو دوسروں کو قائل کرنا کا فن قدرت نے ودیعت فرمایا تھا۔ اس کی باتوں میں ایسا سحر تھا کہ لوگ خود بخود اس کے ہمنوا بن جاتے۔

اسحاق اخرس نے حصول علم کے بعد بلاد ایران کا رخ کیا۔ شہروں شہروں پھرنے کے بعد اس نے قیام کے لیے معروف شہر اصفہان کا انتخاب کیا۔ چونکہ خلافت عباسیہ کے خلیفہ اول نے اہل سادات پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ ڈالے تھے۔ اس لیے خطۂ ایران عباسیوں کے خلاف ہو چکا تھا۔ اگرچہ خلافت تو عباسیوں کی ہی تھی مگر عوام الناس ان کے شدید ترین مخالف ہو چکے تھے۔ جو لوگ عباسیوں کے ظلم وستم سے بچ جاتے وہ فوری طور پر ایران کا رخ کرتے۔

اصفہان میں خلافت کے دوسرے حصوں کی بہ نسبت زیادہ سکون تھا چنانچہ اس نے وہاں پر سکونت اختیار کی اور مستقبل کا لائحہ عمل تیار کرتا رہا۔ اس کے لائحہ عمل میں سب سے پہلی بات یہ تھی کہ ایک خاص عرصہ کے لیے چپ سادھ لے یعنی گونگا بن جائے۔ عربی زبان میں گونگے کو اخرس کہا جاتا ہے چنانچہ اسی بنا پر اس کا نام اسحاق اخرس مشہور ہو گیا۔

اصفہان میں رہنے کے لیے اس کے پاس کوئی جگہ نہ تھی اور نہ ہی اس کے

Marfat.com

پاس مال و دولت تھی۔ کچھ عرصہ وہ یونہی سڑکوں پر مڑگشت کرتا رہا مگر دراصل یہ طے کر رہا تھا کہ اسے کس جگہ اپنا ٹھکانہ بنانا ہے۔ اس نے اچھی طرح دیکھ بھال کے بعد اپنے لیے ایک نہایت ہی محفوظ جگہ منتخب کی اور وہ جگہ تھی ایک عربی درس گاہ۔ یہ درس گاہ شہر سے باہر واقع تھی۔ یہ ایک الگ تھلگ درس گاہ تھی جہاں عام لوگوں کی آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔

اسحاق اخرس نے یہاں خود کو گونگا بنا کر پیش کیا۔ اس نے وہاں کے معروف اساتذہ اور طالب علموں کے ساتھ اشاروں کے ساتھ باتیں کرنا شروع کریں۔ لوگ اس کو بالکل بے ضرر خیال کیا کرتے تھے۔ مدرسہ کے منتظمین نے اس پر ترس کھا کر رہنے کے لیے ایک کوٹھری بھی دے دی۔ یہ ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی۔ اسحاق اخرس اسی میں رہنے لگا۔ وہ کسی سے بھی کوئی چیز نہیں مانگتا تھا۔ دھیرے دھیرے اس کو لوگوں نے خود ہی کھانے پینے کی اشیاء دینا شروع کر دیں۔ اسی طرح جب اس کے کپڑے بوسیدہ ہو جاتے تو اس کو کپڑے بھی دے دیتے۔

بظاہر گونگے اسحاق نے اب درس و تدریس کی محافل میں بھی جانا شروع کر دیا۔ وہاں وہ اساتذہ اور طالب علموں کے چھوٹے موٹے کام بھی کر دیا کرتا تھا۔ اسی طرح وہاں اس کو منع کوئی نہیں کرتا تھا۔ وہ جب چاہتا جس استاد کی محفل میں چلا جایا کرتا تھا۔ لوگ اس کو محض ایک گونگا شخص ہی خیال کرتے تھے مگر اس نے وہاں پر تمام علوم پر اپنے طور پر دسترس حاصل کی اگرچہ اس نے وہاں سے کوئی سند وغیرہ حاصل نہیں کی مگر علم ضرور حاصل کیا۔

اسحاق اس مدرس میں عرصہ دس سال تک مقیم رہا۔ تمام اساتذہ اور نئے و پرانے طالب علم اس کے ساتھ مانوس ہو چکے تھے۔ ان دس سالوں میں اس کی ایک بھی شکایت کسی سے سنی نہیں گئی تھی۔ ہر شخص اس کو ایک سیدھا سادھا اور بے ضرر شخص ہی خیال کرتا تھا۔ ایک اور بات بھی بڑی اہم تھی کہ اس کے نام سے کوئی بھی واقف نہ تھا اور کسی کو بھی اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ کیونکہ بھلا کسی گونگے کو وہ کس طرح آواز دے سکتے تھے پھر وہ کیونکر اس کے نام کے بارہ میں متجس ہوتے۔ وہاں سب لوگ اس کو اخرس یعنی گونگا کہہ کہ ہی یاد کر لیا کرتے تھے۔

Marfat.com

اب اس نے اپنے منصوبے پر عمل درآمد کرنے کا قطعی فیصلہ کر لیا۔ ایک ایسا منصوبہ جس پر اس نے طویل عرصہ تک منصوبہ بندی کی تھی اور اگرچہ وہ ایک فصیح اور بلیغ شخص تھا مگر اس نے اپنی زبان کو دس برس تک بند کر رکھا تھا۔ اس کے منصوبہ میں ایک تیل بھی تھا جو اس نے افریقہ کے شہروں کی سیاحت کے دوران حاصل کیا تھا۔ اس کی خاصیت یہ تھی کہ جب اس کو چہرہ پر لگا لیا جاتا تو کچھ ہی دیر کے بعد چہرہ روشن ہو جاتا۔ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ چہرہ پہلے ہی سے ایسا ہے۔ جب اس کو پانی سے دھو دیا جاتا تو چہرہ کچھ ہی دیر کے بعد پہلے والی حالت پر واپس آ جاتا۔

ایک رات کو اس نے اس تیل کو اپنے چہرہ پر اچھی طرح مل لیا۔ کچھ دیر تک وہ اس جگہ بیٹھا رہا۔ مگر اپنے چہرہ پر بدلتے ہوئے نقش و نگار کو آئینہ میں دیکھتا رہا۔ جب اس نے اچھی طرح اطمینان کر لیا تو اب اس نے اپنی کوٹھری کی چھت پر چڑھ کر زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ اب یہ تو کسی وہم و گمان میں نہ تھا کہ اخرس چلا رہا تھا۔ سب لوگ گھبرا کر اپنے گھروں سے باہر نکل آئے۔

اسی دوران اسحاق تیزی سے چلتا ہوا مسجد میں داخل ہو چکا تھا۔ اس نے مسجد میں روشن ہونے والے شمع دان میں اپنا وہی مخصوص تیل ڈال رکھا تھا۔ اس تیل کی یہ خاصیت بھی تھی کہ جب کسی شمع میں ڈال کر روشن کیا جاتا تو اس کی روشنی میں بھی عجیب و غریب سی پراسراریت پیدا ہو جاتی تھی۔

لوگوں نے اس شخص کو جب اچھی طرح تلاش کر لیا جو چیخ و چلا رہا تھا اور یقینی بات ہے کہ اس نے نہ ملنا تھا اور وہ نہ ملا۔ دوسری طرف جب اسحاق نے یہ دیکھا کہ لوگ مسجد کے آس پاس پہنچ چکے ہیں تو اس نے نماز کی نیت باندھ لی اور بلند آواز سے قرأت کرنا شروع کر دی۔

مسجد کے باہر موجود لوگوں نے جو خوبصورت قرأت کی آواز سنی تو انہوں نے تیزی کے ساتھ مسجد میں داخل ہونا شروع کر دیا لوگوں نے یہ دیکھا کہ ایک شخص عمدہ کپڑوں میں ملبوس نماز ادا کر رہا ہے۔ یہ تو کسی نے بھی نہیں سوچا تھا کہ یہ اسحاق ہو سکتا ہے کیونکہ وہ تو نہایت معمولی کپڑے پہنتا تھا۔

لوگ اب دھیرے دھیرے نماز پڑھنے والے کے گرد ایک حلقہ سا بناتے جا

Marfat.com

رہے تھے۔ اتنی دیر میں صدر مدرس بھی مسجد میں پہنچ گئے۔ انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جو کہ نماز پڑھ رہا ہے۔ لوگوں نے جب اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو صدر مدرس صاحب نے خود آگے بڑھ کر اس شخص کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی۔

صدر مدرس صاحب مبہوت کھڑے اس نماز پڑھنے والے کو دیکھ رہے تھے۔ وہاں پر موجود لوگ اس بات پر حیران تھے کہ صدر مدرس خاموش کیوں کھڑے ہیں۔ کچھ بولتے کیوں نہیں۔ لوگوں نے جب صدر مدرس کو شانوں سے پکڑ کر چونکایا تو انہوں نے کہا کہ "دیکھو تو سہی بھائیو! یہ ایک گونگا شخص ہے جو اس قدر عمدگی سے قرأت کر رہا ہے۔"

اب لوگوں نے از خود اس کو دیکھنا چاہا تو وہ بھی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے پاس دس برس تک بالکل خاموش رہنے والا ایک شخص بڑی عمدگی کے ساتھ قرأت کر رہا تھا، اب لوگ اس کے چاروں طرف بیٹھ چکے تھے کہ کب اسحاق نماز ختم کرے اور وہ لوگ اس بارہ میں دریافت کریں۔

اگرچہ اسحاق اخرس نے بھی بہت سے لوگوں کی آمد مسجد میں محسوس کر لی تھی مگر وہ نہایت سکون کے ساتھ قرأت میں مصروف رہا۔ وہ ایک کے بعد دوسری سورۂ مبارکہ تلاوت کر رہا تھا۔ لوگ دیکھ رہے تھے کہ اس کے چہرہ پر عجیب قسم کی چمک دمک موجود تھی۔ صدر مدرس بھی انہی لوگوں میں موجود تھے۔ وہ بھی ایک نہایت مستند عالم فاضل شخصیت تھے۔ انہوں نے دنیا دیکھی ہوئی تھی مگر اس وقت وہ بھی حیران وششدر کھڑے دیکھ رہے تھے کہ ایک گونگا شخص بالکل اچانک کیسے روانی کے ساتھ قرأت کر رہا تھا۔

صدر مدرس نے ایک شخص کو حاکم شہر کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ بھی آن کر یہ عجیب وغریب واقعہ کو ملاحظہ کر لیں۔ انہوں نے ایک شخص سے کہا تھا مگر کئی ایک لوگ تیار ہوگئے کہ حاکم شہر کو جا کر بلوا لائیں۔ چنانچہ وہ دونوں آدمی تیزی کے ساتھ حاکم کی طرف چلے۔ جب وہ حاکم کے محل پر پہنچے تو انہیں محل کے دربانوں نے ان دونوں کو روک لیا۔

انہوں نے دربانوں کو بتلایا کہ ان کے مدرسہ میں ایک نہایت ہی محیر العقول واقعہ رونما ہوا ہے۔ دربانوں نے پوچھا کہ کون سا واقعہ۔ انہوں نے بتلایا کہ ان کے ہاں ایک گونگا شخص ہے اس نے آج رات اچانک بولنا شروع کر دیا اور بہت ہی عمدگی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے۔

Marfat.com

دربانوں نے یہ سنا تو حد درجہ حیران تو ضرور ہو گئے مگر کہنے لگے کہ اچھا ٹھیک ہے کہ یہ ایک محیر العقول واقعہ ہوگا مگر یہ بات حاکم شہر کو صبح بھی بتائی جا سکتی ہے۔ بھلا آدھی رات کے وقت ہی کیوں حاکم کو گہری نیند سے بیدار کر کے پریشان کیا جائے۔

ان دونوں آدمیوں اور دربانوں کی باہمی گفتگو نے آخر تیزی اختیار کر لی اور ان کی اونچی آوازوں نے حاکم شہر کو بھی بیدار کر دیا۔ حاکم نے غلاموں سے دریافت کرنے کا کہا۔ انہوں نے معلوم کر کے بتایا کہ مدرسہ سے صدر مدرس نے آپ کو بلوانے کے لیے بھیجے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کے مدرسہ میں ایک گونگا شخص اچانک بولنے لگا ہے۔ نا صرف بولنے لگا ہے بلکہ نہایت عمدگی کے ساتھ قرأت بھی کر رہا ہے۔ حاکم نے غلاموں سے کہا۔ کہ ان دونوں کو کہو کہ وہ چلیں حاکم خود ہی پہنچتا ہے۔ مگر وہ دونوں اپنی بات پر اڑے رہے ہیں اور کہتے رہے کہ وہ حاکم کو اپنے ساتھ ہی لے جا کر جائیں گے۔

مگر حاکم شہر نے انکار کر دیا اور ان دونوں آدمیوں کو ناکام ہی واپس لوٹنا پڑا۔

یہ لوگ جب کافی دیر کے بعد مدرسہ کو لوٹے تو انہوں نے صدر مدرس کو بتلایا کہ حاکم شہر ان کے ساتھ نہیں آیا۔ چنانچہ صدر مدرس نے صبح کا انتظار کرنا مناسب خیال کیا۔

نماز فجر کے وقت مسجد میں شہر بھر کے لوگ جمع ہو چکے تھے۔ ان میں حاکم شہر اور قاضی شہر بھی موجود تھے۔ صدر مدرس جب دوبارہ مسجد میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ اسحاق مسجد میں موجود نہ تھا۔ صدر مدرس نے اسحاق کو دیکھا کہ وہ اپنی کوٹھری میں موجود تھا اور کلام اللہ شریف کی بڑی روانی کے ساتھ تلاوت کر رہا تھا۔

صدر مدرس نے اسحاق سے کہا کہ "جناب عالی! کیا یہ بات آپ بتانا پسند فرمائیں گے کہ آپ اچانک کس طرح بولنا شروع ہو گئے۔" اسحاق نے اسے بتلایا کہ "یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں ہے۔ یہ تو مجھے حکم دیا گیا ہے۔" صدر مدرس صاحب نے حیران ہوتے ہوئے دریافت کیا کہ "یہ حکم آپ کو کس نے دیا ہے۔" اسحاق نے اس کے جواب میں سوچی ہوئی چند پر اسرار باتیں اس کو بتلا دیں۔ جنہیں سن کر مدرس کے تو ہوش ہی اڑ گئے۔ صدر صاحب تو دل و جان سے اس کے دیوانے ہو گئے۔

شہر میں بہت سے لوگ جمع ہو چکے تھے۔ ان میں معززین شہر کے علاوہ قاضی اور حاکم شہر بھی شامل تھے۔ صدر مدرس نے اسحاق اخرس سے کہا کہ وہ نماز فجر کی امامت

Marfat.com

کرے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح تمام لوگ اس کی قرأت کو بذات خود سن لیں۔ اسحاق نے تھوڑی سی تکرار کے بعد ان کی بات مان لی اور پھر سر پر عمامہ باندھ کر صدر مدرس کے ساتھ مسجد کی طرف چل دیا۔

جب یہ دونوں مسجد میں پہنچے تو وہاں اس کو مدتوں سے جاننے والے لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے اور انہوں نے جب اس کو مخاطب کیا تو اسحاق نے ان کے ناموں کے ساتھ انہیں مخاطب کیا جس پر وہ لوگ اور بھی حیران رہ گئے۔ کہ بھلا ایک گونگا شخص کس طرح بول سکتا ہے۔

نماز فجر کی ادائیگی کے بعد صدر مدرس صاحب اسحاق اخرس کو جو کہ اب اخرس تو نہ رہا تھا اسے اپنے کمرے میں لے گئے۔ انہوں نے اسے عمدہ سا ناشتہ کروایا اور اعتماد میں لیتے ہوئے کہا کہ ”جناب عالیٰ! اب ہم دونوں ہی یہاں موجود ہیں اگر آپ اس سر بستہ راز سے پردہ اٹھائیں تو عین نوازش ہوگی۔ میں نے بڑی دنیا دیکھی ہے مگر اس صورت حال کے بارہ میں قطعاً سمجھ نہیں آ رہی کہ آخر یہ ماجرہ کیا ہے۔ بلا شبہ میں آپ کو عرصہ دس سال سے دیکھتا چلا آ رہا ہوں۔ آپ تو بالکل خاموش تھے اور اس لیے ہم آپ کو گونگا سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی سبھی جانتے ہیں کہ آپ نے کسی بھی قسم کی کوئی بھی تعلیم ہمارے ہاں حاصل نہیں کی مگر آپ کی قرأت تو یہ بتلا رہی ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں آپ سے بڑا کوئی بھی قاری موجود نہیں ہے۔

یہی تو وقت تھا کہ جس کا انتظار مدتوں سے اسحاق اخرس کر رہا تھا۔ ایک عرصہ اس نے اس وقت کی منصوبہ بندی پر کام کیا تھا۔ اسی وقت کے لیے تو اس چالاک شخص نے دس برس تک اپنی زبان کو بند رکھا تھا۔ اس نے خود کو ایک طویل مدت تک گونگا کہلوانا پسند کر لیا تھا۔ اس نے جو سنا کہ صدر مدرس صاحب نے اس کے ساتھ عقیدت کا برتاؤ شروع کر دیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ ”حضور اقدس! آپ ایک صاحب علم و بصیرت شخص ہیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ یہ سب کچھ جو آپ دیکھ رہے ہیں کسی انسان کے بس کا تو کام نہیں ہے۔

میں یہ بتاتا چلوں کہ میرے ساتھ واقعہ آج ہی پیش نہیں آیا ہے۔ مجھے آج سے چالیس روز قبل ہی عجیب و غریب صورت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ پہلے پہل تو میں

Marfat.com

بہت ہی گھبرایا مگر دھیرے دھیرے میرے دل پر القائے ربانی کا اثر ہونے لگا۔ اسی طرح چالیس روز گزر گئے۔ مگر آج رات تو سرِ شام ہی مجھ پر اللہ تعالٰی کی فضیلت صاحب دکھائی دینے لگی۔

اے صدر مدرس! میں اگر چاہوں بھی تو ان کیفیات کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں کیا بتاؤں کہ مجھ پر کیا کیا اسرار و حقائق غیبی ظاہر ہوئے ہیں۔ اگر آپ کے سامنے بیان کر دوں تو آپ فوری طور پر مجھ پر کفر کا فتویٰ صادر فرما دیں گے۔ ہاں مزید ضروری کہوں گا کہ آج رات ایسا ہوا کہ اچانک دو فرشتے میرے پاس آئے اور مجھے کہنے لگے کہ اے اسحاق آج ہم تجھے حوضِ کوثر کے پانی سے غسل کروائیں گے۔ دورانِ غسل انہوں نے بار بار مجھے یہ کہا ''السلام علیک یا نبی اللہ''

میں نے جب یہ سنا تو مجھے جواب دینے میں مشکل پیش آئی میں نے سوچا کہ اب کیا جواب دوں۔ میں نے ان فرشتوں سے کہا کہ وہ مجھے بتائیں کہ یہ چکر کیا ہے۔ انہوں نے مجھے کوئی جواب نہ دیا بلکہ ان میں ایک کہنے لگا کہ ''اے نبی اللہ اپنا منہ کھول کر یہ چیز کھا لیں۔'' میں نے ان کی دی ہوئی چیز کھا لی۔ یہ چیز کیا تھی یہ تو مجھے معلوم نہیں کیونکہ یہ میں نے پہلی مرتبہ ہی کھائی تھی۔ مگر یہ ضروری بتلا سکتا ہوں کہ یہ جو بھی چیز تھی میں نے اس سے پہلے ایسی مزیدار چیز نہیں کھائی تھی۔ میٹھی یہ شہد سے بھی زیادہ خوشبو اس کی مشک سے زیادہ اور سرد یہ برف سے بھی زیادہ تھی۔

یہ چیز کھا کر مجھے یوں لگا کہ پوری دنیا ہی میرے سامنے عیاں ہو گئی ہو۔ میں نے بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھنا شروع کر دیا جس پر ان فرشتوں میں سے ایک نے کہا کہ ''اے اسحاق تم بھی نبی ہو۔ جیسا کہ محمد رسول ہیں۔'' میں نے حیرت سے پوچھا ''اے مہربان فرشتے تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ میں بھلا اس قابل کہاں۔'' فرشتہ کہنے لگا۔ ''اے اسحاق! حیران مت ہو تمہیں اللہ نے تمہاری قوم پر نبی معبوث فرمایا ہے۔ تمہیں تو حد درجہ خوش ہونا چاہیے۔'' میں نے کہا اے میرے دوستو! اللہ تعالٰی نے تو محمد رسول اللہ ﷺ کو نبی معبوث فرمایا ہے۔ اور انہی پر سلسلہ نبوت کا خاتمہ کر دیا ہے پھر یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ میں بار نبوت لگاؤں۔'' تم نے بالکل درست کہا مگر ان کی نبوت تو مستقل نبوت ہے اور تمہاری ظلی و بروزی نبوت ہے۔

Marfat.com

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ کمرے کا دروزاہ کھٹکنے لگا۔ صدر مدرس نے راز داری کے خیال کے پیش نظر دروازہ بند کر دیا تھا۔ مگر اب زور زور سے دروازہ بجنے لگا کہ اس کو دروازہ کھولنے میں ہی عافیت دکھائی دی۔ صدر مدرس نے دروازہ کھولنے سے پہلے اسحاق سے اجازت حاصل کر لی تھی۔

صدر مدرس نے جونہی دروازہ کھولا فوراً قاضیٔ شہر اندر داخل ہوا۔ اس نے بڑے ہی مؤدب انداز میں اسحاق کو سلام کیا۔ اسحاق نے صدر مدرس سے دریافت کیا کہ کون صاحب ہیں۔ جب اسے بتایا گیا کہ یہ صاحب اس شہر کے قاضی ہیں تو اسحاق نے نفرت سے منہ پھیرتے ہوئے کہا کہ یہ تو ایک مغرور شخص ہے اس کو جب رات کو بلوایا گیا تھا تو اس نے آنے سے انکار کر دیا تھا۔ اب یہ یہاں کیا لینے آیا ہے۔ اس کو اپنی نیند بہت پیاری ہے۔ اس سے کہیئے کہ یہ جا کر اپنی نیند پوری کرے۔

قاضی شہر کا ادب تو حاکم شہر بھی حد درجہ کیا کرتے تھے مگر اسحاق کے لہجہ کا دبدبہ تھا کہ اس سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔ اس نے لجاجت سے عرض کیا کہ حضور مجھے اس کوتاہی کے لیے معاف فرما دیں۔ چنانچہ اسحاق خاموش ہوگیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہاں پر حاکم شہر بھی آگیا اور لگا معذرت کرنے۔

اب اسحاق نے سوچا کہ موقع اچھا ہے حاکم شہر بھی موجود ہے قاضی شہر بھی موجود ہے چنانچہ ان سب کو متاثر کرنے کے لیے کوئی شعبدہ ضرور دکھانا چاہیے۔ وہ خاموشی سے اٹھا اور اپنے حجرہ میں چلا گیا وہاں جا کر اس نے حجرہ کا دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ ایک ہجوم سا اس کے عقب میں چلا آ رہا تھا۔ وہ سب اس کے حجرہ کے باہر جمع ہوگئے۔ ان میں سب سے آگے شہر کا حاکم اور قاضی تھے۔

لوگوں نے حجرہ کے باہر سے واویلا مچانا شروع کردیا کہ اے محترم انسان دروازہ کھولیے اور ہمیں اپنا دیدار کرائیے۔ درخواست کرنے میں حاکم شہر، قاضی شہر اور صدر مدرس بھی شامل تھے۔ اب اسحاق نے بلند آواز سے کہا کہ اے دروازہ کھل جا۔ چنانچہ دروازہ خود بخود کھل گیا۔ لوگوں پر شدید حیرانگی کے دورے پڑنے لگے۔ دروازے کی زنجیر ٹوٹ کر نیچے گر چکی تھی اور دروازے کے دونوں پٹ واہو چکے تھے۔

لوگوں نے دیکھا کہ اسحاق اخرس ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

Marfat.com

صدر مدرس نے ہجوم کے آگے ایک پرتاثیر تقریر کی اور انہیں بتلایا کہ کس طرح اسحاق کو ظلی و بروزی نبوت عطا ہوئی ہے۔ لوگوں نے اس کی نبوت پر ایمان لانے کا فیصلہ کرلیا مگر قاضی نے ان لوگوں کو روکنے کے لیے کہا کہ اے لوگو! کیا تم صدر مدرس کے کہنے پر اسحاق کو نبی تسلیم کرلو گے۔'' چنانچہ لوگ رک گئے۔

اب اسحاق اخرس نے ہجوم کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔'' اے میرے محترم لوگو! میری بات کا یقین کرو کہ جب فرشتوں نے مجھے ظلی بروزی نبوت کا منصب عطا کرنا چاہا تو میں نے دلی طور پر انکار کر دیا۔ میں نے ان سے کہا اے مقدس فرشتو! میرے لیے تو دعویٰ نبوت حد درجہ مشکلات کا باعث ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بغیر معجزات بھلا کون میری بنوت کا یقین کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں سب لوگ تمہاری نبوت پر ایمان لائیں گے۔ مگر میں نے بغیر معجزات کے نبوت قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ میں اس بات پر اصرار کرتا رہا کہ مجھے کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور ملنا چاہیے تاکہ لوگوں کو کلی طور پر مطمئن کیا جا سکے۔

فرشتے میرے اصرار سے آخر مجبور ہوگئے اور کہنے لگے کہ'' اچھا اگر تم حد درجہ اصرار کرتے ہو تو پھر معجزہ بھی لے لو۔ تمہیں تمام الہامی کتب کا مکمل علم دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تمہیں کئی زبانوں کا علم مع اِن کے رسم الخط کے عطا کیا جاتا ہے۔ یہ کہہ کر ان میں سے ایک نے میرے سینے پر ہاتھ پھیرا۔

اب فرشتے مجھ سے کہنے لگے کہ چھا اب تم قرآن پاک سناؤ۔ میں نے جو پڑھنا شروع کیا تو خود مجھے یقین نہیں آیا کیوں کہ میں نے اس ترتیب سے پڑھ دیا جس طرح نازل ہوا تھا۔ اس کے بعد میں نے باقی تینوں کتابیں بھی پڑھ کرسنا دیں۔ میں نے خود بھی محسوس کیا کہ گویا میرا دل منور ہو چکا ہے۔ میری قرأت بھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ جس کی تصدیق فرشتوں نے بھی کی۔ فرشتوں نے اس کے بعد کہا'' قم فانذر الناس ''

ترجمہ: بس اب تم کمر ہمت باندھ لو اور لوگوں کو اللہ کے غضب سے ڈراؤ۔

فرشتے تو یہ کہہ کر رخصت ہوگئے۔ مگر میں عبادت خداوند اقدس میں مصروف ہوگیا۔ میں بھلا کس کس بات کا شکریہ ادا کرتا۔ مجھ بے زبان کو زبان بھی عطا کی گئی اور نبوت بھی عطا کی گئی۔ میں نے تو قرآن بھی نہیں پڑھا تھا مگر مجھے باقی تینوں کتابیں بھی

Marfat.com

عطا کی گئی۔ میں نے قرآن پاک ناظرہ بھی نہیں پڑھا تھا مگر مجھے اس کی شرح بھی حفظ کرا دی گئی۔ تم لوگ کہتے ہو کہ میرے چہرے پر عجیب سی کیفیت دیکھی گئی ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو مگر مجھے تو اس کا بھی علم نہیں۔ تم نے کہا اور میں نے مان لیا۔ اب تم بھی میری بات صدق دل سے مان لو کہ اگر تم لوگوں نے مجھ پر ایمان لانے میں کوتاہی کی تو وہ کبھی فلاح نہ پا سکے گا۔ یاد رکھنا کہ اگر تم لوگ میری نبوت کا انکار کرو گے تو تم یقینی طور پر محمد کی نبوت و شریعت سے بھی انکار کرو گے۔ یہ تو تمہارے لیے جہنم کا راستہ ہے۔"

اسحاق اخرس محض ان لوگوں سے خطاب ہی نہیں کر رہا تھا بلکہ ان لوگوں کا بغور جائزہ بھی لے رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے خطاب کے دوران اکثر لوگ خاموش اور مبہوت اس کی باتیں سن رہے تھے۔ یوں دکھائی دیتا تھا کہ گویا یہ مجسمے ہیں جو یہاں گاڑھ دیئے گئے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ جب اس کا خطاب ختم ہوا تو بھی ان میں حرکت پیدا نہ ہوئی بلکہ تمام لوگ گم سم کھڑے رہے۔ ان میں شہر کا حاکم بھی تھا اور شہر کا قاضی بھی تھا۔ ان میں علماء بھی تھے ان میں مشائخ بھی تھے۔ طلبا بھی تھے اور مدرس بھی تھے۔

ان سب میں صدر مدرس نے سب سے پہلے اسحاق اخرس پر ایمان لانے کا اعلان کیا اس کے بعد قاضی نے کیا مگر شہر کا حاکم خاموش کھڑا رہا۔ اس عرصہ میں ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب لوگ بیعت کر چکے تو صدر مدرس نے حاکم شہر سے کہا کہ وہ بھی بیعت کرے مگر اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جب تک وزیر نہیں آ جاتا وہ بیعت نہیں کرے گا کیونکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ وزیر مذکور کو بھی اعتماد میں لے لیا جائے وگرنہ وزیر اسے فوری طور پر معزول کر دے گا۔ یہ وزیر دراصل ترمزی حکومت کا فرستادہ تھا اور اسے بہت زیادہ اختیارات حاصل تھے۔

حاکم شہر بڑی مشکل سے وہاں سے نکل کر اپنے محل میں پہنچا جہاں وزیر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ حاکم شہر نے وزیر سے کہا کہ کیا اسے معلوم ہے کہ شہر میں کیا عجیب و غریب واقعہ پیش آیا ہے۔ وزیر نے یہ سن کر اقرار کیا اور کہنے لگا کہ ہاں میں نے کسی سے سنا تو تھا کہ شہر میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے۔

"اچھا تو پھر آپ وہاں آئے کیوں نہیں میں تو وہیں تھا اور وہاں سے ہی آ رہا ہوں۔" حاکم نے حیرانگی سے کہا۔ وزیر نے مدبرانہ انداز میں کہا "میں بھلا وہاں کیونکر چلا

Marfat.com

جاتا۔ میں کوئی عام آدمی تو نہیں۔ جب تک میں لوگوں سے اس کی تصدیق نہ کرلوں میرا وہاں جانا خالی ازعلت ہی تھا۔ اب تم یہ بتلاؤ کہ کیا تم نے اس کے بارہ میں اچھی طرح چھان بین کر لی ہے کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ آخر تم اس شہر کے حاکم ہو۔"

حاکم شہر نے وزیر مذکور کو تمام واقعات بعد کم و کاست بیان کر دیئے اور یہ بھی کہا کہ" میں بھلا اس پر ایمان کیسے لا سکتا تھا میں جانتا ہوں کہ کلام پاک اور احادیث مبارکہ میں یہ کسی جگہ بھی پایا نہیں جاتا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی ظلی یا بروزی نبی آئے گا۔ یہ تو نہایت ہی چالاک اور ہوشیار شخص دکھائی دیتا ہے۔"

وزیر نے حاکم شہر سے پوچھا کہ" کیا تمہیں یہ معلوم ہے کہ یہ شخص اصفہان میں کب آیا اور یہ پہلے کہاں رہتا تھا۔ اسے اس شہر میں کتنا عرصہ گزر چکا ہے۔"

وزیر کی بات سن کر حاکم نے بتلایا کہ" وزیر محترم! یہ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص عرصہ دس برس پہلے یہاں آیا تھا۔ یہ یہاں مغرب کی جانب سے آیا اور یہ مطلقاً گونگا و بہرہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بارے میں کسی کو بھی علم نہیں کہ وہ کون تھا اور کیا کرتا تھا۔ چونکہ وہ گونگا تھا اس لیے کوئی بھی اس کے بارہ میں کچھ بھی نہ جان سکا۔"

حاکم شہر کی یہ بات سن کر وزیر نے بہت ہی تعجب کا اظہار کیا اور یہ کہا کہ" بھلے آدمی کیا یہ ذمہ داری تمہاری نہ تھی کہ تم اس کے بارے معلومات جمع کرتے کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور افریقہ کے کس ملک سے اس کا تعلق ہے۔ اس کے عقائد کیا ہیں وہ یہاں ہی کیوں کر آیا ہے۔"

وزیر کی یہ بات حاکم کو جھنجوڑنے کے لیے کافی تھی۔ اس نے ندامت سے اپنا سر جھکا دیا اور شرمندگی سے کہنے لگا کہ" میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں مگر اب کیا کیا جائے۔ اب تو اس کے پاس لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو چکا ہے۔ اب تو اس کے پاس جانا بالکل بے کار ثابت ہوگا۔"

وزیر نے حاکم سے اتفاق کیا اور کہنے لگا کہ" ایسی بھی فکر مندی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اس کے پاس کیونکر جائیں اس کو یہاں بلوائے لیتے ہیں۔" چنانچہ سرکاری ہرکارے اسحاق کو لانے کے لیے روانہ کئے گئے۔ سرکاری ہرکارے جب اسحاق کے پاس پہنچے اور اسے بتلایا کہ وزیر صاحب نے اسے اپنے محل میں فی الفور طلب کیا ہے۔

Marfat.com

ہرکاروں کی یہ بات سن کر اسحاق نے چپ سادھ لی۔ مگر صدر مدرس نے شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار بننے کی مثال پوری کی اور بڑے غصے سے کہنے لگا کہ" وزیر کی ہمت کس طرح ہوئی کہ وہ ایک نبی کو اپنے پاس طلب کرے۔"

صدر مدرس کی یہ بات سن کر دل ہی دل میں اسحاق خوش تو ضرور ہوا مگر کمال نرم دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔" نہیں صاحب یہ کوئی قابل اعتراض نہیں۔ یہ تو ہوتا ہی ہے کہ بادشاہ اور احکام انبیاء کو اپنے درباروں میں بلواتے ہی ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت موسیٰ کو فرعون اپنے دربار میں بلوایا کرتا تھا۔ کیا تم نے یہ بھی کبھی نہیں سنا کہ کبھی فرعون بھی چل کر موسیٰ کے ہاں آیا تھا۔"

یہ سن کر صدر مدرس کو بھی خاموش ہو جانا پڑا۔ کچھ دیر ٹھہر کر اسحاق نے ہرکاروں سے کہا کہ" ٹھیک ہے تم لوگ چلو میں ابھی تھوڑی دیر میں محل پہنچتا ہوں۔" مگر ہرکارے بھی اپنی جگہ اڑے رہے اور انہوں نے اسحاق سے کہا کہ" جناب عالیٰ! ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو فوری طور پر محل میں لایا جائے۔ اگر آپ آسانی سے راضی نہ ہوئے تو ہمیں مجبوراً آپ کے ساتھ زبردستی کرنا پڑے گی۔" ان کی یہ بات سن کر صدر مدرس نے خفگی سے کہا کہ" تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ اور اپنے وزیر سے کہہ دو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی کی عزت کرنا سیکھے اور اس وقت سے ڈرے جب اس نبی کی بددعا سے اس کا خانہ خراب ہو جائے گا۔ اس سے کہو کہ وہ ایک نبی کی بددعا سے ڈرے۔"

صدر مدرس کی ان دھمکی آمیز باتوں نے بھی ہرکاروں کو مرعوب نہیں کیا اور انہوں نے سختی سے کہا کہ" اے صدر مدرس! تم تو خوانخواہ اس کی طرف داری کر رہے ہو اگر یہ واقعی نبی ہے تو اس کو ہمارے ساتھ چلنا چاہیے کہ چلنے سے کیوں ڈرتا ہے۔"

ہرکارے کی یہ بات سن کر صدر مدرس نے بڑی سختی سے کہا کہ" بے وقوف لوگو! تم اب یہاں سے چلے جاؤ اور وزیر سے کہہ دو کہ اگر وہ ہمارے نبی سے ملنا چاہتے ہیں تو انہیں خود یہاں آنا چاہیے۔" ہرکارے یہ دیکھ رہے تھے کہ وہاں اسحاق کے عقیدت مندوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی چنانچہ انہوں نے زور زبردستی کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔

ہرکارے وہاں سے چلے آئے اور واپس آ کر وزیر مذکور سے تمام واقعہ بیان کر

Marfat.com

دیا۔ وزیر نے ان سے کہا کہ تم لوگ سرکاری آدمی تھے اس کو زبردستی کیوں نہ اٹھا لائے۔ انہوں نے کہا حضور والا ہم بھلا اس کو کس طرح اٹھا لاتے وہاں تو اس کے لاتعداد عقیدت مند جمع تھے۔ ہماری تو وہ تکہ بوٹی کر ڈالتے۔

ہرکاروں کی یہ بات سن کر وزیر نے حاکم سے مشورہ کیا کہ ایسی صورت حال میں کیا کرنا چاہیے۔ حاکم نے مشورہ دیا کہ ان حالات میں ہمیں چاہیے کہ ایک فوجی دستہ اس کو لانے کے لیے روانہ کرنا چاہیے جو اس کے عقیدت مندوں سے بھی اچھی طرح نپٹ سکیں۔ چنانچہ اس کا انتظام کیا جانے لگا۔

ابھی فوجی دستہ روانگی کی تیاریاں کر ہی رہا تھا کہ محل کے باہر شور بلند ہوا۔ وزیر نے خادم کو باہر بھیج کر معلوم کروایا تو اس نے واپس آ کر بتایا کہ نبوت کا دعویدار، قاضی شہر اور صدر مدرس کے ہمراہ سینکڑوں لوگ بھی باہر جمع ہیں۔

حاکم شہر نے غلاموں کو حکم دیا کہ صدر مدرس، قاضی شہر اور اسحاق اخرس کو عزت و احترام سے بٹھایا جائے اور تواضع کی جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد وزیر اور حاکم شہر بھی وہاں پہنچ گئے۔ وزیر نے سب سے پہلے اسحاق کو مخاطب کر کے دریافت کیا کہ "اے شخص! تم نے پورے شہر میں ایک فتنہ برپا کر رکھا ہے۔ سنا ہے پورے شہر میں تم نے ایک طرح سے ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے۔"

وزیر کی یہ بات سن کر اسحاق نے مسکرا کر کہا۔" جناب عالی! میرا نام اسحاق ہے اور میں نے تو کسی قسم کا فتنہ نہیں کھڑا کیا بلکہ یہ تو مجھ پر میرے اللہ کریم کا فضل و کرم ہے کہ اس نے مجھ پر احسان کیا ورگرنہ میں تو ایک گونگا بہرہ اور لاوارث شخص تھا۔ اس نے مجھ پر عنایات فرمائیں اور مجھے نبوت سے سرفرار فرمایا۔"

اسحاق اخرس کی یہ بات سن کر وزیر نے بہت ہی تعجب کا اظہار کیا اور اس نے صدر مدرس کو مخاطب کر کے کہا " اے استاد محترم! آپ اس شخص کے بارے میں کیا جانتے ہیں۔ مجھے تو یہ دکھائی دیتا ہے کہ اس کے سب سے بڑے حمایتی اس وقت آپ ہی ہیں۔"

وزیر کی بات میں وزن تھا کیونکہ صدر مدرس ہی بڑھ چڑھ کر بول رہے تھے۔ اور انہوں نے ہی سرکاری ہرکاروں کو بے عزت کر کے اپنے ہاں سے نکالا تھا کہ نبی کی بددعا سے وزیر کو بچایا جائے۔ صدر مدرس نے مؤدب لہجہ میں کہا کہ " وزیر محترم!

Marfat.com

یہ ہمارے پاس عرصہ دس برس قبل جب تشریف لائے تھے تو یہ ایک گونگے بہرے شخص تھے۔''

صدر مدرس کی یہ بات سن کر وزیر نے حیران ہوتے ہوئے دریافت کیا کہ ''اے محترم استاد! آپ ایک ذمہ دار شخص ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ نے ایک گونگے بہرے اور لاوارث شخص کو رہنے کے لیے حجرہ کیونکر دے دیا جبکہ یہ آپ کے کسی کام کا بھی نہ تھا۔ نہ اس نے تعلیم حاصل کرنا تھی اور نہ ہی یہ کسی اور مصرف کا تھا۔''

وزیر موصوف کی بات بہت معقول تھی اگر چہ صدر مدرس کے پاس اس کا شافی جواب نہ تھا مگر انہوں نے کہا ' جناب عالی! محض یہ خیال کر کے کہ اس بے چارے کو اپنے ہاں کون رکھے گا۔'' یہ ایک عجیب و غریب جواب تھا۔ وزیر نے صدر مدرس کو کہا '' استاد محترم! اصفہان شہر میں غریبوں اور مسکینوں کے قیام و طعام کا ذمہ دار تو حاکم ہے۔ آپ مجھے یہ ضرور بتلائیں کہ آپ نے اس شہر میں اور کتنے بے چاروں کو حجرے دے رکھے ہیں۔ اگر یہ کوئی غریب طالب علم ہوتا تو پھر بھی کوئی بات تھی۔ مگر چونکہ آپ کے بیان کے مطابق یہ ایک گونگا اور بہرہ شخص تھا پھر مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ آپ نے اسے مدرسے میں ہی کیوں رکھا اگر آپ کو اس پر ترس ہی آیا تھا تو آپ اسے کسی گھر میں بھی تو ٹھہرا سکتے تھے۔''

صدر مدرس نے وزیر کی لمبی چوڑی تقریر کا نہایت مختصر جواب دیا کہ'' جناب عالی! میں نے صرف اسحاق اخرس کو ہی ایک چھوٹا سا کمرہ رہنے کو دیا تھا۔ اس کے علاوہ اور کسی کو کبھی بھی نہیں دیا۔'' وزیر نے پوچھا ''اچھا آپ یہ تو بتا سکتے ہیں کہ آپ اس سے کوئی رقم وغیرہ لیتے تھے۔ اور یہ بھی ہمیں بتا سکتے ہیں کہ اس شخص کی آمدنی کا ذریعہ کیا تھا۔ کیا یہ کوئی محنت مزدوری کرتا تھا۔''

وزیر نے جب یہ دریافت کیا تو صدر مدرس بھی سوچ میں ڈوب گئے کیونکہ اسحاق تو واقعی کچھ بھی نہیں کرتا تھا۔ وہ گونگا بہرہ ضرور تھا مگر بالکل تندرست تھا۔ صدر مدرس نے جواب میں کہا ''نہیں ہم اس سے کوئی رقم وغیرہ نہیں لیتے تھے۔ بلکہ یہ وہاں صرف فی سبیل اللہ رہتا تھا۔ اس نے کبھی کوئی محنت مزدوری نہیں کی۔ بس لوگ اس پر ترس کھا کر کھانا دے جایا کرتے تھے اور اس کو لباس وغیرہ بھی دے دیتے تھے۔ بس اسی

Marfat.com

طرح اس کی گزر اوقات ہو جاتی تھی۔"

یہ جواب اس قابل نہ تھا کہ وزیر اس پر مزید کوئی گفتگو کرتا۔ اس نے وہاں پر موجود شہر کے قاضی صاحب کو مخاطب کر کے پوچھا" قاضی صاحب! آپ بھی ایک انتہائی ذمہ دار ہستی ہیں۔ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اس کی نبوت کو تسلیم کر لیا ہے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ اس وقت پورے اصفہان شہر میں آپ سے بڑھ کر کوئی بھی شخص اسلامی علوم کا عالم نہیں ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ پھر آپ نے کس طرح اس دروغ گو کی نبوت کو تسلیم کر لیا۔ آپ کوئی عام شخص تو نہ تھے۔ حاکم شہر کے بعد یقیناً آپ ہی شہر میں سب سے زیادہ اہم شخص ہیں۔"

قاضی نے جز بز ہوتے ہوئے کہا کہ" میں واقعی یہ سب کچھ جانتا ہوں۔ مگر اس شخص نے اپنی نبوت کے سلسلہ میں جو کچھ بتایا ہے وہ بالکل سچ دکھائی دیتا ہے۔ آپ خود اس کی بات تو سنیں آپ کو بھی یقین آ جائے گا۔ وزیر نے قاضی صاحب کو بہت سخت سست کہا اور اس کے بعد اس نے اسحاق اخرس سے ہی پوچھا کہ وہ بتائے کہ اصل واقعہ کیا ہے۔

اسحاق بھی اس موقع کا منتظر تھا۔ اس نے بڑے اعتماد سے کہا" اے وزیر اور اے حاکم شہر! تم دونوں میری بات غور سے سنو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میری نبوت دراصل حضرت ہارون علیہ السلام جیسی ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی موجودگی میں ہی حضرت ہارون بھی نبی تھے۔ اس میں کوئی شک وشبہ تو نہیں ہے مگر اسی طرح بلکہ کسی بھی طرح کسی نبی کی شان یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون میں سے کسی کی شان کم نہیں ہوئی تھی۔

جس طرح حضرت ہارونؑ کی کوئی شریعت نہ تھی بلکہ وہ حضرت موسیٰؑ کے زیر سایہ تھے مگر تھے تو وہ نبی ہی۔ اسی طرح میری بھی اپنی کوئی شریعت نہیں ہے۔ مگر میں نبی ہوں اور حضرت محمد ﷺ کے زیر سایہ نبی ہوں۔ اگرچہ میں نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میرا تو یہ ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی بھی نبی نہیں آئے گا تو فرشتوں نے ہی مجھ سے یہ کہا تھا کہ" اے اسحاق! تم تو ظلی و بروزی نبی ہو اور تمہیں اپنی شریعت کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ حضرت محمد ﷺ کی ہی شریعت تمہارے

Marfat.com

لیے کافی ہے۔''

وزیر نے اس کی یہ فضول تقریر نظر انداز کرتے ہوئے دریافت کیا کہ'' اے اسحاق! یہ تو بتاؤ کہ تم اصفہان وارد ہونے سے پہلے کہاں کے رہائشی تھے۔'' چالاک اور شاطر اسحاق نے سوچا ہوا جواب دیا کہ'' جناب عالی! یہ آپ کیسی باتیں کرتے ہیں میں ایک گونگا اور بہرہ بھلا یہ کیسے جان سکتا ہے کہ وہ جہاں رہ رہا ہے وہاں کا نام و پتہ کیا ہے۔''

'' اچھا تو چلو یہی بتلاؤ کہ تمہارے خاندان یا بزرگوں کے نام کیا تھے۔'' وزیر نے اس سے مزید سوال کر دیا۔'' میں اب کیا کہوں میں تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ میں تو گونگا بہرہ تھا پھر مجھے کیا معلوم کیا میرے بزرگوں کا نام کیا تھا اور وہ کون لوگ تھے۔ ہاں البتہ میں انہیں چہروں سے ضرور شناخت کر سکتا ہوں۔'' اسحاق نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

وزیر ایک عاقل شخص تھا اس نے اسحاق کی یاوہ گوئی کو قطعاً اہمیت نہ دی اور اسے حکماً کہا کہ اے شخص میرا حکم ہے کہ تم اپنے اس باطل دعویٰ کی تشہیر مت کرو۔ مجھے تو اس میں سرے سے کوئی صداقت ہی دکھائی نہیں دیتی۔ میرا خیال ہے کہ تم میری اس ہدایت کو ضروری یاد رکھو گے۔

اسحاق نے ابھی ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا کہ اس سے پہلے ہی صدر مدرس بول اٹھا کہ'' وزیر محترم! ہمارے سامنے ہی انہوں نے دس برس گزارے ہیں۔ اب کیا یہ بات قابل قدر نہیں ہے کہ جو شخص پیدائشی گونگا بہرہ ہو وہ بھلا کس طرح چاروں آسمانی کتابوں پر عبور حاصل کر سکتا ہے اور وہ کیسے کئی ایک زبانیں روانی سے بول سکتا ہے۔ ہم نے انہیں کبھی بولتے اور پڑھتے لکھتے نہیں دیکھا۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ انہوں نے کبھی کچھ پڑھا تھا یا سیکھا تھا تو پھر دس برس تک کا عرصہ بھول جانے کے لیے تو کافی ہوتا ہے۔''

'' میں نے حکم دیا ہے کہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس کو چاہیے کہ میری بات پر عمل کرے وگرنہ مجھے اس کے ساتھ سخت برتاؤ کرنا پڑے گا۔'' وزیر نے عاجز آتے ہوئے کہا۔ وزیر کی سخت گفتگو سن کر اسحاق نے بھی اپنا مودب لہجہ تبدیل کیا اور بڑے رعب سے کہا'' اے وزیر! سن میں تیری دھمکیوں سے دبنے والا ہرگز نہیں ہوں

Marfat.com

میں تو وہی کروں گا جس کا حکم مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔"

وزیر نے اسحاق کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ "اے کم عقل شخص میں تجھے زندان میں ڈال دوں گا۔ جہاں سے تیری خلاصی ممکن نہ ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ باز آ جاؤ اور لوگوں میں فتنہ مت پھیلاؤ۔" اس کی اس بات پر اسحاق نے طنزیہ ہنسنا شروع کر دیا یقیناً اسے اپنے بے تحاشا عقیدت مندوں پر بھروسہ تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ چند ہی دنوں میں اس تعداد میں حد درجہ اضافہ ہو جائے گا۔

اسحاق کے بعد اب وزیر کا رخ صدر مدرس کی طرف تھا۔ وزیر نے صدر مدرس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "اے صدر مدرس! مجھے تو یوں دکھائی دیتا ہے کہ اس ساری کارروائی کے پیچھے تیرا ہی ہاتھ ہے۔ تجھے اگر یہ خیال ہے کہ مدرسہ کے جملہ طلباء تیری حمائیت کریں گے تو یہ تیری شدید قسم کی غلط فہمی ہی قرار دی جا سکتی ہے۔

یہ واقعی ایک شدید الزام تھا صدر مدرس نے روانی سے جواب دیا "جناب عالی! میں تو اس معزز و محترم شخص پر دل و جان سے ایمان لا چکا ہوں۔ میرے سامنے ان کے گزرے ہوئے دس برس ہیں۔ مجھے تو کسی قسم کی چھان بین کی ضرورت نہیں اور میں آپ کو بھی یہی مشورہ دوں گا کہ آپ بھی ان پر ایمان لے آئیں تاکہ آپ کو فلاح حاصل ہو سکے۔ میں بھی قرآن و حدیث کو جانتا ہوں۔ مجھے بیوقوف بنانا مشکل ترین امر ہے۔"

صدر مدرس کی اس مختصر ترین تقریر کے بعد وزیر نے اس کو یہ حکم دیا کہ "اے صدر مدرس! تم بھی میری بات غور سے سنو کہ تم کسی کے آگے اس کی تبلیغ نہیں کرو گے اور نہ ہی تمہیں مدرسہ چھوڑنا چاہیے وگرنہ تمہیں روکا بھی جا سکتا ہے۔"

وزیر کی بات بالکل حتمی تھی چنانچہ صدر مدرس نے فی الوقت خاموشی اختیار کر لی۔ اس کے بعد وزیر نے قاضی شہر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "اے صاحب علم و فضل قاضی آپ تو بہت ہی ضعیف الاعتقاد واقع ہوئے ہیں۔ آپکو تو ہوش کرنا چاہئے تھا۔ لوگ تو آپ کے ہر حکم کو تسلیم کرنا فخر محسوس کرتے ہیں۔"

قاضی صاحب نے بڑے فخر سے کہا "میرے محترم وزیر! مجھے آپ گمراہی کا طعنہ ہرگز نہ دیں کیونکہ جناب اسحاق کے پاس آیات مبارکہ موجود ہیں۔ آیات مبارکہ کی

Marfat.com

موجودگی ہی دراصل ان کی سچائی ہے۔ پھر بھلا میں کیونکر گمراہ ٹھہروں گا۔ میں تو قطعاً گم کردہ راہ نہیں ہوں۔''

قاضی کی یہ بات سن کر وزیر مذکور نے حکماً کہا کہ'' اے قاضی ! اب تم بھی میرا حکم سن لو کہ آئندہ تم بھی اپنے گھر سے باہر نہیں نکلو گے اور نہ ہی تم اس خود ساختہ نبی کی تبلیغ وغیرہ کرو گے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی تم یاد رکھنا کہ تم آئندہ کبھی اس نبی کے ساتھ نہیں ملو گے۔ تمہارا یہ نبی آئندہ ہمارا سرکاری مہمان رہے گا۔''

یہ تمام تر آوازیں وہاں کمرہ میں موجود لوگ بھی سن رہے تھے اور باہر موجود لوگوں نے بھی سن لیا تھا اور اس صورت حال سے وہ تمام لوگ ناخوش تھے۔ صدر مدرس نے تقریباً روتے ہوئے کہا'' وزیر محترم! آپ یہ کیسا حکم دیتے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے محل کے باہر اس محترم شخص کے لاتعداد ارادت مند موجود ہیں تو کیا وہ لوگ اس وقت زبردست ہنگامہ کھڑا نہیں کر دیں گے جب وہ یہ سنیں گے کہ ان کا نبی قید کر لیا گیا ہے۔ یقیناً یہ آپ کوئی اچھا فیصلہ نہیں کر رہے۔''

وزیر موصوف نے گرجدار آواز میں حکم دیا'' اسحاق کو تو قید خانے میں ڈالنا ہی ہے مگر اب اس کے ساتھ ساتھ اس کے حمایتیوں صدر مدرس اور شہر کے قاضی کو بھی حوالۂ زندان کر دیا جائے۔ باہر موجود لوگوں کو آرام سے سمجھایا جائے کہ وہ لوگ خاموشی کے ساتھ واپس اپنے گھروں کو لوٹ جائیں وگرنہ ان کے ساتھ سخت برتاؤ کیا جائے گا۔''

اس محل میں ان تینوں کو ایک تہہ خانے میں قید کر دیا گیا۔ اسحاق کے ساتھیوں نے جب ہنگامہ آرائی کی کوشش کی تو انہیں بری طرح تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور یوں وہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ مگر وہ لوگ اپنے گھروں میں جا کر آرام سے تھوڑی بیٹھ گئے تھے بلکہ انہوں نے اپنے طور پر اپنا کام پوری شد و مد کے ساتھ شروع کر دیا۔

بہت ہی جلد پورے اصفہان شہر میں اسحاق کی شہرت پھیل گئی۔ اس شہر کے اکثر لوگ اسحاق سے واقف تھے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ شخص پیدائشی گونگا اور بہرہ ہے ان لوگوں نے بہت جلد اس کی نبوت کو تسلیم کر لیا۔ چند ہی دنوں میں پورا شہر ہی اسحاق کا عقیدت مند بن گیا اگرچہ اس کا علم قید خانے میں موجود ان تینوں کو نہیں ہو سکا تھا۔

Marfat.com

حاکم شہر اور وزیر کو بھی یہ خبریں موصول ہو رہی تھیں کہ اسحاق کے عقیدت مندوں کی تعداد میں بے تحاشا اضافہ ہو رہا ہے مگر وہ کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ مگر ایک روز حاکم شہر نے وزیر کو بڑی فکر مندی کے ساتھ کہا کہ" جناب عالی! جیسا کہ آپ بھی سن رہے ہیں کہ پورے شہر میں اسحاق کی حمایت بڑھتی جا رہی ہے۔ ہمیں اب اس مسئلہ سے نپٹنے کے لیے کوئی حل تلاش کرنا پڑے گا ورنہ صورت حال بگڑ بھی سکتی ہے۔

حاکم شہر کی فکر انگیز باتوں نے وزیر کو بھی متفکر کر دیا وزیر نے حاکم شہر سے کہا" ارے امیر! آپ نے ابھی تک اسحاق کے ماضی کے بارے میں کچھ بھی تو پتہ نہیں چلایا تم بہت جلد یہ معلوم کرو تا کہ اس کے متعلق لوگوں کی رائے تو تبدیل کیا جا سکے۔" وزیر کی باتیں بالکل درست تھیں۔ چنانچہ حاکم شہر نے کہا' میں اس مشکل کام کو ضرور پورا کروں گا۔ میں ضرور بہت ہی جلد اس کے ماضی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کروں گا۔"

حاکم شہر نے کہنے کو تو یہ بات کہہ دی تھی مگر یہ کام اس قدر دشوار گزار تھا کہ یہ زمانہ کوئی جدید زمانہ تو تھا نہیں کہ اسحاق کی تصویریں پورے ملک میں پھیلا دی جائیں۔ یہ کام بہت ہی مشکل تھا۔ حاکم شہر کے جاسوس اسحاق کا حلیہ لوگوں کو بتلاتے مگر انہیں کسی قسم کی کامیابی نصیب نہ ہوئی۔

وزیر کے حکم سے اسحاق کے ماننے والوں پر سختی کی جانی لازمی تھی مگر ان پر ان سختیوں کا اثر نہیں ہوتا تھا۔ دوسری جانب وہ لوگ جن کا ایمان ابھی تک سلامت تھا وہ لوگ حد درجہ پریشان تھے۔ وہ اسحاق کے عقیدت مندوں کو سمجھاتے کہ وہ لوگ غلط راہ پر چل پڑے ہیں مگر انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوتی تھی۔

اس دوران عباسی خلیفہ ابو السفاح کی موت ہوگئی اور اس کی جگہ اس کے بھائی جعفر منصور نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ اس کو جلد ہی یہ اطلاع مل گئی کہ ایران کے مشہور شہر اصفہان میں ایک خود ساختہ نبی نمودار ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ سے پورا شہر ہی گمراہی کی دلدل میں پھنسا چلا جا رہا ہے۔ وہ ایک بیدار مغز خلیفہ تھا اس نے سمجھ لیا کہ اگر اس فتنہ کا سد باب نہ کیا گیا تو یہ فتنہ بہت ہی جلد بہت سے شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

خلیفہ نے وزیر کو فرمان روانہ کیا کہ اس خود ساختہ نبی کو فوراً گرفتار کر کے اس

Marfat.com

کے پاس روانہ کر دیا جائے۔ یہ فرمان جب اصفہان پہنچا تو حاکم اور وزیر نے کافی سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اسحاق کو خلیفہ کے پاس روانہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اسحاق کو ایک فوجی دستے کے ساتھ روانہ کر دیا گیا مگر ابھی وہ لوگ اصفہان میں ہی تھے کہ ان پر اسحاق کے عقیدت مندوں نے اچانک حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں انہوں نے نہایت عمدگی سے اسحاق کو چھڑوا لیا اور اس کو اس شہر میں چھپا دیا۔

ان لوگوں نے اسحاق کو یہ باور کرا دیا کہ وہ لوگ اس پر کس قدر جان چھڑکتے ہیں۔ اسحاق ان کی اس کارروائی سے بہت مطمئن تھا اس کو ان سے اس حد تک تو امید نہ تھی۔ چند روز آرام کرنے کے بعد اس کو صدر مدرس اور قاضی کی فکر ہوئی۔ ان کی رہائی بھی تو از بس ضروری تھی۔

اسحاق کو آزاد کروانے والے لوگوں کا سربراہ دراصل ابو حنف نامی شخص تھا۔ اس شخص کا یہ خیال تھا کہ اگر اسحاق کی حمایت اس کو حاصل رہی تو وہ پورے ملک پر حکومت کر سکتا ہے۔ یہی سوچ کر اس نے اسحاق کو سرکاری آدمیوں سے آزاد کروایا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے دو معتمد ساتھی بھی تھے جن کے نام اسعدی اور بکیر تھے۔

انہی خیالات کے پیش نظر اس نے اسحاق کے سامنے ایک اور مؤدب انداز میں پوچھا کہ "اے محترم نبی میں نے اپنے جانثار ساتھیوں کے ساتھ آپ کو سرکاری فوجیوں سے آزاد کروایا ہے۔ اب آپ مجھے حکم عنایت کریں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ یہی چاہتا ہوں کہ آپ مجھے حکم فرمائیں کہ میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔"

ابو حنف کی باتوں کے جواب میں اسحاق نے مدبرانہ انداز میں کہا کہ "یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کیا تم لوگوں کو وہی کچھ کرنا چاہیے جو تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں کے لیے کرتے رہے ہیں یعنی اپنے نبی کے دین کی تبلیغ وغیرہ۔"

"مگر یہ کام مجھے اتنا بھی آسان دکھائی نہیں دیتا۔ ہمارے پاس تو ابھی اسلحہ وغیرہ بھی نہیں اور تربیت یافتہ افراد بھی نہیں۔ اگر کبھی ہماری مڈھ بھیڑ مسلح افراد کے ساتھ ہوگئی تو پھر ہم کیا کریں گے۔"

چنانچہ یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ فی الحال خاموشی کے ساتھ تبلیغ کی جائے مگر اسی کے ساتھ ساتھ اپنے آدمیوں کو فوجی تربیت بھی دی جائے تاکہ مستقبل میں فوجی کارروائی کی

Marfat.com

تیاریاں کی جائیں۔ اسی کے مطابق اب کام شروع کر دیا گیا۔ ابو حنف کے دونوں ساتھی جو کہ اس کے جانثار بن کر اس کے ساتھ رہ رہے تھے مگر درحقیقت وہ دونوں حاکم شہر کی ہی ایماء پر اس کے ساتھ تھے اور اس کے تمام منصوبوں کی پل پل کی خبر حاکم کو پہنچاتے رہتے تھے۔ اس لیے وہ دونوں اسحاق کو اعتماد میں لے کر اکثر پوچھا کرتے تھے کہ وہ اپنے آبائی شہر کا نام بتا دیں تاکہ دیگر نبیوں کی طرح اس کے آبائی شہر کو مقدس شہر کا درجہ حاصل ہو جائے۔

ان کے اس طرح پوچھنے پر بھی اسحاق خاموشی اختیار کر لیا کرتا تھا۔ اسے یہ تو معلوم ہی تھا کہ اگر اس کے منہ سے بھولے سے بھی اپنے آبائی وطن کا نام نکل گیا تو پھر سبھی کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ پیدائشی گونگا و بہرہ نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے یہ پہلے طے کر لیا تھا کہ وہ کبھی بھی اپنی زبان نہیں کھولے گا۔ سو وہ ہمیشہ کی طرح ان کی باتوں کو بھی سن کر خاموش ہی رہا کرتا تھا۔

یہ حالات تو اپنی جگہ پر مگر دوسری طرف خلیفہ نے حاکم شہر اور وزیر کو بار بار یہ پیغامات روانہ کئے کہ جلد از جلد اسحاق کو اس کے پاس پیش کیا جائے۔ وگرنہ ان دونوں کو معزول کر دیا جائے گا۔ اب ان دونوں کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر خلیفہ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اسحاق ان کی قید سے رہا کروا لیا گیا ہے تو پھر وہ خلیفہ کو کیا جواب دیں گے۔

اب ان دونوں نے بہت سوچ و بچار کے بعد خلیفہ کو ایک مراسلہ ارسال کیا کہ جس میں تحریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر اسحاق کو آپ کے پاس روانہ کر دیا گیا تو اس کو یقیناً قتل کر دیا جائے گا اور اسی طرح یہ شخص خوامخواہ شہرت لازوال حاصل کریگا۔ اس کے عقیدت مندوں میں اس کے لیے ہمدردی کے جذبات مستحکم ہو جائیں گے۔ اس کے ماضی کے بارے میں تندھی کے ساتھ چھان بین کی جارہی ہے۔ جیسے ہی اس کے ماضی کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں تو وہ اسحاق کو گرفتار کر کے دارالحکومت روانہ کر دیا جائے گا۔

خلیفہ نے اس کے پیش نظر انہیں مہلت دے دی تاکہ وہ اپنا کام بھرپور طریقہ سے کر سکیں۔ اس کے بعد بکیر کو حاکم شہر نے اپنے پاس طلب کیا اور کہا کہ وہ جلد از جلد اسحاق کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرے اور اسحاق کے پاس آنے جانے والے ہر فرد پر نظر رکھے۔

Marfat.com

بکیر نے اب زیادہ تندھی کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا اس نے اپنے ساتھ بہت سے دوسرے لوگ بھی شریک کر لیے تھے۔ جو اسحاق کے بارے میں معلومات اکٹھی کر رہے تھے۔ ان کی جستجو اور جدو جہد اپنی جگہ مگر اچانک ایک بوڑھا شخص اصفہان کی سرائے میں وارد ہوا جس نے حاکم شہر کا راستہ خود بخود آسان کر دیا۔

یہ بوڑھا الجزائر سے یہاں پہنچا تھا۔ یہ لوگوں سے پوچھتا پھر رہا تھا کہ اس کو اسحاق نامی شخص کے بارے میں کچھ بتلائیں جس نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ اس نے یہ بھی پوچھا کہ یہ وہی شخص تو نہیں جس نے عرصہ دس برس تک خود کو گونگا بہرہ بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا۔

حاکم شہر اور اس کے جاسوس اسی کو تو تلاش کر رہے تھے۔ حاکم شہر کے جاسوس اس بوڑھے کو باتوں میں لگا کر حاکم کے پاس لے گئے۔ جہاں یہ معلوم ہوا کہ اس بوڑھے شخص کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ حاکم کے محل میں عبدالرحمٰن کو اس طرح قید کر رکھا گیا کہ اس کو ہلکا سا بھی شائبہ نہ ہو۔ حاکم شہر نے بوڑھے عبدالرحمٰن کو باتوں میں لگا کر پوچھا کہ جس اسحاق کو وہ تلاش کر رہا ہے اس کی خاص نشانی کیا ہے۔ اس نے بتلایا کہ جس شخص کو وہ تلاش کر رہا ہے اس کے گلے پر ایک بڑا سا مسا ہے اور اس کی آنکھیں ہر وقت مندھی رہتی ہے۔

حاکم شہر اور وزیر کی خوشی تو دیدنی تھی۔ اسحاق کی جو نشانی اس بوڑھے نے بتلائی تھی وہ اس کی تھی جو انہیں مطلوب تھا۔ یعنی خود ساختہ نبی اسحاق۔ انہوں نے بوڑھے سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور کیا وہ اسحاق کو اچھی طرح جانتا ہے تو اس نے بتلایا کہ وہ الجزائر سے آیا ہے اور اسحاق کا تعلق بھی الجزائر سے ہی ہے۔ اسحاق کا خاندان بہت بڑا خاندان ہے اور اس کے متعدد بہن بھائی بھی موجود ہیں۔ اس کے والدین زندہ ہیں۔ انہیں ابھی تک اپنے گمشدہ بیٹے کا انتظار ہے۔

وزیر نے اس بوڑھے سے دریافت کیا کہ کیا وہ جس اسحاق کو تلاش کر رہا ہے وہ پیدائشی گونگا اور بہرہ تھا۔ کیونکہ جب اسحاق کو وہ جانتا ہے وہ جب اصفہان میں آیا تو وہ گونگا اور بہرہ تھا۔ اس بوڑھے نے جواب دیا کہ نہیں وہ جس اسحاق کو تلاش کر رہا ہے وہ تو گونگا بہرہ نہیں ہے بلکہ وہ تو ایک تعلیم یافتہ شخص ہے۔ اس کی اس بوڑھے نے بہت

Marfat.com

سی خصوصیات بھی گنوا دیں۔

وہ بوڑھا چند روز تو ان کی خاطر مدارت سے مطمئن رہا مگر پھر اسے اسحاق سے ملاقات پر اصرار کرنا شروع کر دیا۔ حاکم اور وزیر اس کو سمجھاتے رہے اور کہتے رہے کہ اگر بوڑھا اسحاق سے ملاقات کرے گا تو یقیناً وہ بوڑھے کو مروا ڈالے گا۔ کیونکہ وہ اپنے ماضی کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے۔ یہ باتیں بھلا اس سادہ لوح شخص کی سمجھ میں کیسے آتیں۔ وہ اور بھی اصرار کرتا کہ اس کو اسحاق سے ملوایا جائے۔

اسی اثناء میں وزیر نے بکیر کو طلب کیا اور اسے بتلایا کہ انہیں ایک بوڑھا شخص دستیاب ہوا ہے جس نے انہیں اسحاق کے بارے میں بہت کچھ بتلایا ہے۔ بکیر نے کہا کہ پھر کیوں نہیں اسحاق کو اس کے سامنے لایا جاتا تاکہ یہ سارا قصہ ہی ختم ہو جائے۔ وزیر نے مسکراتے ہوئے کہا کہ نہیں ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان دونوں کو آپس میں ملوانے سے پہلے اسحاق کو یہ باور کروا دیں کہ تمام لوگ اسحاق کی اصلیت سے واقف ہو گئے ہیں۔

"مجھے بھی اس شخص سے ملوایا جائے تاکہ میں اس سے کچھ پوچھ سکوں۔" بکیر نے شدید بے قراری سے کہا۔ مگر حاکم شہر اور وزیر تو اس پر کلی طور پر بھروسہ نہیں کرتے وہ سوچتے تھے کہ ہو سکتا ہے کہ بکیر بھی کہیں اسحاق کے جال میں نہ پھنس چکا ہو اور اس طرح وہ ان کے لیے بھی خطرناک ثابت نہ ہو جائے۔ بکیر نے کہا "ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے یہ ہے کہ سوچ سمجھ کر ہی کرنا ہے کیونکہ اہل اصفہان پر تو اس کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔" چنانچہ اب یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس شہر کے لوگوں میں یہ خبر نہایت عمدہ طریقہ سے پھیلائی جائے کہ اسحاق کا باپ رزاق اور دو بھائی یوسف اور یعقوب الجزائر سے یہاں پہنچ چکے ہیں۔ یہ دراصل اسحاق کو ایک عرصہ سے تلاش کر رہے تھے مگر انہیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی تھی۔

پورے شہر میں یہ خبر گردش کر رہی تھی مگر ان تینوں کو دیکھا کسی نے نہیں تھا۔ چنانچہ اسحاق نے بھی خیال کیا کہ یہ ایک سوچی سمجھی سازش کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ کیونکہ جب اسے بکیر نے بڑی راز داری کے ساتھ یہ خبر دی تو اس نے مسکرا کر کہا کہ "نہیں نہیں! یہ غلط خبر ہے۔ یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے والد محترم تو میرے بچپن میں ہی

Marfat.com

انتقال فرما گئے تھے۔ یاد رکھو کہ میرا کوئی بھائی بہن نہیں تھا چونکہ میں گونگا بہرہ تھا اس لیے میں یہ نہیں جانتا کہ میرا تعلق کس ملک سے تھا۔"

"اچھا یہ بات تو بالکل درست ہے مگر آپ فرشتوں سے یہ سب کچھ دریافت تو کر سکتے ہیں۔ کیونکہ آپ کو اپنے والد گرامی کا نام تو معلوم ہونا ہی چاہیے۔ اور آپ کو اپنی جائے پیدائش کا بھی علم ہونا چاہیے۔ ہم سب لوگوں کو تو جھوٹا قرار نہیں دے سکتے۔" بکیر نے نہایت متانت سے کہا۔

اسحاق نے بکیر سے کہا۔ "اے بکیر! یہ تو بتاؤ کہ کیا تم نے ان لوگوں سے ملاقات کی ہے جو میرے والد اور بھائی ہونے کے دعوے دار ہیں۔" بکیر نے گڑ بڑا کر جواب دیا۔ "جی نہیں میں نے تو انہیں دیکھا بھی نہیں بس لوگوں سے ان کے بارے میں سنا ہی تھا جو آپ کے گوش گزار کر دیا۔"

اسحاق کی حالت قابل دید تھی۔ اس کو اب فکر لاحق ہوئی کہ آخر یہ کون شخص ہے جس نے یہاں آ کر اس کی راتوں کی نیند حرام کر ڈالی تھیں۔ اسحاق کے پاس شہر سے کافی لوگ آتے رہتے تھے۔ یہ سب قابل اعتماد لوگ ہوتے تھے۔ ان لوگوں سے اسحاق نے کہا کہ وہ پتہ چلائیں کہ ان خبروں کے پیچھے کون سے عوامل کارفرما ہیں۔

بکیر کو اس نے ایک روز بہت سخت سست کہا اور یہ حکم دیا کہ "اے بکیر کسی طرح ممکن ہے کہ تم جیسے شخص کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ لوگ کہاں روپوش ہیں۔" اسحاق کے ارادت مندوں نے اسے ایک روز یہ بتلایا کہ "جناب عالیٰ! الجزائر سے صرف ایک عمر رسیدہ شخص ہی اتفاق سے یہاں آیا ہے جو آپ کے حلیہ کے کسی شخص کو تلاش کر رہا ہے۔ مگر اب وہ شخص اچانک ہی غائب ہو چکا ہے۔"

اس کے بعد اسحاق نے اپنے ارادت مندوں کو حکم دیا کہ اس ناخلف بوڑھے کو پکڑ کر اس کے پاس لایا جائے تاکہ وہ اس سے اس جھوٹ کا سبب دریافت کر سکے۔ اگر وہ گرفتار نہ ہو سکے تو اسے فی الفور قتل کر دیا جائے۔ اس نے ابو حنف سے پوچھا کہ جنگی تیاریوں کی کیا حالت ہے تو اسے بتلایا گیا کہ کم از کم دس ہزار جانثار اس کے ایک اشارہ پر جان قربان کرنے پر تیار ہیں۔ یہ سن کر اسحاق نے اطمینان کی سانس لی تھی۔

وقت بڑی تیزی کے ساتھ گزرتا چلا جا رہا تھا۔ دوسری طرف دارالحکومت سے

Marfat.com

بھی خلیفہ کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا جس کی وجہ سے حاکم شہر اور وزیر کو پریشانی لاحق تھی۔ حاکم اور وزیر کو یہ خبریں مل چکی تھیں کہ اسحاق کے حامیوں نے اب مسلح جدوجہد کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اسحاق کی گرفتاری بھی اب آسان دکھائی نہیں دیتی تھی کیونکہ اصفہان شہر میں اس کے ادارت مندوں کی اکثریت تھی جو اس کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتاتے تھے۔

حاکم شہر نے اپنے محل کی حفاظت کے لیے مناسب اقدامات کر لیے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اسحاق کے حامیوں نے مسلح جدو جہد کی تو پھر محل کس طرح محفوظ رہ سکے گا۔ اسحاق نے اپنے قریبی لوگوں سے کہا کہ وہ اب طاقت حاصل کریں تو دین کی تبلیغ میں حائل روکاوٹوں کو دور کیا جا سکے۔

چنانچہ اب اس کے چھوٹے چھوٹے دستوں نے اپنی موجودگی ظاہر کرنا شروع کردی۔ ایک رات اس کے مسلح دستوں نے اچانک محل پر حملہ کر دیا مگر وہ لوگ حیران رہ گئے جب انہیں محل سے زبردست جواب دیا گیا۔ یہ حملہ اگرچہ بالکل اچانک تھا مگر اس کو سرکاری فوج نے بڑی مہارت کے ساتھ پسپا کر دیا۔ اس صورت حال کے پیش نظر دارالحکومت سے باقاعدہ فوج طلب کر لی گئی۔ حاکم جانتا تھا کہ اسحاق دراصل اس بوڑھے شخص کو برآمد کرانا چاہتا ہے جو الجزائر سے آیا تھا۔ چنانچہ وہ بوڑھا شخص بھی قاضی اور صدر مدرس کے ساتھ ساتھ قلعہ میں بھیج دیا گیا۔

عام طور پر لوگوں کا خیال تھا کہ یہ تینوں لوگ حاکم شہر کے محل میں ہی قید ہیں چنانچہ یہیں دباؤ بھی ڈالا جا رہا تھا۔ مگر حقیقت اس کے برعکس تھی۔ وزیر کو معلوم ہوا کہ دارالحکومت سے کمک آ چکی ہے تو وہ بہت زیادہ خود اعتماد ہوگیا۔ اگرچہ عام لوگوں کو یہی معلوم تھا کہ بوڑھا شخص محل میں ہے مگر اسحاق کو اپنے خاص ذرائع سے یہ معلوم ہوگیا کہ وہ بوڑھا شخص اب محل میں نہیں بلکہ قلعہ میں منتقل کر دیا گیا ہے۔

اسحاق نے اب ایک نیا چکر چلانے کی کوشش کی۔ اس نے بکیر کو بلایا اور کہا کہ "اے بکیر! ایک وقت تھا کہ جب تو حاکم شہر کا خاص آدمی ہوا کرتا تھا۔ اب تجھے ایک مرتبہ پھر حاکم شہر کا اعتماد حاصل کرنا پڑے گا۔ تو اسے بتائے گا کہ تو نے میری نبوت سے توبہ کر لی ہے اور تو اب میرے پاس واپس نہیں جائے گا۔ اس طرح تیری رسائی یقیناً قلعہ تک بھی ہو جائے گی اور محل میں بھی تو پہنچ جائے گا اس طرح تو قاضی اور صدر

Marfat.com

مدرس کے ساتھ ساتھ اس بوڑھے کو بھی وہاں سے نکال لائے گا۔

یہ صورت حال واقعی بکیر کے لیے باعث تشویش تھی۔ کیونکہ جب اس نے اس کا ذکر حاکم اور وزیر سے کیا تو وہ بھی سوچ میں پڑ گئے کہ اب کیا کیا جائے۔ اگر بکیر اسحاق کے حکم کو پورا نہ کر سکا تو پھر وہ اسحاق کے بااعتماد لوگوں میں شمار نہیں ہوگا۔ اسحاق کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے بکیر نے ایک رات اچانک بڑے ہی ڈرامائی انداز میں قاضی اور صدر مدرس کو تو محل کے قید خانہ سے آزاد کروا دیا۔ جس کی تعریف اسحاق نے بہت اچھے الفاظ میں کی تھی۔

اب اس نے قلعہ میں جا کر بوڑھے عبدالرحمٰن سے بھی ملنا جلنا شروع کر دیا۔ عبدالرحمٰن کو اس نے بتایا کہ اس کی جان کو شدید خطرہ ہے اس لیے اسے شہر میں جانے نہیں دیا جاتا مبادا کوئی اس کو نقصان نہ پہنچا دے۔ عبدالرحمٰن کو اس کی بات پر یقین نہیں آتا تھا۔ مگر ایک روز اچانک قلعہ کے اندر ہی ایک شخص نے عبدالرحمٰن پر تیز دھار خنجر سے حملہ کر دیا۔ جب بکیر نے عبدالرحمٰن کو بچانے کی کوشش کی تو وہ یہ کہہ کر بھاگنے لگا کہ اے بکیر یقیناً تو حاکم کا ہی آدمی ہے۔ ورنہ اس بوڑھے کو تو کیوں بچاتا۔ وہ حملہ آور فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو سکا اور قلعہ کے سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔

اسی اثنا میں قاضی کو اچانک گرفتار کر لیا گیا۔ قاضی کو حاکم شہر کے پاس لایا گیا تو اس کی حسب سابق بہت تکریم کی گئی۔ وزیر نے قاضی کو کہا "اے محترم شیخ! آپ کی علمیت سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ بلا شبہ آپ ایک عالم فاضل شخص ہیں۔ آپ جیسے شخص کا اس طرح اسحاق جیسے دروغ گو کا عقیدت مند بن جانا کچھ سمجھ نہیں آیا۔"

اس وقت قاضی پابہ زنجیر نہ تھا اس کا اعتماد اب خاصی حد تک بحال ہو چکا تھا۔ اس نے پر اعتماد انداز میں کہا "اے میرے محترم! وہ ایک مادرزاد گونگا و بہرہ شخص تھا۔ کیا اسے اچانک قوت گویائی اور قوت سماعت حاصل ہونا ایک معجزہ نہیں۔ اس کا علم ایک جاہل کا علم ہے نہیں بلکہ وہ تو عطیہ خداوندی ہے۔"

حاکم شہر نے وزیر کی طرف دیکھا تو سوچوں میں گم تھا۔ کچھ دیر تک وزیر سوچتا رہا پھر یوں گویا ہوا "اے محترم قاضی! آپ نے عجیب بات کہی۔ آپ کو معلوم ہے کہ اصفہان کے لوگ محض دس برس سے اسحاق کو جانتے ہیں۔ جانتے بھی نہیں ہیں بلکہ وہ

Marfat.com

صرف دس برس سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان دس برسوں میں تو انہیں اس کا نام بھی معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ کہتا ہے کہ اس کو نہیں معلوم کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے تو پھر آپ حیران نہیں ہوتے کہ اس کا نام اسحاق کیوں مشہور ہوا۔ آپ نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کیوں نہ کی۔ ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کا وطن الجزائر ہے اور اس کے باپ کا نام عبدالرزاق اور اس کے بھائیوں کے نام یوسف اور یعقوب ہیں۔"

قاضی اس کی باتیں سن کر بھونچکا رہ گیا اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا کہ "جناب عالی! یہ تمام باتیں آپ کو کس طرح معلوم ہوئی۔ ویسے اس قسم کی باتیں سنیں تو میں نے بھی ہیں۔"

حاکم اور وزیر کچھ دیر تو ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھتے رہے پھر حاکم یوں گویا ہوا کہ "ہاں یہ بات بڑی اہم ہے ہمیں کچھ عرصہ قبل ایک بوڑھا شخص سرائے میں اسحاق کے بارے میں دریافت کرتا ہوا ملا۔ جب ہم نے اس کے بارے میں سنا تو اس کو یہاں طلب کر لیا۔ اس نے ہی ہمیں بتایا کہ وہ الجزائر سے یہاں اسحاق نامی شخص کو تلاش کرتا ہوا آیا ہے۔ اس نے جو علامات و نشانات بتائے وہ اسحاق کے ہی تھے۔ مگر ہم ابھی تک اس بوڑھے الجزائری کو اسحاق سے ملوا نہیں سکے۔ ابھی تک ہم نے خود بھی ایک عرصہ سے اس کے ساتھ ملاقات نہیں کی۔ آپ کو یقیناً حیرانگی ہوگی کہ اسحاق نے اس کو قتل کروانے کے لیے محل پر اور قلعہ پر متعدد بار حملہ بھی کروایا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ یہ بوڑھا سچ کہتا ہے۔"

اپنی حد درجہ عزت و تکریم اور آخر الذکر باتوں نے قاضی کو بھی متذبذب کر دیا وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "اے محترم وزیر! میں اس بوڑے الجزائری سے ملاقات کر سکتا ہوں۔" وزیر نے بیساختہ کہا "ہاں ہاں! کیوں نہیں بھلا آپ کو روکنے کی جرأت کوئی کر سکتا ہے۔"

محل سے حاکم شہر وزیر اور قاضی بڑی راز داری کے ساتھ قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ دوران سفر سبھی خاموش تھے مگر سب سے زیادہ متفکر قاضی ہی تھا۔ اس نے ایک بڑے منصب کو چھوڑ کر اسحاق کا دامن تھاما تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ دامن ہی

Marfat.com

اس کے لیے طوق لعنت نہ ثابت ہو جائے۔ اس کو اپنی عزت و تکریم پر بھی حیرت تھی کیونکہ اس کو تو معتوب قرار دے کر ایک عرصہ قید خانے میں رکھا گیا تھا۔

جب یہ مخصوص قافلہ قلعہ میں پہنچا تو سب لوگ ایک کمرہ خاص میں بیٹھ گئے۔ وہیں پر اس بوڑھے شخص کو بھی بلوا لیا گیا۔ قاضی ایک جہاندیدہ آدمی تھا۔ اس نے کافی دیر تک بغور اس شخص کو ملاحظہ کیا وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ بوڑھا کہیں حاکم وغیرہ کا آلۂ کار تو نہیں۔ کچھ دیر کے بعد اس نے اس سے پوچھا "میرے محترم بزرگوار! کیا آپ الجزائر سے تشریف لائے ہیں۔"

بوڑھا آہستہ آہستہ بولا' جی ہاں! میں وہیں سے یہاں آیا تھا۔ میری آمد کا مقصد دراصل ایک اسحاق نامی شخص کی تلاش تھی جو کہ کئی سالوں سے اپنے خاندان والوں کو چھوڑ چھاڑ کر کہیں غائب ہو چکا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ شخص اس شہر میں رہتا ہے اور اس نے نبوت کا دعویٰ بھی کر رکھا ہے۔"

"کیا آپ اس اسحاق کی بات تو نہیں کر رہے جو یہاں دس برس سے رہ رہا ہے اور جو کہ یہاں جب آیا تو گونگا بہرہ تھا۔" قاضی نے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ ہی شخص ہو میں وثوق سے تو نہیں کہہ سکتا مگر جو کچھ میں نے لوگوں سے سنا ہے اگر وہ سچ ہے تو پھر یہ وہی شخص ہی ہوگا، دراصل وہ ایک چالاک اور شاطر شخص ہے۔ اس نے بڑی تیزی کے ساتھ تعلیمی مراحل طے کیے تھے۔ اور بہت جلد اس نے الہامی کتابوں پر بھی عبور حاصل کر لیا تھا۔ اس کے خاندان والوں کو اس سے بڑی امیدیں تھیں مگر وہ تو اچانک ہی غائب ہوگیا اور پھر اس کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔" بوڑھے الجزائری نے صاف صاف بات کی۔

قاضی کو اپنی جلد بازی پر سخت ندامت ہو رہی تھی۔، اس کا سارا الزام وہ صدر مدرس کے ہی سر تھوپ رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ اب واپس جا کر صدر مدرس کو بھی حقیقت حال بتا کر واپس اسلام میں داخل کرے گا۔ مگر اچانک اس نے سوچا کہ اب اسحاق اور اس کے ساتھی قاضی کو کس طرح برداشت کریں گے کیونکہ اس کے جاسوس تمام خبریں لمحہ بہ لمحہ پہنچا رہے ہوں گے۔ مگر اس نے آخری فیصلہ یہی کیا کہ وہ اسحاق کے پاس ضرور جائے گا اور کم از کم صدر مدرس کو تو ضرور درست حالات بتلائے گا۔

Marfat.com

چنانچہ وہ حاکم اور وزیر کو اعتماد میں لے کر اسحاق کے پاس پہنچ گیا۔ دوران سفر اس کا دل انجانے خطرات سے بری طرح دھڑکتا ہی رہا۔ اسے امید نہ تھی کہ اسحاق اس کی عزت اس طرح کرے گا۔ مگر وہ تو حیران ہی تو رہ گیا جب اس نے دیکھا کہ اسحاق نے اور صدر مدرس نے اس کی خوب آؤ بھگت کی۔

قاضی نے جب تھوڑا بہت آرام کر لیا تو اسحاق نے قاضی سے پوچھا "اے محترم قاضی! آپ یہ تو بتائیں کہ آخر انہوں نے آپ کو چھوڑ کیونکر دیا۔ وہ تو آپ کو ہمارے خلاف بڑی کامیابی سے استعمال کر سکتے تھے۔ پھر آخر کیوں"

اسحاق کے تمام تر سوالات قاضی صاحب کے لیے کس طرح بھی غیر متوقع نہیں تھے۔ قاضی نے پہلے ہی سے جواب سوچ رکھا تھا۔ قاضی نے کہا " آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ حاکم شہر اور اس کے بہت سے قریبی مصاحب اب بڑی سنجیدگی سے آپ کے پیغام پر غور و فکر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر صرف ان کو بہترین انداز میں تبلیغ کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے جب ان کو بہت زیادہ قائل کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے مجھے وہاں سے یہ کہہ کر جانے کی اجازت دے دی کہ تمہارا دین تمہارے ساتھ اور ہمارا دین ہمارے ساتھ۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ وہاں پر میری موجودگی سے خائف تھے۔"

قاضی نے اس انداز میں باتیں کیں کہ وہاں پر موجود سبھی لوگ مطمئن ہو گئے۔ اسحاق نے قاضی سے پوچھا "قاضی صاحب! یہ بتائیں کہ وزیر کا ہمارے بارے میں کیا خیال ہے کیونکہ اس شہر پر حکومت تو درحقیقت اسی کی ہے"

"اگرچہ وہ بھی آپ کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتا ہے مگر اس پر بھی خلیفہ کا بہت زیادہ دباؤ ہے۔ خلیفہ کا مسلسل یہ مطالبہ ہے کہ آپ کو کسی بھی طرح گرفتار کر کے دارالحکومت بھیج دیا جائے۔" قاضی نے نپے تلے الفاظ میں اسحاق کو بتایا۔

قاضی کی یہ بات کسی حد اسحاق کو پسند آئی اس نے سر کو ہلایا اور اچانک کہنے لگا۔ " اچھا قاضی صاحب یہ تو بتائیں کہ کیا آپ کی ملاقات وہاں پر موجود اس الجزائری بوڑھے سے بھی ہوئی جو میرے خاندان والوں کو جاننے والوں کا دعویٰ کرتا ہے۔ حالانکہ میں تو اس کو جانتا بھی نہیں اور نہ ہی میں نے اسے دیکھا ہی ہے۔ میں نے تو کافی

Marfat.com

شہروں کی سیاحت کی ہے اور کیا ایک گونگا بہرہ شخص یہ بتا سکتا ہے کہ وہ کہاں کہاں سے گھوم کر آیا ہے۔ جب کہ وہ ان پڑھ بھی ہو۔ اور بھلا ایک گونگا بہرہ شخص کس طرح لکھ پڑھ سکتا ہے۔"

"جی ہاں میری ملاقات اس خبط الحواس بوڑھے شخص کے ساتھ بھی ہوئی مگر وہ میرے چند سوالوں کے ہی بعد گڑ بڑا گیا تھا۔" قاضی نے ہنستے ہوئے اسحاق کو بتایا۔" میرا تو یہ خیال ہے کہ وہ اسے آپ کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر اب وہ خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں اس بوڑھے کے بارے میں میرا یہ خیال ہے کہ اگر آپ کے ساتھ اس کی ملاقات ہو جائے تو وہ یقیناً آپ پر ایمان لے آئے گا اور پھر واپس اپنے علاقے میں جا کر فخریہ لوگوں کو بتائے گا کہ ان کی قوم میں بھی ایک نبی معبوث ہوا ہے۔"

اسحاق نے اس بات پر یقین کر لیا۔ کیونکہ یہ عین ممکن تھا۔ اب اس کے لیے اصفہان کے حاکم اور وزیر کے ساتھ ملاقات کی ضرورت تو رہی نہیں تھی کیونکہ اس کے ارادت مندوں نے خطۂ عمان پر تقریباً کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اسحاق کو یہی مشوہ دیا تھا کہ وہ اب اصفہان کو خیر باد کہہ کر عمان آ جائے اور وہاں سے دوسرے شہروں میں اپنے نمائندے روانہ کرے۔ اصفہان میں رہتے ہوئے تو وہ سب خطروں میں گھرے ہوئے تھے۔

جب یہ خبریں قاضی صاحب کو ملیں تو ان کے تو ہوش ہی اڑ گئے وہ تو صدر مدرس کو ایک طرح سے واپس اسلام میں لانے کے لیے آئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ اب صدر مدرس بھی وہاں دکھائی نہیں دیتا تو وہ سمجھ گئے کہ وہ بھی کسی علاقہ میں تبلیغ کے لیے چلا گیا ہوگا۔

ایک روز قاضی نے دیکھا کہ راز داری کے ساتھ زبردست تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ابھی وہ اس ادھیڑ بن میں مصروف تھے کہ شام ہوگئی اور اسحاق نے روانگی کا حکم دے دیا۔ جب یہ لوگ ٹولیوں کی صورت میں اصفہان سے باہر اکٹھے ہوئے تو ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی تھی۔ قاضی کو یہ موقع ہی نہیں ملا کہ وہ حاکم شہر کو مطلع ہی کر سکتے۔

صبح سویرے پورے اصفہان میں یہ خبر گردش کر رہی تھی کہ اسحاق اپنے معتمد

Marfat.com

لوگوں کے ساتھ اصفہان سے جا چکا ہے۔ اس وقت تک وہ اصفہان سے کافی دور جا چکا تھا۔ مگر پہلی فرصت میں حاکم شہر نے دارالحکومت یہ اطلاع ارسال کر دی کہ اسحاق اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عمان جا چکا ہے۔

اسحاق کو اب وزیر نے طاقت کے ذریعہ پکڑنے کی کوشش کی مگر اس کی کوشش بے سود ثابت ہوئی کیونکہ اسحاق کے ساتھیوں نے وزیر کی فوج کو زبردست نقصان سے دو چار کر کے واپسی پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ قافلہ چند روز عمان میں گزارنے کے بعد قاضی کو یہ احساس ہوا کہ وہ تو دراصل اسحاق کی قید میں دن گزارنے پر مجبور تھے۔ اسحاق نے صدر مدرس کو بتایا کہ قاضی حاکم شہر اور وزیر سے مل چکا ہے اور اب اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ صدر مدرس کو اسحاق نے قاضی سے ملاقات کی اجازت نہیں دی بلکہ اس کے ساتھ کسی کو بھی ملنے کی اجازت نہیں تھی۔

کچھ عرصہ خوب تیاریوں کے بعد اسحاق نے بصرہ پر حملہ کر دیا۔ بڑی شدید جنگ ہوئی اور آخر کار مرتدوں کا بصرہ پر قبضہ ہو گیا۔ خلیفہ نے اسحاق کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے بد عقائد سے فوراً تائب ہو جائے وگرنہ اسؐ کے ساتھ سخت برتاؤ کیا جائے گا۔ مگر اسحاق تو طاقت کے نشہ میں مست تھا اس نے خلیفہ کا پیغام چاک کر دیا اور پیغام لانے والے کو جواب دیا کہ اپنے خلیفہ سے جا کر کہہ دے کہ میں بہت ہی جلد اس کے دارالحکومت پہنچنے والا ہوں۔ اب وہ اپنی خیر منائے اور اپنے انجام کی فکر کرے۔

اسی اثناء میں قاضی کی ملاقات اچانک صدر مدرس سے ہو گئی۔ قاضی نے صدر مدرس کو اصفہان میں موجود عبدالرحمٰن نامی الجزائری سے ملاقات کرنے پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ وہ بہانہ بنا کر کسی طرح اصفہان پہنچ کر اس شخص سے ملا۔ کچھ عرصہ کے بعد قاضی بھی اصفہان پہنچ گیا۔

اصفہان سے یہ دونوں پہلی فرصت میں الجزائر روانہ ہوئے۔ تاکہ مزید معلومات حاصل کر سکیں۔ جہاں ان کی ملاقات اسحاق کی ماں اور باپ سے ہوئی۔ انہوں نے دیکھا کہ اس کی ماں شدید بیمار تھی۔ اس کے والدین کو یہ سن کر حد درجہ افسوس ہوا کہ ان کا بیٹا مرتد ہو چکا ہے اور خود نبی بن بیٹھا ہے۔

اسحاق کے بارہ میں لوگ بہت زیادہ متجسس ہو رہے تھے جوق در جوق لوگ

Marfat.com

اسحاق کے آبائی گھر پہنچ گئے تھے۔ اکثر لوگ خوش تھے کہ ان کا ایک شخص نبی معبوث ہوا ہے۔ مگر اس کے والدین کو دلی طور پر رنج تھا کہ ان کا بیٹا غلط راہ پر چل نکلا تھا۔

قاضی نے ایک خط اسحاق کو ایک بدو کے ہاتھ روانہ کیا جس میں اس کو اس کے والد کا پیغام بتایا گیا تھا کہ وہ ابھی تک گونگا بہرہ ہی ہے۔ اس خط کو پرزہ پرزہ کرنے کے ساتھ ہی اس نے اس بدو کو بھی قتل کروا دیا۔

خلیفہ نے ان دونوں کو اپنے پاس طلب کر کے کہا کہ تم دونوں تو دین کا علم جانتے تھے پھر تم نے یہ جاہلوں والی حرکت کیوں کی۔ دونوں نے شرمندگی کا اظہار کیا۔ خلیفہ نے انہیں مشورہ دیا کہ دونوں فوری طور پر مدینہ منورہ چلے جائیں اور وہاں روضۂ رسول پر حاضری دے کر اللہ اور رسول کی خوشنودی حاصل کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

خلیفہ نے اپنی افواج کو اسحاق کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ تمام علاقے اس سے واپس لے لئے۔ اب اسحاق عمان میں اپنی فوج ساتھ پہنچ گیا۔ اسلامی فوج نے اس کو وہاں سے بھی نکلنے پر مجبور کر دیا۔ جس کے بعد اس نے اصفہان کا رخ کیا مگر اس کو گرفتار کر لیا گیا۔

اسحاق کو پابہ زنجیر جب خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے اسحاق سے پوچھا کہ ''اے بے عقل شخص اب بتا کہ کہاں گئی تیری نبوت۔''

خلیفہ نے یقیناً طنزیہ سوال کیا تھا جس کے جواب میں اسحاق نے کہا ''اے خلیفہ! سن کہ نبوت تو مجھ میں ودیعت کی گئی۔ وہ کہاں جا سکتی ہے وہ تو میرے ساتھ ہی ہے۔ میں تو نبی تھا نبی ہوں اور نبی ہی رہوں گا۔''

اسحاق سے خلیفہ نے پوچھا کہ ''اے اسحاق! تجھے جس ملعون نے یہ مشورہ دیا تھا وہ کہاں گیا اس نے تیری مدد کیوں نہیں کی۔ یقیناً تجھے بہکانے والا شیطان ہی تھا۔''

اسحاق نے گھبرائے بغیر جواب دیا۔ ''اے خلیفہ! شیطان نے تو تجھے زنجیروں میں جکڑا ہے۔ انبیاء کو اس قسم کی ایذائیں دی ہی جاتی ہیں۔ اس حالت میں گھبرانا تو نہیں چاہیے۔

خلیفہ نے اسے ایک ماہ کی مہلت دی مگر وہ اپنے عقائد پر قائم ہی رہا چنانچہ اسے ایک ماہ کے بعد قتل کر دیا گیا۔ ایک عرصہ تک اس کے پیروکار موجود رہے۔

Marfat.com

Marfat.com

حکیم ابن مقنع

نقاب پوش پیغمبر

تاریخ الخلفاء، آئمہ تلبیس، تاریخ طبری، تاریخ ابن خلدون اور تاریخ الکامل وغیرہ میں اس حکیم کا ذکر موجود ہے۔ جس کے مطابق تقریباً ڈیڑھ سو صدی ہجری تا ایک سو تریسٹھ ہجری کے دوران اس خطرناک شخص نے خلافت عباسیہ کو ایک حد تک پریشان کیے رکھا۔

اس کے نام کے بارے میں تاریخ میں خاصہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے مطابق اس کا نام ہاشم تھا بعض کہتے ہیں کہ ہشام تھا اور بعض کے نزدیک عطاء تھا مگر زیادہ تر لوگ اسے حکیم یا ابن مقنع کے نام سے ہی یاد کیا کرتے تھے۔ چونکہ یہ شخص ہر وقت اپنے چہرہ پر ایک مرضع نقاب چڑھائے رہتا تھا اس لیے لوگ اس کو ابن مقنع کہہ کر یاد کیا کرتے اور اس نام سے اس نے شہرت حاصل کی۔

ابن مقنع ایران کے ایک معروف شہر ''مرو'' کے ایک گاؤں'' کازہ کیمن دات'' میں ایک دھوبی کے ہاں پیدا ہوا۔ بلاشبہ دنیا میں بہت سے شہر ان میں پیدا ہونے والوں کی وجہ سے شہرت عام حاصل کر چکے ہیں۔ مثلاً شیراز کی وجہ شہرت، شمس الدین حافظ شیرازی اور مصلح الدین سعدی شیرازی ہی تھے۔ گیلانی کی وجہ شہرت حضرت غوث الاعظمؒ، تبریز کی وجہ شہرت حضرت شمس الدین تبریزی اور نیشاپور کی وجہ

Marfat.com

شہرت عمر خیام ہی تھے۔

یقیناً ایران کے شہر کی وجہ شہرت تو دیگر بہت سی وجوہات بھی ہیں مگر اس شہر کا ایک چھوٹا سا گاؤں صرف اور صرف ابن مقنع کی وجہ سے ہی مشہور ہوا۔ اگر چہ ابن مقنع ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا تھا مگر اس کی شاطر چالوں نے اس گاؤں کو تاریخ اسلامی کا لازمی جزو بنا دیا۔

جب یہ شخص دھوبیوں کے گھر میں پیدا ہوا تو انہیں یہ نہایت ہی بدصورت بچہ قطعاً پسند نہ آیا کیونکہ ان کے باقی افراد خانہ تو سبھی قبول صورت تھے۔ مگر یہ بچہ تو حد درجہ بدصورت اور بد ہیبت تھا۔ اس بچے کا نام اس کے والدین نے جو بھی رکھا مگر شہرت اس نے نقاب پوش پیغمبر یا ابن مقنع کے نام سے ہی حاصل کی۔

اس گاؤں کی آب و ہوا بہت ہی اچھی تھی جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ قدرتی طور پر بہت خوبصورت اور حسین تھے۔ اس خوبصورت ماحول میں اس بچے کی بد صورتی بھی ایک مثال بن گئی۔ اس کے ہم عمر بچے اس کی بدصورتی کا مذاق اڑاتے جس کی وجہ سے اس کو اپنی بدصورتی کا احساس بڑھتا چلا گیا۔ یہ احساس عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا۔ ایک تو یہ کہ وہ کم تر خاندان سے تعلق رکھتا تھا پھر یہ کہ یہ بہت زیادہ بدصورت بھی تھا۔

جوں جوں اس کی عمر بڑھتی گئی اس کی بدصورتی میں بھی اضافہ ہوتا گیا یوں اس کا احساس کمتری بھی بڑھتا گیا۔ جب اس نے سن شعور حاصل کیا تو اس نے دیکھا کہ ان کے آبائی پیشے کی تو معاشرہ میں ذرا برابر بھی وقعت حاصل نہیں۔ اگر چہ یہ ایک ایسا نوجوان تھا جو کہ واجبی سی شکل و صورت کا بھی حامل نہ تھا مگر اس کے خیالات بہت بلند تھے۔ وہ دلی طور پر یہ چاہتا تھا کہ ساری دنیا اس کے زیرنگیں ہو مگر نہ تو اس کا خاندان ہی اس قابل تھا اور نہ ہی یہ خود جسمانی طور پر اس قدر مضبوط تھا کہ ایک عظیم الشان لشکر تیار کر سکتا۔

کافی سوچ و بچار کے بعد اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ایسے علوم حاصل کئے جائیں جن کی مدد سے لوگوں کو حیران کیا جائے۔ اس سلسلہ میں اس نے سب سے پہلے تو اپنے گاؤں میں موجود اساتذہ سے عام علوم حاصل کئے۔ اس کے بعد اس نے ماہر

Marfat.com

اساتذہ سے کیمیا اور طبعیات کے علوم حاصل کیے۔ طبعیات میں اس نے بہت محنت سے علم حاصل کیا مگر یہ خاص شہرت کیمیا کے علم میں رکھتا تھا۔ سب سے زیادہ اس نے پارہ پر تجربات کئے تھے۔

ایک طرف تو یہ نوجوان علوم وفنون میں مہارت حاصل کر رہا تھا مگر دوسری طرف اس کے اہل خانہ اسکی حرکات اور معمولات کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا بیٹا ان تجربات پر ان کے حساب سے کثیر رقم ضائع کرتا تھا۔ انہیں یہ دکھائی دیتا تھا کہ ان کا بیٹا تو کوئی ایسا کام نہیں کر رہا جس کی وجہ سے اس کی کمائی میں خاطرخواہ اضافہ ممکن ہوتا۔ اپنے تجربات کے لیے وہ کسی نہ کسی طرح رقم حاصل کر ہی لیتا تھا۔

ابن مقنع نے اس دوران درج بالا علوم میں خاصی مہارت حاصل کر لی تھی۔ اس کے شب و روز نت نئے تجربات میں ہی گزرتے تھے۔ اس کی یکسوئی نے اس کو ایک مرتبہ بیمار کیا کہ اس کو ایک خطرناک مرض لاحق ہوگیا۔ یہ مرض چیچک تھا۔ اس زمانہ میں چیچک کا مرض جان لیوا تصور کیا جاتا تھا اور اس مرض سے بہت ہی کم مریض بچ پاتے تھے۔ ابن مقنع نے بھی اس مرض میں کافی ایام بسر کیے اور آخر اس کی جان بچ گئی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مرض سے شفایابی کے لیے بھی ابن مقنع نے خود پر بھی کافی تجربات کئے اور انہی کی وجہ سے اسے صحت حاصل ہوئی تھی۔ جب یہ بالکل صحت مند ہوگیا تو اس نے دیکھا کہ اس کا بدصورت چہرہ اور بھی بدصورت ہو چکا تھا۔ پہلے تو وہ صرف بدصورت ہی تھا مگر اب اس کے چہرہ پر چیچک کے بدنما داغ بھی موجود تھے۔ ایسی صورت حاصل میں یہ اور بھی احساس کمتری کا شکار ہوگیا۔

تجربات کے دوران یہ اکثر اوقات لوگوں سے ملتا جلتا نہیں تھا مگر چیچک کے بعد تو اس نے بالکل ہی خلوت نشینی اختیار کرلی۔ اس دوران اس نے حاصل شدہ علوم پر تجربات جاری رکھے مگر اس کے گھر والوں کو تو یہ قطعی طور پر پسند نہ تھے وہ تو یہ چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا کوئی کام دھندہ کرے اور ان کے حالات سدھر جائیں۔ مگر یہ تو کسی اور ہی منصوبہ پر کام کر رہا تھا۔

Marfat.com

اب اس نے اپنے تجربات میں اپنے چند با اعتماد لوگوں کو بھی شامل کر لیا جو دوران تجربات اس کی مدد کیا کرتے تھے۔ اب اس کے انداز میں اعتماد اور تیزی پیدا ہو چکی تھی۔ اس کے گاؤں کے اکثر لوگ اس سے پہلے ہی کنارہ کش ہو چکے تھے۔ اب خواہ یہ ہفتوں تک اپنی تجربہ گاہ میں مصروف عمل رہتا کوئی اس کے لیے پریشان نہیں ہوتا تھا۔ اب اس نے سوچا کہ طے شدہ منصوبہ پر عمل پیرا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

ایک رات اس نے اپنے منصوبہ پر عمل کرنے کا جو فیصلہ کیا تو اس نے ایک نقاب تیار کیا جو اس کے چہرے کو ڈھانپنے کے کام آتا تھا۔ یہ نقاب بہت خوبصورت تھا جس میں ریشم اور طلائی تار استعمال ہوئے تھے۔ اپنے گاؤں سے بہت دور اس نے ایک ایسا علاقہ منتخب کیا جہاں اس کا کوئی بھی شناسا نہ تھا۔ اس نے اپنے گاؤں سے چلتے وقت اپنے تمام سامان کو بھی اپنے ساتھ لے لیا اور اپنی روانگی کا ذکر کسی سے بھی نہ کیا۔

ابن مقنع جب کش میں وارد ہوا تو اس وقت وہ صرف ایک ماہر کیمیا وطبیعات تھا بلکہ ایک اعلیٰ درجہ عامل بھی تھا۔ اس کے پاس ہپناٹزم اور میسمر یزم کے علوم بھی تھے جن کی پریکٹس اس نے اپنے ساتھیوں پر بڑی کامیابی کے ساتھ کی تھی۔

اپنے منصوبے پر عمل کرنے کے لیے اس نے تجربات تو کئے ہی تھے مگر اس نے گزرے ہوئے نبیوں اور عظیم الشان لوگوں کی زندگیوں کو بھی بڑی عرق ریزی کے ساتھ کھنگالا تھا۔ اس کو یہ علم تھا کہ لوگ خوامخواہ کسی کے پیچھے نہیں آتے بلکہ لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کے لئے کچھ کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ اس نے ایسے علوم وفنون میں مہارت حاصل کی جس کی وجہ سے کش کے لوگوں کو اپنی طرف راغب کر سکے۔

یہ بات بھی حیران کن ہے کہ جب ابن مقنع کش میں آیا تو وہ ایسا مفلوک الحال شخص نہ تھا بلکہ اس کے پاس بھی دولت تھی۔ اس نے دولت خرچ کر کے کش کے قلعہ کو اپنا مسکن بنا لیا۔ یہاں اس نے ان مقامی لوگوں کو اپنے پاس بطور خادم رکھا جو قلعہ کا تمام کام سرانجام دیتے تھے۔ مگر یہ لوگ ہمہ وقت اس کے ساتھ نہیں رہتے تھے۔ بلکہ ان کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ لوگوں کو ابن مقنع کی طرف راغب کرتے۔

Marfat.com

عام طور پر لوگ ان کی باتوں کو سن کر نظر انداز کر دیتے اور کئی لوگ ان کی باتوں کو بغور سنتے۔ کش کے عوام کے لیے بڑے ہی اچنبھے کی بات تھی کہ ان کے شہر میں ایک ایسا انسان موجود ہے جو کہ خود کو خدا کے درجہ پر فائز بتلاتا ہے۔ لوگوں نے جب یہ سنا کہ کش کے قلعہ میں ایک ایسا شخص موجود ہے جو خود کو خدا کہلاتا ہے تو وہ بڑے شوق سے کش کے قلعہ کا رخ کرتے۔ وہاں ان کی خوب خاطر تواضع کی جاتی۔ مگر ابھی تک ان لوگوں کو بلوانے والے کی زیارت نہ ہوئی تھی۔

دھیرے دھیرے لوگوں کا تجسس بڑھتا چلا گیا۔ ایک مرتبہ قلعہ میں اعلان کیا گیا کہ فلاں دن خدا انہیں دیدار کروائے گا۔ چنانچہ لوگوں کو سفید لبادے مہیا کئے گئے۔ جب بہت سے لوگ قلعہ میں جمع ہو گئے تو ابن مقنع سامنے آ گیا۔ لوگوں کی حیرت دو چند ہو گئی کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے وسیع کرسی پر ایک عام سی جسامت کا ایک شخص اپنے چہرہ پر سنہری نقاب چڑھائے بیٹھا ہے۔

ابن مقنع کے خدام نے ان سب لوگوں کو اس سے ایک خاص فاصلہ پر ٹھہرائے رکھا اور دو دو چار چار کی ٹولیوں میں لوگوں کو اس کے پاس جانے کی اجازت دی۔ لوگوں نے جب اس کی باتیں سنیں تو وہ مبہوت ہو کر رہ گئے۔ ابن مقنع ان کے راز ان کے سامنے آشکارا کر رہا تھا۔ جو کہ ان کے لیے حد درجہ حیران کن بات تھی۔

اب روزانہ ابن مقنع نے ان لوگوں کو مخصوص وقت دینا شروع کر دیا۔ مگر ان لوگوں کے لیے یہ بات بھی اہم تھی کہ انہیں قلعہ میں ہر وقت کھانے پینے کی سہولت میسر تھی پھر بھلا وہاں ہر وقت ہجوم کیوں نہ موجود رہتا۔ قلعہ سے ایک مرتبہ جو بھی ہو کر باہر چلا جاتا وہ پھر ابن مقنع کے ہی گن گایا کرتا تھا۔ اس کی بتائی ہوئی اکثر باتیں بالکل سچ ثابت ہوتی تھیں۔ اس دوران اس کی ایک بھی پیشن گوئی غلط ثابت نہ ہوئی۔ ایک طرح اس نے عام لوگوں کے دلوں اور دماغوں کو مسخر کر لیا تھا۔

سادہ لوح اور کم فہم لوگوں کو اس طرح کش کے قلعہ کے خدا کی طرف راغب ہوتے۔ دیکھ کر علماء و فضلاء نے لوگوں کو سمجھانے کی بہت کوششیں کی مگر انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اب ان علماء نے یہ کوشش کی کہ کسی بھی طرح اس خود ساختہ خدا سے ملاقات کی جائے تا کہ اس کا پردہ فاش کیا جائے۔

Marfat.com

ابن مقنع کو جب یہ علم ہوا کہ شہر کش کے علماء اس کے ساتھ مناظرہ کرنا چاہتے ہیں تو اس نے آمادگی ظاہر کی مگر کافی دنوں کے بعد ان علماء کو ملاقات کے لیے بلوایا۔ ان دنوں میں اس مناظرہ کو بہت زیادہ تشہیر کی گئی جس کی وجہ سے اس مناظرہ کی دھوم چاروں جانب پھیل گئی۔ ہر شخص اس کے نتیجہ کا منتظر تھا۔ آخر کار مناظرہ کا دن بھی آن پہنچا۔ علماء نے اپنی طرف سے کافی تیاری کی تھی مگر ان کا یہ خیال تھا کہ قلعہ میں ان کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ مگر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ان کا بہت زبردست استقبال کیا گیا۔

اگر علماء نے اچھی خاصی تیاری کی تھی تو ابن مقنع بھی خاموش نہیں بیٹھا رہا تھا۔ اس نے ان تمام سوالوں کے بارے میں اچھی طرح سوچا تھا کہ ان کے جوابات اسے کیا دینے ہیں۔ تمام شہر سے صرف تین علماء کو ہی قلعہ میں داخلہ کی اجازت مل پائی تھی۔ یہ تینوں عالم جب قلعہ میں پہنچے تو انہیں ایک کمرہ میں پہنچا دیا گیا۔ ان کے چاروں طرف ابن مقنع کے قریبی مصاحب براجمان تھے۔ ان سب کی نگاہوں کا مرکز اس وقت وہ تینوں عالم ہی تھے۔

کچھ دیر کے بعد ابن مقنع بھی اس کمرہ میں آ گیا۔ کمرہ میں موجود سبھی لوگ اس کے استقبال کے لیے فوراً ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ابن مقنع نے انہیں ہاتھ کے اشارہ سے بیٹھنے کے لیے کہا اور خود اپنی مرصع کرسی پر اکڑ کر بیٹھ گیا۔ ایک عالم نے ذرا ہمت کر کے اس کو مخاطب کیا اور پوچھا کہ ”جناب عالی! کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ آپ یہاں کس جگہ سے تشریف لائے ہیں۔ اور یہ بھی کہ آپ کا نام کیا ہے؟“

ابن مقنع نے مسکراتے ہوئے اس عالم کو دیکھا کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ تینوں عالم تو وہاں آ کر خواس باختہ ہو چکے تھے اور ان سے ٹھیک طرح بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔ اس نے نقاب کے عقب سے مسکراتے ہوئے اس عالم کو جواب دیا کہ ”میں کہاں سے آیا ہوں اور میرا نام کیا ہے۔ بھلا ان سب باتوں سے تجھے کیا لینا دینا ہے۔ میں تم لوگوں کا خدا ہوں کہ میری کوئی بھی ایک جائے رہائش نہیں اور نہ ہی میرا کوئی نام ہے۔ نام تو انسانوں کے ہوا کرتے ہیں۔ کبھی خدا کا بھی کوئی نام ہوتا ہے۔ پہلے جتنے بھی نبی دنیا میں آئے انہوں نے ناقص کام کیے جس کی وجہ سے مجھے خود ہی دنیا میں آنا پڑا۔“

Marfat.com

ایک دوسرے عالم نے کہا "اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ تمام نبیوں کو آپ نے ہی دنیا میں بھیجا تھا مگر آپ یہ تو بتائیں کہ آپ کون سا دین لے کر آئے ہیں۔ آپ کا پیغام کیا ہے۔" ابن مقنع نے جواب میں کہا "ہاں ہاں! میں نے ہی تمام نبیوں کو بھیجا تھا اور انہیں میں نے ہی تعلیم دی تھی مگر وہ سب تو ناکام ہو گئے جس کی وجہ سے مجھے ہی انسانی روپ میں دنیا میں آنا پڑا۔"

وہ تینوں عالم توبہ توبہ کرنے لگے اور کہنے لگے "اے شخص! توبہ کر کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی ہی شدید ہے۔ تو نے تو شرک سے بھی بڑھ کر کلمات ادا کر دیئے ہیں۔" کچھ دیر کے بعد ایک عالم نے کہا کہ "اے نقاب پوش! ہمیں اپنی صورت کا ذرا دیدار کرا کہ ہم بھی دیکھیں کہ خدا کیسا ہوتا ہے۔"

ابن مقنع نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا کہ "اے عالم! کیا میں یہ بات نہیں جانتا کہ تو کس قدر طنز سے بات کر رہا ہے۔ بھلا یہ تیری اوقات ہے کہ تو خدا کو دیکھ سکے۔ کیا تجھے یہ علم نہیں کہ موسیٰ نے اپنے ارادت مندوں کے ساتھ یہی خواہش کی تھی مگر اس کے ارادت مند تو جل کر خاک ہو گئے اور خود موسیٰ بے ہوش ہو گیا تھا۔ حالانکہ انہوں نے تو محض ایک جھلک ہی دیکھی تھی۔ کیا تو بھی جل کر خاک ہونا چاہتا ہے۔"

تینوں عالم بیک وقت بول اٹھے کہ "ہمیں جل جانا منظور ہے مگر آپ ہمیں اپنی ایک جھلک تو ضرور دکھا دیں۔" یہ سن کر ابن مقنع نے ان تینوں کو وہاں سے جانے کے لیے کہا کہ اب تم تینوں یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ اب یوں دکھائی دیتا ہے کہ تم لوگوں کے پاس کچھ پوچھنے کے لیے تو ہے نہیں۔ اگر تم لوگ کوئی سوال کرتے تو میں ضرور جواب دیتا مگر تم لوگ تو الٹے سیدھے مطالبات کرنے لگے ہو۔

یہ تینوں علماء نے جو کہ بڑے ہی اہتمام کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوئے تھے نہایت ہی مایوس ہو کر وہاں سے لوٹے تھے۔ واپسی میں یہ تینوں سر جھکائے ہوئے اور گہری سوچوں میں گم قلعہ سے برآمد ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے ابن مقنع کے آدمیوں نے یہ مشہور کر دیا کہ ابن مقنع نے ان تینوں کو لاجواب کر کے رکھ دیا تھا اور یہ بڑی بے بسی کے ساتھ وہاں بیٹھے رہے تھے۔ اس وجہ سے بہت سے دوسرے مسلمان بھی اس کے جال میں پھنستے چلے گئے۔

Marfat.com

ان علماء کی واپسی ایسی نہ تھی کہ تمام علمائے کرام چپ سادھ لیتے۔ انہوں نے باہم مشاورت کے بعد دارالحکومت میں ایک خط تحریر کیا کہ "اے خلیفہ مہدی ہمارے ہاں ایک شخص ایسا ظاہر ہوا جو خود کو خدا کہتا ہے۔ براہ مہربانی اس فتنہ کا جلد از جلد سد باب کیا جائے ورنہ یہ فتنہ پورے ملک میں پھیل جائے گا۔ اسی نوعیت کا ایک خط ماورالنہر کے علاقہ سے بھی خلیفہ کو موصول ہوا۔ چنانچہ خلیفہ نے ایک فوجی دستہ اس علاقہ میں روانہ کر دیا۔

ابن مقنع کے پیروکار اب بہت سے شہروں میں پھیل چکے تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ بغداد سے ایک فوجی دستہ اس کے پیروں کے خلاف روانہ ہوا ہے تو اس نے بھی اپنے خاص آدمیوں کو حکم دیا کہ اب وہ بھی ایک معقول فوج کو تشکیل دیں تاکہ کسی بھی ناخوشگوار واقعہ سے نپٹا جا سکے۔ چنانچہ اب انہوں نے ایک فوج بنا لی اور اچھے خاصے ہتھیار بھی جمع کر لیے۔

اسی دوران اس کے عقیدت مندوں نے کہا کہ اس نے جو چاند آسمان پر پیدا کیا ہے وہ تو گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور صرف چند روز ہی پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگاتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک ایسا چاند پیدا کرے جو کم زیادہ نہ ہوتا ہو۔ یہ دراصل ایک طرح سے اس کی آزمائش تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے خود ہی یہ چاند ایجاد کیا ہو۔

اس نے اپنے قریبی لوگوں سے کہا کہ وہ اس کو کچھ عرصہ بالکل تنگ نہ کریں وہ ضرور ان کے لئے ایک چاند بنا کر آسمان پر لگا دے گا۔ دراصل بات یہ تھی کہ وہ ایسا علاقہ تھا جہاں درختوں کی بہتات تھی اور وہاں رات کے وقت اندھیرا ہو جاتا تھا مگر صرف انہیں دنوں میں قدرے روشنی ہوتی تھی جب چاند اپنے عروج پر ہوتا تھا۔ لوگوں نے ابن مقنع کے آگے یہی مطالبہ کیا تھا کہ ایک ایسا چاند پیدا کرے جس میں عروج و زوال نہ ہو۔

اپنے ادارت مند کو اس نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں انہوں نے کیا کرنا ہے۔ اس کے اس معجزہ کو اس نے اپنے دعویٰ کے دام کے لیے سب سے اہم خیال کر لیا تھا اور ہوا بھی یہی۔ چند ماہ کی متواتر محنت شاقہ کے بعد وہ ایک چاند بنانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ اس چاند کو اس نے کش اور نخشب کے درمیان اس نے یہ

Marfat.com

چاند نصب کر دیا۔ یہ بتیس میل طویل فاصلہ تھا جو کہ اس چاند کی تیز روشنی میں منور ہو گیا تھا۔ اب گویا آسمان پر دو چاند رات کو جگمگا رہے تھے۔

یہ چاند سرِ شام ہی روشن ہو جاتا اور صبح صادق تک روشن رہتا تھا۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ ابن مقنع نے اس چاند کو سمرقند کے قریب نخشب کے علاقہ میں ایک کنویں کے اندر پارے اور دوسرے کیمیائی اجزاء کو باہم ملا کر تیار کیا تھا۔ چاندنی راتوں میں تو ایک ساتھ دو چاند آسمان پر روشن رہتے تھے۔ مگر چاندنی راتوں کے علاوہ ایک ہی چاند یعنی ابن مقنع کا ہی چاند روشن رہتا تھا۔

بعض مورخین اور محققین کے مطابق اس چاند کی روشنی پندرہ میل کے فاصلہ کو منور کرتی تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کی روشنی ایک ماہ کی مسافت سے نظر آتی تھی۔ یہ چاند لگا تار دو ماہ تک روشنی بکھیرتا رہا۔ اردگرد کے علاقوں سے لوگ جوق در جوق اس چاند کو دیکھنے کے لیے آتے رہے اور یوں ابن مقنع کی شہرت پھیلتی رہی۔ اس طرح اس کے ارادت مندوں کی تعداد میں بھی ازحد اضافہ ہوا۔

اس کے عقیدت مند اس چاند کو ابن مقنع کا تصرف اور معجزہ کہتے تھے۔ ابن مقنع نے یہ چاند تو عمل ہندسہ اور انعکاس شعاع قمر کے فارمولے پر ہی کیا تھا۔ اس کا علم لوگوں کو اس کی ہلاکت کے بعد اس کنویں کی تہہ میں سے ایک بڑے طاس جو کہ پارے سے بھرا ہوا تھا ملنے کے بعد ہوا۔

بات تو واقعی حیران کن تھی اس نے جو بھی کیا تھا ایک حیران کن امر تھا۔ دور جدید کے بعض محققین کے نزدیک نخشب کے اس چاند کا غروب و طلوع ایک مبالغہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس نے اس چاند کو کسی بلند پہاڑ کی چوٹی پر بڑی مہارت کے ساتھ نصب کیا ہوگا۔ وہ چاند ذرا بلند ہو کر ٹھہر جاتا ہوگا۔

اب ابن مقنع کی شہرت دور و نزدیک پھیل چکی تھی۔ ان لوگوں نے بھی اس پر ایمان لانا ضروری سمجھا۔ جو ابھی پس و پیش سے کام لے رہے تھے۔ اس کے بعد تو ابن مقنع کو تبلیغ کی ضرورت ہی نہ رہی تھی۔ لوگ خود بخود اس کی طرف کھینچے چلے آتے تھے۔ اس کی ہر جائز و ناجائز بات کو اب گویا حکم کا درجہ حاصل ہو چکا تھا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اب اس کی ہر بات کو حکم خیال کیا جاتا تھا۔

Marfat.com

ابن مقنع کو اب یقیناً سکون کا سانس لینا نصیب ہوا تھا چنانچہ اس نے اپنے قریبی ملعونوں کو کہا کہ وہ شادی کرنا چاہتا ہے چنانچہ انہوں اس کی خدمت میں اس شہر کی سب سے خوبصورت اور کنواریاں لڑکیاں پیش کردیں۔ یہ لڑکیاں اس کی بیویاں بن کر قلعہ میں رہنے لگیں۔ ان لڑکیوں نے اس کے بچے بھی پیدا کئے مگر اس نے اپنا چہرہ کبھی کسی کو بھی نہیں دکھایا تھا۔ حتیٰ کہ اپنے بچوں کو بھی نہیں۔

اسی دوران اس نے فوج بنانے اور منظم کرنے کا حکم دیا چنانچہ بہت ہی جلد اس کے پاس ایک معقول فوج موجود تھی۔ لوگوں نے اس دور کے مطابق عمدہ ترین ہتھیار بھی حاصل کر لیے تھے۔ یہ سب کچھ تو تھا مگر کوئی شخص بھی اس کے چہرہ کا شناسا نہ تھا۔ قلعہ میں رہنے والوں نے بہترین کوششیں کیں مگر اس کا چہرہ دیکھنے میں کسی طرح بھی کامیاب نہ ہوسکے۔

ابن مقنع نے اب تحریری طور پر اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانا شروع کر دیا۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ خدا تو آدم سے بالکل جدا تھا مگر اس نے دنیا میں مجسم حالت میں آنا چاہا تو اس نے آدم کو پیدا کیا۔ یوں وہ آدم میں منتقل ہو کر دنیا میں آ گیا۔ جب اس نے آدم کو پیدا کیا تو اس نے عزا ذیل جو کہ فرشتوں کا استاد تھا کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کرے۔ آدم کو عزا ذیل نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور ذلیل ہوا حالانکہ آدم میں تو خدا خود موجود تھا۔ اس لیے عزازیل یعنی ابلیس آج تک مردود کہلایا اور تا قیامت کہلائے گا۔

اس نے یہ بھی کہا کہ اس کے بعد خدا حضرت نوح میں ظاہر ہوا۔ پھر ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، اور حضرت محمد ﷺ میں ظاہر ہوا۔ پھر وہ ابو مسلم خراسانی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ جس کے بعد خدا میری شکل میں آ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں خدائی کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔ جو یقین کرے گا وہی تو درحقیقت فلاح پائے گا۔

مگر ابن مقنع کسی بھی طرح خلافت سے بے خبر نہ تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جونہی یہ خبر بغداد پہنچے گی تو وہاں سے بلا توقف مسلح فوج یہاں پہنچ جائے گی۔ چنانچہ اس نے تیزی کے ساتھ فوج کو منظم کیا۔ وقت کے حکمران کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں کیونکہ ابن مقنع جانتا تھا کہ خلافت سے ٹکرانا بے حد مشکل امر تھا۔ فوج میں بھرتی ہونے والوں سے

Marfat.com

وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ یاد رکھو کہ جس جنت کا تم سے وعدہ کیا گیا وہ تو تمہیں ہی ملے گی مگر جنت کے حصول کے لیے تمہیں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنا ہوگی انہیں قتل کرتے ہوئے اگر تم قتل ہو گئے تو تم ہمیشہ موجود رہنے والی جنت میں رہو گے جہاں تمہیں پھر موت نہیں آئے گی۔

ابن مقنع کے ارادت مند اب مسلمانوں کے لشکر کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی تھکی ماندی فوج پر اچانک حملہ کر کے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ ابھی اسلامی فوج اپنے خیمے ہی گاڑھ رہی تھی کہ ابن مقنع کے ارادت مندوں نے اچانک حملہ کر دیا حالانکہ اس دور میں یہ رواج ہرگز نہ تھا۔

اس اچانک حملہ نے مسلمانوں کو بہت نقصان سے دو چار کر دیا۔ بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی مگر اس جنگ کے اختتام پر ابن مقنع کی فوج کو واضح برتری حاصل تھی۔ ابن مقنع کی خوشی دیدنی تھی وہ بار بار یہی کہہ رہا تھا کہ جس طرف خدا ہوگا اسی طرف والا گروہ کامیاب ہوگا۔ جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ مسلمان اب وہاں سے جا چکے ہیں تو اس نے لوگوں سے کہا ''سوائے لوگو! خدا سفید جامیان کو یہ حکم سناتا ہے کہ تم لوگوں میں سے جو لوگ شہید ہو چکے ہیں۔ انہیں ایک مرتبہ پھر زندگی عطا کی جائے گی۔

لوگ حیران ہو کر پوچھنے لگے کہ کیا انہیں دوبارہ زندگی ملے گی۔ اس کے جواب میں شاطر شخص نے کہا کہ ''ارے نادانو! نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ اب جو تمہاری اولادیں پیدا ہوں گی ان میں مرنے والوں کی ہی روحیں ہوں گی۔ جب یہی بچے جوان ہوں گے تو انہیں بہت بلند مرتبوں سے سرفراز کیا جائے گا۔''

یہ اعلان ان کم عقلوں کے لیے حد درجہ خوش کن تھا انہوں نے اپنے مرنے والوں کا سوگ بھی نہیں منایا بلکہ اس سوچ میں گم رہے کہ ان کے مرنے والے عنقریب ان کے درمیان موجود ہوں گے۔ کچھ ہی دنوں میں وہاں کئی ایک بچوں کی ولادت ہوئی۔ ان میں ایک کان کٹا بچہ بھی تھا۔ اتفاق یہ تھا کہ اس نومولود کے چچا کے دونوں کان دوران جنگ ضائع ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے یہ یقین کر لیا کہ اس کا چچا ہی اس میں موجود ہے۔ اس طرح دوسرے بچوں کی ولادت پر بھی گمان کیا گیا۔ ان بچوں کی عزت و تکریم میں کوئی کمی نہ کی اور بڑے نازو نعم میں ان کی پرورش کی گئی۔

Marfat.com

ابن مقنع کے ارادت مند اب بڑی ہی عاجزی سے کہتے ہیں کہ اے خداوند ہمیں اپنا دیدار کراؤ۔ مگر وہ جواب دیتا کہ "بھلا تم خدا کا دیدار کیسے کر سکتے ہو تمہاری تو آنکھیں ہی اس قابل نہیں ہیں کہ تم برداشت کر سکو۔ نہ ہی تمہارے دل و دماغ اس قدر مضبوط ہیں کہ برداشت کر سکو۔" کہتا تو ٹھیک ہی تھا کیونکہ اگر وہ ایک مرتبہ اپنے چہرے سے نقاب اتار کر ان کے سامنے آ جاتا تو یقیناً ان کے دل و دماغ صدمے سے ہی ناکارہ ہو جاتے۔ چنانچہ اس حد تک تو اس کا کہنا بالکل درست ہی تھا۔

اس جنگ کے بعد ابن مقنع نے کسی بھی طرح سکھ کا سانس نہیں لیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ کوئی آخری جنگ نہیں تھی۔ وہ یہ بخوبی جانتا تھا کہ خلافت کے ارباب اقتدار کسی طرح بھی خاموش نہیں بیٹھیں گے اور آئندہ جو فوج اس کے اور اس کے فوجیوں کے مقابلہ پر آئے گی وہ پہلے آنے والوں سے قطعاً مختلف ہوں گے اور یہ بہت زیادہ تیاری کے ساتھ آئیں گے۔

ابن مقنع نے اب اپنے ارادت مندوں کو حکم دیا کہ آئندہ دنوں میں مسلمانوں کے ساتھ بڑا سخت مقابلہ ہونے والا ہے چنانچہ جس قدر ممکن ہو دو مضبوط قلعے تعمیر کئے جائیں۔ تعمیر سے قبل ہی ابن مقنع نے دونوں قلعوں کے نام بھی تجویز کر دیئے تھے۔ اس نے ایک کا نام صیام اور دوسرے کا نام وثیق تجویز کیا تھا۔ قلعوں کے لیے جو جگہ تجویز کی گئی تھی وہ پہاڑی علاقہ تھا۔ لازمی بات ہے کہ یہاں پتھروں کو ہی کاٹ کاٹ کر لگایا جاتا تھا۔

تعمیر کا کام بڑی ہی تیز رفتاری کے ساتھ شروع کیا گیا۔ ان کی تعمیر میں ایک کثیر سرمایہ درکار تھا اس کی تدبیر ابن مقنع نے یہ کی کہ اس نے اپنے بدقماش ارادت مندوں کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے شہروں کو لوٹنا شروع کر دیں تاکہ مصارف پورے ہو سکیں۔ ابن مقنع کا حکم ملتے ہی لوٹ مار شروع کر دی گئی۔ اب ہوا یہ کہ محض لوٹ مار ہی نہیں ہو رہی تھی بلکہ اس میں قتل بھی ہو رہے تھے اور عزتیں بھی پائمال ہو رہی تھیں۔

اس دوران ابن مقنع نے حکم جاری کر دیا کہ مساجد کثرت سے تعمیر کی جائیں۔ اور ان میں اذانیں بھی دی جائیں۔ اس کے لوگوں نے دریافت کیا کہ اس نے تو نمازیں ہی منع کر رکھی ہیں پھر ان مساجد کی تعمیر کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں اس

Marfat.com

نے کہا کہ اس کی موجودگی میں بھلا نمازوں کی کیا ضرورت ہے۔ تمہاری نماز تو میری اور صرف میری ہی اطاعت ہے۔

مساجد اور قلعے سبھی ایک ساتھ مکمل ہوئے تھے۔ ابن مقنع نے حکم دیا کہ ہر مسجد کے ساتھ ایک وسیع و عریض سرائے بھی تعمیر کی جائے۔ جب یہ سب مکمل ہو گئے تو ابن مقنع نے ان کے انتظام کرنے والوں کو طلب کیا چنانچہ مساجد کے مؤذن اور امام بھی حاضر ہوئے اور سرائے کا انتظام کرنیوالے بھی۔ ابن مقنع نے حکم دیا کہ مسجد کے ساتھ جو سرائیں تعمیر کی گئی ہیں ان میں موجود تمام نمازیوں اور تاجروں کو لوٹ لیا جائے۔

ابن مقنع کے حکم کے عین مطابق ایسا ہی کیا گیا اور تمام تاجروں اور نمازیوں کو لوٹنے کے بعد بڑی ہی بیدردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ اب یہی کچھ ہونے لگا کہ جو بھی سرائے میں قافلہ ٹھہرتا وہ لوٹ لیا جاتا اور تمام تاجروں کو قتل کر دیا جاتا۔ وہ لوگ یہی سوچتے رہتے کہ ان کے ساتھ خانۂ خدا میں یہ کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے اور اسی طرح تاجر بھی یہی سوچتے کہ وہ تو سرائے میں چند روز ٹھہرنے آتے تھے اور یہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

اسلامی خلافت کے اکثر شہروں میں خلافت کے مخالفین بھی موجود تھے۔ ان مخالفین خلافت نے جب یہ سنا کہ کش میں ایک نبی ظاہر ہوا ہے تو انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ابن مقنع سے رابطہ کیا جائے تاکہ اس کی مدد سے خلافت کے خلاف مؤثر کاروائی کی جائے۔

یہ باغی جب ابن مقنع کے علاقہ میں پہنچے تو ان کی خوب آؤ بھگت کی جاتی۔ یہ لوگ وہاں کا انتظام و انصرام دیکھ کر بے حد متاثر ہوتے۔ ایک مرتبہ یونہی ہوا کہ جب باغیوں کا ایک وفد ابن مقنع سے ملاقات کے لیے اس کے قلعوں میں آیا۔ اس وفد کے سربراہ نے ابن مقنع سے ملنے کی اور اسے اپنی امداد و اعانت کا پیغام پہنچایا۔ مگر جب اس کو یہ بتلایا گیا کہ ابن مقنع نبی نہیں بلکہ خدا ہے تو اس نے کہا کہ اگر وہ خود خدا ہے تو اسے ہماری مدد کی بھلا کیا ضرورت ہوگی۔

مگر اس کو ابن مقنع کے ارادت مندوں نے انہیں کہا کہ جب وہ یہاں تک آ ہی گئے ہیں تو پھر انہیں ضرور ابن منقع کی زیارت بھی کرنا چاہیے۔ چنانچہ ایک روز ان باغیوں کو ایک قلعہ میں ابن مقنع کے ساتھ ملاقات کے لیے لائے گئے۔ انہیں ایک

Marfat.com

کمرے میں جو کہ بہت وسیع و عریض تھا بٹھا دیا گیا کافی دیر کے بعد وہاں ابن مقنع بھی آیا۔ وہ اس طرح آیا کہ اس کو ایک مرضع کرسی پر بیٹھا کر چار غلاموں نے اٹھا رکھا تھا۔

وفد کے اراکین اس کی آمد کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ ابن مقنع کے ایک ارادت مند نے وفد کے سربراہ کو کہا کہ وہ اور اس کے اراکین ابن مقنع کو سجدہ کریں۔ انہوں نے کہا کہ وہ لوگ اس کو سجدہ کرنے کے لیے نہیں آئے بلکہ ہم لوگ تو یہاں خلافت کے خلاف اس کی امداد و اعانت حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان کے ساتھ اتحاد کرلیں تا کہ خلافت کے خلاف مؤثر کاروائی کی جائے۔ مگر ہمیں تو یہ بتایا گیا ہے کہ یہ تو خود خدا ہے۔ اگر یہ خود خدا ہیں تو پھر انہیں تو ہمارے ساتھ اتحاد کی ضرورت ہی کیا ہوگی۔ کیونکہ خدا تو اپنے ایک اشارے سے اپنے دشمن کو تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ پھر تو ہم ان کے کسی بھی کام نہیں آسکتے۔

وفد کے سربراہ کی تمام باتیں ابن مقنع نے بڑے غور سے سنیں۔ جب وہ خاموش ہوگیا تو اس نے بولنا شروع کیا۔ "اے شخص! تم نے جو کچھ بھی کہا وہ بالکل درست ہے۔ میں ایک اشارہ کروں تو کیا کچھ نہیں ہوسکتا۔ مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے بندے ہاتھوں پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔ اگر ایسا ہی کرنا ہوتا تو پھر مجھے خود زمین پر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کام تو میں عرش پر بیٹھ کر بھی کر سکتا ہوں۔ مگر چونکہ میں اس وقت انسانی روپ میں ہوں تو پھر مجھے انسانی تقاضے بھی پورے کرنا ہوں گے۔ اب تم لوگ میرے ساتھ اتحاد کی بات کر سکتے ہو۔"

وفد کے سربراہ نے کہا "ہم آپ کی خدائی پر تو کبھی یقین کر ہی نہیں سکتے۔ مگر ہم یہاں اس لیے حاضر ہوئے ہیں تا کہ ہم دونوں اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف مشترکہ لائحہ عمل تیار کرسکیں۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ ہم دونوں کا دشمن ایک ہی ہے اور وہ ہے خلیفۂ بغداد۔

وفد کے سربراہ کی بات سن کر ابن مقنع نے بڑے تحمل کے ساتھ کہا۔ "پہلی بات تو میں یہ ضرور کہوں گا کہ یہاں آپ لوگوں کو بالکل اس بات کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا کہ آپ مجھے خدا تسلیم کریں۔ لیکن اتحاد اگر ہو جاتا ہے تو پھر آپ کو یہ وعدہ کرنا پڑے گا کہ آپ لوگ پھر میری خدائی پر کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔"

وفد کے سربراہ نے کہا کہ "ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر جب ہم مل کر جنگ کریں

Marfat.com

گے اور شہروں کو فتح کریں گے تو پھر ان پر حکومت کا اصول کیا ہوگا۔" ابن مقنع نے کہا کہ پہلے تو یہ دیکھا جائے گا کہ شہر کتنے ہیں پھر آدھے شہر آپ کے حوالہ کر دیئے جائیں گے اور آدھے ہمارے قبضہ میں رہیں گے۔ یہ تجویز واقعی زبردست تھی چنانچہ وہ معاہدہ طے پا گیا۔ یہ بھی طے پایا کہ ابن مقنع کے سپاہی سفید لباس دوران جنگ استعمال کریں گے اور یہی ان کی شناخت بھی ہوگی۔

معاہدہ طے پا جانے کے بعد اس وفد کو خصوصی مہمانوں کا درجہ دے دیا گیا۔ اور ان کی بہت اچھی ضیافت کی گئی اور اب یہ طے کیا گیا کہ یہ سب ایک ہی جھنڈے تلے جنگ کریں گے۔ اس کے بعد اس وفد کو انہوں نے تین روز تک اپنا مہمان بنائے رکھا اس دوران انہیں کھانے پینے کے علاوہ عیاشی کا سامان بھی مہیا کیا گیا۔ کیونکہ ابن مُقنع نے ان کے لیے سب کچھ جائز کر رکھا تھا۔

اس قسم کی خبریں دارالحکومت بھی پہنچ رہی تھیں۔ چنانچہ خلیفہ مہدی نے اب اپنے ایک لائق سردار زید بن یحیٰ کو اس فتنہ کے سد باب کے لیے مقرر کیا۔ چند دنوں میں زید نے اپنا لشکر تیار کر لیا اور اپنے لشکر کو ٹولیوں کی صورت میں ابن مقنع کے قلعوں کی طرف روانہ کیا۔

زید نے سن رکھا تھا کہ اس کے قلعوں کے قریب ہی مساجد اور ان کے ساتھ ہی سرائیں بھی موجود ہیں جہاں قافلے جاتے ضرور ہیں مگر واپس آتے دکھائی نہیں دیتے۔ زید نے اپنے بہادر سپاہیوں کی ایک جماعت کو تاجروں کے بھیس میں وہاں کی ایک سرائے میں بھیج دیا۔ ان کی تعداد لگ بھگ ایک سو کے قریب تھی۔

ان لوگوں نے سرائے میں اپنا سامان رکھا اور نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں چلے گئے۔ مسجد میں جب یہ لوگ گئے تو ان کے پاس اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلیاں بھی تھیں۔ مسجد کے مؤذن نے انہیں مسجد میں بٹھا دیا اور خود اپنے آدمیوں کو اطلاع کرنے چلا گیا۔ اس نے یہی سمجھا کہ تاجروں کے پاس اشرفیوں سے بُھری ہوئی تھیلیاں ہیں حالانکہ ان تھیلیوں میں ریت اور چھوٹے چھوٹے پتھر بھرے ہوئے تھے۔

نماز مغرب سے پہلے موذن واپس آ چکا تھا۔ سپاہیوں نے نماز مغرب اسی مسجد میں ادا کی۔ انہوں نے دیکھا کہ نماز عشاء میں نمازیوں کی ایک کثیر تعداد شامل تھی۔

Marfat.com

سپاہیوں کی نظریں ان لٹیروں کو پہلی نظر میں پہچان چکی تھی۔ انہوں نے ان لٹیروں کے ہمراہ نماز عشاء ادا کی اور ان کی حرکات و سکنات کو دیکھتے رہے۔ اب رات بھیگ چکی تھی۔ چنانچہ تاجروں نے سرائے کا رخ کیا۔

سرائے میں اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لیے چلے گئے۔ آدھی رات کے وقت ایک سپاہی چپکے سے اپنے کمرہ سے نکلا اور مسجد کی چھت پر چلا گیا جہاں سے وہ لٹیروں کی تمام حرکات دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ انہوں نے مسجد سے نکل کر سرائے کا رخ کرنا شروع کر دیا۔ اس نے جلدی سے اپنے ساتھیوں کو مطلع کیا۔

ان لٹیروں نے نہایت آہستگی سے سرائے کے کمرے میں داخل ہونا شروع کر دیا۔ وہ سب جب کمروں میں داخل ہوگئے تو باہر سے تاجر سپاہیوں نے دروازے بند کر دیئے۔ لٹیروں نے کمروں میں جب بند تھیلیوں کو کھولا تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہی تو رہ گئے کہ ان میں ریت اور پتھر بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے جو دیکھا تو یہ معلوم ہوا کہ ان کمروں میں تو کوئی بھی تاجر موجود نہ تھا۔ انہوں نے باہر نکلنے کے لیے جو دروازہ کھولنا چاہا تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ تو باہر سے بند تھا۔

سپاہیوں نے اب ایک ایک کمرہ کھول کر لٹیروں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ انہیں میں مسجد کا مؤذن اور امام بھی شامل تھے۔ ان سب کو زید بن یحیٰ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ یہ صبح سویرے کا وقت تھا۔ ان سے جب ابن یحیٰ نے سوالات کئے تو انہوں نے کہا کہ وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ ان کے خدا یعنی ابن مقنع کا حکم ہے۔

ابن یحیٰ نے کہا کہ "اس کا یہ مطلب ہوا کہ تمہارا خدا تمہیں لوگوں کو لوٹنے اور قتل کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ تمہارا کیسا خدا ہے جو اچھائی کی بجائے برائی کی تعلیم دیتا ہے۔"

امام مسجد نے اس کے جواب میں کہا "اے سردار! ہم کسی کو بھی نہیں لوٹتے بلکہ جب ہم لوٹتے یا قتل کرتے ہیں تو ہمارے لیے یہ جہاد ہوتا ہے۔ غارت گری نہیں۔ اسی دوران ہمیں جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ تو ہمارے لیے مال غنیمت ہوتا ہے۔"

ابن یحیٰ نے انہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ کسی طرح بھی نہیں مانے چنانچہ انہیں ایک مضبوط مکان میں قید کر دیا گیا۔ اب ابن یحیٰ نے اپنا لشکر منظم کرنا شروع کر دیا۔ مگر اس واقعہ کی اطلاع بہت ہی جلد ابن مقنع تک بھی پہنچ گئی۔ چنانچہ تمام

Marfat.com

مساجد میں اپنی اذانیں بند کر دی گئیں اور مسلمانوں کے لشکر کی کسی بھی کارروائی کا انتظار کرنے کا حکم ابن مقنع نے جاری کر دیا۔

زید ابن یحییٰ ابھی اپنا لشکر منظم کر ہی رہے تھے کہ اسی اثنا میں خلیفہ نے ایک لشکر ان کے بھائی جبرئیل بن یحییٰ کے ساتھ روانہ کر دیا کہ وہ بخارا وغیرہ کے علاقے میں خلافت کے باغیوں کی سرکوبی کریں۔ معاہدہ کے مطابق باغیوں اور ابن مقنع کے آدمیوں کو مشترکہ طور پر ہر دشمن کا مقابلہ کرنا تھا مگر یہ اچانک افتاد اس قدر سرعت سے نازل ہوئی تھی کہ ان کا آپس میں رابطہ ہی نہ ہو سکا۔

جبرائیل بن یحییٰ نے ان باغیوں سے شدید جنگ کی اور کئی مہینوں کی جنگ کے بعد ان کو منتشر کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ بچے کھچے باغیوں نے فرار ہو کر کش کا رخ کیا۔ جہاں انہیں معلوم ہوا کہ ابن مقنع اپنے مضبوط ترین صیام میں موجود ہے۔ وہ بھی اس قلعہ میں چلے گئے۔

اسی دوران زید بن یحییٰ بھی ابن مقنع کے قلعوں تک پہنچ چکے تھے۔ ابن یحییٰ ان کے خیالات سے آگاہ ہو چکے تھے چنانچہ انہوں نے اپنا لشکر کئی حصوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ ابھی اسلامی لشکر قلعہ کے دروازہ پر پہنچا ہی تھا کہ اچانک ابن مقنع کے ارادت مندوں نے حملہ کر دیا جس کی وجہ سے اسلامی لشکر کو پسپا ہونا پڑا۔ جب اسلامی لشکر کافی دور تک پسپا ہوتا چلا گیا تو اسلامی فوج کے دوسرے دستہ نے اچانک ابن مقنع کی فوج پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ انتہائی غیر متوقع اور شدید تھا۔ اس حملہ کے نتیجہ میں ابن مقنع کی فوج کے لگ بھگ ایک ہزار آدمی جہنم واصل ہوئے۔

ابن مقنع اور اس کے اکثر ارادت مندوں کو یہ فکر ضرور لاحق ہوگئی تھی کہ آخر ان کے خدا کے ہوتے ہوئے ان کو اس طرح قلعہ بند ہونے کی ضرورت کیا تھی۔ مگر اس کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔

جب ابن مقنع نے اپنے فوجی افسروں کو شکست کی وجوہات جاننے کے لیے طلب کیا تو ایک فوجی افسر نے بڑے طنز کے ساتھ ابن مقنع سے کہا کہ "جناب محترم! جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے پاس تربیت یافتہ سپاہیوں کی شدید کمی ہے۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ آپ فرشتوں کو حکم دیں کہ وہ ہماری مدد کریں۔" بات تو واقعی

Marfat.com

بالکل درست تھی مگر ابن مقنع تو ایک شعبدہ باز تھا اس نے اعتراض کرنے والے سے کہا ''نہیں ایسا تو نہیں ہو سکتا کیونکہ فرشتے تو صرف عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ جنگیں لڑنا تو انسانوں کا کام ہے۔''

'' ٹھیک ہے جناب عالی کہ جنگیں لڑنا انسانوں کا ہی کام ہے تو پھر آپ کیوں مسلمانوں کی مدد کرتے ہیں۔ جب ہر کام آپ ہی کی مرضی سے ہوتا ہے تو پھر ہماری یہ شکست بھی آپ ہی کی مرضی سے ہوئی ہے۔ جب آپ خدا ہیں تو پھر صرف ہمارے ہی خدا تو نہیں ہیں بلکہ سب انسانوں کے خدا ہیں۔''

اعتراض کرنے والے کو ابن مقنع نے بڑا درست جواب دیا۔ مگر یہ جواب اس کو سوتے میں دیا گیا۔ کیونکہ جب صبح کو دیکھا گیا تو اس شخص کا چہرہ شدید ضربات سے بری طرح بگاڑ دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کو پہچاننا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ بس اس کے کپڑوں سے ہی اس کو پہچانا گیا تھا۔ ابن مقنع کے ارادت مندوں نے اس کی لاش کی خوب تشہیر کی اور لوگوں سے کہا کہ دیکھو یہ ہوتا ہے خدا پر اعتراض کرنے والوں کا انجام بد۔

چند دنوں میں ابن مقنع کے حکم سے قلعہ کے چاروں اطراف میں گہری خندق کھود کر قلعہ کو اچھی طرح محفوظ بنا دیا گیا۔ اس خندق میں پانی چھوڑ کر احتیاط کو آخری حد تک پہنچا دیا گیا۔ ابن مقنع نے اور اس کے فوجی افسروں کو اس کارروائی سے خاصا اطمینان ہو گیا۔ مگر سادہ لوح ارادت مند لوگ ابھی تک فرشتوں کی مدد کا انتظار کر رہے تھے۔

ان باتوں کا علم ابن مقنع کو بھی ہو رہا تھا۔ اس نے اب لوگوں کو طلب کر کے کہنا شروع کیا کہ' اے میرے بندو! یہ تم کیسی مایوسی کی باتیں کرتے ہو۔ یہ چھوٹی موٹی جنگوں سے بھلا کیا فرق پڑتا ہے۔ اس کی وجہ سے ہمیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا یقین جانو کہ اصل جنگ تو ابھی ہونا باقی ہے۔ جب یہ جنگ ہوگی تو پھر تم دیکھنا کہ ایک بھی مسلمان زندہ نہیں بچے گا۔ اس جنگ کے بعد تم لازوال فتح حاصل کرو گے۔ اب تمہیں اس بڑی جنگ کی اچھی طرح تیاری کرنی ہوگی۔''

اب اس کی شکست خوردہ افواج میں گویا ایک نیا حوصلہ پیدا ہو گیا۔ اب انہیں یقین ہو چلا تھا کہ ان کا خدا یعنی ابن مقنع انہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ اسی دوران ایک روز ابن مقنع نے اپنے ارادت مندوں کو قلعہ کے بڑے ہال میں جمع ہونے کا

Marfat.com

حکم دیا اور ان کو اپنی زیارت کروائی۔ اس نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''میرے بندو! مسلمانوں سے تمہیں قطعاً خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر کام تو میرے ہی اختیار میں ہے۔ اگرچہ تمہارے سات سو افراد شہید ہو چکے ہیں۔ مگر یہ سات سو افراد بھی تمہارے ہی گھروں میں دوبارہ جنم لیں گے۔''

میرے بندو! یقین کرو کہ اگر پوری دنیا کے لوگ بھی تم لوگوں کے مقابلے پر آجائیں تو بھی وہ تم لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میری طاقت بلا شبہ تمہارے ساتھ ہے مگر تمہیں اپنی طاقت اور تعداد میں بھی اضافہ کرنا ہوگا۔ لوگوں کو اپنے عقائد پر قائل کرو۔ یاد رکھو کہ سارے کام میں نے ہی نہیں کرنے ہیں کچھ کام تمہارے بھی ذمہ ہیں۔

ادھر بغداد میں اس پر کافی حد تک تشویش پائی جاتی تھی کہ ابھی تک ابن مقنع کا قلعہ قمع کیونکر نہیں ہو پایا۔ چنانچہ ان کی مدد کے لیے ایک بڑا لشکر ابوعون کی سرگردگی میں اور دوسرا لشکر معروف سردار معاذ بن مسلم کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ ان دونوں لشکروں کو ایک جگہ اکٹھا ہونے کا حکم بھی دیا گیا تھا۔ اس مشترکہ لشکر کی مدد کے لیے ایک اور لشکر عقبہ بن مسلم کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا۔ یہ لشکر بھی معاذ بن مسلم کے لشکر کے ساتھ جا کر مل گیا۔

اس مشترکہ لشکر کے مقدمۃ الجیش کا امیر معروف سردار سعید بن عمرو حریشی کو بنایا گیا۔ معاذ بن مسلم نے یہ حکم دیا کہ سفر شروع کیا جائے اور دوران سفر ابن مقنع کے جتنے بھی قلعہ آئیں ان کو ہر صورت فتح کر لیا جائے گا تمام قلعے فتح کرنے کے بعد ابن مقنع کے مرکزی قلعہ صیام کا رخ کیا جائے گا۔ مسلمانوں کے لشکر کا پہلا مقابلہ واپس نامی مقام پر واقع ایک قلعہ میں ہوا۔ اس قلعہ میں ابن مقنع کی خاصی فوج موجود تھی چنانچہ یہاں بڑا ہی زور دار مقابلہ ہوا۔ مگر آخر کار فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ بے تحاشا لوگ ابن مقنع کے ہلاک ہوگئے باقی ماندہ افراد بڑی مشکلوں سے اپنی جانیں بچا کر ابن مقنع کے قلعہ صیام میں پہنچ گئے۔

اس مقام پر مسلمانوں نے کچھ دن آرام کیا اور پھر دوسرے قلعوں کو زیر کرنے کے لیے بڑھے۔ مسلمانوں نے بڑی تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے بہت سے قلعے فتح کر لیے اور ابن مقنع کے ارادت مندوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد خلیفہ نے سعید حریشی کو مشترکہ لشکر کا امیر بنا دیا اور معاذ بن مسلم وغیرہ کو ان کی ماتحتی میں کارروائی کا

Marfat.com

حکم دے دیا گیا۔

نئے امیر نے دھیرے دھیرے تمام قلعوں کو فتح کر لیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے تمام ارادت مندوں کا اجتماع ابن مقنع کے مرکزی قلعہ میں ہونا شروع ہو گیا۔ اس قلعہ میں زخمیوں کی بھی اچھی طرح تعداد موجود تھی۔ ان کا علاج طبیب تو کر ہی رہے تھے مگر ابن مقنع اب مسلمانوں کے ساتھ آخری مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف تھا۔

اسلامی لشکروں کے مرکزی امیر سعیدہ حریشی نے یہ سوچ رکھا تھا کہ شاید یہ مہم محض چند ماہ میں ختم ہو جائے گی مگر ان کا خیال غلط ثابت ہوا کیونکہ ابن مقنع کا مرکزی قلعہ بڑا ہی مضبوط قلعہ تھا اور اس کی حفاظت کے لیے خاصی چوڑی اور گہری خندق کھودی گئی تھی۔ جس کو کسی بھی طرح عبور کرنا آسان کام نہ تھا۔ جب مسلمان سپاہی اس خندق کو عبور کرنے کی کوشش کرتے تو ان پر قلعہ کی فصیل سے تیروں کی بوچھاڑ کر دی جاتی اور منجیقوں سے پتھر بھی برسائے جاتے۔

اس صورت حال کے پیش نظر امیر سعید حریشی نے سیڑھیوں کی تیاری کا حکم دیا۔ بڑی محنت اور مشقت سے تیار کی جانے والی سیڑھیاں بھی کارآمد ثابت نہ ہوئیں کیونکہ جب انہیں خندق پر رکھنے کی کوشش کی گئی تو یہ چھوٹی پڑ گئیں اس وجہ سے اسلامی لشکر میں تھوڑی سی بددلی پھیل گئی۔

اسلامی لشکر نے قلعہ کا محاصرہ تو کیا ہوا تھا مگر اس کو فتح کرنے میں ایک عرصہ لگ گیا۔ اب اسلامی لشکر کو کھانے پینے کی دشواری کا سامنا تھا۔ یوں دکھائی دیتا تھا کہ ابن مقنع نے قلعہ میں ہر طرح کا انتظام کر رکھا تھا۔ ورنہ سب سے زیادہ پریشانی تو قلعہ میں موجود محصورین کو ہو سکتی تھی۔

سعید حریشی ایک بیدار مغز سردار تھا کہ اس نے اب یہ فیصلہ کیا کہ اس خندق کو سیڑھیوں کے ذریعہ عبور کرنا تو بے حد مشکل امر ہے کیوں نہ اس کو کسی طرح پاٹ دیا جائے۔ اس نے خندق میں ریت سے بھرے ہوئے بورے پھینکنے کا منصوبہ بنایا مگر اس میں یہ خطرہ تھا کہ کپڑے کے بورے تو یقیناً پھٹ سکتے ہیں۔ چنانچہ اس نے بوری کی بجائے جانوروں کی کھالیں اس مقصد کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے لیے بہت ساری کھالیں درکار تھیں۔ گرد و نواح سے فوری طور پر کھالیں منگوالیں گئیں اور

Marfat.com

دارالحکومت سے بھی کھالوں کی درخواست کی گئی۔

جب بہت ساری کھالیں وہاں پہنچ گئیں تو ان کو مضبوطی سے سینے کا کام شروع کر دیا گیا۔ قلعہ کی فصیل پر موجود محافظوں نے ان توڑوں کو جو دیکھا تو انہیں یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ اب مسلمان کیا کرنے والے ہیں۔ انہوں نے جلدی سے ابن مقنع کو آگاہ کیا کہ اب مسلمانوں کا لائحہ عمل کیا ہے۔

ابن مقنع سمجھ گیا کہ اب اس کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ قلعہ میں جس قدر بھی لکڑیاں ہیں ایک کھلے میدان میں جمع کر دی جائیں۔ اس نے اپنی بیویوں اور بچوں کو اپنے قریب ہی بلوا لیا۔ جب اس کو یہ بتایا گیا کہ تمام لکڑیاں جمع کر دی گئیں ہیں تو اس نے حکم دیا کہ ان لکڑیوں کو آگ لگا دی جائے۔ یہ خشک لکڑیاں تھیں دیکھتے ہی دیکھتے ان کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

آگ لگانے کا حکم دینے کے بعد ابن مقنع نے حکم دیا کہ تمام لوگ خوب دل بھر کر شراب سے اپنے دل بہلا لیں تاکہ ان پر طاری مایوسی ختم ہو سکے چنانچہ وہاں موجود تمام لوگوں نے شراب پینا شروع کر دی۔ ہر شخص مدہوش تھا اور وہ لوگ اپنی بری حالت کو کچھ دیر کے لیے تو فراموش کر چکے تھے۔ انہی میں اس کی متعدد بیویاں اور لاتعداد بچے بھی شامل تھے۔

ابن مقنع نے محافظوں کو حکم دیا کہ اس کی بیویوں کو اور اس کے بچوں کو اس آگ میں پھینک دیا جائے جب وہ پھینک چکے تو انہیں حکم دیا گیا کہ تمام بچوں کو بھی آگ میں پھینک دیا جائے۔ باقی لوگ اس کے پاس سے ہٹ آئے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ابن مقنع نے اپنے اہل خانہ کو آگ میں پھنکوا دیا ہے تو انہوں نے قلعہ سے باہر نکل کر ہتھیار پھینکنے میں ہی عافیت جانی۔

ایک بوڑھی عورت جو کہ اس قلعہ میں موجود تھی اس نے امیر اسلامی لشکر کو بتلایا کہ ابن مقنع کے دو اڑھائی ہزار عقیدت مندوں نے آگ میں جل کر موت قبول کی اور ابن مقنع نے خود کو تیزاب کے ایک حوض میں گرا کر اپنا بھی خاتمہ کر لیا۔ یعنی اس کا نام و نشان تک مٹ گیا۔

لعنت اللہ علی الکاذبین

Marfat.com

Marfat.com

جلال الدین اکبر

بانی

دین الٰہی

مغل تاجدار جلال الدین اکبر اگرچہ ان لوگوں میں شامل تو نہیں ہے کہ جنہوں نے نبوت یا مہدیت کا دعویٰ کیا تھا مگر اکبر کا شمار ان لوگوں میں ضرور ہوتا ہے کہ جنہوں نے اپنا الگ دین بنا کر فساد پیدا کیا۔ اکبر کے اس خود ساختہ دین کا سب سے زیادہ نقصان صرف اور صرف مذہب اسلام کو ہی ہوا تھا۔ اکبر 949ھ بمطابق 1543ء میں سندھ کے ریگستان میں اوکوٹ کے مقام پر پیدا ہوا۔ اکبر کی پیدائش نہایت کسمپرسی کے عالم میں ہوئی تھی۔ اکبر اس دور میں پیدا ہوا تھا جب اس کا باپ شہنشاہ ہمایوں، شیر شاہ سوری کے ہاتھوں ہزیمت خوردہ ہو کر دربدر بھٹکتا پھر رہا تھا۔ جب ہمایوں ملک ہندوستان سے فرار ہو کر ایران کی طرف چلا گیا تو اکبر کو اپنے بھائی عسکری مرزا کے حوالہ کر گیا جو کہ اس وقت قندھار کا حاکم تھا۔

عسکری مرزا کے ہاں اکبر جب حوالہ کیا گیا تھا تو اس وقت اس کی عمر ایک برس بھی نہ تھی۔ یہاں اکبر تقریباً بارہ برس تک رہا۔ یہاں تک کہ ہمایوں فاتحانہ انداز میں ہندوستان کی طرف آیا۔ ہمایوں 961ھ بمطابق 1554ء میں واپس ہندوستان آیا تھا۔ ایک طویل جلا وطنی کی زندگی گزارنے کے بعد ہمایوں ہندوستان لوٹا تھا مگر اسے آرام و

Marfat.com

سکون کے ساتھ صرف دو برس ہی حکومت کے ملے۔ 963ھ بمطابق 1556ء میں وہ گر کر ہلاک ہوگیا چنانچہ جواں سال اکبر کو تخت نشین کیا گیا۔ اس وقت اکبر کی عمر 14 برس تھی۔ اکبر بالکل جاہل رہ گیا۔ کیونکہ اس کے ماں باپ کا سایہ درحقیقت کبھی بھی اس کے سر پر موجود ہی نہیں رہا تھا۔

جب اکبر کو حکومت کرنے کا موقع ملا تو ابتداء میں اس کا رجحان مذہب اسلام کی طرف ہی تھا۔ وہ تقریباً تمام نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرتا اور خود اذان بھی دیا کرتا تھا۔ بعض اوقات مسجد میں اپنے ہاتھوں سے جھاڑو بھی دیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ علماء کی بھی حد درجہ تکریم کیا کرتا تھا۔ اکثر ان کے ساتھ ملاقات کے لیے وہ ان کے گھروں میں بھی چلا جایا کرتا تھا۔ ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اس نے علماء کے آگے ان کی جوتیاں بھی سیدھی کر کے رکھی تھیں۔

کہا جاتا ہے کہ اس دور میں حکومت کے مقدمات فیصلے شریعت کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ اس کے حکم سے مقدمات نپٹانے کے لیے قاضی اور مفتی بھی مقرر تھے۔ اسی دور میں اس کا رجحان صوفیانہ خیالات کا حامل تھا جب کہ اس کو فقراء کے ساتھ خصوصی انسیت تھی۔ ایک مرتبہ یوں ہوا کہ جب 968ھ بمطابق 1561ء میں جب قوالوں نے ایک محفل میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی شان میں منقبت پڑھی تو اکبر بے تاب ہو کر اجمیر کی طرف روانہ ہوگیا۔

اجمیر پہنچ کر اس نے آپ کے توسل سے اپنے دل کی مرادیں اللہ رب العزت سے مانگیں۔ اس کی یہ مرادیں بہت جلد ہی پوری ہوگئیں۔ یوں اس کا اعتقاد حضرت خواجہ کے ساتھ حد درجہ ہوگیا۔ اگرچہ 982ھ بمطابق 1575ء میں مرتد ہوگیا تھا۔ اور اس کے نظریات دین متین سے متضاد ہو چکے تھے مگر اس کے باوجود اس کی عقیدت حضرت خواجہ کے ساتھ روز اول کی طرح رہی۔

اکبر اولیائے کرام کا اوائل میں حد درجہ معتقد تھا۔ اس نے 971ھ بمطابق 1564ء میں حضرت خواجہ سلیم چشتی علیہ الرحمۃ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ آپ حضرت شیخ الکبیر خواجہ فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے پاس اکبر خود حاضر ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں جب جاتا تو ننگے پاؤں جایا کرتا تھا۔

Marfat.com

شہنشاہ جہانگیر نے توزک جہانگیری میں تحریر کیا کہ ''ایک دن اثنائے توجہ اور بے خودی میں میرے والد گرامی (شہنشاہ اکبر) نے ان (خواجہ سلیم چشتی) سے دریافت کیا کہ یا حضرت میرے ہاں کتنے فرزند پیدا ہوں گے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں تین فرزند عطا فرمائے گا۔ آپ کی یہ پیشن گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔ جب اس کے ہاں شہزادہ سلیم 977ھ بمطابق 1570ء میں شہزادہ مراد 978ھ بمطابق 1571ء میں اور شہزادہ دانیال 980ھ بمطابق 1573ء میں پیدا ہوئے۔

جہانگیر نے توزک میں مزید لکھا ہے کہ ''جب شیخ سلیم نے تین فرزندوں کی بشارت دی تو والد نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ میں یہ منت مانتا ہوں کہ سب سے پہلا فرزند جب پیدا ہوگا تو اسے آپ کے دامن میں توجہ اور تربیت کے لیے ڈال دوں گا۔''

چند روز ہی گزرے تھے کہ معلوم ہوا کہ فلاں بیگم کو حمل ٹھہر گیا ہے۔ شہنشاہ اکبر یہ سن کر از حد خوش ہوا۔ طبقات اکبری میں خواجہ نظام الدین احمد تحریر کرتے ہیں کہ شہزادہ سلیم 17 ربیع الاول 977ھ میں پیدا ہوا۔ حضرت خواجہ سلیم کے لیے اکبر نے سیکری میں ایک نئی اور خوبصورت خانقاہ تعمیر کرنے کا حکم دیا اور خوب جشن منایا۔

اکبر نے یہ بھی نذر مان رکھی تھی کہ اگر اس کے ہاں فرزند تولد ہوا تو وہ پیدل اجمیر شریف جائے گا۔ چنانچہ اس نے یہ منت بھی پوری کی۔ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ ایک بادشاہ کے لیے پیدل سفر کرنا کس قدر مشکل ہو سکتا ہے۔ حضرت خواجہ سلیم چشتی علیہ رحمۃ کے ساتھ اس کی عقیدت اس حد تک تھی کہ اس نے کبھی شہزادہ سلیم کو سلیم کہہ کر نہیں پکارا تھا اس نے شہزادہ سلیم کو شیخو کہنا شروع کر دیا۔

شہنشاہ جہانگیر مزید تحریر کرتا ہے کہ ایک روز والد گرامی نے شیخ سے پوچھا کہ آپ کی عمر کس قدر ہوگی۔ انہوں نے فرمایا کہ جب شہزادہ سلیم اتنا بڑا ہو جائے گا جب وہ کچھ یاد کرنے کے قابل ہو جائے گا اس کے بعد اکبر نے تمام محلات میں یہ حکم جاری کر دیا کہ شہزادہ شیخو کو نظم و نثر کچھ بھی نہ پڑھایا اور نہ ہی کچھ سکھایا جائے۔ مگر ہوا یوں کہ محل میں ایک عورت نے مجھے ایک شعر یاد کروا دیا۔

میں نے خوشی خوشی یہ شعر شیخ کو جا کر سنا دیا۔ حضرت شیخ نے بہت خوشی ظاہر کی اور والد گرامی سے ارشاد فرمایا کہ شہنشاہ! اب ہمارا وعدۂ وصال آن پہنچا ہے۔ چنانچہ

Marfat.com

اسی رات معمولی علالت کے بعد شیخ 979ھ بمطابق 1572ء میں 95 برس کی عمر پا کر وفات پا گئے۔

اس دور میں دکن میں ایک مشہور و معروف برہمن نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ ہندوؤں کے لیے ایک بری خبر تھی چنانچہ بڑے بڑے پنڈتوں اور برہموں نے اس کو پرانے مذہب میں واپس لانے کی حتی المقدار کوشش کی مگر ناکام ہو گئے۔ کسی طرح اس نے شاہی دربار میں بھی رسائی حاصل کر لی اور اپنی ذہانت قابلیت کی بنا پر بادشاہ کے مصاحبوں میں شمار ہونے لگا۔ ایک روز بادشاہ اکبر نے اسے یہ حکم دیا کہ ہندو مذہب کی چوتھی کتاب اتھرووید کا فارسی ترجمہ کیا جائے۔

بادشاہ کے حکم کی فوری تعمیل کی گئی۔ اس کتاب میں درج تھا کہ خدا واحد لاشریک ہے۔ جب تک اس کا کلمہ نہ پڑھا جائے کہ وہ ایک ہے اور اس کے سوائے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو نجات کی کوئی سبیل نہیں۔ ایک اور بات بھی درج تھی کہ گائے کا گوشت چند شرطوں کے ساتھ مباح ہے۔ اور یہ بھی کہ میت کو جلانے سے دفن کرنا بہتر ہے۔

اس دور میں شہنشاہ اکبر کے ارد گرد علماء اور فضلاء جمع رہتے تھے۔ جو اس کو دین متین کی باتیں بتلایا کرتے تھے۔ مگر اسی دوران اس کو چند ایسے ملحد علماء بھی مل گئے جنہوں نے اس کو غلط تاویلیں پیش کرنا شروع کیں۔ شہنشاہ اکبر کو اب ان ملحد علماء کی باتیں اچھی معلوم ہونا شروع ہوئیں۔

انہی دنوں اکبر نے درباری علماء سے پوچھا کہ وہ کتنی عورتوں سے بیک وقت شادی کر سکتا ہے۔ علماء نے جواب دیا کہ وہ بیک وقت چار عورتوں کے ساتھ شادی کر سکتا ہے۔ اکبر نے کہا کہ میں نے تو ایک بڑے عالم دین سے یہ سنا ہے کہ بعض حالتوں میں نو تک کی بھی اجازت ہے۔ علماء نے کہا یہ تو بالکل خلاف شرع بات ہوگی۔

اس کے بعد اس نے دیگر علماء سے بھی یہی سوال کیا تو اسے بتلایا گیا کہ بادشاہ نو تو کیا تین گناہ زیادہ عورتیں بھی اپنے حرم میں بطور متعہ رکھ سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں بہت زور شور سے بحث و مباحثے ہوئے جن کی وجہ سے اکبر کا ذہن مذہب اسلام سے متنفر ہونا شروع ہو گیا۔

Marfat.com

972ھ میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ جس نے اکبر کو توہین رسالت کا مرتکب کر دیا۔ ہوا یوں کہ قاضی شیخ عبدالنبی کے پاس ایک مقدمہ پیش ہوا کہ متھرا میں ایک ہندو نے مسجد کی جگہ پر قبضہ کر کے اس پر ایک شوالہ بنا لیا ہے۔ اس کو جب مسلمانوں نے روکنے کی کوشش کی گئی تو اس نے رسول مقبول ﷺ کی شان اقدس میں نازیبا الفاظ استعمال کیے۔

اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ چونکہ مذہب اسلام میں توہین رسالت کی سزا صرف موت ہے اس لیے قاضی نے بادشاہ سے اس مردود کی سزائے موت کی اجازت چاہی مگر بادشاہ ملحد علماء کے چکر میں پھنس چکا تھا اس نے ٹال مٹول سے کام لینا شروع کر دیا۔ مگر قاضی صاحب نے اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے اس کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ اس واقعہ کو ملحد قسم کے علماء نے دربار میں بہت اچھالا۔

ملحد علماء نے اکبر کو اب یہ سبق پڑھایا کہ تمام علماء سے پیچھا چھڑانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ وہ خود ہی مجتہد اعظم بن جائے۔ چنانچہ ایک دستاویز تیار کروا کر علماء سے ان کی تصدیق کروائی گئی۔ اکبر کو راغب کرنے والے علماء نے فوراً ہی تصدیق کر دی اور دستخط بھی کر دیئے مگر بعض علماء نے جان دینا اور قید خانوں کو ترجیح دی۔

اگرچہ شہنشاہ اکبر مطلقاً جاہل تھا مگر درباری مولویوں نے اس کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ شرعی احکام میں تغیر و تبدل کرنے کا مجاز ہے۔ شیخ عبدالقادر بدایونی تحریر کرتے ہیں کہ ”ایک مرتبہ اکبر نے سنا کہ حضرت ختمی المرتبت ﷺ اور خلفائے راشدین جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ بھی جمادی الاول 987ھ کو قصر شاہی کے قریب واقع جامع مسجد میں خطبہ دینے کے لیے چلا گیا مگر وہ خطبہ دینے میں یکسر ناکام رہا۔

شہنشاہ اکبر کو درباری علماء نے جو فتویٰ دیا تھا اس کے مطابق شریعت مطہرہ کو بالکل معطل کر دیا گیا تھا مگر اکبر کو تمام تر اختیارات دیئے گئے تھے۔ انہی علماء نے اکبر کو یہ بتلایا کہ آزادی کے ساتھ احکامات الٰہی میں بھی رد بدل کر سکتا ہے۔ چنانچہ اب اکبر نے بڑی ہی بے باکی کے ساتھ یہ کام شروع کر دیا۔ اس نے احکامات الٰہی پر اپنے احکامات منوانے شروع کر دیئے۔

اکبر کے گمراہ مصاحب جو کہ اگرچہ کہلاتے تو مسلمان ہی تھے مگر ان کے

Marfat.com

طرز عمل اسلام کے یکسر خلاف تھے۔ انہوں نے اب اسلام کو محض تقلیدی مذہب کہنا شروع کر دیا۔ انہوں نے یہاں تک کہنا شروع کیا کہ اہل علم و اصحاب بصیرت تو تمام مذاہب میں موجود ہوتے تھے اور اسی طرح رد باب ریاضت و کشف و کرامت بھی دنیا کے ہر مذہب مین موجود ہوتے ہیں۔ اس لیے صرف اسلام ہی کو کس طرح مخصوص کیا جا سکتا ہے۔

بات اگرچہ ان کی اس حد تک تو درست تھی کہ صاحبان بضیرت ہر مذہب میں ہو سکتے ہیں مگر یہ کہنا کہ اسلام کو کیوں مخصوص کیا جائے تو یہ درحقیقت اسلام سے انکار بلکہ طنز تھا۔ شہنشاہ اکبر نے اپنی تخت نشینی کے 28 برس مکمل ہونے کی تقریب میں یہ اعلان کیا کہ اب جبکہ پیغمبر اسلام کی بعثت کو ایک ہزار برس جو کہ دین محمدی کی بقا کی مدت تھی گزر چکا ہے اس لیے اب اسلام کے احکامات اور ارکان باطل ہو گئے ہیں۔ اس نے اب اپنے احکامات نافذ کرنے کا اعلان کر دیا۔

اکبر نے حکم جاری کیا کہ عوام الناس اس کو سجدہ کیا کریں۔ شراب خوری کو جائز قرار دے دیا گیا۔ مگر یہ شرط بھی رکھ دی کہ مستی ظاہر نہ ہونے پائے۔ چنانچہ شراب نوشی کے لیے حد اعتدال مقرر کر دی گئی۔ شراب فروخت کرنے کے لیے سرکاری سطح پر دوکانیں بھی کھولی گئیں۔

شراب پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ عورتوں کی بدکاری کو بھی سرکاری سرپرستی حاصل ہوگئی۔ وہ لوگ جو اس کام کو برا خیال کرتے تھے وہ بھی زنا کی طرف راغب ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں کی تعداد میں عورتیں اس مذموم کام پر آمادہ ہوگئیں جس کی وجہ سے معاشرہ میں اچھا خاصا بگاڑ پیدا ہوگیا۔ دربار اکبری کے صفحہ نمبر 76 پر درج ہے کہ ''بازاروں کے برآمدوں میں رنڈیاں نظر آنے لگیں کہ آسمان پر اتنے ستارے بھی نہ ہوں گے خصوصاً دارالخلافہ میں۔''

اکبر نے اپنے مصاحبین کے مشوروں کے بعد فتح پور شہر سے باہر ایک بازار بنوایا۔ اس بازار مین صرف رنڈیوں کو بٹھایا گیا کہ وہ لوگوں کا دل بہلایا کریں۔ اس کا نام شیطان پورہ رکھا گیا تھا۔ اس میں قواعد وضوابط بھی مقرر کیے گئے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی عورت سے صحبت کرے یا ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے جائے تو ہر دو صورتوں

Marfat.com

میں اس کا نام رجسٹر میں لکھا جائے گا۔ یہ بھی اصول وضع کیا گیا کہ اگر کوئی خوبصورت لڑکی اس بازار میں داخل ہوتی اور اس کا طلب گار کوئی حکومتی بندہ ہوتا تو اس کے لیے براہ راست بادشاہ سے اجازت لی جاتی۔

اکبر نے یہ حکم بھی جاری کر دیا کہ داڑھی صاف کروانا جائز ہے۔ اس کے لیے ان گمراہوں نے یہ تاویل پیش کی کہ داڑھی کے بال خصیوں کی رطوبت جذب کرتے ہیں جس کی وجہ سے مردانہ کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں عبدالقادر بدایونی تحریر کرتے ہیں کہ ''ابتدائے ملازمت میں حکیم ابو الفتح نے میری داڑھی مقرر مقدار سے کم دیکھی تو میر ابو المغیث بخاری کی موجودگی میں مجھ سے کہنے لگا کہ تمہارے لیے داڑھی کا کم کرانا کسی بھی طرح مناسب نہیں۔ میں نے کہا کہ حجام نے غلطی سے زیادہ کاٹ دی ہے۔ وہ کہنے لگا کہ اچھا آئندہ تم کبھی ایسا نہ کرنا۔ کیونکہ یہ نہایت ہی بے ہودہ حرکت ہے اس کے فوراً بعد اس نے خود اکبر کے احکام کے ماتحت اپنی داڑھی بالکل ہی صاف کروا دی۔

شہنشاہ اکبر نے جو نیا دین متعارف کروایا تھا وہ دراصل شعائر اسلامی کی تکذیب وتوہین ہی کا مرقع تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اکبر نے اپنے گمراہ مشیران کے کہنے پر کتوں اور خنزیروں کو حلال جانور قرار دے دیا تھا نہ صرف حلال بلکہ طیب جانوروں کا درجہ بھی دے رکھا تھا۔ شاہی محل کے نیچے یہ جانور باندھے جاتے تھے تاکہ ان پر صبح سویرے سب کی نظر پڑے۔ اس طریقہ کار کو حکماً عبادت کا درجہ دے دیا گیا تھا۔

درحقیقت جس قسم کے ان کے اس وقت عقائد تھے ان کی نظریں انہی جانوروں پر ہی مرکوز ہونا چاہئے تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اکبر کے قریبی ہندوؤں نے اسے یہ یقین دلایا تھا کہ خنزیر پر بھی ایک اوتار ہے اور اس کا شمار ان دس مظاہر میں ہوتا ہے جن میں (معاذ اللہ) ذات باری تعالیٰ نے حلول کیا تھا۔

شاہی حکم کے بعد اب یہ بھی ہونے لگا تھا کہ بعض شاہی امراء اپنے دستر خوان پر کتوں کو بھی ساتھ بٹھایا کرتے تھے اور انہیں بھی اپنے ساتھ ہی کھانا کھلاتے تھے۔ اس کے علاوہ اس نئے دین میں غسل جنابت کی بھی قدغن ختم کر دی گئی تھی۔ اس کی تاویل یہ پیش کی گئی تھی کہ ہر انسان کا خاصہ نطفۂ منی ہے۔ جو نیتوں کا تخم آفرینش ہے۔ ان لوگوں

Marfat.com

کا یہ کہنا تھا کہ اگر پیشاب کرنے سے غسل واجب نہیں ہوتا تو پھر بھلا منی جیسی لطیف چیز کے اخراج پر ہی غسل کیوں واجب کیا جائے۔

ان نام نہاد علماء کا یہ کہنا تھا کہ جنابت کے بعد غسل کے کیا معنی ہوئے بلکہ ضروری تو یہ ہے کہ جنابت سے پہلے غسل کیا جائے تاکہ ہشاش بشاش ہو کر عورت اور مرد باہم مباشرت کریں۔ یہ سراسر اسلامی شعائر کے خلاف بات تھی۔ غسل جنابت ہر مذہب میں ہی ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ مگر چونکہ اسلام میں اس کو فرض قرار دیا گیا ہے اس لیے اکبر اور اس کے پروردہ علماء نے اسی قانون کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔

اکبر کے ملحدانہ خیالات کے حامل علماء اب اسلامی عقائد کی کھلے عام تضحیک کرنے لگے تھے۔ اگر کوئی مسلمان ان کو روکنے کی کوشش کرتا تو پھر اس کو ختم کر دیا جاتا۔ اسلامی معاشرہ میں ہی نبی اکرمؐ کی شان اقدس میں گستاخیاں کی جاتیں مگر نماز جمعہ کے خطبہ میں بادشاہ کے طول طویل القابات بیان کیے جاتے۔ ان لوگوں نے اب یہ طرز عمل اختیار کر لیا کہ گاہے بگاہے اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے رہتے تھے۔ یعنی یہ لوگ شہنشاہ اکبر کو (معاذ اللہ) اللہ قرار دیتے تھے۔ گویا وہ اس طرح اللہ رب العزت کا بھی کھلے بندوں انکار کرتے تھے۔

اکبر کے ملحد اور گم کردہ راہ مولوی حضرات اب مے نوشی بھی فخریہ کرنے لگے تھے۔ نو روز کی محافل میں حق پرست علماء' فقہاء اور قاضی حضرات کو زبردستی شامل کیا جاتا اور پھر انہیں شراب پینے پر مجبور کیا جاتا۔ انہیں یہ کہا جاتا کہ جام ٹکراتے ہوئے کہیں کہ ہم یہ جام فقہاء کے ساتھ پیتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو ہرگز بیجانہ ہوگا کہ اس دور میں عام لوگوں کے ساتھ ساتھ علماء کرام کا ایمان بھی متزلزل ہو چکا تھا۔

پہلے پہل تو علماء نے شراب نوشی کو بہ امر مجبوری قبول کیا مگر رفتہ رفتہ یہ کیفیت بھی ختم ہوتی چلی گئی۔ ایک مرتبہ جب کہ جشن نو روز میں شراب کا دور چل رہا تھا تو اس موقع پر میر صدر جہاں مفتی میر عبد الحیٔ اور میر عدل نے بھی شراب نوشی میں خوشدلی کے ساتھ حصہ لیا اس کو دیکھ کر اکبر نے یہ شعر کہا۔

در دور پادشاہ خطا بخش و جرم پوش
قاضی قرابہ کشی شدہ مفتی پیالہ نوش

Marfat.com

مگر اب بھی ایسے علمائے حق موجود تھے جنہوں نے اپنے دامان پارسا کو ان قبیح حرکات سے کسی نہ کسی طرح محفوظ رکھا ہوا تھا۔ یہ لوگ اپنی جان پر کھیل کر اسلام اور اس کے زریں اصولوں پر قائم اور ثابت قدم تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد شاہی حکم سے شاہی محل کے ایک حصہ میں قمار خانہ بھی قائم کر دیا گیا۔ جہاں قمار باز کی شاہی سرپرستی کی جاتی تھی۔ یہاں اگر کسی قمار باز کو روپے کی ضرورت پڑ جاتی تو پھر اسے شاہی خزانہ سے قرض بھی مہیا کیا جاتا تھا یوں بڑے بڑے لوگ دیکھتے ہی دیکھتے فقیر ہو جاتے اور ماہر قمار امیر کبیر ہو جاتے۔ مگر ایسے میں کوئی بھی ایسی قوت دیکھنے میں نہیں آئی جس نے معقول طریقہ سے اکبر اور اس کے ملحدین کو روکنے کے لیے کوئی واضح اور بڑا قدم اٹھایا ہو۔

دیگر بہت سے بدترین اقدامات کے ساتھ اکبر نے شاہی فرمان کے ذریعہ یہ منادی کروا دی کہ کوئی بھی مسلمان اپنے لڑکوں کے ختنے پندرہ برس کی عمر سے پہلے ہرگز نہ کریں تاکہ وہ خود ہی فیصلہ کر سکیں کہ انہیں کون سا دین اختیار کرنا ہے۔

ایک عیسائی پادری پیٹرے کا کہنا ہے کہ " اکبر بادشاہ نے 3 ستمبر 1595ء کو پادری پنہیر و کو ایک خط تحریر کیا تھا۔ یہ خط اس نے لاہور شہر سے اسے ارسال کیا تھا، اکبر نے لکھا کہ میں نے اس ملک میں ایک اسلام کا نام و نشان بھی نہیں چھوڑا ہے۔ یہاں تک کہ شہر لاہور میں ایک بھی مسجد نہیں رہی ہے کہ جس میں مسلمان عبادت وغیرہ کر سکیں۔ میرے حکم سے تمام مسجدیں اب اصطبل اور گوردواروں میں تبدیل کر دی گئی ہیں۔

فتح کشمیر کے بعد اکبر لاہور چلا آیا تھا اور کئی برس تک وہ یہاں فتنہ انگیزیوں میں مصروف رہا تھا۔ پادری آگے چل کر لکھتا ہے کہ " لاہور شہر میں مسلمانوں کے متبرک دن یعنی جمعہ کو اکبر کے سامنے چالیس کے پلے ہوئے خنزیر لائے جاتے۔ ان کو آپس میں لڑوا کر اکبر بہت خوشی کا اظہار کرتا تھا۔ ان خنزیروں کے اگلے دانتوں پر بڑی مہارت سے سونے کے پترے چڑھا دیئے جاتے تھے۔

یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا تھا کہ اس طرح اسلامی عقائد و تعلیمات کی مکمل طور پر نفی کی جا سکے۔ جمعۃ المبارک بلاشبہ تمام مسلمانوں کے لیے ایک مقدس و متبرک دن ہے۔ اسی روز خنزیروں کے کھیل تماشوں کو دیکھ اور دکھا کر دراصل اکبر اسلام کا کھلے

Marfat.com

ہندوں مذاق اڑاتا تھا۔

اتنا کچھ کرنے کے بعد اب اکبر نے مشائخ عظام کے نام فرامین جاری کر دیئے کہ ان میں سے کبھی بھی کسی شخص کو بیعت نہیں کرے گا۔اس کے باوجود اگر یہ معلوم ہوتا کہ کسی کو بیعت کیا ہے تو اس کو پابند سلاسل کر دیا جاتا۔ اس کے بعد مشائخ کی جگہ اکبر نے لوگوں سے خود بیعت لینا شروع کردی۔ اکبر اپنے مریدوں سے چہار ترک پر بیعت لیا کرتا تھا یعنی ترک مال' ترک جان' ترک ناموس اور ترک دین۔ اکبر ان لوگوں کو جو اس کی بیعت اختیار کرلے ان کو شجرہ طریقت کی بجائے اپنی تصویر دیا کرتا تھا۔

اکبر کی تصویر کو ایک مخملی غلاف میں اس کے مرید سنبھال کر رکھتے تھے اور اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ سب باعث رشد و ہدایت اور ترقی اقبال کا ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ اکبر نے سلام کا طریقہ بھی بدل ڈالا تھا۔ جب ایک شخص دوسرے کو ملتا تو وہ اسے ''اکبر'' کہتا اور دوسرا شخص جواب میں جل جلالہ کہتا۔

اس کے علاوہ ایک اور بات بھی۔ بہت عجیب و غریب اس باطل فرقہ نے ایجاد کر لی تھی کہ جہاں بھی وہ لوگ اکبر کو دیکھ لیتے وہیں سجدہ میں گر جاتے۔ یہ بات اکبر کے مخصوص لوگوں تک ہی محدود نہ رہی تھی بلکہ اسے تمام لوگوں پر ہی حکما لاگو کر دیا گیا تھا۔ کہنے کو تو یہ لوگ بظاہر مسلمان ہی تھے مگر ان کے طور طریقے تو یہود اور ہنود سے بھی بدتر تھے۔ اس سلسلہ میں ملحد مولویوں ہی نے اکبر کو اس حال تک نہیں پہنچایا تھا بلکہ اس میں ایک بڑا حصہ نامعقول شاعروں کا بھی تھا۔

دنیا پرست اور عاقبت نا اندیش شاعر بڑی محنت سے اکبر کی شان میں ایسے قصائد تحریر کر کے لاتے جس میں اس کو خدا کا ہمسر ثابت کیا ہوتا تھا۔ یہی لوگ تو اکبر کی آنکھوں کے تارے ہوا کرتے تھے۔ اکبر کے اس دین کی پذیرائی اس وقت کے معروف لوگوں نے بھی کی جس کی وجہ سے عام لوگ بہت زیادہ پریشانی میں مبتلا ہو کر رہ گئے تھے۔ علماء حق نے اپنے طور پر ہر باطل دین کا راستہ روکنے کی مقدور بھر کوشش کی جو کہ بری طرح ناکام ہوئی۔

تاریخ کی کتب کی ورق گردانی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکبر اپنے اس خود ساختہ دین کے سلسلہ میں ہندوؤں کی بہت سی باتیں بھی قبول کر چکا تھا۔ وہ معروف ہندو

Marfat.com

سادھوں کو خلوت میں طلب کرتا اور ان سے ہندی عملیات وغیرہ سیکھا کرتا تھا۔ اسی بنا پر اس نے اپنے خود ساختہ دین میں ہندو مذہب کی بہت سی باتوں کو شامل کر رکھا تھا۔

اکبر کے ہندو مشیروں نے کچھ عرصہ کے بعد اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ سورج ہی دراصل سب سے بڑی قوت ہے اوراس کی بدولت انسان زراعت اور زندگی حاصل کرتا ہے اور اسی کی بدولت دنیا میں رنگ و روشنی ہے۔ انہوں نے اکبر کو اس بات پر بھی قائل کیا کہ عبادت تو دراصل سورج ہی کی ہونی چاہیے چنانچہ عبادت کا رخ بھی سورج کی طرف ہی ہونا مناسب ہے۔

یہی نہیں بلکہ اکبر نے اب یہ حکم بھی جاری کر دیا کہ ایک ایسا آگ کا آلاؤ بھی تیار کیا جائے جو ہمہ وقت جلتا ہی رہے کسی بھی وقت اس میں آگ نہ بجھنے پائے۔ چنانچہ ایک بہت بڑا آتش کدہ چند دنوں میں تیار کرلیا گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ تمام کام صرف ہندو مشیروں کی مرہون منت نہ تھے بلکہ اس سلسلہ میں اکبر کی ہندو داشنائیں بھی بڑا یہ اہم کردار ادا کر رہی تھیں جن کو سب نا اکبر نے اپنے حرم میں شامل کر رکھا تھا۔ اسی وجہ سے اپنی حکومت کے 25 برس پورے ہونے پر اکبر نے ایام نو روز میں آگ کو بھی سجدہ کرنے کا حکم جاری کیا تھا۔

اکبر نے اپنی حکومت کے 35 سال پورے ہونے پر یہ اعلان کیا کہ گائے بھینس اور اونٹ کا گوشت حرام ہے۔ اس نے یہ بھی عجیب و غریب حکم جاری کیا کہ قصابوں کے ساتھ کھانا کھانا جرم تصور کیا جائے گا اور اگر کوئی اس کا مرتکب پایا گیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اگر کوئی عورت قصاب شوہر کے ساتھ کھانا کھائے گی تو اس کے ہاتھ کا انگوٹھا کاٹ دیا جائے گا۔

اکبر نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ بروز اتوار کسی بھی جانور کو ہرگز ذبح نہ کیا جائے نیز یہ بھی کہ ماہ آبان کے اٹھارہ دن اور ہندوؤں کے مخصوص ایام میں بھی جانوروں کو ذبح نہ کیا جائے۔ چنانچہ اب یہ ہونے لگا کہ اگر کوئی بھی اس حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا تو اس کو عبرت ناک سزا سے دو چار ہونا پڑتا۔

یہ بھی روایت ہے کہ خود اکبر نے کئی برس تک مطلقاً گوشت کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ اس کا سبب بھی وہی ہندو داشنائیں تھیں جو اکبر کو ہندو راجاؤں نے پیش کی تھیں

Marfat.com

اور جن کا مقصد اولین ہی اکبر کو دین سے دور کرنا تھا۔ یہ ہندو لڑکیاں تھیں جن کے مذہب میں گوشت حرام ہوتا ہے۔ انہی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اکبر اس حد تک چلا گیا تھا۔ انہی داشتاؤں کو خوش کرنے کی خاطر اکبر نے اپنے مسلمان امراء کے ناموں سے پہلے اور بعد میں آنے والے نام ''محمد'' حکماً ختم کروا دیا تھا۔ یعنی محمد امین کو امین الدین وغیرہ۔

اکبر نے یہ بھی عجیب و غریب حکم جاری کیا تھا کہ اگر کوئی ہندو عورت مسلمان ہو جائے تو اس کو ہر ممکن طریقہ سے روکا جائے اور اس کو فوری طور پر اس کے لواحقین کے حوالہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اب ہندوؤں کو یک گونہ سکون حاصل ہوگیا اور راسخ العقیدہ مسلمانوں میں اچھی خاصی تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ اکبر کے دور حکومت میں اس وقت ہر طرف ہندوؤں کی ہی اجارہ داری قائم تھی۔

990ھ بمطابق 1583ء میں شریف نامی ایک شخص نے محمود بنجو کے حوالہ سے یہ بات اکبر کے سامنے ثابت کی کہ 990ھ میں ہی باطل کو مٹانے والا ظاہر ہوگا۔ چنانچہ اس وقت مہدی حضرتِ اقدس ہی کی ذات ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ انہیں ایام میں ایک روز نامعقول جفردان خواجہ شیرازی نامی نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اس وقت مہدی آخر الزمان اکبر بادشاہ ہی ہے۔ چنانچہ اس شخص کو شاہی خزانے سے مالا مال کر دیا گیا۔

مستند کتب میں یہ روایت تحریر ہے کہ اکبر کے حرم میں ایک سو سے زائد خوبرو عورتیں داخل تھیں۔ مگر جن سے اکبر اپنے ملحد علماء کے مشورے کے مطابق متعہ کیا کرتا تھا ان کی تعداد کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اکبر کو اپنے کسی امیر کی بہن' بیٹی' پسند آ جاتی تو پھر اکبر اس کو یہ حکم کرتا کہ وہ فوراً اس کے محل میں پہنچا دی جائے اس سلسلہ میں اس نے فاحشہ عورتیں اور خواجہ سرا مقرر کر رکھے تھے جو گھروں میں داخل ہو کر خوبصورت لڑکیوں کا پتہ چلاتے اور پھر اکبر کے کارندے ان لڑکیوں کو اکبر کے محل میں زبردستی لے آتے اور اکبر سے انعام پاتے۔

اس باطل دین کو اب حق پرست علماء کا سامنا کرنا پڑا۔ علمائے حق نے اب زور دار طریقہ سے اکبر کی مخالفت شروع کر دی۔ چنانچہ اب عام لوگ بھی اٹھ کھڑے

Marfat.com

ہوئے۔ مگر اکبر کے گماشتوں نے ان علمائے حق کو چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ بہت سے نامور علماء کو اس نے زنداں میں ڈالنے کا حکم جاری کیا۔

بے اندازہ بد اعتدالیوں اور سینکڑوں کی تعداد میں عورتوں کو حرم میں داخل کرنے کی وجہ سے اکبر جسمانی طور پر بہت ہی کمزور ہو چکا تھا۔اس پر یہ بھی کہ یکے بعد دیگرے اس کے دو جواں سال بیٹے بھی مر گئے تھے۔ ایک دنیا کو فتنہ میں مبتلا کرنے والا اکبر بادشاہ آخر کار 1014 ھ بمطابق 1605 ء میں مر گیا۔ مگر یہ بات تشنہ طلب ہی رہی کہ اس کا خاتمہ کس مذہب پر ہوا تھا۔ بعض کا خیال یہ تھا کہ وہ مسلمان مرا کوئی یہ کہتا ہے کہ وہ عیسائی مذہب پر تھا۔ بعض کا خیال یہ تھا کہ وہ ہندو تھا اور بعض کا خیال تھا کہ مجوسی تھا۔ مگر اس بات پر سبھی متفق ہیں کہ وہ ایک نئے دین یعنی ''دین الٰہی'' کا بانی ضرور ہی تھا۔

☆❁......❁☆

Marfat.com

Marfat.com

حسن بن صباح

فرقہ باطنیہ کا بانی یہ شخص نہایت ہی خوفناک عزائم رکھتا تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب خیالات کا حامل شخص تھا۔ یہ شخص مہبط وحی ہونے اور اللہ تعالیٰ سے براہ راست احکامات پانے کا دعویدار تھا۔ تاریخ میں اس بد باطن شخص کی خفیہ سازشیں اور جان لیوا کارروائیاں رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی خیال کی جاتی ہیں۔

حسن بن صباح کی پیدائش خراسان کے مشہور شہر طوس میں ہوئی تھی۔ حسن کا باپ علی مذہب اسماعیل پر کار بند تھا اور اس کی رہائش و قیام عراق کے شہر رے میں تھا۔

حسن بن صباح کا نسب یوں تھا حسن بن علی بن احمد بن جعفر بن حسن بن صباح حمیری۔

حسن بن صباح کے جدِ امجد کا نام چونکہ حسن بن صباح تھا چنانچہ اس نے اپنا نام حسن بن علی کی بجائے حسن بن صباح ہی اپنایا۔ اس کا باپ ایک نہایت شاطر اور عیار و ہوشیار شخص خیال کیا جاتا تھا۔ ان دنوں شہر کی حکومت ابو مسلم رازی کے ہاتھوں میں تھی۔ علی بن جعفر یعنی حسن بن صباح کا باپ اپنے رفض اور زندقہ میں مشہور تھا جب کہ ابو مسلم رازی ایک سلیم الطبع اور متدین حکمران تھا اور یہ فرقہ حق یعنی اہل سنت و الجماعت کا راسخ العقیدہ پیرو کار تھا۔

علی یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ ابو مسلم رازی اس کے بد عقائد کو اچھا نہیں سمجھتا۔ اس لیے اس کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ کسی طرح ابو مسلم پر یہ ثابت کر دے کہ اس کا تعلق بھی اہل سنت و الجماعت کے ساتھ ہی ہے۔ مگر چونکہ اب لوگ اس کو ایک عرصہ سے جانتے تھے لہٰذا کسی بھی طرح اس کو یہ بات ثابت کرنے میں کامیابی حاصل

Marfat.com

نہ ہو سکی۔

علی کو معلوم ہوا کہ نیشاپور میں اہل سنت کے ایک بہت بڑے عالم و فاضل امام مسند ارشاد پر تشریف فرما ہیں۔ اس نے یہ بھی سنا ہے کہ ان کے درس یعنی مدرسہ میں لوگوں کی بہت بڑی تعداد حاضر ہوتی ہے۔ ان کا نام امام موفق تھا۔ علی بن جعفر نے اپنے اوپر لگے ہوئے الزامات کو غلط ثابت کرنے کے لیے اپنے بیٹے حسن کو ان کے درس میں داخل کروا دیا۔ امام موصوف کی درس و تدریس کی خوبی مشہور تھی کہ ان کے اکثر شاگرد بڑے بڑے درجات کے حامل تھے۔ ان کے پاس حاضر ہونے سے پہلے حسن بن صباح نے کئی برس تک فرقہ اسماعلیہ کے ایک معروف عالم عبدالملک عطاش سے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔

حسن بن صباح کے ساتھ اگرچہ بہت سے نوجوان علم حاصل کر رہے تھے مگر اس کی خصوص دوستی خواجہ حسن طوسی (آپ سلجوقی سلطنت میں وزیر اعظم کے عہدہ پر ایک عرصہ متمکن رہے اور ان کو نظام الملک کا لقب بھی حاصل تھا) اور حکیم عمر خیام نیشا پوری کے ساتھی تھے۔ پورے مکتب میں ان تینوں کی دوستی مشہور تھی۔ تمام اسباق یہ تینوں مل جل کر ہی یاد کیا کرتے تھے۔

ایک روز یوں ہوا کہ اچانک حسن بن صباح نے اپنے دونوں دوستوں کو خوشگوار موڈ میں دیکھتے ہوئے کہ ”میرے عزیز دوستو! جیسا کہ یہ بات مشہور ہے کہ استاد محترم جناب امام موفق صاحب کے شاگرد کسی نہ کسی بڑے درجہ تک ضرور پہنچتے ہیں۔ فرض کر لیں کہ ہم تینوں اگر کسی بڑے مرتبہ پر نہ پہنچ پائے تو یقیناً ایک تو ضرور پہنچے گا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم یہ عہد کریں کہ اگر ہم تینوں میں سے جو بھی بڑے رتبہ پر پہنچے تو وہ باقی دونوں کا خیال دل و جان سے رکھے گا اور کسی بھی معاملہ میں ان کو اپنی ذات سے کمتر درجہ کا خیال نہیں کرے گا۔

اس زبانی عہد پر تینوں نے بہ صدق دل سے اتفاق کیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان تینوں کی تعلیم مکمل ہوگئی اور انہیں اپنے اپنے گھروں کو جانا پڑا۔ حسن بن صباح واپس اپنے باپ کے پاس رے شہر کو لوٹ گیا۔ ابو مسلم رازی ایک بیدار مغز حکمران تھا۔ اسے ایک روز معلوم ہوا کہ حسن کے پاس مصر کے بعیدی حکمرانوں کی ایک جماعت خفیہ طور پر آئی ہے۔ ابو مسلم نے حسن کو اپنے پاس طلب کیا مگر یہ نہ آیا۔ اب اس کی گرفتاری

Marfat.com

کا حکم بھی جاری کر دیا گیا مگر یہ اچانک غائب ہوگیا۔ ابو مسلم نے اپنے قریبی لوگوں سے کہا کہ ایک روز ایسا آئے گا کہ حسن بن صباح لوگوں کو گمراہ کر کے بڑے فتنہ میں مبتلا کر دے گا۔ ابو مسلم کے الفاظ سو فیصد درست ثابت ہوئے۔

جب خواجہ حسن تحصیل علم کے بعد عملی زندگی میں داخل ہوا تو اس نے اپنی قابلیت اور لیاقت کے بل پر جعفری بیگ سلجوقی کے دربار میں رسائی حاصل کر لی۔ دھیرے دھیرے اس نے ترقی کی اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ سلجوقی حکومت میں وزیر اعظم کے بڑے عہدہ پر بھی پہنچا۔ اب خواجہ حسن طوسی۔ نظام الملک طوسی کے نام سے مشہور ہوا۔ خواجہ حسن کے ہی ہاتھ میں عنان حکومت تھی۔

حسن بن صباح ابو مسلم سے فرار حاصل کر کے در بدر پھر رہا تھا۔ اس کو ایسا کوئی سہارا دستیاب نہیں ہو پایا تھا کہ اس کی گزر بسر آرام سے ہو جاتی۔ سیاحت کرتے کرتے اس نے سنا کہ اس کا ہم مکتب دوست خواجہ حسن طوسی، سلجوقی حکومت میں وزیر اعظم کے عہدہ پر متمکن ہے اور تمام امور سلطنت اسی کے ہاتھوں میں ہیں۔ چنانچہ حسن بن صباح نے اس کو ملنے کا فیصلہ کر لیا۔

465 ھ بمطابق 1073ء میں حسن بن صباح نیشا پور میں وارد ہوا۔ جب اس کی ملاقات نظام الملک طوسی کے ساتھ ہوئی تو نظام الملک نے اس کی بہت اچھے انداز میں آؤ بھگت کی۔ حسن بن صباح چند روز اس کے پاس ہی رہا اور اس کی عزت افزائی دیکھتا رہا۔ حسن دراصل کچھ کرنا چاہتا تھا۔

اس نے ایک روز تنہائی میں نظام الملک سے کہا "میرے محترم دوست! آپ یقیناً اصحاب یقین اور بہت بڑے محقق ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ یہ بات بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ وزارت دراصل ایک متاع قلیل ہے۔ مجھے یہی خوف دامنگیر رہتا ہے کہ مبادا آپ اس قدر مصروفیت کی وجہ سے اپنا وہ پرانا عہد نہ بھول جائیں۔ اور ینقضون عہد اللہ کے مرتکب نہ ہو جائیں۔

نظام الملک طوسی نے بڑے غور سے اس کی باتیں سنیں اور تحمل سے اس کو جواب دیا کہ "حاشا وکلا میں نقض عہد ہرگز نہیں کروں گا۔ نہ صرف جاہ و منصب بلکہ میری تمام املاک میں بھی تم میرے دوست برابر کے شریک ہو گے۔"

Marfat.com

چند روز کے بعد نظام الملک طوسی نے حسن کی ملاقات سلطان سے کروائی اور اس کی عقل و دانش اور اس کے فضل و کمال کی بے حد تعریف کی چنانچہ حسن کو سلطان نے اپنا معتمد خاص مقرر کر دیا۔ یہ عہد اگرچہ عہد طفلی میں طے پایا تھا۔ مگر نظام الملک طوسی نے اس کا صدق دل سے پاس کیا۔ حالانکہ اس دور کے وعدوں کو اس قدر اہمیت حاصل نہیں ہوتی۔

نظام الملک طوسی نے جو عہدہ حسن کو اپنی حیثیت کو استعمال کرتے ہوئے دلوایا وہ کسی وزارت سے کم نہ تھا۔ یہ ایک با اختیار عہدہ تھا مگر حسن تو ایسا عہدہ چاہتا تھا جس کے اختیارات لا محدود ہوں۔ وہ بلا شرکت غیرے عہدہ چاہتا تھا۔ اس نے فی الحال اس عہدہ کو قبول کر لیا وہ چاہتا تھا کہ دھیرے دھیرے وہ ایک روز یقیناً وزیر اعظم کے عہدہ پر بھی پہنچ جائے گا۔ اب اس کا منصوبہ یہ تھا کہ کسی طرح نظام الملک کو سلطان کی نظروں میں گرا کر خود اس کی جگہ جلد از جلد حاصل کر سکے۔

یہ موقع بہت ہی جلد اس کو حاصل ہوگیا۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ جب سلطان حلب گیا تو اس نے وہاں ایک خاص قسم کا پتھر رخام نامی دیکھا جو کہ برتن بنانے کے کام آتا تھا۔ سلطان نے حکم دیا کہ پانچ سو من یہ پتھر فوری طور پر اصفہان پہنچا دیا جائے (وہاں کا من چالیس تولہ اور آٹھ ماشہ ہوا کرتا تھا) چنانچہ وہاں کے افسروں نے دو عرب تاجروں سے کہا کہ وہ یہ پتھر اصفہان لے جائیں۔ وہ دونوں تاجر اصفہان ہی جا رہے تھے۔ ان دونوں تاجروں کے پاس دس اونٹ تھے یعنی ایک کے پاس چھ اور دوسرے کے پاس چار اونٹ تھے۔

دونوں عرب تاجروں نے یہ پتھر اصفہان پہنچا دیا تو سلطان بہت خوش ہوا۔ سلطان نے ایک ہزار دینار نظام الملک طوسی کو دے کر کہا کہ ان دونوں میں تقسیم کر دے۔ نظام الملک نے چھ اونٹ والے کو چھ سو اور چار اونٹ والے کو چار سو دینار دے کر رخصت کر دیا۔

اس کی خبر جب حسن کو ہوئی تو اس نے مشہور کر دیا کہ نظام الملک طوسی نے درست تقسیم نہیں کی کیونکہ چھ اونٹ والے کو آٹھ سو اور چار اونٹ والیکو دو سو دینار ملنے چاہیے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ خبر سلطان کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ سلطان نے ایک روز

Marfat.com

نظام الملک طوسی اور حسن دونوں کو ایک ساتھ طلب کیا۔ جب دونوں وہاں آ گئے تو سلطان نے نظام الملک طوسی سے کہا کہ وہ دیناروں کی تقسیم کی وضاحت کرے۔ اس نے وضاحت کر دی۔ اس کے بعد سلطان نے حسن سے کہا کہ وہ اپنی بات کی وضاحت کرے کہ اس نے کس طرح یہ کہا کہ تقسیم درست نہیں ہوئی۔

حسن بن صباح نے مؤدبانہ انداز میں کہنا شروع کیا "سلطان معظم! کل اونٹ دس تھے اور کل وزن پندرہ سو من تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا ہے ڈیڑھ ڈیڑھ سو من وزن ہر اونٹ کے حصہ میں آیا۔ اب ہوا یوں کہ جس تاجر کے چھ اونٹ تھے وہ نو سو من وزن لایا اور جس کے چار اونٹ تھے وہ چھ سو من وزن لایا۔ انعام چونکہ ایک ہزار دینار تھا اور یہ انعام پانچ سو من وزن کے لیے تھا۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ دو سو دینار فی سو من وزن کا صلہ تھا۔ اس حساب سے چھ اونٹ والے کو آٹھ سو دینار ملنے چاہئے تھے اور چار اونٹوں والے کو دو سو دینار۔

حسن بن صباح نے اپنی کارروائیاں جاری رکھی ہوئی تھیں مگر اسی دوران وہ خود آپ ہی چلائے ہوئے ایک چکر میں خود ہی پھنس کر رہ گیا اور اس کو بے آبرو ہو کر سلطان کے دربار سے نکلنا پڑا۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ حسن ارکان اقتدار کے درمیان بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک وہ کہنے لگا کہ سلطان معظم کو حکمران بنے ہوئے تقریباً 20 برس کا عرصہ ہو چکا ہے۔ مگر ان کے پاس مملکت جمع وخرچ کا کوئی باضابطہ حساب کتاب نہیں۔

یہ بات شدہ شدہ سلطان تک بھی پہنچ گئی۔ بات چونکہ معقول تھی۔ چنانچہ سلطان نے ایک روز نظام الملک طوسی کو طلب کیا اور اس کو کہا کہ مکمل حساب کتاب کتنے عرصہ میں تیار ہو سکتا ہے۔ نظام الملک نے جواب دیا کہ چونکہ مملکت وسیع و عریض ہے لہٰذا میں اگر حد درجہ کوشش بھی کروں تو اسے مکمل کرتے ہوئے کم از کم دو برس تو لگ ہی جائیں گے۔

حسن نے یہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا اس نے جلدی سے کہا سلطان معظم یہ تو کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے میں تو ایسا حساب چالیس روز میں مکمل کر سکتا ہوں اگر مجھے معقول عملہ دے دیا جائے۔ سلطان نے جب یہ سنا تو اسکو بہت حیرانی ہوئی جب کہ نظام الملک کو شدید صدمہ۔ بہرحال سلطان نے حسن کو اجازت دے دی۔

Marfat.com

ٹھیک چالیسویں روز حسن تمام حساب لے کر سلطان کے پاس حاضر ہوگیا۔ سلطان صرف نام کا ہی سلطان نہ تھا۔ اس نے اپنے طور پر اس کی جانچ پڑتال شروع کر دی۔ حسن کا خیال یہ تھا کہ یقیناً سلطان کسی کی ذمہ داری لگائے گا اور حسن اس شخص کو روپے پیسے کی لالچ میں خرید لے گا مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہوگیا۔ سلطان نے اسی وقت حساب کی جانچ پڑتال شروع کردی۔ اس میں بہت زیادہ سقم پائے گئے چنانچہ سلطان نے اسے ذلیل و خوار کر کے دربار سے نکلوا دیا اور اس کی بد اعمالیوں کی پوری مملکت میں تشہیر بھی کروا دی تاکہ وہ اپنے سابقہ منصب کے نام پر کوئی ناجائز فائدہ حاصل نہ کرے۔ اس طرح حسن ایک محنت کش کی حیثیت میں وہاں سے رخصت ہوا۔

اس موضوع پر نظام الملک طوسی نے اپنی کتاب دستور انوراء میں تحریر کیا ہے کہ حسن بن صباح نے درحقیقت بڑا کمال کر دیا تھا کہ اتنی قلیل مدت میں تمام ممالک محروسہ کا حساب آمدن اور خرچ مرتب کر لیا گیا۔ مگر چونکہ اس نے از راہ حسد و نقص عہد یہ سب کچھ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سلطان کے سامنے اسے خجالت اٹھانا پڑی۔ اگر خدانخواستہ وہ سلطان کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو پھر یقیناً مجھے وزارت عظمیٰ سے ہٹا دیا جاتا۔

سلجوقی دربار سے جب حسن بن صباح ذلیل و خوار ہو کر نکلا تو اب اس نے اپنی ہمتوں کو یکجا کرنا شروع کردیا۔ اس واقعہ کو تاریخ میں حسن کی کامیابیوں کی ابتداء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ بات بھی بالکل سچ ہے کہ اب حسن سلطنت سلجوق اور وزیر اعظم طوسی کے دوست نہیں بلکہ دشمن یا معتوب کے طور پر جانا جاتا تھا۔

حسن بن صباح اب یہاں سے نکل کر ایران کے مشہور و معروف شہر اصفہان میں پہنچا۔ یہاں اس کا قیام اس کے دیرینہ دوست ابو الفضل اصفہان کے ہاں تھا۔ اس نے حسن کی خوب دلجوئی کی اور اس کو مایوسی کے دور سے باہر نکالا۔ چند روز آرام کرنے کے بعد حسن نے اپنا مافی الضمیر اپنے دوست پر واضح کرنے کی کوشش کی۔ حسن بن صباح نے اسے بتلایا کہ وہ دراصل یہ چاہتا ہے کہ سلجوقی سلطنت کو ختم کر دیا جائے۔

ابو الفضل نے حیران ہو کر اسے دیکھا اور پوچھا کہ "اے حسن یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ سلجوقی سلطنت کس قدر مضبوط و مستحکم ہے۔ اس

Marfat.com

حکومت کو ختم کرنا بھلا کس طرح ممکن ہوگا۔'' حسن نے بڑے ہی اطمینان سے کہا کہ ''میرے دوست میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اس مضبوط و مستحکم حکومت کو میں ختم کروں گا مگر میں اسی صورت میں کامیاب ہو سکتا ہوں کہ جب میرے ساتھ چند مخلص دوست بھی مل جائیں۔''

حسن کی یہ بات سن کر تو ابوالفضل اور بھی پریشان ہوگیا اس نے سوچا کہ شائد اس قدر بڑے سانحہ کی وجہ سے ان کے دوست کا دماغ چل گیا ہے۔ اس نے یہی بات اشاروں اور کنائیوں میں حسن سے بھی کر دی۔ جس کی وجہ سے حسن اس سے بھی متنفر ہوگیا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ یہاں اس کی دال گلتی دکھائی نہیں دیتی تو اس نے اصفہان کو بھی خیر باد کہنے کا فیصلہ کرلیا۔ اب اس کی منزل مشہور شہر ''رے'' تھا۔

حسن جب رے پہنچا تو اس کو معلوم ہوا کہ یہاں تو اسماعیل مذہب کا بڑا داعی موجود ہے۔ اس نے اسماعیل عقائد کی نشر و اشاعت کے لیے جو مبلغین مقرر کیے تھے یا جو مقرر کیے جاتے تھے ان کو باقاعدہ مشاہرہ بھی دیا جاتا تھا۔ ان مبلغین کو وہ مناسب تربیت کے بعد مختلف شہروں اور قصبوں و دیہات میں روانہ کیا کرتا تھا۔

بڑے داعی تک حسن کی جلد ہی رسائی ممکن ہوگئی کیونکہ حسن کا باپ بھی اسماعیل مذہب کا پرانا داعی تھا۔ اور اس کے پاس یہ حوالہ تو موجود ہی تھا۔ چنانچہ بڑے داعی نے اس کو پوچھا کہ وہ اسماعیل مذہب کے لیے کیا کچھ کر سکتا ہے تو اس نے اپنے طویل ترین منصوبوں کو اس کے سامنے بیان کر دیا۔ بڑے داعی نے کچھ عرصہ اس کو اپنے پاس رکھا اور اس کی تبلیغ کے سلسلہ میں مناسب تربیت کی۔

حسن کو اب حکم دیا گیا کہ وہ اب مصر کی طرف چلا جائے اور وہاں اسماعیلی مذہب کی تبلیغ و ترویج کی سعی کرے۔ مصر کا حکمران ان دنوں ظاہری طور پر تو اسماعیلی تھا مگر درحقیقت وہ تھا باطنی۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود مصر میں حسن بن مباح کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

تھوڑا عرصہ تو حسن نے خدمتیں کروانے میں گزارا مگر کب تک آخر اس نے سازشوں کا جال بننا شروع کردیا جس کا پردہ چاک ہونے پر اس کو ایک قلعہ دمیاط نامی میں قید کر دیا گیا۔ حسن نے اس دوران اچھی خاصی شہرت حاصل کرلی تھی۔ جس قلعہ میں

Marfat.com

حسن قید تھا ایک روز اچانک اس کا ایک برج گر گیا۔ حسن کے عقیدت مندوں نے اس اتفاقی حادثہ کو حسن کی کرامت سے تعبیر کرنا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ یہ بات ارباب اقتدار تک بھی جا پہنچی۔

اب اس کو قید خانے سے نکال کر ایک بحری جہاز پر سوار کروا کر افریقہ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ سوئے اتفاق کہ دوران سفر سمندر میں شدید طوفان آ گیا۔ تمام مسافروں کی جان پر بن آئی مگر حسن بن صباح کمال اطمینان وسکون کے ساتھ بیٹھا رہا۔ اس کا اطمینان وسکون مسافروں کو کھٹکنے لگا۔ مسافروں نے جہاز کے ناخدا سے کہا کہ ایک مسافر بالکل آرام وسکون کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے تو ناخدا نے حسن سے پوچھا کہ " جناب عالی! تمام مسافر تو مارے خوف کے بے حال ہو رہے ہیں مگر آپ اس قدر سکون و اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔"

حسن بن صباح نے بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ " تمہیں یقین تو نہیں آئے گا مگر تمہارے پوچھنے پر میں تمہیں یہ بتائے دیتا ہوں کہ مجھے پروردگار عالم نے یہ اطلاع دے دی ہے کہ طوفان کچھ ہی دیر میں ختم ہو جائے گا اور کسی مسافر یا جہاز کو ذرا برابر بھی نقصان نہ ہوگا۔" بظاہر یہ بڑی ہی حیران کن بات تھی کیونکہ طوفان کی شدت تو سبھی کو دکھائی دے رہی تھی۔

حسن کی پیشن گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی اور کچھ ہی دیر کے بعد طوفان کا نام ونشان تک نہ رہا اور بالکل پرسکون ہو گیا۔ اس بات نے جہاز کے تمام مسافروں اور ملاحوں کو حسن کے قریب کر دیا۔ وہ حسن جو کچھ دیر پہلے ایک گمنام اور معتوب شخص کی حیثیت سے اس جہاز میں سوار ہوا تھا وہی حسن اب ان سب کی آنکھوں کا تارا بنا ہوا تھا۔ اب اس کی خوب خوب خاطر مدارات ہو رہی تھی۔ اگرچہ جہاز کے ناخدا کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس معتوب شخص کو کسی افریقی ملک میں اتارنا ہے مگر اب اس کی خواہش پر اسے ملک شام کے ساحل پر اتار دیا گیا۔

حسن نے اب کسی بھی شہر میں مستقل قیام کرنا پسند نہیں کیا بلکہ اس نے حلب، بغداد اور جورستان کے شہروں میں اسماعیلی عقائد کی تبلیغ کی اور آخر کار اصفہان پہنچ گیا۔ اس کی تبلیغ کے خاطر خواہ نتائج نکلنا شروع ہو چکے تھے اور اب وہ

Marfat.com

غیر معروف شخص نہ تھا۔

یہ وہ دور تھا کہ جب باطنی فرقہ نے بے حد قوت حاصل کر لی تھی۔ اس فرقہ نے باقاعدہ فوج بھی تیار کر لی تھی جس کی وجہ سے حسن کے دماغ میں کامیابی کے امکانات روشن ہونا شروع ہو گئے۔ اس نے یہ بھی سنا کہ باطنی مذہب کے لوگوں نے چند قلعے بھی فتح کر لیے تھے۔ انہوں نے ایک قلعہ ایران کا قریبی فتح کیا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کا قبضہ اصفہان کے قلعہ پر بھی ہو گیا۔ یہ قلعہ دراصل شاہ سلجوق نے تعمیر کروایا تھا۔

اصفہان کے قلعہ پر حسن کے استاد زادہ احمد بن عطاشی باطنی نے اپنا تسلط جما رکھا تھا۔ اس نے قلعہ کے حاکم کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ چنانچہ تمام لوگ احمد بن عطاش سے عقیدت رکھتے تھے۔ احمد بن عطاش نے کسی طرح قلعہ کے حاکم کو قتل کر کے طبعی موت قرار دے دیا اور خود قلعہ کا حاکم بن گیا۔ حاکم بنتے ہی اس نے اپنی تحریک کے تمام تر گرفتار شدگان کو فوری طور پر رہا کرنے کا حکم دیا۔ یہ سب گرفتار شدگان دراصل ڈاکو اور لٹیرے تھے۔ جنہوں نے رہا ہوتے ہی اپنے پرانے دھندے دوبارہ شروع کر دیئے۔

قلعہ الموت اور حسن بن صباح

اب حسن بن صباح کی زندگی کا سب سے اہم دور شروع ہوا۔ حسن نے اصفہان آنے کے بعد یہ کام کیا کہ اپنے چند قریبی ساتھیوں کو داعی بنا کر قلعہ الموت کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ قلعہ اور اردگرد کے علاقوں میں مذہب اسماعیلی کی تبلیغ کریں۔ یہ قلعہ دراصل بروزن جبروت شہر قزوین اور دریائے خزر کے درمیان واقع ہے۔ اس علاقہ کو طلقان کہا جاتا ہے۔

اس قلعہ کو قلعہ الموت اس لیے کہا جاتا ہے کہ کیونکہ زمانہ قدیم میں دیلمی سلاطین میں سے کسی سلطان نے اپنا عقاب شکار کے لیے ہوا میں چھوڑا۔ اس عقاب نے شکار کو شکار کر کے بہت بلندی پر جا کر ٹھہر گیا۔ جب سلطان اپنے مصاحب کے ہمراہ اس جگہ پہنچا تو اس جگہ کو نہایت محفوظ جگہ خیال کر کے وہاں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ جب قلعہ تعمیر ہو گیا تو اس کا نام آلہ موت رکھ دیا گیا۔ مگر کثرت استعمال سے اس کو

Marfat.com

الموت کہا جانے لگا۔ ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ دیلمی زبان میں آلہٗ موت کو ''عقاب کی تربیت'' کہا جاتا ہے۔

حسن بن صباح کے داعیوں نے اس قلعہ کے چاروں طرف پھیل کر مذہب اسماعیلی کی خوب تبلیغ کی اور حسن بن صباح کی وہاں خوب خوب شہرت کی۔ وہاں لوگوں کے دلوں میں حسن کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی۔ جب حسن اس علاقہ میں پہنچا تو ہزاروں افراد نے اس کے ہاتھ پر فوراً بیعت کر لی۔ اب اس کے اردگرد ہزاروں لوگوں کا مجمع رہنے لگا۔

حسن کی شہرت نے حاکم قلعہ و علاقہ کی راتوں کی نیندیں اڑا کر رکھ دیں۔ اس نے ایک رات کو ایک فوجی دستہ روانہ کیا کہ اس کو فوراً گرفتار کر کے لے آئے۔ چنانچہ آدھی رات کے وقت حسن کو گرفتار کر کے قلعہ میں پہنچا دیا گیا۔

اگرچہ حسن بن صباح کو گرفتار کر کے قلعہ میں لے جایا گیا تھا مگر اس نے حاکم قلعہ کو اپنے جال میں پھنسا لیا۔ یہ بات تو حسن کے ذہن میں بھی تھی کہ ایک نہ ایک روز اس کے خلاف یہ اقدام اٹھایا ہی جائے گا۔ اس لیے اس نے حاکم کے متعلق تمام معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اس کا نام مہدی علوی بتلایا جاتا تھا۔

یہ شخص بہت لالچی تھا۔ حسن نے اس کو خوب مال و دولت دے کر اس قلعہ پر اپنا تسلط جما لیا۔ بہت ہی جلد اس قلعہ میں حسن اور اس کے داعی پوری طرح قابض ہو گئے۔ پہلے پہل تو حسن نے دین اسلام کی باتیں لوگوں کو بتلائیں جس کی وجہ سے لوگ دلی طور پر اس کی طرف مائل ہو گئے ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت مرزائی اور قادیانی بھی یہی کچھ کر رہے ہیں۔ یورپ وغیرہ میں یہ لوگ اسلام کا جامہ پہن کر لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں اور جب لوگ پھنس جاتے ہیں تو پھر یہ لوگ انہیں بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ تو اب مرزائی ہو چکے ہیں۔

قلعہ الموت پر قبضہ کرنے کے بعد اب حسن بن صباح نے اس پورے صوبہ پر کنٹرول کرنے کا آغاز کر دیا۔ جوں جوں اس کا اثر و نفوذ گردونواح میں بڑھا تو اس نے قرب و جوار کے قابل استعمال قلعوں کو مرمت کروانا شروع کر دیا۔ نا صرف مرمت کروائی بلکہ نئے قلعے بھی متعدد مقامات پر تعمیر کروائے۔ اس کے باوجود کہ اس نے متعدد

Marfat.com

قلعے تیار کروائے مگر اپنے لئے اس نے ہیڈ کوارٹر قلعہ الموت ہی کو بنا دیا۔

حسن بن صباح نے اپنے ہیڈ کوارٹر یعنی قلعہ الموت کے اردگرد بہت سے عالیشان اور قابل دید محلات تعمیر کروائے اس کے علاوہ اس نے باغات بھی خصوصی توجہ سے تعمیر کروائے۔ یہ باغات اگرچہ خوبصورتی میں اضافہ بھی تھے مگر یہ ایک طرح سے دشمنوں سے بچاؤ کا ذریعہ بھی تھے اور اسی خیال کے تحت اس نے باغات کو لگانے کا حکم دیا تھا۔

بہشت کی تیاری:

اب ہم اس بات کی طرف آتے ہیں کہ جس کی وجہ سے حسن بن صباح نے بہت شہرت حاصل کی تھی۔ یہ بات تھی حسن کی بہشت کی جو اس نے تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ تمام لوگ دلی طور پر اس کے گرویدہ ہو جائیں۔ وہ یہ تو چاہتا تھا کہ سلجوقی حکومت کو شکست دے کر پورے علاقہ کا حکمران بن جائے۔ مگر وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ لوگ اس کو اپنا سب کچھ تسلیم کر لیں۔

اس نے وہ تمام تر تدابیر اختیار کیں کہ جن کی وجہ سے لوگ اس کے گرویدہ ہو گئے اور اس حد تک ہوئے کہ اس کے اشارہ ابرو پر اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اب اس نے جو محلات اور باغات وغیرہ بنوائے تھے ان سے صحیح فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ حسن نے ایک بہت وسیع و عریض باغ بھی تیار کرنے کا حکم دیا۔ یہ باغ دراصل ایک پوررے شہر کی مانند تھا۔

اس خصوصی باغ میں صرف درخت وغیرہ ہی نہیں تھے بلکہ اس میں چھوٹے چھوٹے پہاڑ اور پرندوں کے لاتعداد گھونسلے بھی تھے۔ اس باغ کو اس نے واقعی بہشت ہی بنا کر پیش کیا تھا۔ حسن نے حکم دے رکھا تھا کہ اس بہشت میں ہر طرح کا میوہ درخت، ہر قسم کے پھول اور پھل موجود ہونے چاہئیں۔ کھانے پینے کے تمام تر سامان اس نے سونے و چاندی کے تیار کروائے تھے۔

ایک بات بہت اہم تھی کہ اس نے ایسے پائپ بھی تیار کروائے تھے کہ جن میں سے لوگوں کو صاف و شفاف پانی مصفا شہد اور دودھ کے علاوہ عمدہ ترین شراب بھی جاری رہتی تھی۔ ان تمام چیزوں کے علاوہ اس نے یہاں ایک اور بات بھی مہیا کی تھی

Marfat.com

یعنی اس نے اس بہشت میں دنیا جہان سے خوبصورت ترین نوعمر لڑکیوں کو وہاں جمع کر دیا تھا۔ ان لڑکیوں کے علاوہ وہاں پر نوعمر لڑکوں کو بھی جمع کیا گیا تھا۔

اس بہشت میں اگرچہ درج بالا تمام چیزیں موجود تھیں مگر اس نے اس کے ارد گرد بہت زبردست پہرہ لگا رکھا تھا۔ وہاں بہت مخصوص لوگوں کو ہی داخلہ میسر آتا تھا۔ مگر اس کی شہرت دور دور تک اس کے داعیوں نے پھیلا دی تھی۔ دور دراز سے لوگ اس کی بہشت کو دیکھنے کے لیے آتے تھے۔ مگر وہ لوگ جب قلعہ الموت کے قریب پہنچے تو انہیں بتلایا جاتا کہ پہلے وہ حسن بن صباح پر ایمان لائیں۔ جو لوگ اس پر ایمان لے آتے تو انہیں ایک مخصوص مدت کے لیے اس بہشت میں بھیج دیا جاتا۔ ایک مرتبہ جو بھی اس قلعہ میں سے ہو کر آجاتا پھر اس کی تمنا اس میں دوبارہ جانے کی پہلے سے زیادہ بڑھ جاتی۔

اس قلعہ میں آنے والوں کو ہر قسم کا نشہ بھی دیا جاتا تھا اس میں خصوصیت کے ساتھ حشیش کا نام لیا جاتا تھا جو کہ اس دور میں ایک نئی ایجاد تھی۔ کہا جاتا ہے کہ دراصل حشیش حسن بن صباح کی ہی ایجاد تھی۔ جو لوگ اس کی بہشت میں دوبارہ جانے کی خواہش مند ہوتے وہ حسن کے لیے کچھ بھی کر گزرنے ہر ہمہ وقت تیار ہی رہتے تھے تا کہ اس کی کارکردگی سے خوش ہو کر دوبارہ بہشت میں جانے کا موقع مل جائے۔

یہی وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے بڑے بڑے آدمیوں کو بڑی ہی بیدردی سے قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان لوگوں کو جب کسی کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا جاتا تو پھر اس کا خاتمہ یقینی ہی سمجھا جاتا تھا۔ ایک بات بہت اہم یہ تھی کہ یہ لوگ اپنے کام میں اس قدر جنونی تھے کہ اپنی جان کی بھی ہرگز پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے تو ہرگز بے جانہ ہوگا کہ یہ لوگ بڑی خوشی خوشی اپنی جان دے دیا کرتے تھے۔

ان لوگوں کو دراصل یہ بات بھی ان کے دماغوں میں بٹھا دی گئی تھی کہ اگر وہ لوگ زندہ رہے تو کبھی کبھار اس ارضی بہشت میں جانے کا موقع ملے گا اور اگر مر گئے تو ان کو اس بہشت میں ہمیشہ کے لیے جگہ مل جائے گی۔ پھر ان کو قیامت تک اس بہشت میں رہنے کا موقع حاصل ہوگا۔ جن لوگوں نے ایک مرتبہ اس بہشت کا نظارہ کر لیا ہوتا وہ پھر اس میں جانے کے لیے کچھ بھی کر گزرنے کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے تھے۔

حسن بن صباح کے تربیت یافتگان میں رفیق بھی اور فدائی بھی الگ الگ

Marfat.com

درجات کے حاملین تھے۔ ان میں رفیق کے درجہ کے حامل شخص پڑھے لکھے لوگ ہوتے تھے۔ جن کے ذمہ عوام الناس کے اذھان میں غلط ملط باتیں پھیلانا ہوتا تھا۔ یہ لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرتے اور حسن بن صباح کی طرف راغب کرتے جبکہ فدائین کے ذمہ لوگوں کو بڑی بیدردی سے اور نہایت ہوشیاری سے قتل کرنا ہوتا تھا۔ فدائین پورے پورے قافلے کو قتل کر کے مال واسباب لوٹ لیا کرتے تھے اور اس کا الزام کسی اور کے سر پر تھوپ دیا کرتے تھے۔

اب یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی کہ جس کا علم سلطان ملک شاہ اور اس کے وزیر اعظم نظام الملک طوسی کو نہ ہو پاتا۔ دارالحکومت میں اس سلسلہ میں خوب سوچ و بچار ہوا۔

حکومت وقت اب یہ سوچ رہی تھی کہ اس فتنہ کو کسی طرح ختم کیا جائے۔ سلطان نے تو اپنا پہلا اور آخری فیصلہ یہی صادر کیا کہ اس فتنہ کو بزور قوت ختم کرنے کے لیے مضبوط لشکر روانہ کیا جائے۔ مگر وزیر اعظم ایک سمجھ دار شخص تھے انہوں نے سلطان معظم کو اچھی طرح یہ باور کروا دیا کہ اس جلد بازی کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس فتنہ کو ختم کرنے کے لیے ہمیں پہلے افہام و تفہیم کے ذریعہ ہی ختم کرنا چاہیے۔

وزیر اعظم نظام الملک طوسی کی مشاورت کے بعد 483ھ بمطابق 1090ء میں علمائے کرام پر مشتمل ایک مشاورتی وفد حسن بن صباح کی جانب روانہ کیا۔ تاکہ اسے سمجھا بجھا کر اطاعت پر آمادہ کیا جائے۔ اس وفد میں نامور علمائے کرام موجود تھے جنہوں نے قلعہ الموت پہنچ کر حسن بن صباح کو اس کے بد عقائد کو ترک کرنے کے لیے دلائل دیئے۔ ان کی تمام باتیں حسن نے بڑے تحمل سے سنیں مگر ان کے کسی سوال کے جواب میں اس نے اطاعت پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔

سلطان کا وفد جب واپس لوٹنے لگا تو اس نے اس وفد کے سربراہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ”میرے محترم! آپ اب واپس جاتے ہیں تو میری طرف سے اپنے سلطان کو یہ سمجھا دیجئے گا کہ وہ ہمیں تنگ کرنے کی کوشش ہرگز نہ کرے بلکہ اس حقیقت کو فراموش نہ کرے کہ ہمارے پاس کوئی بھی سپاہی نہیں ہے بلکہ ہمارے پاس تو فدائین ہیں جو ہمارے ایک اشارہ پر اپنی جان قربان کرنا فخر خیال کرتے ہیں۔ اب آپ خود خیال کریں کہ جو لوگ اپنی جان آسانی سے قربان کر سکتے ہیں ان کو کسی دوسرے کی جان لینے

Marfat.com

میں بھلا کیا تردد ہو سکتا ہے۔"

اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے اس نے وہاں موجود تین سپاہیوں کو قطار میں سے آگے آنے کو کہا جب وہ تینوں صف میں سے نکل کر آگے آ گئے تو اس نے ایک کو کہا کہ تم اپنے آپ کو اپنے خنجر سے ہلاک کر دو اس نے فوراً کمر بند سے اپنا خنجر نکالا اور اپنے دل میں پیوست کر کے خود کو ختم کر ڈالا۔ دوسرے کو اس نے کہا کہ تم اس فصیل سے نیچے گرا دو۔ ابھی اس کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ وہ سپاہی فصیل سے کود گیا تیسرے سپاہی کو اس نے کہا تم اس سامنے والے تالاب میں ڈوب کر مر جاؤ۔ وہ دوڑتا ہوا گیا اور تالاب میں چھلانگ لگا دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ڈوب چکا تھا۔

سلطان کا وفد یہ نظارہ دیکھ رہا تھا اگرچہ یہ نظارہ محض چند لمحات پر محیط تھا مگر وہ تمام لوگ جو وفد میں شامل تھے۔ سلطان تک پہنچنے تک اس کے زیر اثر ہی رہے، انہوں نے یہ تمام روداد سلطان اور نظام الملک طوسی کو تمام جزئیات سمیت سنائی۔ یہ سب کچھ سن کر سلطان نے فوجی کاروائی کا ارادہ ترک کر دیا اسی اثناء میں ایک مرتبہ یوں ہوا کہ اصفہان کے قریب ایک مسجد میں چند لوگ نماز پڑھتے ہوئے پائے گئے۔ جن پر یہ شبہ پیدا ہوا کہ یہ لوگ فرقہ باطنیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کو گرفتار کر لیا گیا۔ مگر ان پر کوئی بھی جرم ثابت نہ ہو سکا چنانچہ انہیں رہا کر دیا گیا ان لوگوں نے رہا ہونے کے بعد اس مسجد کے موذن کو اپنے مذہب کی طرف مائل کرنا چاہا۔ جب اس نے انکار کر دیا تو انہوں نے اس مؤذن کو سوتے میں قتل کر دیا۔ اس قتل کا بھی انہیں لوگوں پر جرم ثابت ہوتا تھا جن کو چند روز قبل رہا کر دیا گیا تھا۔

اس طرح ایک اور واقعہ بھی پیش آیا۔ ہوا یوں کہ علاقہ قائن کے پاس باطنی فرقہ کے لوگوں نے ایک مضبوط قلعہ تعمیر کر لیا۔ اس طرف شہر کرمان کی جانب سے ایک بہت بڑا قافلہ آ رہا تھا۔ باطنیوں کو جب یہ قافلہ آتا دکھائی دیا تو انہوں نے اس قافلہ کو گھیر لیا۔ انہوں نے پہلے تو قافلہ کا تمام سامان لوٹ لیا اور پھر تمام تاجروں کو بڑی بیدردی کے ساتھ قتل کر دیا۔ کسی طرح ایک شخص زندہ بچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے حکام کو اس اندوہناک واقعہ کی اطلاع کی۔

اسی قسم کے متعدد واقعات کے بعد سلطان نے اب یہ فیصلہ کر لیا کہ ان کے

Marfat.com

خلاف فوجی کارروائی ضرور کی جائے۔ یہ اطلاع حسن بن صباح کو بھی مل گئی۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک فدائی کو بہشت کا لالچ دے کر روانہ کیا کہ وہ نظام الملک طوسی کو قتل کر دے۔ یہ وہی شخص تھا جس نے حسن بن صباح پر بہت زیادہ احسانات کیے تھے۔

نظام الملک اس وقت سلطان کے ہمراہ بغداد کی طرف محوسفر تھے۔ جب ان کا قافلہ نہاوند شہر پہنچا تو سلطان نے تھکن دور کرنے کے لیے یہاں قیام کا حکم دیا۔ رمضان المبارک شروع ہو چکا تھا۔ نظام الملک نے روزہ افطار کیا اور نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد علماء وفقہاء کے ساتھ بات چیت میں مشغول ہوگئے۔ اتنی دیر میں نماز عشاء کا وقت ہوگیا۔ نظام الملک نے نماز عشاء اور تراویح ادا کر کے اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔

نظام الملک ابھی اپنی قیام گاہ میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ ایک ویلمی شخص نے آگے بڑھ کر ایک نامہ نظام الملک کو تھما دیا۔ ابھی انہوں نے یہ پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ اس نے بڑی چابکدستی کے ساتھ تیز دھار خنجر نظام الملک کے دل میں پیوست کر دیا۔ نظام الملک اسی وقت شہید ہوگیا۔

نظام الملک کے قاتل کو اسی وقت گرفتار کر لیا گیا اور ان کے خادموں نے اس کو قتل کر دیا۔ اگر اس کو زندہ رکھا جاتا تو ہوسکتا ہے کہ بہت سے سربستہ راز طشت از بام ہو جاتے۔ نظام الملک کو بغداد کے مشہور مدرسہ نظامیہ کے بانی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قتل باطنیوں کا بڑے بڑے لوگوں کے قتل کے سلسلہ کا پہلا قتل تھا۔ ازاں بعد انہوں نے اسی طرز عمل سے نامور لوگوں کو قتل کیا۔

نظام الملک کی شہادت سے قبل افواج قلعہ الموت کی طرف روانہ ہو چکی تھی۔ اس لشکر کا امیر ارسلان تھا۔ اس نے وہاں بڑی تباہی مچائی مگر وہ سب قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ امیر ارسلان کی پوری توجہ چونکہ قلعہ کی جانب تھی اس لیے وہ اس تازہ جماعت کو نہ دیکھ پایا جو چار پانچ سو کے قریب باطنی فدائین پر مشتمل تھی۔ اس جماعت نے خاموشی کے ساتھ امیر ارسلان کے لشکر پر عقب سے آدھی رات کیوقت حملہ کیا۔ یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ امیر ارسلان کے لشکر کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا اور باطنیوں نے بہت سے سپاہیوں کو شہید کر کے بے اندازہ مال و اسباب بھی حاصل کر لیا۔ اس طرح یہ مہم بری طرح ناکا ہوگئی۔

Marfat.com

اس مہم کی ناکامی کے بعد سلطان نے ایک اور لشکر معروف سپہ سالار قزل ساروق کی سرکردگی میں قلعہ الموت کی جانب روانہ کیا۔ اس لشکر نے باطنیوں کو ایک حد تک شکست سے دو چار کر ہی دیا۔ مگر حسن نے اچانک اپنے تمام لوگوں کو یہ کہلا دیا کہ خبردار اب کوئی شخص بھی قلعہ سے باہر نہیں جائے گا چنانچہ وہ سب لوگ قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ اسی دوران سلطانی لشکر کو یہ اطلاع ملی کہ سلطان ملک شاہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ چنانچہ یہ لشکر فوراً واپس ہولیا۔

اس واقعہ نے باطنی فدائین کو ایک نیا حوصلہ عطا کیا اور انہوں نے مزید قلعے بھی تسخیر کرنا شروع کر دیئے۔ ایک قلعہ بہت محفوظ تصور کیا جاتا تھا۔ اس کا نام قلعہ ملاذ خان تھا۔ یہ ایران اور خوزستان کے تقریباً درمیان میں تعمیر کیا گیا تھا۔ ایک وقت تھا کہ اس کو ڈاکوؤں اور قذاقوں کا مسکن کہا جاتا تھا۔ سلطان ملک شاہ نے اس کو تسخیر کر کے اس میں موجود تمام ڈاکوؤں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد سلطان نے یہ قلعہ اپنے ایک رئیس میرانیز کو بطور جاگیر عطا کر دیا جس نے اس کا انتظام و انصرام ایک افسر کے سپرد کر دیا۔

باطنیوں نے میرانیز کو یہ قلعہ فروخت کرنے پر آمادہ کرنا چاہا مگر جب وہ آمادہ نہ ہوا تو انہوں نے مناظرہ کی آڑ میں اپنے فدائین کو اس قلعہ میں بھیجا جنہوں نے بڑی ترکیب سے قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور یوں باطنیوں نے اس قلعہ میں بڑی ہی آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد باطنی فدائیوں نے طبس نامی قلعہ پر بھی تسلط جما لیا۔

حسن بن صباح نے اب حکم دیا کہ قبستان کے دو قلعوں کو بھی تسخیر کیا جائے۔ ان دونوں قلعوں کی تسخیر بہت ہی آسان ثابت ہوئی۔ ہوا یوں کہ یہاں کا حاکم اپنے ایک رئیس کی بہن کو زبردستی اپنے گھر رکھنے پر مصر تھا۔ اس سلسلہ میں اس رائیس نے حسن سے امداد طلب کی۔ حسن بن صباح نے اوید کا کردار ادا کرتے ہوئے دونوں قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اس نے اپنے فدائیوں کو ثالثی کے لیے بھیجا جنہوں نے قلعوں کے حاکموں کو چپکے سے موت کی وادی میں پہنچا کر قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد حسن نے اپنے فدائیوں کو طالنجان نامی قلعہ کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ باقی باطنی تو وہاں چاروں طرف پھیل گئے۔ مگر دو باطنی حاکم تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے حاکم کو اپنے جال میں جب پوری طرح پھنسا لیا

Marfat.com

تو اس کی اطلاع حسن کو بھی کر دی۔ اس نے اپنے استاد زادہ احمد بن عطاش کو کہا کہ وہ لشکر لے کر جائے اور چانک قلعہ میں داخل ہو کر قبضہ کرے۔ احمد بن عطاش جب قلعہ کے باہر پہنچا تو ہاں پر موجود دونوں باطنیوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ احمد بن عطاش قلعہ میں داخل ہوگیا۔ اگرچہ وہاں کسی بھی قسم کی مزاحمت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ مگر اس نے حکم دیا کہ وہاں موجود تمام لوگوں کو بلا امتیاز قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ فوجیوں کے علاوہ شہریوں کو بھی چن چن کر قتل کر دیا گیا۔ اس طرح ہر طرف باطنیوں کی ایک طرح سے دہشت سی پھیل گئی۔

حسن بن صباح کی قوت میں نظام الملک کی موت نے درحقیقت بے پناہ اضافہ کر دیا کیونکہ یہی وہ ایک واقعہ تھا کہ جس نے دراصل حسن بن صباح کو یہ سبق سکھایا کہ حکومتوں کی فوجوں سے ٹکرا لینے سے بہتر ہے کہ حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کو ہی نہایت خفیہ طریقوں سے ٹھکانے لگانے کی کوشش کی جائے۔ حسن کی نظر میں یہ طریقہ کار نہایت مناسب تھا کیونکہ جب افواج کو کنٹرول کرنے والے دماغ ہی نہیں رہیں گے تو پھر افواج کس کام کی رہیں گی۔

اس طریقہ کار کی وجہ سے اب عام لوگوں سے زیادہ سر برآوردہ لوگوں کو خوف و ہراس کا شکار دیکھا جا رہا تھا۔ بڑے بڑے نامور مسلمان عمائدین باطنیوں کی سفا کی کا شکار ہوگئے۔ باطنیوں نے اپنے فدائین میں یہ بات راسخ کر رکھی تھی کہ اپنے مذہب کے مخالفین کو قتل کرنا باعث ثواب ہے۔ ان کے اس عقیدہ نے دنیائے اسلام کی نامور ہستیوں کو نابود کر دیا جن کی کمی صدیوں تک محسوس کی گئی۔

حسن بن صباح نے اپنے فدائین کو سمجھا رکھا تھا کہ جنہیں وہ قتل کرنے کا منصوبہ بنائیں ان کو اس طرح قتل کریں کہ خود ان کی جان کو کسی طرح کا کوئی بھی خطرہ نہ ہو چنانچہ اکثر ان لوگوں نے اس طرح قتل کیے کہ جن کو قتل کرنا مقصود ہوتا ان کے گھروں کے دروازوں کے قریب ہی وہ چھپ جایا کرتے تھے اور جب ان کی مطلوبہ شخصیت قریب آتی تو وہ خنجر کے نپے تلے وار سے اسے ختم کر دیتے اکثر اوقات تو یوں بھی ہوتا کہ مقتول کی آواز بھی نہ نکل پائی۔

باطنی سفاکوں نے زیادہ تر اسلام کے جید علمائے کرام، مشائخ اور وزراء و امراء

Marfat.com

کو اپنی سفاکی کا نشانہ بنایا تھا۔ باطنی فدائیوں نے 489ھ بمطابق 1096ء میں ''رے'' کے حاکم ابومسلم رازی کو جان بحق کر دیا تھا جو کہ ایک بہت بڑا نقصان تصور کیا جاتا تھا۔ انہوں نے اس برس امیر اثر ملک شاہی امیر بخش اور امیر سیاہ پوشی کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیا تھا۔

اس سے اگلے برس یعنی 490ھ بمطابق 1097ء میں باطنیوں نے طغرل بک کے ندیم، امیر یوسف اور سلطان ملک شاہ کے امیر ارتمش، سلطان برکیارق کے وزیر عبدالرحمٰن سمیری طغرل بک کے ندیم برمق سلطان برکیارق کے ایک دور سے وزیر ابوالفتح دہستانی، امیر سرزمین ملک شاہی اور ہادی علی گیلانی کو بھی اچانک اور بزدلانہ حملوں میں ہلاک کر دیا۔

اس سے اگلے برس یعنی 491ھ بمطابق 1098ء میں باطنیوں نے والئی وہستان سنقرقہ سکندر صوفی قزوینی اور ابوالمظفر مجید فاضل اصفہانی کو اپنی سفاکی کا نشانہ بنایا۔ 492ھ بمطابق 1099ء میں باطنیوں نے اتامک موورد، حاکم دیار بکر ابوجعفر شاطبی رازی، ابوعبید مستوفی، ابوالقاسم کرخی اور ابوالفرح قرائین کو اپنے مخصوص طریقہ سے ہلاک کر ڈالا۔

باطنیوں نے 493ھ بمطابق 1100ء میں کرمان کے قاضی امیر بلکا بک سرمر اصفہانی اور قاضی عبداللہ اصفہانی کو ہلاک کر کے اچھی خاصی افراتفری مچا دی تھی۔ یہ اس قدر سفاک لوگ تھے کہ قتل کرنے کے بعد اسی وقت خود بھی اپنے آپ کو ہلاک کر لیتے تھے۔

انہوں نے یہ طریقہ کار اپنایا تھا کہ ان کے چند مخصوص فدائین مطلوبہ شخصیت کے پاس ملازمت اختیار کرتے اور جب انہیں مناسب موقع ملتا تو وہ اس شخصیت کو قتل کر دیتے اگر وہاں پر کوئی بھی قاتل کو پکڑنے کی کوشش کرتا تو دوسرے فدائی قاتل کو فوراً ہی قتل کر دیتے تھے۔ اور ان پر کسی بھی قسم کا الزام بھی نہیں آتا تھا۔ یہ بات چونکہ ہر طرف پھیل چکی تھی کہ اسماعیلی باطنیوں کی ہی یہ تحریک ہے لہٰذا فوج کے اعلیٰ افسران، وزراء حاکم اور سر برآوردہ لوگ ہمہ وقت اپنی زندگی کی طرف سے متردد رہنے لگے۔ اب تو انہیں اپنے سایوں سے بھی ڈر لگنے لگا تھا۔

سلجوقی سلطان، سلطان ملک شاہ کے تین بیٹے تھے۔ اس کی وفات تک تو خیر

Marfat.com

ہی رہی مگر اس کی وفات کے بعد تینوں میں خانہ جنگیوں کا آغاز ہو گیا۔ اس خونریز سلسلہ کو مقتدر علماء و مشائخ نے 492 ھ بمطابق 1099 ء میں اپنی ذاتی مداخلت کے بعد برکیارق اور محمد کے درمیان صلح کروا دی۔ اس مصالحت کے نتیجہ میں عراق، شام موصل اور آزر بائیجان و آرمینا کی ریاستیں محمد کے پاس آئیں جب کہ باقی ریاستیں برکیارق کے تصرف میں آگئیں۔ افسوسناک امر یہ تھا کہ یہ خانہ جنگیاں تقریباً آٹھ برس تک جاری رہیں۔

حسن بن صباح نے ان آٹھ برسوں میں حد درجہ فوائد حاصل کیے اور اپنا تصرف خود عام رود باز قہستان خوسف، قائن، زوزن اور تون کی ریاستوں پر بھی قائم کر لیا۔ مگر جب برکیارق کو خانہ جنگی سے سکون حاصل ہوا تو اس نے ممتاز علمائے کرام اور عامۃ المسلمین کی متواتر و متعدد شکایات پر باطنیوں کے قتل کا حکم 494 ھ بمطابق 1101 ء میں جاری کیا۔

سلطان برکیارق کے حکم کے بعد اب تو ہر طرف باطنیوں کا قتل عام ہونے لگا۔ اس کی خبر جب حسن بن صباح کو ہوئی کہ سلطان نے باطنیوں کے قتل عام کا حکم دے دیا ہے تو اس نے بھی اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ اب ہر مسلمان کو ہی نشانہ بنایا جائے کسی مخصوص عالم یا وزیر کی کوئی قدغن نہیں۔ چنانچہ لاتعداد مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔

یہ ایسی صورت حال تھی کہ باطنیوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں بھی حد درجہ خوف پھیلا ہوا تھا۔ باطنی فدائین تو مرنے سے ڈرتے ہی نہ تھے مگر مسلمانوں میں یہ خوف زیادہ پھیل چکا تھا کیونکہ انہیں یہ معلوم ہی نہیں ہو پاتا تھا کہ مسلمان کون ہے اور باطنی ملعون کون، باطنیوں نے سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو اصفہان شہر میں پہنچایا تھا۔ یہاں پر اکثر لوگ اچانک ہی غائب ہو جانے پر ان کا کوئی بھی اتہ پتہ نہیں ملتا تھا۔

اصفہان میں ایک ایسے گھر کی بھی نشاندہی کی گئی تھی کہ جس میں ایک زمین دوز تہہ خانے میں چالیس مسلمانوں کی لاشیں موجود تھیں۔ اسی طرح متعدد مقامات پر گمشدہ مسلمانوں کی لاشیں دستیاب ہو جاتی تھیں۔ اسی طرح ایک مکان میں ایک ایسا کنواں بھی دستیاب ہوا جس میں مسلمانوں کی لاشیں بھری ہوئی تھیں۔

اس کنویں میں بھری جانے والی لاشوں کی کہانی یہ بیان کی جاتی ہے کہ جس گلی میں یہ مکان تھا اس گلی کی نکر پر ایک اندھا بیٹھا ہوتا تھا۔ جب وہ یہ دیکھتا کہ کوئی مسلمان

Marfat.com

اس طرف آ رہا ہے تو وہ اس کو مخاطب کر کے کہتا کہ میاں صاحب مجھے ذرا میرے گھر تک تو پہنچا دیں۔ ثواب حاصل کرنیکی خاطر وہ مسلمان اس کو اس کے بتائے ہوئے گھر لے جاتا جہاں پہلے سے ہی باطنی سفاک موجود ہوتے جو اس کو قابو کر لیتے اور ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کنویں میں ڈال دیا کرتے تھے جہاں وہ نہایت اذیت میں مبتلا رہنے کے بعد ہلاک ہو جاتا تھا۔

روایت ہے کہ فخر الملک نے عاشورہ کے دن روزہ رکھا تھا۔ صبح کو اس نے اپنے مصاحبین سے کہا کہ رات مجھے خواب میں حضرت امام حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ جلدی آ جاؤ تا کہ تم ہمارے ساتھ ہی روزہ افطار کرو۔

مصاحبین اس اشارہ کو سمجھ گئے اور تسلی و تشفی کے الفاظ ادا کرنے کے بعد عرض کیا کہ آپ آج تمام دن قطعی طور پر اپنے گھر سے باہر ہرگز نہ نکلیں۔ فخر الملک ایک نیک نیت شخص تھا۔ اسے بھی اس اشارہ کا مطلب سمجھ میں آ چکا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنا دھیان نوافل اور تلاوت قرآن کریم میں لگا لیا۔ اس کے علاوہ اس نے کثیر مال صدقہ بھی کیا۔ سارا دن تو خیریت سے گزرا گیا۔

عصر کے وقت گلی میں ایک شور سا اٹھا کہ ایک شخص امداد طلب کر رہا تھا اور اپنی بدحالی کا رونا رو رہا تھا۔ فخر الملک ترس کھا کر اس کو بلانے پر مجبور ہو گیا۔ خادم کے ہاتھ اس کو بلوایا۔ وہ اس کے قریب آیا اور ایک تحریر اس کے حوالہ کی۔ خادم دور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ابھی فخر الملک نے کاغذ کھولا ہی تھا کہ اس ملعون نے ایک تیز دھار خنجر اس کے پیٹ میں پیوست کر کے شہید کر دیا۔ سلطان کو بہت دکھ ہوا۔ اس نے اس ملعون کو اسی وقت قتل کروا دیا۔

اب سلطان محمد نے خود باطنیوں پر یورش کی۔ اس نے باطنیوں کے مضبوط قلعہ پر یورش کی یہ قلعہ اصفہان کے قریب واقع تھا اور شاہ ور قلعہ کے نام سے مشہور تھا۔ باطنیوں کی کثیر تعداد اس قلعہ میں بند ہو کر بیٹھ رہی۔ ان کے پاس خوراک کا وافر ذخیرہ موجود تھا چنانچہ وہ ایک حد تک بے فکر تھے۔

Marfat.com

دوران محاصرہ باطنیوں نے سلطان سے امان طلب کی اور یہ درخواست پیش کی انہیں اس قلعہ کے بدلے میں ایک دوسرے قلعہ خالنجان نام میں منتقل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ یہ قلعہ اصفہان سے تقریباً دس کوس کے فاصلے پر واقع تھا۔ سلطان نے انہیں اجازت دے دی۔ اس سلسلہ میں باطنیوں نے ایک مہینہ کی مہلت طلب کی تھی جو انہیں دے دی گئی تھی۔

ابھی مہلت پوری نہ ہوئی تھی کہ سلطان کے ایک اعلیٰ افسر پر چند باطنی سفاکوں نے اچانک حملہ کر دیا۔ وہ افسر تو خوش قسمتی سے بچ گیا مگر اس واقعہ کے بعد سلطان نے دوبارہ محاصرہ کرنے کا کام دے دیا کیونکہ یہ خلاف ورزی تو قلعہ والوں کی طرف سے ہی ہوئی تھی۔ باطنیوں نے اپنی غلطی تسلیم کی اور معافی مانگ کر رخصت چاہی چنانچہ سلطان نے انہیں جانے دیا اور ان کے جانے کے بعد اس قلعہ کو مسمار کرنے کا حکم دے دیا۔

جب اس قلعہ کو مسمار کیا جا رہا تھا تو اس کے ایک برج میں حسن بن صباح کے استاد کا بیٹا احمد بن عطاش چھپ گیا۔ اس کی اطلاع سلطان کو دی گئی تو سلطان نے ایک بہادر افسر کو اس طرف روانہ کیا۔ جب یہ افسر اس برج کی طرف گیا تو اس نے دیکھا کہ وہاں بہت سے باطنی موجود ہیں اس نے تمام کو قتل کر دیا۔ یہ تقریباً اسی (۸۰) کے قریب تھے۔ احمد بن عطاش کو اس برج سے گرفتار کر کے سلطان کے حضور پیش کیا گیا۔

سلطان نے اس کو نصیحت کرنے کی کوشش کی مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا چنانچہ اس کو اس کے جوان بیٹے کے ہمراہ اصفہان میں سر عام قتل کر کے ان دونوں کے سر بغداد کی جانب روانہ کر دیئے گئے۔ احمد بن عطاش کی بیوہ نے اس صورت حال کے پیش نظر خود کو بلند مکان سے گرا کر موت کو گلے لگا لیا۔

سلطان محمد نے 511ھ میں قلعہ الموت پر فوج کشی کی اجازت دی۔ اس مہم کا امیر نوشکین تھا۔ شدید محاصرہ جاری تھا کہ حسن بن صباح نے امان طلب کی جس کو سلطان نے مسترد کر دیا مگر سلطان خود ہی دنیا سے چلا گیا۔ اس کی وفات کے بعد فوج نے محاصرہ اٹھا لیا اور واپس چلی آئی۔ حسن بن صباح ایک مرتبہ پھر یہاں کا مالک و مختار بن گیا۔ سلطان محمد کے انتقال کے بعد 512 ھ میں اس کے بھائی سنجر نے اقتدار سنبھالا۔ یہ سلطان اپنے بھائیوں سے زیادہ باعزم تھا اور شجاعت میں بھی ان سے بڑھ کر تھا۔

Marfat.com

حسن بن صباح قلعہ الموت میں تقریباً 35 برس تک حکمران رہا۔ اسے اپنی زندگی میں بہت زیادہ کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ اس کے استحکام میں مسلمان ریاستوں کی اندرونی ریشہ دوانیاں بھی شامل تھیں۔ اس نے اپنی زندگی میں اپنے ارادت مندوں کو ایسی تربیت کی تھی کہ وہ لوگ ایک سو سے زیاد قلعوں پر قابض ہو چکے تھے۔

یہ شخص جو کہ لاکھوں مسلمانوں کا قاتل تھا 28 ربیع الآخر 518 ھ بمطابق 1125 ء میں مرگیا۔ اس کی عمر اس وقت تقریباً 60 برس تھی۔ اس کی موت کے بعد اس کے جانشین تقریباً ایک سو چھتیس برس تک حکمران رہے۔

☆❁......❁☆

Marfat.com

ابو طاہر قرمطی

ابو طاہر قرمطی وہ رسوائے زمانہ شخص ہے کہ جس نے بیت اللہ شریف کو تباہ و برباد کر کے اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کیا اور حجرِ اسود کو اکھاڑ کر اپنے ہمراہ لے گیا۔ یہ بد باطن شخص ابو سعید قرمطی جیسے بدنام شخص کا بیٹا تھا۔ اس کے باپ یعنی ابو سعید نے 286ھ/ 900ء میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔

اس کی اطلاع جب خلیفہ معتضد باللہ کو ہوئی تو اس نے اس کی سرکوبی کے لیے لشکر روانہ کیا۔ 287ھ بمطابق 895ء میں ابو سعید قرمطی اور اسلامی لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ ابو سعید قرمطی نے بڑے طریقے سے اسلامی لشکر کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور لا تعداد مسلمانوں کو شہید کر کے بے حساب مسلمانوں کو قیدی بنا لیا۔ اب اس نے لکڑی جمع کرنے کا حکم دیا۔ جب ہزاروں من لکڑی جمع ہوگئی تو اس نے اس کو دہکانے کا حکم دے دیا۔ جب خوب آگ روشن ہوگئی تو اس نے حکم دیا کہ مسلمان قیدیوں کو اس میں ڈال دیا جائے۔ یوں بے حساب مسلمان جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیئے گئے۔

اس ملعون شخص نے بے تحاشا مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا اور جو بھی اسے مسجد نظر آئی منہدم کر دی گئی۔ اس کے علم میں اگر یہ آتا کہ حاجیوں کا قافلہ جاتا ہے تو وہ قافلہ لوٹ کر تمام شرکاء کو بلا امتیاز قتل کرنے کا حکم دے دیتا۔

اس بدبخت شخص کو 301ھ بمطابق 914ء میں اس کے خادم خاص مقلبی نامی نے نہاتے ہوئے ہلاک کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے خادم نے اس کو قتل کرنے کے بعد اس کے ایک رئیس کبیر کو بھی بلوایا اور قتل کر دیا اس طرح اس نے ابو سعید کے پانچ یا چھ

Marfat.com

قریبی قرمطیوں کو جہنم واصل کیا۔ اس کے خادم کو اسی جگہ ابو سعید کے عقیدت مندوں نے بڑی بیدردی سے قتل کر دیا۔

ابو سعید قرمطی کے قتل کے بعد حسب وصیت ابو سعید کا بڑا بیٹا سعید اس کا جانشین تھا مگر ابو سعید کے چھوٹے بیٹے ابو طاہر نے اپنے بڑے بھائی کو قتل کر کے باپ کا جانشین بن بیٹھا۔ اب اس نے ہجر، احساء، قطیب اور طائف و بحرین کی حکومتیں اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ یہ شخص اپنے باپ سے بھی بڑھ کر لعین ثابت ہوا۔ اس نے نا صرف نبوت کا دعویٰ کیا بلکہ خود کو خدا بھی کہلوایا۔

اگرچہ تاریخ اسلام میں تاتاری ہی سفاکی کے لیئے مشہور ہیں مگر یہ شخص تو ان سے بھی بہت بڑھ چکا تھا۔ جب ابو طاہر کو حکومت ہتھیائے ہوئے تقریباً دس برس گزرے تو اس نے مشہور اسلامی شہر بصرہ پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے پہلے تو اپنے خاص آدمیوں کو شہر کے اندر داخل کیا پھر ایک بڑی فوج لے کر بصرہ کی طرف چلا۔ جب اس کی فوج شہر کے بڑے دروازے کے پاس پہنچی تو اس کے آدمیوں نے جو کہ پہلے سے اندر موجود تھے شہر کا صدر دروازہ کھول دیا۔ اب وحشی قرمطی درانہ شہر میں داخل ہوئے اور بے دریغ قتل عام شروع کر دیا۔ ابو طاہر بصرہ شہر میں سترہ اٹھارہ روز تک ٹھہرا رہا۔ اس دوران شائد ہی کوئی مسلمان وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا ہوگا ورنہ تمام مسلمانوں کو ان سفاکوں نے شہید کر ڈالا تھا۔ بصرہ سے جاتے ہوئے نو عمر بچے اور عورتوں کو قرمطی اپنے ہمراہ قیدی بنا کر لے گئے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرمطیوں کے عقائد پر مختصراً تحریر کیا جائے تاکہ معزز قارئین کو اس فتنہ کو سمجھنے میں ذرا آسانی رہے۔ عرض ہے کہ اس فتنہ انگیز فرقہ کا بانی ابن خلدون کے مطابق 278ھ بمطابق 892ء میں ظاہر ہوا۔ اگر اس کی حالت کا طائرانہ جائزہ لیا جائے تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ عام باطنی فرقہ کے برخلاف اس نے تاویل کاری کے اصولوں کے ساتھ ساتھ بعض ظاہری احکامات بھی اپنے فرقہ میں شامل کر لیے تھے۔ اس کا نام حمدان بن اشعث تھا۔

اس شخص نے شروع شروع میں اپنا تعارف اس طرح کروایا کہ "امام محمد بن حنفیہ کے فرزند احمد ہی رسول اللہ ہیں اور میں ہی وہ مہدی ہوں جس کا تم سے وعدہ کیا

Marfat.com

گیا ہے اور جس کا انتظار مسلمان کر رہے ہیں۔ یہ شخص زہد اور تقویٰ کا گویا مرقع بنا ہوا تھا چنانچہ بہت سے سادہ لوح اس کے اس چکر میں آ گئے۔

اب اس نے اپنے پیروکاروں پر رات اور دن میں 50 نمازیں فرض کر دیں جب اعتراض ہوا تو اس نے کہا کہ اچھا میں اپنے رب سے پوچھ کر بتاتا ہوں چند روز کے بعد اس نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ اللہ نے مجھ سے کہا ہے کہ " تم ہی عیسیٰ ہو تم ہی کلمہ ہو اور تم ہی مہدی ہو۔ تم ہی محمد بن حنفیہ کی بشارت اور تم ہی جبرئیل ہو۔ اب تم نماز میں صرف چار ہی رکعتیں پڑھا کرو یعنی دو رکعت فجر سے پہلے اور دو رکعت غروب آفتاب کے بعد۔"

اس نے اذان کا طریقہ یوں بتلایا کہ پہلے چار مرتبہ اللہ اکبر پھر دو مرتبہ **اشهدان لا الٰه الا الله** پھر ایک ایک مرتبہ **اشهدان آدم رسول الله، اشهدان لوطاً رسول الله، اشهدان ابراهيم رسول الله، اشهدان موسیٰ رسول الله، اشهدان عيسیٰ رسول الله، اشهدان محمدً رسول الله، اشهدان احمد بن محمد بن حنفيه رسول الله۔**

اس نے روزوں کے بارہ میں یہ حکم جاری کیا کہ پورے سال میں صرف دو روزے رکھے جائیں گے۔ ایک روزہ تو رمضان کے مہینہ کا اور دوسرا روزہ نو روز کا۔ اس ملعون شخص نے شراب کو حلال کر دیا تھا جب کہ غسل جنابت کو منسوخ کر دیا تھا۔ اس نے تمام جانوروں کو بلا امتیاز حلال قرار دے دیا تھا۔ اس بد باطن شخص نے اپنے عقیدت مندوں کو حکم دیا کہ قبلہ بیت اللہ شریف نہیں بلکہ بیت المقدس ہے۔

حمدان بن اشعث نے یہ بھی حکم دیا کہ مرد اور عورتیں مل کر اکھٹے ہی نماز ادا کیا کریں۔ اس نے جمعۃ المبارک کی بجائے اتوار کو تعطیل کا اعلان کیا اور حکم دیا کہ اس روز کوئی بھی عورت یا مرد کام کاج مت کریں۔ اس نے ایک خود ساختہ سورۃ بھی وضع کر کے اپنے عقیدت مندوں کو دے رکھی تھی جس کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

> ترجمہ: " اللہ کی حمد و ثناء اس کے حکم کے ساتھ کرتا ہوں۔ جس کا نام بلند و برتر ہے۔ وہ جو اپنے دوستوں سے تقویت دیتا ہے۔ کہو کہ لوگوں کے لیے ہلال کے

Marfat.com

اوقات مقرر کر دیئے گئے ہیں تاکہ وہ اسے ظاہر میں برسوں کی تعداد اور حساب اور مہینے اور ایام معلوم کریں اور ہلال کا باطن میرے ان دوستوں کے لیے ہے جو میرے بندوں کو میری راہ دکھائیں۔

اے صاحبان عقل و خرد! مجھ سے ڈرو! میں وہ ہوں جس سے کسی عمل کا محاسبہ نہیں ہوگا۔ میں جاننے والا اور برد بار ہوں۔ میں وہ ہوں جو اپنے بندوں کو مبتلا کرتا ہوں اور اپنی مخلوق کا امتحان لیتا ہوں۔ جو کوئی میری بلا۔ میری محنت اور میرے اختیار پر صبر کرے گا اسے جنت میں داخل کیا جائے گا اور نعمت جاو داں عطا ہوگی۔

جس نے میرے حکم کا انکار کیا اور میرے اصولوں کو جھٹلایا تو اس کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ میں نے اپنی حجت کا اہتمام کیا ہے اور میں اپنے امر کو اپنے رسولوں کی زبان سے ظاہر کر دیتا ہوں۔

میں وہ ہوں کہ جب کوئی سرکش تعلیٰ کرتا ہے تو اس کو ہلاک کر دیتا ہوں اور کوئی جابر اور گردن فراز ایسا نہیں کہ اسے ذلیل نہ کر دوں۔ وہی آدمی برا ہے جو اپنے فعل پر مصر رہے اور جہالت پر اڑا رہے اور یہ کہے کہ ہم اس کام پر مصر رہیں گے ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔''

حمدان نے حکم دے رکھا تھا کہ اس سورۃ کو پڑھ کر رکوع کیا جائے۔ رکوع میں پڑھنے کے لیے اس نے یہ تسبیح بتلائی تھی۔ **سبحان ربی رب العزۃ و تعالیٰ عما یصف الظالمون**۔ اس نے اسی طرح سجدوں میں پڑھنے کے لیے بھی تسبیح بتلائی تھی **اللہ اعلیٰ اللہ اعلیٰ اللہ اعظم اللہ اعظم**۔

انہی عقائد باطلہ پر قرمطی مذہب دراصل استوار تھا۔ اصل میں قرمطی دین

Marfat.com

اسلام کے سب سے بڑے مخالف تھے اور انہوں نے اسلام کو حد درجہ نقصان پہنچایا۔ ابو طاہر خود کو خدا کا اوتار کہلواتا تھا۔ مگر اسی اوتار نے سب سے پہلے تو بصرہ شہر کو بری طرح تاراج کیا اور پھر اس نے یہ حکم دیا کہ جہاں بھی حاجیوں کے قافلے دکھائی دیں وہیں ان کو لوٹ کر ہلاک کر دیا جائے۔

اس لعین شخص نے 312ھ بمطابق 925ء میں ایک نیا منصوبہ تیار کیا کہ حاجیوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے اس مقصد کے لیے اس نے ایک بہت بڑی فوج تیار کی اور مقام بیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہاں سے حاجیوں کا ایک بہت بڑا قافلہ گزر رہا تھا۔ اس قافلہ کو غفلت میں قرمطی فوج نے آلیا اور لوٹ کر شرکاء کو قتل کر دیا گیا اس کی اطلاع پیچھے آنے والے قافلہ کو مل گئی تھی چنانچہ انہوں نے اسی جگہ قیام کر لیا۔

کچھ روز کے انتظار کے بعد یہ قافلہ بھی چل پڑا مگر اس کو بھی گزرنا تو اسی راستہ سے تھا۔ چنانچہ ابو طاہر کی فوج نے اس قافلہ کو بھی لوٹ لیا مگر اس کے شرکاء کو صحرا میں بے یارو مدد گار چھوڑ دیا۔ اس قافلہ میں مقتدر کا ماموں احمد بن بدر بھی شامل تھا۔ ابو طاہر نے احمد بن بدر اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ اس قافلہ کے شرکاء میں سے صرف چند ہی زندہ بچ پائے تھے۔

اس وقت ابو طاہر مقام ابواہ پہنچ چکا تھا۔ یہاں سے اس نے خلیفہ کے پاس تمام قیدی روانہ کیے اور کہا کہ بصرہ شہر اور اہواز مجھے تفویض کر دیئے جائیں۔ مگر خلیفہ نے منظور نہ کیا۔ چنانچہ ابو طاہر نے ایک مرتبہ پھر حاجیوں کے قافلہ کو لوٹنا اور قتل عام شروع کر دیا۔ اس نے اس سال ہزاروں کی تعداد میں عازمین حج کا قتل عام کیا۔ جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اگلے برس حج کے لیے کوئی بھی قافلہ روانہ نہیں ہوا۔

314ھ بمطابق 927ء میں خلیفہ مقتدر باللہ نے یوسف بن ابی الساج کو آزر بائیجان سے بغداد طلب کیا اور ابو طاہر کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ ابھی یوسف واسطہ ہی پہنچ پایا تھا کہ معلوم ہوا کہ ابو طاہر لشکر سمیت کوفہ کی طرف کوچ کر گیا ہے۔ اب یوسف نے کوفہ کو بچانے کی فکر کی اور خود بھی لشکر لے کر کوفہ کی طرف چلا۔ اب ہوا یہ کہ کوفہ میں حاکم وغیرہ چپکے سے بھاگ گئے تھے چنانچہ بغیر جنگ کے ہی ابو طاہر کا قبضہ کوفہ پر ہو گیا۔

Marfat.com

چند روز کے بعد جب یوسف کوفہ پہنچا تو اس نے دیکھا کہ کوفہ کو تو بری طرح پامال کر دیا گیا ہے۔ اور شہر میں ابو طاہر کی فوج موجود ہے۔ ابو طاہر اور یوسف میں شدید جنگ ہوئی مگر ابو طاہر کو کامیابی حاصل ہوئی اور یوسف کو زخمی حالت میں گرفتار کر لیا گیا۔ ابو طاہر نے اس کا علاج کروانے کا حکم دیا۔

مسلمانوں کا شکست خوردہ لشکر بغداد پہنچا اور تمام حالات سے آگاہ کیا جس کے بعد ایک لشکر جرار ابو طاہر کی سرکوبی کی خاطر روانہ کیا گیا اس جنگ میں بھی قرمطیوں کو کامیابی حاصل ہوئی اور فرار کی کوشش میں یوسف ہلاک ہو گیا۔ اس جنگ میں کئی ہزار مسلمان شہید کر دیئے گئے۔

ابو طاہر نے 316 ھ بمطابق 930ء میں انبار سے کوچ کیا اور مقام رحبہ پہنچا اور قابض ہو گیا۔ مگر یہ قبضہ بھی حسب سابق نہایت ہی سفا کانہ تھا تمام لوگ تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ اس کے بعد قرمطی جزیرہ پہنچے جہاں کے لوگوں نے خراج دینا قبول کیا اور جان بچائی۔ اب قرمطی ہر طرف آزادی سے کارروائیاں کر رہے تھے اور ان کے ساتھ مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔

مسلمانوں کی پے در پے شکستوں کے بعد خلیفہ نے ایک لشکر ابن قیس کی سرکردگی میں روانہ کیا اس کی مدد کے لیے صافی بصری کو بھی روانہ کیا۔ اس مشترکہ لشکر نے کوفہ پہنچ کر ابو طاہر کے لشکر کو چاروں طرف سے گھیر کر جنگ شروع کی۔ پہلی مرتبہ قرمطیوں کو مکمل طور پر شکست سے دو چار ہونا پڑا۔ چنانچہ بصرہ اور کوفہ کے شہروں پر ایک مرتبہ پھر بغداد کی حکومت قائم ہو گئی۔

اس شکست کے بعد ابو طاہر ہجر واپس چلا گیا۔ اس نے اس شہر کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور یہاں اس نے ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کروائی۔ اس مسجد کو اس نے دارالہجرت کا نام دیا۔ اس نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس مسجد میں حج و طواف کیا کریں۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے ایک انتہائی قبیح فیصلہ کیا۔ اس نے حجر اسود کو مکہ مکرمہ سے ہجر شہر لانے کا مذموم فیصلہ کر لیا۔

316 ھ بمطابق 930ء میں ابو طاہر نے اس مقصد کے لیے ایک لشکر تیار کیا اور مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس برس منصور ویلمی امیر حج مقرر کیا گیا تھا۔ مگر ابو طاہر

Marfat.com

اپنے لشکر کے ساتھ بیت اللہ شریف میں داخل ہوگیا اور مسجد میں ننگی تلوار کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ کر داخل ہوا۔ اس نے مسجد میں پہنچ کر شراب طلب کی اور ساتھیوں کے ہمراہ پی۔ اب اس نے اپنے سدھائے ہوئے گھوڑے کو اشارہ کیا اور سیٹی بجائی تو اس نے پیشاب کر دیا۔

جو قرمطی مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے انہوں نے مسجد کے باہر حاجیوں کے خیموں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ لوٹ مار کرنے کے بعد اب قتل عام شروع ہوا۔ شہر بھر میں ہر طرف لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ نا صرف شہر میں بلکہ مسجد الحرام کے اندر بھی ہر جانب لاشیں ہی لاشیں تھیں اور قرمطی دندناتے پھر رہے تھے۔ یہ حج کا موقع تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان جمع تھے جن میں سے اکثر شہید کر دیئے گے۔ شہر میں اور مسجد میں ہر طرف خون ناحق بہہ رہا تھا۔ صرف مسجد الحرام میں ایک ہزار سات سو مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔

اس حج میں علی بن بابو یہ بھی شامل تھے۔ آپ نے باوجود قتل عام کے حج موقوف نہ کیا۔ آپ کو قرمطیوں نے بڑی ہی بیدردی کے ساتھ مسجد کے اندر ہی شہید کر ڈالا۔ مکہ کے شرفاء کا ایک وفد ابو طاہر کے پاس آیا اور استدعا کی کہ اب قتل عام روک دیا جائے مگر اس ملعون نے اس وفد کے تمام افراد کو لشکریوں کے حوالہ کر دیا جنہوں نے انہیں اذیتیں دے دے کر نہایت کسمپرسی کے عالم میں ہلاک کر دیا۔

17 ذی الحجہ 317 ھ بمطابق 931 میں ابو طاہر نے تاریخ اسلام کا بد ترین باب رقم کیا۔ ابو طاہر نے حجر اسود کو اکھاڑ لیا اور اپنے ساتھ ہجر لے گیا۔ جو مقام ازلوں سے متبرک و مقدس تھا وہ اس لعین کی وجہ سے تباہ و برباد ہو کر رہ گیا۔ ابو طاہر تقریباً گیارہ روز تک مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہا اور لوٹ مار کرتا رہا۔ ازاں بعد وہ ہجر میں چلا گیا جہاں اس نے حجر اسود کو اپنی بنائی ہوئی مسجد میں غربی جانب نصب کر دیا۔

مکہ مکرمہ میں تباہی لانے کے بعد ابو طاہر نے اپنی پوری حکومت کے امیروں کو یہ حکم دیا کہ خلیفہ عبید اللہ المہدی کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ اس نے یہ اطلاع عبید اللہ کو بھی کر دی کہ ہم آپ کے نام کا خطبہ پڑھتے ہیں۔ اور آپ کو یہ سن کر یقیناً خوشی ہوگی کہ ہم نے (معاذ اللہ) پیروان ضلالت اور اہل فساد کا خوب قلع قمع کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ مکہ کی سرزمین ان کے خون سے لالہ زار بن گئی۔

Marfat.com

عبید اللہ نے جواب میں تحریر کیا" ہمیں خط ارسال کر کے اپنی بد اعمالیوں کی داد طلب کرنا بھی سخت حیرت کی بات ہے۔ بلد اللہ الامین میں تم نے کیا کچھ نہیں کیا۔ تم نے اس بیت اللہ کی جو ازل سے ہی یعنی جاہلیت اور اسلام سے ہی ہمیشہ محترم و متبرک رہا بے حرمتی کی۔ اس بقعۂ مقدس میں مسلمانوں کے خون بہائے۔ اس کے معتمرین کو شہید کر ڈالا اور بیت اللہ میں اس قدر جرأت کا مظاہرہ کیا کہ حجر اسود کو بھی اکھاڑ کر لے گئے۔ حالانکہ یہ مضبوط بسیط الارضا ہے اور ان سب بداعمال و حرکات کے باوجود تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہاری ان حرکتوں پر تمہیں خوشنودی خاطر کا اعزاز عطا کریں۔

اس خط کو موصول کرنے کے بعد ابو طاہر نے شدید غصے کے عالم میں عبید اللہ کی اطاعت کو ختم کر دیا اور ایک مرتبہ پھر اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگیا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حج بیت اللہ شریف 317 ھ تا 327 ھ بالکل موقوف رہا لوگ حجاز مقدس آنے سے گھبراتے تھے۔ دس سال کے بعد ابو طاہر کے ایک قریبی مصاحب ابو علی عمر بن یحییٰ علوی نے اسے یہ مشورہ دیا کہ ہر حاجی سے پانچ سو دینار فی اونٹ کے حساب سے محصول لے کر حاجیوں کو حج کی اجازت دے دو۔ اس کا مشورہ منظور ہوا یوں دس برس کے طویل وقفہ کے بعد لوگ مکہ مکرمہ آنا شروع ہوئے۔

ابو طاہر نے اس بات کی حد درجہ کوشش کی کہ لوگ حج کرنے کے لیے ہجر کا رخ کریں جہاں حجر اسود بھی موجود ہے مگر اس کی تمام تر کوششیں رائیگاں ہی گئیں۔ اسی اثناء میں خلیفہ مقتدر باللہ نے اسے یہ پیش کش کی کہ پچاس ہزار درہم کے عوض حجر اسود واپس کر دے مگر اس نے انکار کر دیا۔ مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ اس پتھر کا اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا تو اس نے خلیفہ مطیع اللہ کے عہد خلافت میں صرف تیس ہزار درہم کے عوض یہ پتھر واپس کر دیا۔

10 محرم الحرام 339 بمطابق 951 کو حجر اسود کے گرد چاندی کا حلقہ بنوا کر نصب کر دیا گیا۔ جو کہ تقریباً چودہ پندرہ سیر کے وزن کا تھا۔ یہ مقدس پتھر ابو طاہر کے پاس چار روز کم بائیس برس تک رہا۔ ابو طاہر چیچک کے مرض میں مبتلا ہو کر جہنم واصل ہوا۔

لعنت اللہ علی الکاذبین

Marfat.com

محمد بن عبداللہ بن تومرت

مہدی ہونے کا یہ مدعی 485 ھ بمطابق 1093 ء میں سوس کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس کا نام محمد بن عبد اللہ بن تومرت حسنی تھا۔ یہ شخص پرہیز گاری اور عبادت گزاری میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اس کی عادات میں تقویٰ اس قدر تھا کہ اس کے پاس ہاشو کی ایک چھڑی اور ایک چھوٹا سا مشکیزہ ہی ہوتا تھا۔ یہ شخص کوئی عام شخص نہ تھا بلکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد و احفاد میں سے تھا۔

اس نے ایک عرصہ تک تو لوگوں پر اپنی عبادت گزاری اور تقویٰ کا اثر ڈالا اور پھر 514 ھ بمطابق 1121 ء میں اس نے مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ جیسا کہ احادیث مبارکہ میں مذکور ہے اس کا نام محمد اور اس کے باپ کا نام عبداللہ تھا۔ اسی طرح وہ بنی فاطمہ سے بھی تعلق رکھتا تھا۔ پھر بھلا یہ کیونکر اس دعویٰ سے باز رہتا۔

بعض مورخین نے ابن تومرت کو امام ابو حامد محمد غزالیؒ کا شاگرد بتلایا ہے۔ انہوں نے تحریر کیا کہ امام غزالی جب مدرسہ نظامیہ سے بغداد میں مسند درس و ارشاد پر متمکن تھے تو یہ شخص ان کے درس میں تین برس تک مسلسل شرکت کرتا رہا۔ اس روایت کی تردید علامہ ابن اثیر نے کی ہے ان کا بیان ہے کہ امام غزالی کے ساتھ تو اس کی ملاقات تک بھی ثابت نہیں ہے پھر شاگردی کیسی۔

اس سلسلہ میں علامہ ابن خلکان کا یہ کہنا ہے کہ ایام طالب علمی میں ابن تومرت کو علم جفر کی ایک مستند کتاب حاصل ہوئی تھی جس کا مطالعہ اس نے بہت ہی عرق ریزی سے کیا۔ اس کتاب کے متعدد احکام پر جب وہ پوری طرح حاوی ہوگیا تو اس کو یہ

Marfat.com

معلوم ہوا کہ سوس میں ایک شخص پیدا ہوگا جو کہ خاندان بنو فاطمہ کا ہی چشم و چراغ ہوگا۔ وہ داعی الی اللہ ہوگا۔ اور اس کا مستقر ایک ایسا مقام پائے گا جس کے نام کے حروف میں ت ی ن م ل ہوں گے۔ اسے ایک ایسے شخص کی رفاقت حاصل ہوگی جس کے نام کے حروف میں ع ب د م و م ن (عبدالمومن) ہوں گے۔ یہ حساب نکالنے کے بعد اس نے اس شہر اور اس آدمی کی تلاش شروع کر دی۔

اس تلاش کے ساتھ ساتھ اس نے ایک لائحہ عمل بھی تیار کر لیا کہ وہ خود کو بھی مشہور ضرور کرے گا۔ اس نے دیکھا کہ اس کی کامیابی صرف اور صرف نہی عن المنکر یعنی نیکی کی ترغیب اور برائی سے روکنے میں ہے۔ اب اس نے اس پر ہی عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے شریعت کی تبلیغ کچھ اس طرح شروع کی کہ ذرا سی بھی اگر اسے غیر شرعی حرکت کسی کی جانب سے دکھائی دیتی تو وہ فوراً ہی سیخ پا ہو جاتا۔

شریعت کی پاسداری کے سلسلہ میں وہ حکومت کے خاص لوگوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اس لیے مصر کی حکومت نے اس کو اپنے ملک سے فوری نکال دیا تھا۔ یہ شخص عربی زبان کا بہت بڑا مقرر تھا۔ یہ بات بھی اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ جہاں اس کے بہت سے دشمن ہوتے وہاں اسے شریعت کے ہزاروں کی تعداد میں حامی بھی حاصل ہو جاتے تھے۔ اس نے کبھی دنیاوی مال کو ذرّہ برابر بھی اہمیت نہ تھی بلکہ اس کی ملکیت دوران سفر ایک چھڑی اور پانی کا ایک مشکیزہ ہوتا تھا۔ مصر کے دارالحکومت قاہرہ سے جب اس کو نکالا گیا تو اس نے اسکندریہ جانے کا فیصلہ کرلیا۔

اسکندریہ میں بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بہت سے واقعات رونما ہوئے۔ چنانچہ حکام نے اسے وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ وہاں سے نکل کر اس نے جہاز پر سوار ہو کر مغرب کا سفر اختیار کیا۔ دوران سفر اس نے جہاز میں بھی شرعی امور کی پاسداری کی تلقین شروع کر دی۔ جہاز پر بہت کم سوار ایسے تھے جو کہ نماز کو پابندی سے ادا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ابن تومرت نے سختی کی تو ان کے ساتھ جھگڑا ہوگیا۔

جہاز والوں نے اس کی انہیں حرکتوں سے تنگ آ کر اس کو رسیوں سے باندھ کر سمندر میں لٹکا دیا۔ آدھا دن اس کو سمندر میں لٹکائے رکھا۔ اس کو جہاز والوں نے جب پانی میں سے نکالا تو وہ لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس کو کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

Marfat.com

تمام لوگ اس بات کو اس کی کرامت خیال کر رہے تھے۔ پہلے جو لوگ اس کے ساتھ جھگڑا کر رہے تھے اب وہ سب اس کے دلی طور پر عقیدت مند بن چکے تھے۔ اب جہاز کے تمام لوگ نماز کے پابند ہو چکے تھے اور تلاوت کلام پاک کے بھی شوقین ہو گئے تھے۔ یہ سب تو ابن تومرت کی نصیحتوں کا اثر تھا۔

اس جہاز نے اس کو مہدیہ شہر میں اتارا۔ مہدیہ میں اس کا قیام ایک مسجد میں ہوا جو کہ بالکل سڑک کے کنارے تھی۔ ابن تومرت تو ہر کام کو منصوبے سے کرنے کا عادی تھا۔ اب اس نے یہ کام کرنا شروع کیا کہ مسجد سے باہر وہ ایک کونے میں بیٹھا رہتا اور لوگوں کو آتے جاتے دیکھتا رہتا۔ وہ ہر اس شخص سے جھگڑا کرنے لگتا جو کہ غیر شرعی کام کرتا ہوا دکھائی دیتا۔ اس نے دو تین روز میں ہی پورے شہر میں ایک تہلکہ سا مچا دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی۔ لوگوں نے اس کو ایک راسخ العقیدہ مسلمان خیال کر کے اس کے ساتھ عقیدت کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ عام لوگ تو اس کے دیوانے ہو گئے۔ لوگوں نے اس کو ایک بہت بڑا عالم دین خیال کرنا شروع کر دیا اور پورے شہر میں یہ مشہور کر دیا کہ مہدیہ میں ایک بڑے عالم دین تشریف لائے ہیں۔

ابن تومرت کی اس شہرت سے بھلا حاکم شہر کیونکر بے خبر رہ سکتا تھا اس کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کے شہر میں ایک بہت بڑے شیخ تشریف لائے ہیں تو وہ خود ابن تومرت کے پاس آیا اور بڑی عقیدت کے ساتھ دربار میں لے گیا وہاں اس نے ابن تومرت کی حد درجہ تکریم کی۔ اس وجہ سے ابن تومرت کی قدر و منزلت لوگوں میں اور بھی بڑھ گئی۔ مگر ابن تومرت تو وہاں علم جفر کے حساب کے مطابق اپنے رفیق خاص کو تلاش کرتا پھر رہا تھا وہ بھلا کیونکر یہاں ٹھہر جاتا۔ اس کو تو یہاں کسی پل بھی قرار نہ تھا۔

کچھ عرصہ تک ابن تومرت نے مہدیہ میں قیام کیا اور پھر وہاں سے مقام بجایہ جا پہنچا۔ اس نے وہاں بھی حسب معمول نیکی کا درس دینا شروع کر دیا اور شریعت پر عملدرامد کرانے میں حد درجہ سختی کرنے لگا۔ اس طریق عمل سے اس کی مقبولیت وہاں بھی تیزی سے پھیل گئی۔ اس شہر کے حاکم کو اس کی حد درجہ مقبولیت نے ازحد تشویش میں مبتلا کر دیا۔ کچھ عرصہ تو وہاں کا حاکم اس کے معمولات ملاحظہ کرتا رہا پھر اس کو

Marfat.com

وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ دوسری طرف ابن تومرت بھی اپنے طور پر اپنے مطلوبہ شخص کو تلاش کر رہا تھا۔ چنانچہ جب حاکم بجایہ نے اس کو وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا تو وہ وہاں سے نکل کر مغرب کی جانب چل دیا۔

اب وہ ملالہ نام کے ایک گاؤں میں جا پہنچا۔ اسی گاؤں میں اس کی ملاقات اس کے مطلوبہ شخص عبدالمومن سے ہوئی۔ یہ شخص حصول علم کی خاطر مشرقی ملک کی طرف گامزن تھا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق ابن تومرت کی ملاقات عبدالمومن کے ساتھ منزارہ کے مقام پر ہوئی تھی۔

علامہ ابن خلکان کے مطابق عبدالمومن کی پیدائش تاجرہ کے مقام پر ہوئی تھی جو کہ تلمستان کے مضافات میں ساحل بحر پر واقع ہے۔ اس کا باپ ایک کمہار تھا اور اس کی گزر اوقات مٹی کے برتن بنانے اور فروخت کرنے سے ہوتی تھی۔ اس کا نام علی تھا۔

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ علی کمہار برتن بنانے میں ہمہ تن مشغول تھا اور ایک طرف ننھا عبدالمومن گہری نیند سو رہا تھا۔ علی کمہار نے اچانک محسوس کیا کہ جیسے بہت سی شہد کی مکھیاں ایک جھنڈ کی صورت میں اس کے مکان کی طرف چلی آ رہی ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان لاتعداد مکھیوں نے ننھے عبدالمومن کو پوری طرح ڈھانپ لیا۔ یہاں تک کہ ننھا عبدالمومن بالکل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

یہ صورت حال دیکھ کر عبدالمومن کی ماں بری طرح گھبرا گئی۔ اس نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ عبدالمومن کا باپ ایک جہاندیدہ شخص تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو جلدی سے خاموش کروایا اور یہ دیکھنے لگا کہ بے تحاشا شہد کی مکھیوں نے اگرچہ اس کے کم سن بچے کو پوری طرح ڈھانپ رکھا تھا مگر بچے کے چلانے کی آواز سنائی نہیں دی۔

کچھ دیر کے بعد مکھیاں جب اڑ گئیں تو علی کمہار نے دیکھا کہ بچہ حسب معمول گہری نیند سویا ہوا ہے۔ یعنی اس پر مکھیوں کے حملہ کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھا اور اپنے ایک عالم فاضل دوست کے پاس گیا اور اس کو تمام ماجرہ کہہ سنایا۔ اس نے بڑے غور سے اس کی باتیں سنیں اور اس کو بتایا کہ "اے علی! بالکل فکر مت کرو۔ یہ تمہارا

Marfat.com

لڑکا ایک روز بڑا عروج حاصل کرے گا۔ جس طرح ان مکھیوں نے اس کو گھیر رکھا تھا اسی طرح اس کو اہل مغرب عقیدت سے گھیر لیں گے۔ علی کمہار یہ سن کر بے حد خوش ہوا۔ کیونکہ وہ تو معاشرہ کا ایک کمترین شخص تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ جب کہ عبدالمومن ابھی طالب علم ہی تھا کہ اسے تین لڑکوں کو تعلیم دینے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اسی دوران اس کو ایک خواب دکھائی دیا کہ وہ امیر المسلمین علی بن یوسف کے ہمراہ ایک ہی برتن میں کھانا کھا رہا ہے۔ عبدالمومن کا کہنا ہے کہ میں نے دیکھا کہ وہ علی بن یوسف سے زیادہ دیر تک کھانا کھاتا رہا اور میں نے محسوس کیا کہ میرا نفس مجھے اور بھی کھانا کھانے پر ابھار رہا تھا چنانچہ میں وہ برتن ہی علی کے سامنے سے اچک لیا اور تنہا ہی کھانا شروع کر دیا۔

عبدالمومن کا کہنا ہے جب وہ بیدار ہوا تو اس نے ایک نامور عالم دین عبد المنعم بن عشیر سے اس خواب کی تعبیر چاہی۔ انہوں نے اس خواب کی تعبیر اس کو یہ بتائی کہ "تم ایک روز امیر المسلمین پر دھاوا کر کے اس کے ملک کے کچھ حصہ پر غاصبانہ قبضہ کر لو گے اور بعد میں اس کے پورے ملک پر ہی تمہارا قبضہ ہو جائے گا یا یہ کہ تم اس سے پورا ملک ہی چھین لو گے۔" یہ تعبیر تو ایک کمہار زادے کے لیے یقیناً حیران کن ہی رہی ہوگی۔

جب ابن تومرت ملالہ پہنچا تو اس کی ملاقات اچانک ہی عبدالمومن کے ساتھ ہوئی۔ جب ابن تومرت کو یہ معلوم ہوا کہ اس کا نام عبدالمومن اور اس کے باپ کا نام علی ہے تو وہ اندر ہی اندر خوش ہوا مگر عبدالمومن پر کچھ ظاہر نہیں کیا۔ اس نے علم جفر کے مطابق جب مکمل طور پر جائزہ لیا تو یہی اس کا مقصود ثابت ہوا۔

ابن تومرت نے اس کو پوچھا کہ وہ کہاں جانے کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کے مقاصد کیا ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ حصول علم کے لیے بغداد جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ابن تومرت نے اس کو کہا کہ علم تو تمہارے مقدر میں لکھا جا چکا ہے تم میرے ساتھ چلو کیونکہ ایک خلقت تمہاری رہنمائی کی خواہش مند ہے۔ تم یقیناً ایک عظیم الشان حکمران بنو گے۔ یہی خواب تو وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ اس نے ابن تومرت کی باتوں پر یقین کر لیا اور اس کی معیت میں رہنے کا اسے یقین دلایا۔

کچھ عرصہ ابن تومرت ملالہ میں ہی مقیم رہا اور نیکی کا پرچار کرتا رہا۔ ہزاروں

Marfat.com

لوگ اس کے وہاں مرید ہوئے مگر اب تو اس کے عزائم ہی کچھ اور تھے۔ اس نے ملالہ کو خیر باد کہا اور مراکش کی طرف جانے کا قصد کیا۔ یہ ایک عظیم الشان سلطنت تھی۔ اردگرد کے تمام ممالک مراکش کی عظمت کو تسلیم کرتے تھے۔

ابن تومرت اپنے چند سرکردہ مصاحبین کے ہمراہ مراکش کے دارالحکومت تلسمان میں آ گیا اور اپنے طریقہ کار کے عین مطابق شہر کے باہر ایک مسجد میں مقیم ہوا۔ لوگ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو نیک لوگ خیال کر کے ان کے پاس آنا شروع ہو گئے۔ دھیرے دھیرے ان لوگوں نے پر پرزے نکالنے شروع کیے اور حکومت پر الزامات لگانے شروع کیے کہ وہ عملاً شریعت کی پاسداری نہیں کرتی اور نہ ہی عوام الناس سے کرواتی ہے۔

کچھ عرصہ تک تو وہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتا رہا پھر اس نے اپنے وعظوں میں امیر المسلمین ابوالحسن علی بن یوسف پر الزام تراشیاں شروع کر دیں۔ علی بن یوسف نمازی پرہیزگار حکمران تھا۔ لوگ اس کے لیے بہت ہی اچھی رائے رکھتے تھے۔

ابن تومرت کی فتنہ انگیزیاں جب حد سے بڑھیں تو علی بن یوسف کے وزیر اعظم مالک بن وہب نے سمجھ لیا کہ یہ شخص آگے چل کر بہت ہی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اس نے علی بن یوسف کو مشورہ دیا کہ اس لعین شخص کو فوری طور پر قتل کر دینا چاہیے تاکہ وہ کوئی بہت بڑا فتنہ کھڑا نہ کر سکے۔ الزامات چونکہ علی بن یوسف پر لگائے گئے تھے چنانچہ علی بن یوسف نے رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

وزیر اعظم نے اس کے بعد یہ مشورہ دیا کہ اگر علی بن یوسف اس کو قتل نہیں کروانا چاہتا تو پھر اس کو لمبے عرصہ کے لیے زندان میں ڈال دینا چاہیے ورنہ یہ شخص سلطنت میں بڑے پیمانے پر فتنہ کا باعث ہوگا۔ علی بن یوسف نے کہا کہ جب تک اس پر کوئی جرم ہی ثابت نہ ہو ہم بھلا اس کے خلاف کوئی بھی قدم کیسے اٹھا سکتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ جمعۃ المبارک کے روز ابن تومرت اپنے عقیدت مندوں کے ہمراہ جامع مسجد میں آیا اور اس جگہ پر جا کر ایستادہ ہو گیا جہاں صرف امیر المسلمین ہی بیٹھا کرتا تھا۔ مسجد کی انتظامیہ کے امیر نے بڑے ہی ادب سے ابن تومرت سے کہا کہ کیا

Marfat.com

اسے یہ معلوم نہیں کہ جس جگہ وہ کھڑا ہے یہ تو علی بن یوسف کے لیے مخصوص ہے۔ ابن تومرت نے متانت سے جواب دیا کہ تمام مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں اور اس میں کوئی بھی جگہ کسی انسان کے لیے مخصوص نہیں کی جا سکتی۔

مسجد میں موجودہ تمام حاضرین ہی حیران رہ گئے جب انہوں نے ابن تومرت کی دلیرانہ گفتگو سنی۔ ابھی یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ وہاں علی بن یوسف بھی آ گیا۔ اس نے ایک کونے میں بیٹھ کر لوگوں پر گفتگو اور تقریر کے ذریعہ اثر ڈالنے کی کوشش کی۔ ابن تومرت کی تقریر جاری ہی تھی کہ جب علی بن یوسف آیا لوگ دیوانہ وار اس کے استقبال کے لیے نعرے مارنے لگے یہ دیکھ کر ابن تومرت اسی جگہ بیٹھا رہا۔ علی بن یوسف نے اس بات کو ناگوار محسوس نہ کیا کہ ابن تومرت اس کی جگہ پر براجمان ہے بلکہ اس نے دوسری جگہ نماز ادا کر لی اور ہنگامہ آرائی سے مسجد کو آلودہ نہیں ہونے دیا۔

جب امام مسجد نے سلام پھیرا تو ابن تومرت نے علی بن یوسف کو براہ راست مخاطب کر کے کہا "اے امیر المسلمین! رعایا پر شدید مظالم ہو رہے ہیں ان کی بھی کچھ آپ کو خبر ہے۔ یا یہ بات ہے کہ ان مظلوموں کی آواز آپ کے کانوں تک پہنچ ہی نہیں رہی ہے۔ مگر کیا آپ کو معلوم ہے کہ روز قیامت کو اللہ رب العزت کے سامنے آپ کو رعایا کے بارہ میں ہر قسم کے سوالوں کا جواب دینا ہوگا۔ اس وقت آپ یہ تو نہیں کہہ سکیں گے کہ مجھے تو خبر نہ تھی۔ آپ بے شک غرباء و مساکین اور بے کسوں کی جان و مال کے ہر طرح سے ذمہ دار ہیں۔

علی بن یوسف ایک سادہ مزاج حکمران تھا اس نے یہ خیال کیا کہ یہ کوئی عالم دین ہے جو اپنی کوئی حاجت اس سے رکھتا ہے۔ چنانچہ مسجد سے باہر جانے سے پہلے اس نے حکم دیا کہ اس عالم سے دریافت کیا جائے کہ اگر اس کی کوئی غرض ہو تاکہ پوری کی جائے اگر مقروض ہو تو اس کا قرض ادا کیا جائے اگر نادار ہے تو بیت المال سے رقم کا بندوبست کیا جائے۔"

علی بن یوسف کو اس وقت یہ نہیں معلوم تھا کہ یہی تو وہی شخص ہے جس کے قتل کا مشورہ اسے وزیر اعظم نے چند روز پہلے دیا تھا۔ امیر المسلمین کے ایک نمائندے نے جب ابن تومرت سے علی بن یوسف کے حکم کے مطابق بات چیت کی تو اس نے بڑی

Marfat.com

انکساری سے جواب دیا کہ اپنے امیر المسلمین سے جا کر کہہ دینا کہ میری کوئی دنیاوی غرض نہیں ہے کہ بلکہ میں تو اسلام کی خدمت کرنا چاہتا ہوں اور میرے مدنظر مسلمانوں کی بھلائی مقصود ہے۔

ایک روز یوں ہوا کہ علی بن یوسف کی بہن اپنی بہت سی کنیزوں کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔ اس زمانہ میں اگرچہ تمام اسلامی ملکوں میں عورتیں پردے کا بڑا اہتمام رکھتی تھیں مگر مراکش میں شاہی خواتین پردہ کی پابندی نہیں کرتی تھیں۔ بہر حال شہزادی کو اپنی کنیزوں کے ساتھ جو بے پردہ جاتے دیکھا تو ابن تومرت کو ایسا موقع اور ہاتھ آگیا اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر کنیزوں پر حملہ کردیا۔ اس کیساتھ اس کے چند عقیدت مند شامل ہوگئے۔ وہ کنیزوں کو مارتا جا رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ مسلمان خواتین ہوں اور یوں بے حجابانہ گھومتی پھریں یہ تو ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

اس ہنگامہ آرائی میں اگرچہ کسی نے بھی شہزادی کو چھوا تک نہیں مگر جب اس کا گھوڑا بدکا تو وہ گر پڑی گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے اس کو کچھ چوٹیں ضرور آئیں۔ ابن تومرت تو اپنے چیلوں کے ساتھ وہاں سے اپنا کام دکھا کر چل دیا اور لوگوں نے شہزادی کو زخمی حالت میں محل تک پہنچایا۔ یہ خبر بڑی ہی اہم خبر تھی چند ساعتیں ہی گزری تھیں کہ ہر طرف ابن تومرت کے اس فعل کا چرچا ہونے لگا۔ کچھ لوگ اس کی کھلے عام مخالفت کر رہے تھے مگر اسلام پسند بزرگ اس کی تعریفیں کر رہے تھے کہ اس نے شریعت کی پاسداری کے لیے اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال دیا۔

علی بن یوسف کو جب یہ اطلاع ملی تو اس نے بن تومرت کو دربار میں طلب کر کے کہا اے نو وارد شخص کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم نے یہ کیا ہنگامہ آرائی مچا رکھی ہے۔ ابن تومرت نے اس کو جواب میں کہا کہ اے امیر المسلمین ! میں تو ایک مسکین شخص ہوں اور آخرت کا طلب گار ہوں۔ میرا مطمع نظر تو امر بہ المعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اگرچہ یہ ہر مسلمان کا فرض اولین ہے۔ مگر اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے۔

یقیناً بروز قیامت آپ سے اس کے بارہ میں ضرور سخت باز پرس کی جائے گی۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ آپ کی حکومت میں منکرات اور بدعات کی وباء سی پھیلی ہوئی ہے۔

Marfat.com

اس لیے آپ پر یہ فرض ہو چکا ہے کہ آپ احیائے سنت کا فریضہ ادا کریں اور بدعات کو مٹا دیں۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے تارکین اور معروف اور نہی منکر کے حق میں فرمایا ہے کہ (ترجمہ) اس برائی سے جس کے وہ مرتکب ہوتے تھے ایک دوسرے کو روکتے نہ تھے ان کا فعل تو بہت ہی برا تھا۔

امیر المسلمین ابن تومرت کے ان الفاظ سے از حد متاثر ہوا۔ ابن تومرت کی تمام باتیں ہی درست تھیں پھر بھلا ایک بیدار مغز حکمران انہیں کیونکر تسلیم نہ کرتا۔ علی بن یوسف نے اسی وقت حکم دیا کہ تمام بڑے بڑے اصحاب حدیث اور فقہاء کو جمع کیا جائے۔ اب علی بن یوسف کا مقصد کچھ اور تھا مگر یہاں مسئلہ ہی اور بن گیا۔

علماء نے اس موقع کا بہت دنوں تک انتظار کیا تھا۔ ایک عالم دین قاضی محمد اسود نے ابن تومرت کو مخاطب کرتے کہا۔ ''اے شخص! کیا یہ بات درست ہے کہ تم امیر المسلمین کو برا بھلا کہتے پھرتے ہو۔ جب کہ امیر المسلمین تو عدل گستر، رعایا پرور، نیک نفس، تقویٰ اور احکام الٰہی کا پابند ہے۔''

ابن تومرت بھی اس قسم کے سوالوں کے لیے خود کو تیار کیے بیٹھا تھا۔ اس نے کہا ''ہاں واقعی میں نے امیر المسلمین کے خلاف ایسے کلمات ضرور ادا کیے ہیں۔ اب یہ سوال کہ علی بن یوسف کیا واقعی متقی اور پرہیز گار ہے یا نہیں تو میں اس کو ہرگز ایسا تسلیم نہیں کرتا۔ کیا اس حکمران کو متقی و پرہیز گار تسلیم کر لیا جائے جس نے تمہاری باتوں کا یقین کر لیا۔ وہ تو تمہاری جوابدہی اس سے ہوگی۔ بروز قیامت وہ یہ کہہ کر تو بچ نہیں پائے گا کہ اس کو معلوم نہ تھا۔

اس کے بعد ابن تومرت نے قاضی محمد بن اسود کو مخاطب کر کے کہا'' اے قاضی! کیا آپ یہ بات نہیں جانتے کہ ایک اسلامی حکومت میں خنزیر آزادی سے گھوم پھر رہے ہیں۔ سر عام شراب فروخت ہوتی ہے۔ یتیموں کے مال کو دیدہ دلیری کے ساتھ ہڑپ کیا جا رہا ہے۔ سینکڑوں بیوائیں بھوکی مر رہی ہیں۔'' اس کی یہ باتیں حقیقت پر مبنی تھیں جن کا اثر علی یوسف پر حد درجہ ہوا۔

اس نشست کے بعد دربار سے ابن تومرت کو جانے کی اجازت دے دی گئی مگر علماء کے لیے اب نیا مسئلہ بن گیا کہ اس کی باتوں سے کیسے خود کو بچایا جائے۔ وزیر

Marfat.com

اعظم مالک بن وہب نے علی بن یوسف سے کہا کہ اِس شخص کی باتوں سے بغاوت کی بو آتی ہے چنانچہ اس کی طرف سے آنکھیں بند کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر اس کا قتل قرین مصلحت ہے تو اس کو فوراً گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا جائے۔ وگرنہ یہ حکومت کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔

اسی قسم کے مشورے دیگر امراء نے بھی دیئے مگر علی بن یوسف نے کسی کا مشورہ قبول نہین کیا اور کہا کہ وہ کسی عالم دین کے قتل میں ملوث ہونا پسند نہیں کرتا۔ اس نے حکم دیا کہ ابن تومرت فوراً مراکش سے چلا جائے اور اپنے ساتھ اپنے پیروکاروں کو بھی لے جائے اس کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔

ابن تومرت اپنے عقیدت مندوں کے ہمراہ مراکش سے نکلا اور مراکش کے ایک چھوٹے سے شہر اغمات میں جا پہنچا۔ اس شہر کے ایک رئیس کے ساتھ اس کی دوستی ہوگئی۔ اس نے ابن تومرت کو یہ مشورہ دیا کہ اگر وہ حکومت وقت کے خلاف کچھ کرنا چاہتا ہے تو پھر اسے مراکش سے چلا جانا چاہیے اور اس کے لیے موزوں ترین مقام ایک کوہستانی قصبہ ہے جو کہ چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ اور اس جگہ سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے۔

ابن تومرت نے پوچھا کہ اس قصبہ کا نام کیا ہے۔ بتلایا گیا کہ اس کا نام تین مل ہے۔ یہ سن کر تو ابن تومرت کی جیسے مراد برآئی۔ عبدالمومن تو اس کو مل ہی چکا تھا اور اب تیمل بھی اس کو حاصل ہو رہا تھا۔ یہی نام تو اس کو علم الجفر کے ذریعہ حاصل ہوئے تھے اور انہی کی تلاش میں تو وہ عرصہ دراز در بدر بھٹکتا تھا۔

جب ابن تومرت اس قصبہ میں اپنے عقیدت مندوں کے ہمراہ وارد ہوا تو وہاں کے لوگوں نے ان تمام لوگوں کی ان کے حلیوں کی وجہ سے بہت زیادہ عزت وتکریم کی۔ لوگ جوق در جوق اس کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے لگے۔ صرف چند روز میں اس کے پاس ایک بہت بڑی جمعیت جمع ہوگئی۔ اس کی کامیابی کی دلیل یہ کہی جاتی ہے کہ بہت ہی جلد قبیلۂ المصامدہ کے تمام سرداروں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

لوگ اس کی تقریروں کو بڑی ہی دل جمعی کے ساتھ سنتے اور اس کی ہر بات کو صدق دل سے تسلیم کرتے۔ اس نے بہت ہی کم عرصہ میں اپنے چند شاگرد تیار کر لیے

Marfat.com

جنہیں اس نے مبلغین بنا کر دوسرے شہروں میں روانہ کر دیا۔ ان مبلغین نے تمام شہروں میں یہ بات بڑی کامیابی کے ساتھ پھیلائی کہ بہت ہی جلد امام مہدی کا ظہور ہونے والا ہے۔ اب لوگوں کے دلوں میں یہ اشتیاق بڑھتا ہی جا رہا تھا دیکھیں کب امام موصوف کا ظہور ہوتا ہے۔

ابن تومرت نے جب دیکھا کہ لوگوں کو اس کے مبلغین نے ظہور مہدی کے سلسلہ میں اچھی طرح تیار کر لیا ہے تو ایک روز اس نے قصبہ کی جامع مسجد میں اپنے مریدوں کے جم غفیر کے سامنے مہدی ہونے کا اعلان کرتے ہوئے کہا "اے لوگو! سن لو کہ میں وہی محمد بن عبد اللہ المعروف مہدی ہوں جس کے ظاہر ہونے کی صدیوں پہلے جناب رسول کریم ﷺ نے بشارت دی تھی۔ میرے سوائے کوئی ایسا نہیں ہے جس کی ذات پر احادیث مہدی صادق آ سکیں۔"

اس کے عقیدت مند تو ایک عرصہ سے اسی بات کا انتظار کر رہے تھے انہوں نے خوشی خوشی اس کی بیعت کرنا شروع کر دی۔ لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس قصبہ کے ہر فرد نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس بیعت کا چرچا کچھ اس انداز میں کیا گیا کہ اردگرد کے تمام قبائل اس کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ صرف چند سو کے قریب ہی لوگ ایسے تھے جنہوں نے اس کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس قدر اکثریت میں بھلا ان کی حیثیت ہی کیا تھی۔

ابن تومرت نے ان لوگوں سے کہا کہ وہ ان لوگوں سے اس چیز پر بیعت لیتا ہے جس پر رسول کریم ﷺ نے اپنے اصحاب سے بیعت لی تھی۔ اس کے بعد اس نے اپنے ارادت مندوں کی تربیت کے لیے بہت سی چھوٹی چھوٹی کتابیں بھی تحریر کیں۔ ابن تومرت نے اپنے ارادت مندوں کو واحدین کا خطاب دے رکھا تھا۔ اس کے تمام ارادت مند بھی خود کو فخریہ انداز میں واحد کہلاتے تھے۔

ابن تومرت نے اپنے ارادت مندوں کی دس جماعتیں بنائی تھیں۔ ان میں سب سے افضل جماعت کا درجہ اس نے ان لوگوں کو دے رکھا تھا جنہوں نے اس کی فوراً حمایت کی تھی۔ انہیں ابن تومرت مہاجرین کے لقب سے یاد کرتا تھا۔ دوسرے درجہ پر اس نے اس جماعت کو رکھا تھا جو اس کو شروع سے ہی مہدی تسلیم کرتے تھے اس جماعت کو

Marfat.com

اس نے الجماعت کا نام دیا تھا۔ اسی طرح وہ ایک جماعت کو مومنین کی جماعت بھی کہتا تھا۔ دراصل اس نے مختلف قبیلوں کو باہم ملا کر جدا جدا جماعتیں قائم کردی تھیں۔

اس نے ان لوگوں کو یقین دلا رکھا تھا کہ تم ہی وہ جماعت ہو کہ سطح زمین کے اوپر تمہارے برابر کوئی شخص کامل ایمان نہیں ہے۔ تم ہی تو وہ جماعت ہو جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں خبر دی تھی کہ میری امت کا ایک نہ ایک گروہ حق کی حمایت میں قتال کر کے غالب رہے گا اور اس کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ یہاں تک کہ امر الٰہی آپہنچے۔ تم ہی وہ جماعت ہو جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کانے دجال کو قتل کرائے گا۔ تم ہی تو وہ امیر ہو جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی سی عبادت کرتا ہے۔

انہی باتوں کی وجہ سے لوگوں کو اس کے ساتھ عقیدت ہوتی چلی گئی اور وہ تمام لوگ اس کی اقتداء میں خود کو سب سے افضل خیال کرنے لگے۔ دھیرے دھیرے وہ لوگ ابن تومرت کے اس قدر گرویدہ ہوگئے کہ اب اس کے مقابلہ میں کوئی بھی رشتہ ان کے نزدیک اہمیت کا حامل نہ تھا۔ ان کے نزدیک تو اول و آخر ابن تومرت اور اس کا ہر حکم تھا۔

ابن تومرت جن دنوں ملالہ کے مقام پر عبدالمومن سے ملا تھا اسی زمانہ میں ہی اسے عبداللہ ونشریسی نامی ایک صاحب علم و دانش شخص ملا تھا۔ کتاب الاستقصاء میں اس شخص کا نام ابومحشر بشیر ونشر تحریر کیا گیا ہے۔ مگر عام طور پر تاریخی کتب میں عبد اللہ ونشریسی ہی زیادہ تحریر کیا گیا ہے۔ نام خواہ کچھ بھی ہو اس بات کو سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ شخص بڑا ہی فصیح و بلیغ شخص تھا۔ یہ شخص قرآن کریم اور موطا امام مالک دونوں کا ہی حافظ تھا۔

اس کی ذہانت کو دیکھ کر ابن تومرت بہت خوش ہوا کرتا تھا۔ وہ اس کی ذہانت اور عقل مندی سے کوئی بہت بڑا کام لینا چاہتا تھا۔ ابن تومرت نے جو کچھ بھی خود کو منوانے کے لیے کہا تھا وہ سب کچھ عبداللہ ونشریسی کے سامنے تھا۔ یعنی عبد اللہ و نشریسی اب اس کا ہر طرح سے محرم راز بن چکا تھا۔ اب ابن تومرت نے اس کو یہ حکم دیا کہ اس وقت تک وہ اپنی حرکات کو روکے رکھے جب تک کہ ابن تومرت اس سے نہ کہے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

Marfat.com

ابن تومرت کے کہنے کے بعد صورت حال یہ ہوگئی کہ جب وہ لوگوں کے درمیان گھومتا پھرتا تھا تو لوگ اس کو گونگا اور پاگل دیوانہ خیال کرتے تھے۔ اس کا لباس پھٹا پرانا اور میلا کچیلا ہوتا تھا۔ یہ شخص کچھ ایسے حلیہ میں لوگوں کے درمیان پھرتا چلتا تھا کہ کوئی بھی شخص اس کے پاس پھٹکنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔

ابن تومرت کی اولین خواہش یہی تھی کہ اردگرد ایسا علاقہ نہ رہے جس میں رہنے والے اس کی مہدیت کا اقرار نہ کریں۔ چنانچہ ایک روز اس نے عبداللہ سے کہا کہ اب تمہارے کمال اور تمہاری فنکاری دکھانے کا وقت آن پہنچا ہے۔ اس نے عبداللہ کو تمام کہانی اچھی طرح سمجھا دی اور بہت ہی عمدہ لباس بھی مہیا کیا۔

ایک روز نماز فجر کے وقت لوگوں نے دیکھا کہ ایک نہایت باوقار شخص بہت ہی اعلیٰ درجہ کے لباس میں ملبوس مسجد کی محراب کے قریب کھڑا تھا۔ مشعلوں کی روشنی میں اس کا سراپا ایک الگ ہی شان دکھا رہا تھا۔ جب کہ اس کے لباس سے اٹھنے والی خوشبو لوگوں کے دلوں کو گرما رہی تھی۔ جب ابن تومرت نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں آیا تو اس نے یہ تاثر دیا کہ وہ بھی اس شخص کو دیکھ کر حیران ہوا ہے اور پہچان نہیں پایا۔

اسی اثنا میں نماز فجر کا وقت ہوگیا۔ چنانچہ نماز کی ادائیگی کے بعد لوگ اس نووارد کے گرد جمع ہوگئے اور ایک شخص نے اس کو مخاطب کر کے کہا کہ جناب عالیٰ! آپ کیا یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ ہم نے تو آپ کو آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

عبداللہ ونشریسی نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ''نہیں اے نیک لوگو! آپ سب تو مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ میں تو ایک عرصہ آپ کے درمیان رہا ہوں۔ میرے بھائیو! عبداللہ ونشریسی میں ہوں۔'' وہ لوگ بڑے حیران و ششدر ہوئے اور ان میں سے ایک شخص نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے بڑی مشکل سے کہا'' یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب عالیٰ۔ آپ تو یقیناً گونگے اور مجنون تھے پھر یہ یکایک کیا تبدیلی رونما ہوگئی کہ آپ اچھا خاصا بول بھی رہے ہیں اور صاحب عقل وفہم بھی دکھائی دے رہے ہیں۔

عبداللہ نے اس کی یہ بات سنی تو اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا۔ ''جی

Marfat.com

ہاں! یہ بات تو بالکل درست ہے میں تو واقعی ایک پاگل دیوانہ ہی تھا۔ یقیناً مجھے ہوش بھی نہ تھا مگر آج رات جب میں سویا تو مجھے ایک فرشتہ نے آ کر اٹھایا اور اس نے میرا سینہ چاک کر کے اس کے اندر سے تمام تر کثافتیں دور کر کے مجھے فرشتوں کی طرح معصوم اور پاک کر دیا اور میرے سینہ میں علوم وفنون اور حکمت و دانائی سے بھر دیا۔ میرے محترم نیک لوگو واقعی میں تو کل تک ایک پاگل دیوانہ ہی تھا۔ مگر آج ایک عالم فاضل کے روپ میں آپ کے سامنے موجود ہوں۔ آج جو شخص آپ کے سامنے آیا ہے وہ کلام اللہ شریف اور موطا امام مالک کا حافظ ہے۔

اس کی یہ باتیں سن کر ابن تومرت نے خود پر ایسی کیفیت طاری کی کہ جیسے اس کو خود پر کنٹرول ہی حاصل نہیں رہا۔ اس کی ہچکی بندھ چکی تھی۔ اس نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے رک رک کر بولنا شروع کیا کہ ”میں کس زبان سے ارحم الراحمین کا شکریہ ادا کروں کہ اس نے میری جماعت میں ایسے ایسے برگزیدہ لوگ بھی پیدا فرمائے ہیں کہ جن پر آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینۂ مبارک چاک کر کے علوم و حکمت سے بھر دیا گیا تھا اسی طرح اس عاجز کی جماعت کے بھی ایک فرد کا سینہ چاک کر کے اس میں بھی علوم و حکمت بھر دیئے گئے۔

اس کے بعد ابن تومرت نے لوگوں سے کہا کہ وہ عبداللہ سے سوالات کر کے اپنی تسلی کر لیں۔ چنانچہ ایک شخص نے یہ پوچھا کہ آپ اپنی باتوں کی سچائی کس طرح ثابت کریں گے۔ اس کے بعد اس نے قرآن کریم کی چند سورتیں بڑی اچھی قرأت کے ساتھ سنا کر سب کو حیران کر دیا۔ اس طرح اس نے موطا امام مالک بھی نہایت فراوانی کے ساتھ سنا دی۔ اس کے بعد سب لوگ اس سے متاثر ہو گئے اور اس واقعہ کو ابن تومرت کا معجزہ کہنے لگے۔

کچھ دیر کے بعد جب کہ صبح نمودار ہو چکی تھی تو ابن تومرت نے عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے دریافت کیا اے بلند مرتبہ شخص یہ تو بتاؤ کہ تیرا میرے بارہ میں کیا خیال ہے۔ میں تیری نظر میں سعید ہو یا میں شقی ہوں۔ عبداللہ نے بڑی عقیدت و

Marfat.com

احترام سے جواب دیا کہ ''اے میرے محترم! آپ تو یقیناً مہدی قائم بامر اللہ ہیں۔ جو بھی آپ کی پیروی کرے گا وہ سعید ہوگا اور جو بھی مخالفت کرے گا وہ ہی شقی القلب اور جہنمی ہوگا۔''

کچھ دیر کے بعد نشریسی نے پھر کہنا شروع کہا کہ ''واجب العطایا نے حضور کے تصدق سے اس خاکسار کو ایک اور بھی نعمت عطا کی ہے۔'' ابن تومرت نے پوچھا کہ ''اے عبد اللہ! یہ تو بتا کہ وہ کیا نعمت عطا ہوئی ہے۔'' وہ کہنے لگا کہ جناب عالیٰ! آپ کے اس غلام کے باطن میں ایک ایسا نور ودیعت کیا گیا ہے کہ جس سے یہ خاکسار جنتیوں اور دوزخیوں کو فوراً ہی پہچان لیتا ہے۔ اللہ کریم نے یہ نور عطا فرماتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ میں دوزخیوں کو پہچان پہچان کر دوزخ میں پہنچا دوں۔ اس سلسلہ میں میری تصدیق کے لیے تین فرشتے بھی مقرر فرمائے ہیں جو کہ اس وقت بھی کنویں میں موجود ہیں۔ آپ اگر چاہیں تو اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔

وہاں موجود تمام لوگ ہی اس کنویں کو دیکھنے کے لیے حد درجہ بیتاب تھے۔ مگر ابن تومرت نے وہاں جانے کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا۔ اب یقیناً ابن تومرت کے ساتھ تو عبد اللہ کا کوئی رابطہ نہیں ہونا تھا وگرنہ لوگوں کو شک ہو جاتا کہ یہ ان دونوں کی ملی بھگت ہے۔ اب تمام تر کام تو خود ابن تومرت ہی نے سر انجام دینا تھے۔ اس نے اپنے تین مرید اس کام کے لیے پہلے ہی تیار کر لیے تھے۔ ان تینوں نے کنویں کے اندر اپنے بیٹھنے کے لیے جگہ بھی بنالی تھی جہاں ان کے لیے کھانے پینے کی اشیاء بھی تھیں۔ کیونکہ یہ احتمال تھا کہ انہیں وہاں کئی روز تک رکنا پڑ سکتا تھا۔

ابن تومرت نے ایک فہرست ان لوگوں کی پہلے ہی تیار کروا لی تھی جو لوگ اس کی مہدیت سے انکار کرتے تھے یا ابن تومرت کی مخالفت میں بولتے تھے۔ مقررہ وقت پر ہزارہا افراد ابن تومرت کے ہمراہ کنویں پر گئے۔ یہ کنواں ایک وسیع وعریض میدان میں موجود تھا۔ لوگوں کے عجیب وغریب خیالات تھے۔ وہ یہ سوچتے تھے کہ نجانے کنویں کے فرشتے کسی کے بارہ میں کیا کہتے ہیں۔ کون جنت کا حق دار ٹھہرتا ہے اور کون جہنم کا۔

ان سب لوگوں کی قیادت ان کا مہدی کر رہا تھا۔ جب تمام لوگ وہاں پہنچ

Marfat.com

گئے تو ان کے مہدی نے سب سے کہا کہ دو رکعت نماز ادا کریں تمام لوگوں نے جب نماز ادا کر لی تو اس نے کنویں کے فرشتوں سے پوچھا ''اے اللہ کے فرشتو! عبد اللہ بن ونشریسی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جنتی اور دوزخی لوگوں میں فرق جاننے کی قوت عطا کی ہے اور یہ بھی اس کو حکم دیا گیا کہ تمام دوخیوں کو قتل کر دے۔ کیا یہ بات صداقت پر مبنی ہے۔ کیا تم اس کی تصدیق کرتے ہو۔''

یہ کوئی جدید زمانہ تو نہ تھا کہ وہاں پر لاؤڈ اسپیکر وغیرہ لگا دیا جاتا۔ وہاں ایسے بلند آواز کے حامل افراد متعین کر دیئے گئے جو بلند آواز سے وہی الفاظ دہراتے تھے جو کنویں کے فرشتے ادا کرتے تھے۔ فرشتوں میں سے ایک ایک فرشتہ نے الگ الگ کہا کہ ''اے مہدی! عبد اللہ تو نہایت سچا شخص ہے۔ اس کی ہر بات سچ ہے۔'' یہ سن کر تمام لوگوں کا اعتقاد اور بھی پختہ ہو گیا۔

اب ان نالائقوں کے مہدی نے یہ سوچا کہ اگر یہ تینوں خود ساختہ فرشتے کنویں سے باہر آ گئے تو پھر کبھی نہ کبھی اس کا راز ضرور فاش ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے اپنا راز ختم کر دینے کا نہایت سفاکانہ فیصلہ کر لیا۔ اس نے کنویں سے ذرا دور ہٹ کر اپنے لوگوں سے کہا کہ یہ چونکہ مقدس و متبرک کنواں ہے۔ اب اس میں پانی نکالنا اس کی بے حرمتی خیال کی جائے گی چنانچہ اس کنویں کو فوراً ہی بند کر دیا جائے۔ اس کے کہنے کی دیر تھی کہ ہزاروں افراد نے ہر وہ چیز اس کنویں میں ڈال دی جو ان کے ہاتھوں میں آئی۔ صرف چند لمحات میں وہ کنواں اوپر تک بند ہو چکا تھا۔ کنویں کے فرشتوں کو اگر اس کی بھنک بھی پڑ جاتی تو وہ یقیناً اپنی جانیں بچانے کی فکر ضرور کرتے مگر یہ سب کچھ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

کنواں بند کرنے کے بعد اب ابن تومرت کے ساتھ عبد اللہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے ابن تومرت کے عقیدت مندوں کو اپنے دائیں جانب کھڑا ہونے کا حکم دیا اور مخالفوں کو ان کے ناموں سے پکار پکار کر بائیں جانب کھڑا کر دیا۔ وہاں پر موجود جس قدر بھی ابن تومرت کے مخالف موجود تھے اسی وقت قتل کر دیئے گئے۔ اب یہ ہوتا کہ روزانہ ایک قبیلہ پورے کا پورا طلب کیا جاتا اور اس میں سے چن چن کر مخالفوں کو قتل کر دیا جاتا۔ یہ مکروہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا اور اس دوران

Marfat.com

کئی ہزار اہل ایمان کو شہید کر دیا گیا۔ اسی طرح اس کے عقیدت مندوں پر اس کی اور بھی دہشت قائم ہوگئی۔

اپنے مخالفین کا قتل عام کروانے کے بعد ابن تومرت نے اب یہ کام شروع کر دیا کہ مسلمان حاکموں کے خلاف زہر آلود پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ آئے دن وہ ان پر نت نئے الزامات عائد کر دیتا۔ اس نے کچھ عرصہ تو یہی کچھ کیا اور پھر یہ کہنا شروع کر دیا کہ اب ان حاکموں کی اطاعت قطعاً حرام ہے اور ان کیخلاف جہاد بالسیف فرض ہو چکا ہے۔ اس نے یہ کہا کہ جو اس دین پر اپنی جان دے گا ہر صورت میں جنت کا حق دار قرار پائے گا۔

ابن تومرت نے اب جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ اب تو اس کے پاس اچھی، خاصی جمعیت بھی اکٹھی ہو چکی تھی۔ اس نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اس نے امیر المسلمین کے ان غلاموں کو قتل کروا دیا جو کہ مختلف ریاستوں میں خراج کا مال جمع کرنے کے لیے جاتے تھے۔ ان کے بچے کھچے ساتھیوں نے واپس جا کر علی بن یوسف کو یہ اطلاع دی کہ جس ابن تومرت کو یہاں سے بے دخل کیا گیا تھا اسی نے اب طاقت حاصل کر کے یہ قدم اٹھایا ہے۔

علی بن یوسف کو اب اس بات پر افسوس تھا کہ اس نے وزیر اعظم کے مشورے پر عمل کیوں نہ کیا۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ اس نے ایک فوج کو ابن تومرت کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا۔ ابن تومرت بھی جانتا تھا کہ علی بن یوسف ضرور یہ قدم اٹھائے گا چنانچہ اس نے پہاڑوں پر اپنے لوگ بٹھا دیئے تاکہ جب اسلامی فوج آئے تو وہ لوگ ان پر اچانک بڑے بڑے پتھر لڑھکا دیں۔

اسلامی فوج کو یہ توقع تو تھی کہ عین ممکن ہے کہ ابن تومرت کی فوج کے ساتھ مڈبھیڑ ہو سکتی ہے۔ مگر انہیں اس قسم کی بزدلانہ کاروائی کی توقع نہ تھی۔ جیسے ہی اسلامی لشکر ان پہاڑوں کے درمیان پہنچا اس پر چاروں طرف سے پتھر برسنا شروع ہوگئے۔ بہت ہی کم اس لشکر کے شرکاء تھے جو کہ بچ کر علی ابن یوسف کے پاس پہنچے اور انہوں نے اس اندوہناک واقعہ کی اطلاع پہنچائی۔

اس فتح نے جو کہ ہرگز فتح نہیں کہی جا سکتی۔ موحدین کے حوصلوں کو جلا

Marfat.com

بخشی۔ اب ابن تومرت نے دارالحکومت پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک بہت بڑا لشکر اس نے جمع کیا اور اس کا امیر عبدالمومن کو بنا دیا۔ اس کی خبر دارالحکومت پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ علی بن یوسف نے تجربہ کار فوج کو اپنے بیٹے ابو بکر کی سرکردگی میں مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ عبدالمومن نے پہلے تو اسلامی فوج کو یہ دعوت دی کہ وہ مہدی کو تسلیم کریں جب وہ نہ مانے تو انہیں خوفناک جنگ سے ڈرایا۔

اب جنگ ناگزیر تھی۔ بلا شبہ موحدین کے حوصلے بلند تھے مگر سرکاری فوج بھی کچھ کم حوصلہ مند نہ تھی۔ بہت ہی خونریز جنگ کے بعد آخر کار موحدین کو شکست فاش ہوئی اور عبدالمومن صرف چند ساتھیوں کے ساتھ جان بچانے میں کامیاب ہوا۔ یہ لوگ جب ابن تومرت کے پاس پہنچے تو اس نے انہیں حوصلہ دیا اور کہا کہ جنگ میں فتح اور شکست تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ مگر یاد رکھو کہ آخری فتح تمہاری ہی ہوگی۔

یہ شخص اسلامی معاشرہ میں بدترین فتنہ پھیلا کر آخر کار ایک روز کسمپرسی کی موت مر گیا۔ اس جنگ کی وجہ سے اس کی جمعیت ٹوٹ چکی تھی اور اندرونی طور پر ابن تومرت مایوس تھا۔ اسی پریشانی کے عالم میں اس کی موت واقع ہوئی۔

اس کی موت کے بعد عبدالمومن نے اس کا مشن سنبھالا۔ اس نے ایک طویل کاوش کے بعد لشکر جرار جمع کیا اور 534 ھ مراکش پر قابض ہوگیا۔ 540 ھ میں اس نے اسپین پر بھی قبضہ کر لیا۔ اب اس کے زیرنگیں اندلس تا مراکش تمام علاقے تھے۔

عبدالمومن نے امیر المومنین کا خطاب اختیار کیا۔ اس نے 558 ھ میں وفات پائی۔ اس نے اپنی زندگی میں سینکڑوں جنگیں لڑیں اور فتح یاب ہوا۔ سینکڑوں شہروں کو اس نے تاراج کیا۔ اس کی نسل نے تقریباً سوا سو سال تک حکومت کی۔

لعنت اللہ علی الکاذبین

☆۞......۞☆

Marfat.com

بہاء اللہ نوری

اس شخص کا اصلی نام تو مرزا حسین علی تھا جب کہ اس نے شہرت بہاء اللہ نوری سے حاصل کی تھی۔ یہ شخص جس نے ایک زمانہ میں حد درجہ شہرت حاصل کر لی تھی۔ 1817ء بمطابق 1233 ھ میں ایران کے علاقہ مازندائی کے موضع نور میں پیدا ہوا۔ تاریخ میں اس کے بچپن یا جوانی کے بارہ میں کوئی بھی بات درج نہیں ہے۔

ابتداء میں بہاء اللہ نوری بھی ایک عام بابی تھا۔ جب ایران کے بادشاہ ناصر الدین شاہ پر قاتلانہ حملہ کرنے والوں کو گرفتار کیا گیا تو ان میں بہاء اللہ بھی شامل تھا۔ بہاء اللہ دراصل شاہ پر حملہ کے وقت تہران سے ایک منزل کے فاصلہ پر موضع افچہ میں موجود تھا۔

صبح ازل بھی ایک بابی تھا اور اس کو علی باب نے اپنا جانشین مقرر کردیا تھا چنانچہ اب ایران سے بابیوں کے قافلے بغداد میں آ رہے تھے۔ اب تمام بابی صبح ازل کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ صبح ازل کے پاس پہنچ کر بہاء اللہ کو اپنی جان کی فکر نہ رہی بلکہ وہ فوری طور پر اپنے چھوٹے بھائی کا ہی خدمت گزار بن گیا۔ اس صورت حال کے مطابق اس کا ایک اچھا قدم تھا۔ مگر اپنے چھوٹے بھائی کی حد درجہ مقبولیت نے اس کے دل میں بھی حصول شہرت کی آگ سے لگا ڈالی۔

بہاء اللہ ہر وقت کچھ ایسا کام کرنے کے منصوبے تیار کرتا رہتا جو اسے شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دیتے مگر ابھی تک اسے کوئی راہ نہیں سوجھی تھی۔ اسی دوران اسے بابیوں کی جماعت ہی میں ایک بابی مل گیا جو اس کا بے دام غلام بننے پر گویا تیار ہی بیٹھا

Marfat.com

ہوا تھا۔ اس شخص کا نام تو نجانے کیا تھا مگر اسے سب لوگ مرزا آقا جان کاشانی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اس شخص نے غالباً بہاء اللہ کو یہ ترغیب دی کہ وہ خود کو خدا کی طرف سے بھیجا ہوا کہہ کر لوگوں سے اپنا تعارف کروائے۔

دھیرے دھیرے بہاء اللہ بھی خود کو مامور من اللہ ہی خیال کرنے لگا۔ جب اس نے خود کو اچھی طرح یہ یقین دلا دیا تو ایک روز اس نے کچھ لوگوں کو اپنے ہاں مدعو کر کے یہ اعلان کر دیا کہ وہی تمام اقوام کا موعود اور نجات دہندہ ہے۔ بابیوں کے بڑوں نے اس کو ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ کسی طرح اس دعویٰ سے باز آ جائے کہ مگر اس پر تو گویا بھوت سوار تھا۔

یہ بات جب پھیلی تو بہاء اللہ کے بھائی اور بابیوں کے امام صبح ازل نے بہاء اللہ کو اپنے پاس طلب کیا اور اسے بتایا کہ علی باب نے بڑی وضاحت سے یہ تحریر کر دیا کہ جب میرا مذہب اطراف و اکناف ملک میں ہر جانب پھیل جائے گا اور میرے پیرو کار حکومت سنبھالیں گے۔ اس کے بعد ہی ''من یظھرہ اللہ '' ظہور کرے گا۔ صبح ازل نے کہا کہ ان باتوں میں کوئی بھی بات پوری نہیں ہوئی۔ چنانچہ تمہارا یہ دعویٰ بالکل ہی جھوٹا اور بے بنیاد ہے۔ صبح ازل کی یہ باتیں بھی بہاء اللہ کو اپنے دعویٰ سے باز نہ رکھ سکی۔ اسی دوران تمام بابیوں کو بغداد سے قسطنطیہ روانہ ہونے کا حکم صبح ازل نے دے دیا۔

صرف چار ماہ کے بعد ہی تمام بابیوں کو قسطنطیہ سے '' اور نہ'' چلے جانے کا حکم دے دیا گیا۔ یہاں پہنچ کر اب بہاء اللہ نوری نے اسلامی اور غیر اسلامی ریاستوں میں اپنے دعویٰ کو تحریری طور پر پھیلانا شروع کر دیا۔ اس نے محض '' من یظھرہ اللہ '' ہونے کا ہی دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ اس نے تو یہ بھی کہنا شروع کر دیا تھا کہ اس میں خدا کی روح حلول کی گئی ہے۔

اس نے اس قدر شاندار انداز میں اپنے دعوؤں کی تشہیر کی کہ بابیوں کی اچھی خاصی جماعت اس کی بھی ارات مند بن گئی۔ یہ ایک خطرناک بات تھی کہ ایک ہی مقام پر بابیوں کے دو گروہ بن چکے تھے۔ جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں۔ چنانچہ جلد ہی بہاء اللہ اور صبح ازل کے درمیان بھی چپقلش شروع ہو گئی۔

Marfat.com

چھوٹے موٹے جھگڑوں کے بعد نوبت قتل و غارت تک آن پہنچی۔ بہائیوں نے اپنے دشمنوں کو ختم کرنے کے لیے ایک فہرست صبح ازل کے بڑے بڑے حامیوں کی تیار کی۔ اس سلسلہ میں بہائیوں نے مُلا رجب علی قاہر کو بغداد میں قتل کیا اور بغداد میں حاجی مرزا احمد اور حاجی مرزا احمد رضا کے علاوہ بہت سے دوسرے بابیوں کو ہلاک کر دیا۔

بہاء اللہ نے اپنے سگے بھائی کو بھی اپنے راستہ سے ہٹانا ضروری خیال کیا۔ اس سلسلہ میں اس نے پہلی مرتبہ تو یہ کوشش کی اس نے صبح ازل کی دعوت کی اور اپنے خدام کو سمجھا دیا کہ جو کھانا صبح ازل کو پیش کیا جائے اس میں زہر ملا دیا جائے۔ مگر صبح ازل خطرہ بھانپ گیا اور اس نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ مگر اسی کھانے کو خود بہاء اللہ نے کھا لیا اور جب اس پر زہر خورانی کے اثرات ظاہر ہونے شروع ہوئے تو اس نے یہ الزام لگا دیا کہ اسے صبح ازل نے زہر کھلانے کی کوشش کی۔

اس کے بعد اس نے دوسری مرتبہ یہ کوشش کی کہ صبح ازل کے حجام کو اچھی خاصی رقم دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ جب وہ صبح ازل کی داڑھی تراشنے جائے تو اس کے گلے کے بال استرے سے صاف کرتے وقت اس کے حلق پر استرا چلا دے۔ صبح ازل نے اس خطرہ کو بھی بھانپ لیا اور حجام نے شکل دیکھتے ہی دور سے اس کو واپس چلے جانے کا کہہ دیا۔ دوسری تدبیر بھی ناکام ہوتے دیکھ کر بہاء اللہ نے ''اورنہ'' سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیا۔

بہاء اللہ نے اب ''اورنہ'' کے قریب ہی ایک علاقہ میں قیام کر لیا۔ اسی دوران اس نے اپنے دو بہائیوں کو قسطنطنیہ کی طرف روانہ کیا کہ وہ وہاں پر گھوڑوں کو فروخت کر کے صبح ازل کے خلاف کوئی تحریری ثبوت حاصل کر کے لائیں۔ مگر اس نے اورنہ کے حاکم پاشا سے اجازت لینا گوارا نہیں کی۔ پاشائی نے ان دونوں کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا اور تیز رفتار سواروں کو ان کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔

بہاء اللہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے اس کا بدلہ لینے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے کسی طرح پاشا کو یہ خبر پہنچائی کہ صبح ازل کا ایک ایرانی پیروکار آقا جان بیگ قسطنطیہ کی فوج میں شامل ہے اور وہاں پر بابی ازم کی تبلیغ کر رہا ہے۔ چنانچہ پاشا نے آقا جان بیگ کو فوراً گرفتار کروا لیا۔ دوران گرفتاری اس کے پاس سے چند کتابیں بھی برآمد

Marfat.com

ہوئیں جو کہ بابیت کے خلاف ثبوت تھیں۔ اس نے بابی ہونے سے ہی انکار کر دیا چنانچہ اسے چار پانچ دن قید میں رکھنے کے بعد رہا کر دیا گیا مگر اس کی فوج کی نوکری بھی جاتی رہی۔ اب اس نے بہاء اللہ کی حمایت کرنے کا فیصلہ کر لیا مگر اسے بہت ہی جلد بابیوں نے قتل کروا دیا۔

صبح ازل کے خلاف بہاء اللہ نے اب ایک نئی سازش تیار کی۔ اس کے قریبی بہائیوں جن میں مرزا آقا جان اور عباس آفندی شامل تھے کے علاوہ کچھ اور بہائیوں نے ترک عمائدین حکومت کے نام خطوط ارسال کئے جن میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ ہم تیس ہزار کی تعداد میں بابی مذہب کے پیروکار ہیں۔ ہم شہر قسطنطیہ اور اس کے مضافات میں اپنے حلیوں کو تبدیل کر کے قیام پذیر ہیں۔ ہم بہت ہی جلد قسطنطیہ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیں گے۔ اگر سلطان عبدالعزیز اور ان کے وزراء بابی مذہب کو قبول کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ ان سب کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیں گے۔ ہمارا بادشاہ مرزا یحییٰ صبح ازل ہے۔

یہ تمام خطوط حکومت کے اہم اراکین کے ہاتھوں میں کسی طرح پہنچا دیئے گئے۔ حکومت ترکی دراصل بابیوں کے ساتھ مشفقانہ سلوک کر رہی تھی۔ مگر ان خطوط کے موصول ہوتے ہی ان کے خیال میں یکا یک تبدیلی آ گئی۔ اور چونکہ یہ بات طشت ازبام ہو چکی تھی کہ بابیوں کے دو گروہ بن چکے ہیں چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ اب بابیوں اور بہائیوں کو الگ الگ مقامات پر منتقل کر دیا جائے۔ عثمانیہ حکومت کے اعلیٰ احکام نے یہ حکم جاری کیا کہ صبح ازل مع اپنے ارادت مندوں کے ساتھ جزیرۂ قبرص کے شہر ماغوسا میں جا کر قیام پذیر ہو جائے اور بہاء اللہ نوری کو حکم ہوا کہ وہ اپنے ارادت مندوں کے ہمراہ ملک شام کے ایک مقام عکہ میں چلا جائے۔

بطور احتیاط یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ دونوں جماعتوں کے ہمراہ ایک دوسرے کے چار چار اہم اراکین بھی روانہ کئے جائیں یعنی صبح ازل کے چار معتمد ساتھی حاجی سید محمد اصفہانی، آقا جان بیگ کاشانی، میرزا رضا قلی تفرشی اور اس کا بھائی میرزا نصر اللہ تفرشی کو بہاء اللہ کے ہمراہ جانا ہوگا جبکہ بہاء اللہ کے چار معتمد ساتھی مشکیں حکم حراسانی' علی سیاح محمد باقر اصفہانی اور عبدالغفار کو صبح ازل کے ہمراہ جانا ہوگا۔ اس کاروائی کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح دونوں جماعتوں کی خبریں خلافت عثمانیہ کو حاصل ہوتی رہیں گی۔

Marfat.com

یہ ایک احتیاطی تدبیر تھی مگر ابھی دونوں جماعتوں نے اور نہ سے کوچ نہیں کیا تھا کہ بہائیوں نے چپکے سے مرزا نصر اللہ تفرشی کو زہر کھلا کر ہلاک کر دیا۔ صبح ازل کے باقی تین ساتھی بہائیوں کے ساتھ گئے مگر ان کو بھی بہت جلد بہائیوں نے ٹھکانے لگا دیا۔ بہائیوں نے بڑے منصوبے کے ساتھ صبح ازل کے دیرینہ ساتھیوں کو ہلاک کردیا۔ انتہائی مختصر تفصیل یہ ہے کہ آقا سید علی عرب کو تبریز میں ملا رجب علی کو کربلا میں آقا محمد علی اصفہانی ' حاجی ابراہیم اور حاجی مرزا احمد کاشانی کو بغداد میں' حاجی مرزا محمد رضا ' حاجی جعفر تاجر' حسین علی آقا ' ابو القاسم کاشانی اور مرزا بزرگ کرمان شاہی کو مختلف اضلاح میں قتل کردیا گیا۔

کچھ ہی عرصہ کے بعد بہاء اللہ نے 'من یظہرہ اللہ'' کا دعویٰ تو کیا ہی تھا مگر اب اس نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ بھی کر ڈالا۔ اس نے اپنے ارادت مندوں کو ایک وحی سنائی۔ جس کے الفاظ یہ تھے۔

قل یا صلا الفرقان قداتی الموعود الذی و عدتم فی الکتب اتقوا اللہ ولا تتبعو کل مشرک اثیم

ترجمہ: کہہ دو کہ اے گروہ فرقان ! بے شک وہ موعود آ گیا جس کا تم سے کتاب (قرآن) میں وعدہ کیا گیا تھا۔ اللہ سے ڈرو اور کسی مشرک گنہگار کی پیروی مت کرو۔

بہاء اللہ نے اس خود ساختہ وحی کے ذریعہ دراصل صرف اور صرف اہل اسلام کو ہی دعوت دی تھی۔ کیونکہ تمام مذاہب میں صرف مسلمانوں کا ہی یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ چنانچہ بہاء اللہ کی اس خود ساختہ وحی کا مخاطب تو صرف مسلمان ہی تھے۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب بابیوں کی اپنی فتنہ انگیزیوں کے نتیجہ میں ان کا نام ونشان تک ختم ہونے والا تھا۔ مگر بہاء اللہ نے ایران کے بادشاہ کو ایک خط لکھ کر ان کے لیے زندگی کی بھیک طلب کی۔ چنانچہ بابیوں کا خاتمہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔

کیمبرج یونیورسٹی میں فارسی زبان کے پروفیسر ایڈورڈ جی براؤن نے اپنی

Marfat.com

کتاب کے دیباچہ میں تحریر کیا ہے کہ '' مجھے بابی مذہب کے متعلق جاننے کا مدت سے بہت شوق تھا۔ مجھے یہ موقع صفر 1305 ھ بمطابق 1887 ء میں حاصل ہوا جب میں نے ایران کا سفر اختیار کیا تھا۔ میں قریب ایک برس تک ایران کے مختلف شہروں یعنی تبریز، زنجان، تہران، اصفہان، شیراز، یزد اور کرمان کی سیاحت میں مشغول رہا۔ میں نے اس دوران شیعہ بابی اور زرتشتی فضلاء سے ملاقاتیں کیں اور ان کے مذاہب کے بارہ میں ان سے معلومات بھی حاصل کیں۔'

میں نے ایک برس کے بعد برطانیہ کی طرف واپسی کا سفر اختیار کیا۔ اس کے اگلے برس میں نے جزیرہ قبرص اور عکہ شہر کا بھی سفر اختیار کیا۔ میں نے دو حریف بھائیوں یعنی مرزا یحیٰی نوری المعروف صبح ازل کو قبرص میں اور مرزا حسین علی نوری المعروف بہاء اللہ کو شہر عکہ میں دیکھا۔ میں جزیرہ قبرص کے شہر ماغوسا میں تقریباً پندرہ روز تک مقیم رہا۔ میں نے اس دوران روزانہ ہی صبح ازل کے ساتھ ملاقات کی۔ میرا یہ معمول رہا کہ میں روزانہ ظہر سے غروب آفتاب تک اس کے ساتھ مصروف گفتگو رہتا تھا۔

میں نے دیکھا کہ صبح ازل ہر موضوع پر نہایت ہی بے باکی سے گفتگو کیا کرتا تھا۔ مگر جب میں نے اس کے ساتھ بابیوں کے اندرونی اختلاف اور بہائیوں کے ساتھ جھگڑوں کا ذکر کیا تو وہ قدرے محتاط ہو جاتا تھا۔ اکثر ان ملاقاتوں کے دوران اِس کے بیٹے عبد العلی، رضوان علی، عبد الوحید اور تقی الدین بھی بیٹھ جاتے تھے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ چند ہی سال ہوئے ہیں کہ جزیرہ قبرص انگریزوں کی عملداری میں آیا ہے۔ چنانچہ میں نے حاکم جزیرہ کی اجازت سے حکومت کے دفتر پر نظر ڈالی تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ صبح ازل اور اس کے پیروکار یہاں پر جلاوطن ہو کر آئے ہیں۔

قبرص کے شہر ماغوسا میں پندرہ روز قیام کے بعد اب میں نے عکہ شہر کا ارادہ کیا۔ مگر حسب دستور بہائیوں کے پیش کار سے ملاقات کرنے کے لیے مجھے بیروت جانا تھا۔ مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ اگر کوئی بھی شخص بہاء اللہ کے ساتھ ملاقات کا خواہش مند ہو تو پہلے اسے پورٹ سعید اسکندریہ یا بیروت میں بہائی عمال میں سے کسی ایک کے پاس جا کر اس سے اپنی خواہش کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

وہ لوگ اگر اجازت دے دیتے تو پھر ملاقات ہو جاتی وگرنہ بہاء اللہ سے

Marfat.com

ملاقات نہ ہوتی۔ اجازت دینا یا نہ دینا یہ سب کچھ ان کی مرضی پر منحصر ہوتا تھا۔ جب میں بیروت پہنچا تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ بیروت میں کوئی بھی عامل اس وقت موجود نہیں ہے۔ عامل اس وقت بہاء اللہ کے پاس عکہ گیا ہوا تھا۔ مجھے بہت افسوس ہوا کیونکہ اب میرے پاس صرف پندرہ روز ہی رہ گئے تھے۔ میں نے ایک خط اس عامل کے نام لکھا اور ایران بابی دوستوں کا ایک سفارشی خط بھی اس کے ساتھ ہی ارسال کر دیا جو مجھے ایران میں ملے تھے۔

یوں مجھے 22 شعبان 1307ھ کو عکہ جانے کے لیے سفر اختیار کرنا پڑا۔ عکہ کے قریب جب میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ یہ تو بڑا خوبصورت شہر تھا۔ اس میں بڑے بڑے باغات نارنگی اور دوسرے میووں کے تھے۔ عکہ میں میرا قیام دن کے وقت ایک مسیحی تاجر کے ہاں تھا مگر رات میں نے ایک بہائی کے ہاں گزاری۔

دوسرے روز مجھے بلانے کے لیے بہا اللہ نوری کا بڑا بیٹا عباس آفندی جو کہ آج کل عبد البہا کے نام سے مشہور ہے آیا۔ مجھے وہ وہاں سے لے گیا اور مجھے قصر لہجہ میں جو کہ عکہ سے کچھ دور واقع ہے ٹھہرا دیا۔ اس سے اگلے روز بہاء اللہ کا دوسرا بیٹا آیا اور مجھے ساتھ چلنے کو کہا۔ میں اس کے ساتھ چل دیا۔ بہت سے ویرانوں اور گزر گاہوں سے ہوتے ہوئے کہ جن کو نظر تعمق سے دیکھنے کی بھی فرصت نہ تھی ہم ایک نہایت وسیع ایوان میں جس کا فرش سنگ مرمر کا تھا اور اس پر نہایت خوشنما پچی کاری ہوئی تھی' پہنچے۔

مجھے وہاں تک لانیوالا ایک پردہ کے سامنے کچھ دیر تک ٹھہرا رہا تا کہ اپنا جوڑا اتار لوں۔ پردے کو اٹھا کر میں ایک وسیع تالار میں داخل ہوا۔ تالار ان چار ستون کو جھڑکتے ہیں جنہیں زمین میں گاڑھ کر ان پر اس کے تختے جڑ دیئے جاتے ہیں۔ تالار کے گوشہ میں گاؤ تکیہ کے ساتھ ایک نہایت پرشکوہ اور معزز شخص ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے سر پر درویشوں کے تاج کی مانند مگر اس سے بہت اونچی ٹوپی موجود تھی۔ اس ٹوپی کے گرد اس نے ایک چھوٹا سا عمامہ لپیٹ رکھا تھا جس کا رنگ سفید تھا۔

اس کی آنکھیں لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔ اس کی پیشانی کشادہ اور بال سیاہ اور چمک دار تھے اس کی داڑھی سیاہ اور بہت گھنی تھی اور اس کی کمر تک پہنچی ہوئی تھی۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہی شخص بہاء اللہ نوری ہے۔ میں مراسم تعظیم بجا لایا۔ بہاء اللہ

Marfat.com

نے حد درجہ تواضع کے بعد مجھے بیٹھنے کے لیے کہا۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بہاء اللہ مجھے مخاطب کر کے کہنے لگا "الحمد للہ! کہ تم فائز ہوئے۔ تم اس غرض سے یہاں آئے ہو کہ اس مسجون منفی سے ملاقات کرو۔ صلاح عالم اور فلاح اہم کے سوا تو ہماری کوئی بھی غرض و غایت نہیں ہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ ہمارے ساتھ ان مفسدین کا سا سلوک کرتے ہیں جو حبس و طرد کے مستوجب ہوں۔ تمام ادیان کو گویا ایک مذہب ہو جانا چاہیے۔ ہماری یہ آرزو ہے کہ تمام لوگوں کو بھائی بھائی دیکھیں۔ تمام نبی نوع انسان میں دوستی اور اتحاد کا رابطہ مستحکم ہو۔ ان کا مذہبی اختلاف دور ہو۔

ہمیں چاہیے کہ نزاع مرتفع ہو۔ بھلا اس میں عیب کی کون سی بات ہے؟ اگر ہماری یہ خواہش بار آور ہو تو یہ بے کار کے ازم و بے کار اور فضول جھگڑے آج یہ ختم ہو سکتے ہیں۔ کیا تم بھی یورپ میں اس امن و سکون کے محتاج ہو؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس مقصد عظیم کی تلقین نہیں کی۔ بجائے اس کے کہ تمہارے مال و خزانے اصلاح بلاد اور آسائش عباد میں صرف ہوں۔ دنیا بھر کے حکمران ان خزائن کو نوع بشر کی تخریب میں صرف کرتے ہیں۔ ضرورت تو اس کی ہے کہ یہ نزاعیں یہ مصاف آرائیاں یہ خونریزیاں اور اختلافات ختم ہو جائیں۔ تمام لوگ ایک خانوادہ کی زندگی گزاریں۔ کسی بھی شخص کو اس بات پر فخر نہیں کرنا چاہیے کہ وہ وطن ہے بلکہ حقیقی فخر یہ ہے کہ وہ نوع انسانی کو دوست رکھے۔"

اس پہلی ملاقات کے بعد میں وہاں پر پانچ روز تک مقیم رہا۔ اس دوران میں نے اپنے تمام اوقات قصر لہجہ میں خوشی خوشی گزارے۔ میرے ساتھ ہر ممکن طریقہ سے مہربانی کا سلوک روا رکھا گیا۔ اس مدت میں مجھے چار مرتبہ بہاء اللہ کی خدمت میں لے جایا گیا۔ یہ تمام ملاقاتیں ظہر سے قبل ہی ہوا کرتی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ ان ملاقاتوں کے دوران بہاء اللہ کا ایک بیٹا ضرور موجود ہوتا تھا۔ اگرچہ وہ دوران گفتگو کوئی مداخلت نہیں کرتا تھا۔ بس خاموشی سے سنتا تھا۔

پروفیسر براؤن نے چونکہ بابی مذہب پر بہت زیادہ تحقیق کی تھی چنانچہ اس نے بابیوں کے متقدمین اور متاخرین کی تحریرات کا موازنہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ "تاریخ

Marfat.com

میں شاید ہی کوئی ایسا مذہب نظر آئے گا جس کے اندر بابی مذہب کی طرح 69 برس یعنی 1260ھ تا 1329ھ بمطابق 1845ء تا 1912ء کی قلیل مدت میں اس قدر تبدیلیاں رونما ہوئی ہوں۔ بابی لوگ تو ازلی اور بہائی فرقوں میں پہلے ہی بٹ چکے تھے۔

دوسرے بہاء اللہ نوری کی وفات 2 ذی القعدہ 1309ھ بمطابق جون 1892ء کے بعد خود بہائیوں میں بھی اختلاف رونما ہو گئے۔ بعض بہائیوں نے تو بہاء اللہ کے بیٹے عباس افندی عرف عبد البہا کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور بعض نے بہاء اللہ کے دوسرے بیٹے میرزا محمد علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جس کے کچھ عرصہ کے بعد بابی چار گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک تو وہ جو خود کو شئی کہلاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو کہ باب پر اور اس کے بعد من یظہرہ اللہ پر ایمان لا چکے تھے۔ وہ اب باب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے کہ باب کے بعد اس کا وصی کون تھا ان کی تعداد بہت ہی کم تھی۔

دوسری جماعت ان لوگوں کی تھی جنہوں نے خود کو ازلی کہلوایا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے میرزا یحییٰ نوری عرف صبح ازل کو باب کا وصی اور جانشین تسلیم کیا۔ ان کا خیال ہے کہ من یظہرہ اللہ ہنوز پر نہیں ہوا۔ یہ گروہ بھی نہایت قلیل تعداد میں ہے اور ان کی تعداد روز بروز گھٹ رہی ہے۔

تیسری جماعت بہائی ہے جو کہ صبح ازل کے بھائی میرزا حسین علی نوری ملقب بہ بہاء اللہ نوری کو من یظہرہ اللہ گمان کرتے ہیں۔ ان کا اسی کے ساتھ یہ عقیدہ بھی ہے کہ بہاء اللہ کے بعد کم از کم ہزار سال تک کوئی نیا ظہور نہیں ہوگا۔ چوتھی جماعت وہ ہے جن کا یہ عقیدہ ہے کہ فیض الٰہی کبھی معطل نہیں رہا اور نہ ہی رہے گا۔ یہ تمام لوگ عبد البہا کے دعویٰ کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کو مظہر وقت جانتے ہیں۔

بابیوں کی اکثریت آج کل اس فرقہ کے ساتھ اپنا تعلق جوڑے ہوئے ہے اور یہ بات سخت حیرت انگیز ہے کہ صبح ازل اور بہاء اللہ نوری کی تاریخ نے میرزا محمد علی اور اس کے سوتیلے بھائی عباس آفندی کے بارہ میں اعادہ کیا ہے یعنی جس طرح صبح ازل اور بہاء اللہ دونوں بھائی باہم دست و گریبان تھے اسی طرح بہاء اللہ کے دونوں بیٹوں میں بھی جنگ آزمائی ہو رہی تھی۔

آگے چل کر پروفیسر براؤن نے تحریر کیا کہ "سچ تو یہ ہے کہ اس آخری تفرقہ

Marfat.com

اور حسد اور جنگ و جدال نے بہاء اللہ کے بعد بہائیوں میں رونما ہوا مجھے بہائی تحریک کی طرف سے کچھ بدظن کر دیا۔ میں اکثر سوچتا اور اپنے دوستوں سے یہ دریافت کیا کرتا کہ وہ نفوذ اور قوت تصرف اور قاہریت جو ان کے عقیدہ میں کلمہ اللہ کی اولین علامت اور اس کی لازمی خصوصیت ہے کیا ہوئی؟ اور اسے کہاں تلاش کرنا چاہیے؟

بہاء اللہ کو تو حکم خداوندی پہنچا تھا کہ ”تمام مذاہب سے محبت اور روا داری کا سلوک کرو۔“ اور بہاء اللہ کا یہ مقولہ ہے کہ ہم سب ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی شاخ کے برگ و بار ہیں۔ مگر خود بہاء اللہ کے جانشینوں کا عمل یہ ہے کہ اپنے ہی خانوادے کے اعضاء و جوارح کاٹ رہے ہیں اور ان کی باہم تلخی و عداوت اس درجہ بڑھتی ہوئی ہے کہ کوئی شخص اغیار سے بھی ایسی درندگی کا سلوک نہیں کرے گا ان کے ماقبل میں ایران میں یہ حالت ہے کہ اہل سنت اور اہل تشیع' بالا سری اور شیخی' مسلمان اور یہود' عیسائی اور زرتشتی کے اختلافات مٹ رہے ہیں۔

ایران میں تمام لوگ درستی کے قدح میں سرشار ہیں۔ ہر طبقہ اور جنس کے ایرانی ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ اس سے ثابت یہ ہوا کہ اتحاد مذاہب کا بہائی دعویٰ محض زبانی جمع خرچ ہی ہے۔ جس کی اصل کوئی بھی نہیں۔ عبد البہا نے 1921ء میں وفات پائی۔

مذہب بہائی کے پیروکار بہاء اللہ کو نا صرف یہ کہ من یظہرہ اللہ اور مسیح موعود بلکہ کل مذاہب کا موعود مانتے ہیں۔ بہاءِ اللہ کی بعض تحریریں اس بات کی غماز ہیں کہ وہ تو خدائی کا بھی دعویدار تھا۔ اپنی کتاب اقتدار کے صفحہ نمبر 36 پر رقم کرتا ہے کہ ”جب مخلوق کا قدیم مالک ظالموں کے ظلم سے اپنے بڑے قید خانے میں پڑا ہوا تھا تو قلم نے اسی طرح نطق فرمایا۔“ اسی کتاب کے صفحہ نمبر 114 پر اس نے تحریر کیا کہ ”جب کوئی شخص اس کو بہاء اللہ کو دیکھتا ہے تو اہل طغیان کے ہاتھوں میں انسانی شکل میں پاتا ہے اور جب اس کے باطن پر غور کرتا ہے تو اسے آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کا نگہبان پاتا ہے۔“

بہاء اللہ نوری نے اپنی کتاب اقدس کے صفحہ نمبر 225 پر تحریر کیا کہ ”جو بڑے قید خانے میں بول رہا ہے وہی کائنات کا خالق و موجد ہے وہ دنیا کو زندگی بخشنے

Marfat.com

کے لیے بلاؤں اور مصیبتوں کا متحمل ہوا۔ وہی اسم اعظم ہے جو ازل سے مخفی ہے۔"
اس نے اپنی کتاب مبین کے صفحہ نمبر 286 پر تحریر کیا کہ "مجھ بہاء اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو منفرد و یگانہ ہوں اور قید کیا گیا ہوں۔" یہی وجہ ہے کہ اس کے ارادت مند اس کو خدا ہی کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ ایک بہائی شاعر نے دیوان نوشی کے صفحہ نمبر 93 پر جو کلام لکھا ہے اس کا شعر بلاحظہ فرمائیے۔

رخ سوئے تو آوردم اے مالک جان الٰہی
زاں روکہ تو در عالم معبودی و سلطانی

بہجۃ الصدور کے صفحہ نمبر 82 پر مرزا حیدر علی اصفہانی بہائی نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ بہاء اللہ اپنے دعویٰ خدائی کی وجہ سے اپنے پیرو کاروں کا مسجود تھا۔ اس نے اس کتاب کے صفحہ نمبر 258 میں لکھا ہے کہ "زائرین اس کی قبر کو سجدہ کرتے ہیں۔ بہائی کہتے ہیں کہ یہ حدیث "اگر بالغرض ایمان ثریا پر بھی چلا گیا ہوگا تو ابناء فارسی میں سے ایک شخص اس کو وہاں سے بھی لے آئے گا۔" بہاء اللہ ہی کے حق میں پیشین گوئی ہے۔ بہائی شریعت کے وضو میں صرف ہاتھ اور منہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے سر کے مسح اور پاؤں دھونے کا حکم نہیں ہے۔ البتہ اس کی جگہ 95 مرتبہ اللہ الٰہی کا وظیفہ پڑھنا بتایا ہے۔

اس کی شریعت میں یہ آسانی تھی کہ موسم سرما میں تیسرے دن اور موسم گرما میں روزانہ ایک مرتبہ پاؤں دھونے کا حکم دیا گیا تھا۔ اسی طرح ہر نماز کے لیے وضو کی ضرورت نہیں تھی بلکہ دن بھر کے لیے ایک ہی مرتبہ کافی تھا۔ پانی اگر نہ ملے تو پھر تیمم کی جگہ پانچ مرتبہ بسم اللہ الاطہر کہہ لینا چاہتے تھا۔

بہائی مذہب میں نماز کی ادائیگی کے لیے قبلہ کعبہ شریف نہیں بلکہ عکہ اور بہاء اللہ کی قبر کو قرار دیا گیا ہے۔ نماز میں قرآن شریف نہیں پڑھا جاتا بلکہ بہاء اللہ کی کتابوں کی بعض عبارتیں پڑھی جاتی ہیں۔ نماز پنجگانہ کی جگہ تین تین رکعت کی تین نمازیں صبح، ظہر اور مغرب فرض کی گئیں۔ نماز کی ادائیگی کا بھی طریقہ کچھ اور ہی وضع کیا گیا۔ ان لوگوں نے جماعت کے ساتھ نماز کو حرام قرار دے دیا۔ اسی طرح بچوں، مریضوں اور عمر رسیدہ لوگوں کو بھی نماز سے آزاد قرار دے دیا گیا۔

Marfat.com

روزوں کا بھی اسی طرح انہوں نے نیا مہینہ مقرر کیا۔ انہوں نے رمضان المبارک کی جگہ موسم بہار میں تیس روزوں سے کم کر کے صرف انیس روزے مقرر کر دیئے اور صبح صادق کی بجائے کھانے پینے کی ممانعت طلوع آفتاب سے رکھی۔ عیدالفطر کی جگہ عید نیروز مقرر کی۔ اس کے علاوہ چار دوسری بھی عیدیں ہیں۔

بہاء اللہ نے اپنے ارادت مندوں کو صرف دو شادیوں کی اجازت دی اور زیادہ کو حرام قرار دے دیا تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں تحریر کیا کہ (ترجمہ) "تم پر تمہارے باپوں کی بیویاں حرام کی گئیں ہیں اور لونڈیوں کے احکام بیان کرنے سے ہمیں شرم محسوس ہوتی ہے۔"

اس نے صرف باپ کی منکوحہ عورتوں کو حرام قرار دیا تھا یعنی اس کی نظر میں بیٹی، بہن، خالہ اور پھوپی وغیرہ سے عقد جائز تھا۔

عبد البہاء کے سفر نامہ بدائع الآثار کے صفحہ نمبر 54 جلد اول پر تحریر ہے کہ عبد البہاء نے ایک تقریر میں کہا کہ "بہائیوں کے لیے ہر مذہب و ملت کے مرد کو لڑکی دینا اور ہر مذہب کی عورت سے شادی کرنا جائز ہے۔" بہاء اللہ نے شہروں میں 19 مثقال سونا اور دیہاتوں کے لیے 90 مثقال مہر مقرر کی تھی۔ اس مذہب میں گمشدہ مرد کی بیوی کو نو مہینے کے بعد دوسری شادی کی اجازت دے دی تھی۔

بہاء اللہ کے نزدیک کوئی بھی خاوند اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے کر بھی بلا تکلف رجوع کر سکتا تھا۔ اس نے داڑھی اور لباس کے متعلق پوری آزادی دے رکھی تھی مگر سر کے بال منڈوانے کی بالکل اجازت نہ تھی۔ اس نے سودی لین دین کو جائز قرار دے دیا تھا اور گانے بجانے کی بھی کھلی اجازت تھی۔

ایران میں اس باطل مذہب پر سخت پابندیاں عائد کر دی گئیں جس کی وجہ سے یہ مذہب ایران میں نابود ہو گیا۔ اس کی بڑی تعداد دوسرے ممالک میں موجود ہے مگر ایران میں بہت ہی کم تعداد میں یہ لوگ موجود ہیں۔ اگرچہ پاکستان میں بھی مرزائیوں پر پابندی لگائی گئی مگر یہ ان کی حفاظت کا سبب بن گئی جب کہ ایران میں لگنے والی پابندی کی وجہ سے یہ لوگ وہاں پر ختم ہو کر رہ گئے۔

لعنت اللہ علی الکاذبین

Marfat.com

عبید اللہ مہدی

یہ اس شخص کی داستان عبرت انگیز ہے جو کہ مہدویہ، علویہ فاطمیہ اور اسماعیلہ فرقوں اور مصر کے عبیدی فرمانرواؤں کا مورث اعلیٰ تھا۔ یہ کہاں پیدا ہوا، یہ تو بہ سند معلوم نہیں ہو پاتا مگر گمان اغلب یہ ہے کہ یہ شخص کوفہ سے تعلق رکھتا تھا۔ خود کو یہ شخص ہاشمی کہتا تھا اور یہ بھی کہتا تھا کہ یہ سیدہ فاطمۃ الزاہراؓ کی اولاد میں سے ہے۔

اس کے اس دعویٰ کو اکثر مورخین و محققین نے بری طرح رد کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ شخص مجوسی النسل تھا۔ اس کا شجرہ کچھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حسین بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن میمون قداح اھوازی کا بیٹا تھا اور میمون اھوازی کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مجوسی تھا۔

اسی لیے جب عبید اللہ نے ایک مغربی ملک میں جا کر اپنے علوی ہونے کا دعویٰ کیا تو وہاں کے علمائے کرام نے اسکے نسب کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ علمائے کرام نسب کے سلسلہ میں مکمل اتھارٹی تسلیم کیئے جاتے تھے۔ مگر علمائے کرام کے انکار کو جاہل لوگوں نے جاہلیت میں اڑا کر رکھ دیا۔ جہلا نے اسے فاطمی کے لقب سے یاد کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ بہت ہی جلد وہ قرشی مشہور ہو گیا۔

عبید اللہ مہدی کی نسل سے پانچواں حکمران عزیز اللہ جب مسجد کے منبر پر براجمان تھا کہ اس نے چند اشعار ایک کاغذ پر تحریر دیکھے۔ ان کا ترجمہ کچھ یوں ہے کہ "میں نے ایک مکروہ نسب آدمی کو جامع مسجد کے منبر پر دیکھا۔ اگر تو سچا ہے تو یہ بتا کہ بھلا

Marfat.com

تیری ساتویں پشت میں تیرا بزرگ کون تھا۔ اگر تجھے اپنے قول کی تصدیق ہے تو اپنا نسب بلند، انساب بنی ہاشم تو ایسے ہیں کہ بڑے بڑے طامعین کا دست تصرف بھی ان سے قاصر ہی رہا۔'' یہ خط یا رقعہ پڑھ کر اس کا رنگ اڑ گیا اور وہ کافی دیر تک حیران و پریشان گم سا بیٹھا رہا۔

عبید اللہ کے ارادت مندوں سے جب کوئی اس کے دعویٰ مہدی کی دلیل طلب کرتا تو وہ اسے حضور اکرم ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ سنا دیتے کہ ''شروع میں آفتاب مغرب کی جانب طلوع کرے گا۔'' وہ لوگ یہ کہتے کہ اس حدیث پاک میں آفتاب سے مراد عبید اللہ مہدی کی ذات اور مغرب سے مراد ملک مغرب مراد ہے۔ حالانکہ یہ روایت ہی قطعاً موضوع اور خود ساختہ ہے اور یہ تاویل بھی سخت مہمل اور ملحدانہ قسم کی ہے۔ مسلک اسماعیلیہ تو اسلام کی بنیادوں کو دراصل ہلا دینے والے تھے۔ ان ملعونوں کے لئے تو خدانخواستہ رسول کریم ﷺ کی بشارت تو نہیں ہو سکتی۔

یہ شاطر شخص قریب 52 برس تک اپنی مہدیت کا دعویٰ پر قائم رہا۔ اس نے 270 ھ بمطابق 884ء تا 322 ھ بمطابق 934 تک اپنے دعویٰ پر زندگی بسر کی۔ اس کا دور حکومت 24 برس کے طویل عرصہ پر محیط ہے۔ یہی مدت ابن اثیر نے تاریخ کامل میں دعویٰ مہدیت کے ساتھ تحریر کی ہے مگر تاریخی اعتبار سے یہ مدت اس کے دور حکومت کی ہے۔ جب کہ تاریخ الخلفاء میں امام سیوطی نے تحریر کیا ہے کہ ''عبید اللہ نے 270ھ میں مہدیت کا دعویٰ کیا۔'' چنانچہ اس کی موت تک یہ مدت کم و بیش 52 برس ہی بنتی ہے۔

عبید اللہ اسماعیلیہ فرقہ کا بہت نامور اور معروف رکن تھا۔ اس کا باپ محمد حبیب حمص شہر کا رہائشی تھا۔ یہ بھی ایک معروف اسماعیلی تھا اور ایک مشہور خطیب تھا۔ اس کے خطبات کے دوران اسماعلیوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہوا کرتی تھی۔ اس کی بہت بڑی آرزو تھی کہ وہ بھی کسی حکومت کو تشکیل دے سکے۔ اس کی پوری زندگی اسی تگ و دو میں گزر گئی تھی مگر وہ اپنے مقصد میں کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہو پایا تھا۔ اب اس کی آخر عمر تھی اور اس کی یہ آرزو پوری ہوتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

اسی لئے اب اس نے اپنے خطبات میں ڈھکے چھپے الفاظ میں یہ کہنا شروع کر دیا کو عبید اللہ ہی مہدی موعود ہے۔ یہ شخص ایک عقل مند خطیب تھا وہ یہ جان چکا تھا کہ

Marfat.com

عراق، عرب یا وسط ایشیاء کی دیگر ریاستوں میں اسکا یہ خواب تو کیا بلکہ کوئی بھی خواب پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اب اس نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے افریقہ پر نظریں گاڑھ رکھی تھی۔ افریقہ دراصل تاریخ اسلام میں شمالی افریقہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس کو تین حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔ ایک حصہ تو مغرب ادنیٰ ہے اس میں تیونس، قیروان اور طرابلس کی ریاستیں شامل تھیں۔

دوسرا حصہ مغرب اوسط ہے اس میں تلمسان وغیرہ اوصار واقع الجزائر شامل ہیں۔ اسی طرح مغرب اقصیٰ تیسرا حصہ ہے اس میں مراکش، فارس اور طوس کے علاقے شامل تھے۔ عبید اللہ کا باپ ایک زمانہ ساز شخص تھا۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ یہی وہ خطہ ہے کہ جہاں کے لوگ کسی بھی غلط نظریہ کو یا غلط ترین دعوؤں کو بڑی آسانی سے قبول کرنے میں مشہور تھے۔ بربریوں کی ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے محمد حبیب کو یہ امید قوی تھی کہ وہ اس علاقہ میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ ایک تو یہ وجہ تھی دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ علاقہ بہت وسیع وعریض تھا اور دارالحکومت بغداد سے بہت ہی دور واقع ہوا تھا۔

یہاں کی اکثریت چونکہ جاہل قسم کے لوگوں پر مشتمل تھی چنانچہ یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی اور لڑائی بھڑائی میں ایک خاص شہرت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے بغداد ان کو کم ہی چھیڑتے تھے۔ یہاں بیرونی عناصر نے کئی ایک خود مختار حکومتیں وہاں قائم کر رکھی تھیں۔ اس صورت حال میں محمد حبیب نے اب کوئی ایسا شخص تلاش کرنا شروع کیا جو اس کے مقاصد کو عملی جامہ پہنا سکے۔

آخر کار اس کی تلاش ختم ہوگئی جب اس کے پاس اس کا ایک ارادت مند اور شاگرد ابو عبید اللہ حسن بن احمد اس کے پاس کسی غرض سے آیا۔ ابو عبید اللہ صنعاء میں سکونت پذیر تھا اور نہایت ہی چالاک اور ہوشیار شخص خیال کیا جاتا تھا۔ اگرچہ یہ ایک خطیب تھا مگر اچھا عالم نہ تھا۔ چنانچہ محمد حبیب نے اس کو ایک اسماعیل عالم کی شاگردی میں دے دیا۔ یہ عالم اسماعیل مسلک یا مذہب کا بڑا نامور عالم مانا جاتا تھا۔ اس کا نام ابو حوشب تھا۔ محمد حبیب نے ایک طرف تو ابو حوشب کو یہ کہا کہ ابو عبید اللہ کو اچھی طرح مذہبی علوم سے بہرہ ور کرے تو دوسری جانب اس نے عبد اللہ کو کہا کہ وہ اس عالم سے علوم کو دل و جان سے حاصل کرے۔ ابو حوشب کو محمد حبیب نے اچھی طرح سے سمجھا دیا کہ اس

Marfat.com

کی تربیت اس لحاظ سے کرے کہ ابو عبیداللہ افریقی ریاستوں میں بطور مہدی کامیاب و کامران ہو جائے۔

ابو عبیداللہ کو ابو حوشب نے لوگوں کے دلوں میں گھر بنانے کے گر اچھی طرح بتلا کر سفر حج پر یمن کے حجاج کے ساتھ روانہ کیا۔ ابو حوشب نے روانہ کرتے ہوئے عبیداللہ کو مال بھی خوب دیا تاکہ اسے دوران سفر اور قیام حجاز کے دوران کوئی مالی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس نے ایک شاطر ترین شاگرد عبد اللہ بن ابو ملاحصن بھی اس کے ساتھ کر دیا تھا۔ یقیناً ابو عبیداللہ کو اپنا تعارف کروانے کے لئے ایک چالاک اور موقع شناس شخص بھی درکار تھا جو اس کی خود ساختہ فضیلتوں کو لوگوں کے سامنے بیان کر سکے۔

موقع حج سے بہت پہلے ابو عبید اللہ اور عبد اللہ بن ابو ملاحصن دونوں مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ اب انہوں نے اپنا قیام افریقی حاجیوں میں ہی کیا جو ان دونوں کی عبادت گزاری سے از حد متاثر ہوئے اور ہمہ وقت ان کے گرد موجود رہنے لگے۔ افریقی حجاج ان دونوں کے پاس زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی کوشش کرتے مگر عبداللہ اکثر اوقات وہاں سے اٹھ جاتا اور دوسرے لوگوں کے سامنے ابو کی تعریف و توصیف بیان کرتا۔ چنانچہ بہت کم مدت میں اس کی اچھی خاصی شہرت ہوگئی۔

حج کے ارکان کی ادائیگی ان دونوں نے انہی افریقی حجاج کے ساتھ ادا کی۔ جب حج مکمل ہوگیا تو ان حجاج نے ایک روز موقع پا کر ان سے کہا کہ اب ان کا ارادہ کہاں جانے کا ہے۔ اس طرح ان کا مقصد غالباً یہ تھا کہ اس طرح انہیں ابو عبید اللہ اور اس کے ساتھی کے وطن کے بارہ میں کچھ معلوم ہو جائے گا۔ مگر وہ دونوں بھی بہت کائیاں تھے انہوں نے نہایت لاپرواہی سے کہا کہ ہم تو مصر جائیں گے۔ یعنی انہوں نے افریقی حجاج کو اپنے وطن سے بالکل بھی آگاہ نہیں کیا۔

وہ لوگ آپس میں خوشی خوشی یہ باتیں کرنے لگے کہ چلو یہ بھی ہم لوگوں کی خوش نصیبی ٹھہری کہ ان پارسا اشخاص کے ہمراہ مصر تک کا سفر تو رہے گا۔ دوران سفر ان لوگوں نے ان دونوں کی خوب خوب خدمت کی۔ اس دوران انہوں نے ان لوگوں سے ان کے آبائی وطن اور ان کے رہن سہن کے بارے میں کافی معلومات حاصل کر لیں انہوں نے ابو عبید اللہ سے پوچھا کہ وہ مصر کس لیے جا رہا ہے اس نے بتایا کہ صرف

Marfat.com

حصول علم کے لئے تو انہوں نے زور دے کر کہا کہ اس مقصد کے لئے تو آپ ہمارے ساتھ کتامہ چلیئے۔ جہاں ہم آپ کی خوب خوب خدمت بھی کریں گے اور یہ ہمارے لئے باعث سعادت و برکت ہوگا۔

ابو عبید اللہ دراصل چاہتا بھی یہی تھا چنانچہ اب یہ قافلہ بجائے مصر کے کتامہ کی طرف بڑھنے لگا۔ ابو عبید اللہ اور عبد اللہ بن ابو ملا حصن ربیع الاول 288ھ بمطابق مارچ 901ء میں کتامہ پہنچ گئے۔ اہل کتامہ نے جب قافلہ والوں کی زبانی ان دونوں کی پارسائی کی داستانیں سنیں تو وہ بھی ان کے گرویدہ ہوگئے۔ ان سب نے متفقہ طور پر انہیں یہ کہا کہ ''اے نیک لوگو! ہمارے لئے یہ بڑی ہی سعادت کی بات ہوگی کہ آپ ہماری ہی بستی میں قیام فرمائیں۔ ہم آپ کی ہر ممکن اعانت کریں گے اور آپ کے دشمنوں کو اپنا دشمن ہی تصور کریں گے۔''

ابو عبید اللہ اگرچہ چاہتا ہی یہی تھا مگر اس نے سرسری انداز میں یہ پوچھا کہ یہ تو بتلاؤ کہ مقام ''فج الاخیار'' کہاں واقع ہے۔'' چونکہ یہ بہت ہی غیر معروف اور کم آبادی والی بستی تھی اور پھر یہ بھی کہ اس کا ذکر کسی نے بھی ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں کیا تھا چنانچہ وہ لوگ حیران رہ گئے۔ ابو عبید اللہ سے وہ لوگ تو پہلے ہی بہت حد تک متاثر ہو چکے تھے اور پھر عبد اللہ کی مشہوری کا فن الگ تھا۔ بس اسی کے ساتھ ہی لوگوں نے ایک دوسرے کو یہ بتلا بتلا کر اسے ابو عبید اللہ کی کرامت باطنی خیال کرنا شروع کر دیا۔ جاہل قسم کے لوگوں کے لیے تو اس قسم کی باتیں خصوصاً بہت ہی اہم ہوتی ہیں اور پھر یہی وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جو ذرہ سی بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔

اس کے پاس لوگوں میں سے ایک شخص نے ابو عبید اللہ کو بتلایا کہ ''یہ ایک بستی ہے جو کہ قبیلہ بنی سلمان کے زیر تصرف علاقہ میں واقع ہے۔ مگر ہمیں یہ تو بتائیے کہ آپ اس غیر معروف بستی کے متعلق کیوں پوچھ رہے ہیں۔'' ابو عبید اللہ نے نہایت ہی پراسرار انداز میں بتایا کہ ''لوگو! سن لو کہ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اسی جگہ جا کر قیام کروں۔ مگر تم لوگ تو بالکل فکر نہیں کرو میں تمہارے ساتھ رابطہ تو ختم نہیں کروں گا۔ میں تمہارے پاس بھی آتا رہوں گا اور تم لوگ بھی میرے پاس آتے رہنا۔''

ابو عبید اللہ نے اس بستی میں پہنچ کر ان لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کہا کہ

Marfat.com

''اس مقام کا نام چونکہ ''فج الاخیار'' ہے۔ یہ نام صرف اور صرف تم لوگوں کو خوبیوں اور خصوصیات کی بنا پر ہی پڑا ہے۔ اخبار و آثار میں آیا ہے کہ امام مہدی کو حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرح اپنے وطن سے ہجرت کرنا پڑے گی۔ اخیار لوگ ان حضرت کے ناصرو مدد گار ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کا نام لفظ ''کتمان'' سے نکلا ہوگا۔''
یہ الفاظ سن کر اس بستی کے لوگ بھی اس کے دل و جان سے گرویدہ ہو گئے۔ ابو عبید اللہ کی ہر بات اب ان لوگوں کو کرامات ہی کرامات دکھائی دیتی تھی۔ دھیرے دھیرے جب اس نے دیکھا کہ لوگ اب اس کی طرف مائل ہونا شروع ہو گئے ہیں تو ابو عبید اللہ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اب لوگوں کو یہ بتانا شروع کرے کہ صحابہ کرام نے آنحضور ﷺ کی وصیت سے چونکہ اعراض کیا تھا چنانچہ صحابہ پر تبرا کرنا واجب ہے کیونکہ انہوں نے حضرت علی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا۔

لوگوں نے اس سے تفصیل جب پوچھی تو ابو عبید اللہ نے انہیں بتایا کہ ''حضرت علی نے اپنے بیٹے حسن کو پھر حسن نے اپنے بھائی حسین کو، حسین نے اپنے فرزند علی زین العابدین کو، زین العابدین نے اپنے فرزند محمد باقر کو، محمد باقر نے اپنے فرزند جعفر صادق کو، جعفر صادق نے اپنے بیٹے اسمعیل کو، اسمعیل نے اپنے بیٹے محمد مکتوم کو، محمد مکتوم نے اپنے بیٹے جعفر مصدق کو، جعفر مصدق نے اپنے بیٹے محمد حبیب کو اور محمد حبیب نے اپنے فرزند گرامی عبید اللہ کو اپنا وصی مقرر کیا ہے اور سریر خلافت کا جانشین اور وارث مقرر فرمایا تھا۔''

اگرچہ یہ ایک چھوٹی سی بستی تھی مگر اس میں بھی چند علمائے حق موجود تھے۔ انہوں نے ابو عبید اللہ سے کہا کہ وہ ان سے مناظرہ کرے۔ ابو عبید اللہ نے مناظرہ سے یکسر انکار کر دیا۔ یہ ایک معیوب بات تھی مگر عقل کے اندھے اس کی اندھی عقیدت کا شکار ہوتے چلے گئے۔ ابو عبید اللہ نے جب یہ دیکھا کہ اس کے اس مذموم اعلان کی مخالفت بالکل بھی نہیں ہوئی تو اس نے گویا سکون کا سانس لیا۔

اس صورت حال کے پیش نظر اب ان دونوں منصوبہ سازوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ''حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے ہمیں اس جگہ مقیم ہونے کی تلقین فرمائی تھی۔ وہ خود بھی عنقریب خروج فرمانا چاہتے ہیں۔ ان کے معین انصار وہ لوگ ہوں گے

Marfat.com

جو اپنے زمانہ کے اخیار ہوں گے۔ ان کے انصار کا نام لفظ کتمان سے مشتق ہے جو صاف طور سے ظاہر نہیں فرمایا مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہی اہل کتامہ ہی ان کے انصار ہوں گے۔"

اس کے بعد ابو عبید اللہ کی جمعیت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اسی اثناء میں افریقہ کے امیر ابراہیم بن احمد بن اغلب نے میلہ شہر کے عامل کو اس صورت حال کے بارہ میں تفصیل فراہم کرنے کا حکم کیا۔ اس نے جواب میں امیر کو مطلع کیا کہ "عبد اللہ تو ایک عام اور معمولی سا انسان ہے۔ وہ اس قابل کہا کہ آپ کو تردد کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ وہ تو چھوٹا موٹا لباس پہنتا ہے۔ اس کی شہرت کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو راستی اور ایمانداری کی شب و روز تلقین کرتا ہے اور عبادات کی ادائیگی پر وہ ہمیشہ زور دیتا ہے۔"

امیر افریقہ کے لیے یہ جواب یقیناً باعث اطمینان تھا۔ مگر رفتہ رفتہ ابو عبید اللہ کا اثر اس حد تک بڑھ گیا کہ اب سرکاری احکامات سے زیادہ اس کے احکامات پر لوگ عمل کرنے لگے۔ اسی اثنا میں نامعلوم وجوہات کی بنا پر کتامہ کے لوگوں نے ابو عبید اللہ کی شدید ترین مخالفت شروع کر دی۔ یہ مخالفت اس حد تک بڑھی کہ ابو عبید اللہ کو اپنی جان بچانا بھی دوبھر ہو گیا۔

ابو عبید اللہ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ اس کا آئندہ کا لائحہ عمل کیا ہو گا کہ اسے اس بستی کے ایک امیر کبیر شخص کی معاونت حاصل ہو گئی۔ یہ شخص کتامہ کے چند گنے چنے امیر کبیر لوگوں میں سے ایک تھا اور اس کا نام حسن بن ہارون تھا۔ اس شخص نے ابو عبید اللہ اور عبد اللہ کو مدد کی یقین دہانی کروائی اور ان دونوں کو کتامہ سے بہ حفاظت نکال کر ناصرون شہر میں چلا گیا۔ یہاں مختلف قبائل ابو عبید اللہ کی زیارت کو آتے اور اس کو اپنی حمایت کا یقین دلاتے۔ کتامہ میں ابو عبید اللہ کے خروج کے بعد صورت حال خاصی حد تک ابتر ہو چکی تھی۔ اس کے خروج کا ذمہ دار بعض لوگ دوسروں کو سمجھ رہے تھے۔ چنانچہ روزانہ ہی لوگ آپس میں لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے مورد الزام ٹھہراتے۔

ابن ہارون نے ناصرون شہر پہنچ کر اپنی دولت کے بل بوتے پر فوج تیار کرنا

Marfat.com

شروع کر دی۔ اگر یہ کہا جائے تو ہرگز بیجا نہ ہوگا کہ اس نے دراصل لٹیروں کی فوج تیار کی تھی۔ ابو عبید اللہ نے مخالفین کو زیر کرنا شروع کیا۔ اسے ابتداء سے ہی کامیابیاں نصیب ہونا شروع ہوگئیں۔ چونکہ جنگ وجدل کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی چنانچہ جب ابو عبید اللہ کے پاس کافی زیادہ لوٹ مار کی وجہ سے مال و دولت جمع ہوگئی تو اس نے حکم دیا کہ ناصرون شہر کے چاروں طرف گہری خندق کھود کر شہر کو محفوظ بنا دیا جائے۔

اس نے اچانک کتامہ پر یورش کی اور کتامہ پر اس کی حکومت قائم ہوگئی۔ اگرچہ یہ ایک چھوٹی سی بستی تھی مگر ابو عبید اللہ تو اب ایک حکمران بن چکا تھا۔ اس فتح نے ابو عبید اللہ کا حوصلہ بہت حد تک بڑھایا اور اس نے میلہ شہر پر بھی زبردست حملہ کر کے قبضہ میں لے لیا۔

یہ کوئی معمولی خبر نہ تھی کہ افریقہ کا حاکم خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہتا۔ اس نے اپنے ہونہار فرزند احول کو دس ہزار سپاہیوں کے ہمراہ ابو عبید اللہ کا قصہ ختم کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ابو عبید اللہ بھی اس کے مقابلہ پر ایک بڑا لشکر لایا مگر اسے بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

شکست کے بعد ابو عبید اللہ جو میدان چھوڑ کر بھاگا تو وہ کوہ انکجان کی طرف چلا۔ سرکاری لشکر بھی اس کے پیچھے ہوگیا۔ قریب تھا کہ ابو عبید اللہ پر قابو پا لیتا کہ یکا یک برف باری شروع ہوئی۔ چنانچہ احول نے اپنے سپاہیوں کو تعاقب سے فوراً روک دیا۔ احول نے عبید اللہ کا تعاقب چھوڑ کر اس کے مرکز یعنی ناصرون شہر پر حملہ کر دیا۔ اس شہر کو اس نے بری طرح تاراج کر کے اب میلہ شہر کی طرف رخ کیا۔ اس شہر کو بھی اس نے بری طرح تاراج کیا اور ابو عبید اللہ کے لاتعداد پیرو کاروں کو جہنم واصل کر دیا۔

ابو عبید اللہ بھی دوسری طرف خاموش نہیں بیٹھا تھا بلکہ اب اس نے کوہ انکجان میں نئے سرے سے ایک شہر آباد کیا اور اس کا نام دارالہجرت رکھا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس نے چونکہ دوسرے شہر سے یہاں سکونت اختیار کی تھی چنانچہ اس کے لیے تو یہ ہجرت کا ہی گھر تھا۔ یہ شہر اس نے اپنے بے پناہ مال و دولت کی وجہ سے بہت ہی بنا لیا تھا۔ اب اس کے بچے کھچے ساتھی یکے بعد دیگرے اس کے پاس چلے آتے تھے۔ یہاں بھی اس کی اچھی خاصی جمعیت اکٹھی ہوگئی۔

Marfat.com

انہی دنوں افریقہ کے امیر ابراہیم بن احمد نے قضائے الٰہی سے وفات پائی اور اس کی جگہ ابو العباس نے امارت سنبھالی۔ ابو العباس محض چند روز ہی زندہ رہا پھر اس نے بھی انتقال کیا جس کے بعد امارت کا منصب زیارۃ اللہ نے سنبھالا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص پرلے درجہ کا عیاش اور امور حکومت سے بے پرواہ شخص تھا۔ اس ملعون شخص نے اپنے عیش و آرام میں خلل نہ پیدا ہونے کے لیے احول جیسے بہادر سپہ سالار کو دھوکہ سے قتل کروا ڈالا۔

اسی اثناء میں محمد حبیب نے انتقال کیا اور اپنے بیٹے عبید اللہ کو یہ وصیت کی کہ ''اے میرے نورعین! یقین کرو کہ تم ہی مہدی موعود ہو۔ تم میرے مرنے کے بعد ہجرت بعیدہ کرو گے جس دوران تمہیں بے پناہ مصائب و آلام کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ تمہیں چاہئے کہ تم ان سے ہرگز گھبرانا نہیں بلکہ صبر اور استقلال سے ان کا مقابلہ کرنا۔''

باپ کے مرنے کے بعد اس امامت کا منصب عبید اللہ کے پاس آ گیا۔ اب اس نے اپنے تربیت یافتہ اور چالاک شاگردوں کو داعیوں کی صورت میں بہت سے شہروں میں روانہ کیا۔ انہی دنوں اس کے پاس ابو عبید اللہ کا ایک خط بھی پہنچا جس میں اہل کتامہ کی طرف سے فتوحات کی خبریں بھی تھیں اور اس کے لیے وہاں آنے کی دعوت بھی تھی۔

عبید اللہ کی ان کارروائیوں کی خبریں دارالحکومت بغداد بھی پہنچ چکی تھیں چنانچہ خلیفہ مکتفی باللہ عباسی نے عبید اللہ کی فوری گرفتاری کا حکم جاری کر دیا۔ جیسے ہی عبید اللہ نے یہ سنا کہ خلیفہ نے اس کو گرفتار کرنے کا حکم جاری کر دیا ہے تو وہ اپنے بیٹے نزار کو ساتھ لے کر وہاں سے فرار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس کے چند ایک با اعتماد ساتھی اور عقیدت مند بھی تھے۔ منزلوں پہ منزلیں طے کرتے ہوئے مفسدین کی یہ جماعت مصر پہنچ گئی۔ مگر یہاں ان کے پہنچنے سے پہلے مصر کے گورنر عیسیٰ نوشری کے پاس خلیفہ کا حکم نامہ بھی پہنچ چکا تھا۔ عبید اللہ اور اس کے ساتھی وہاں سوداگروں کے بھیس میں پہنچے تھے۔

ایک روز اچانک حاکم مصر عیسیٰ نوشری کی ملاقات عبید اللہ کے ساتھ ہو گئی۔ اگرچہ یہ ان دونوں کی پہلی ملاقات تھی مگر عیسیٰ نوشری نے اندازے سے اسے پہچان لیا اور اسے فوراً گرفتار کر لیا۔ مگر دوران گفتگو اس نے عبید اللہ کی باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ

Marfat.com

خطا کار نہیں ہے۔ ابھی وہ کچھ پوچھ ہی رہا تھا کہ عبید اللہ کا بیٹا بھی وہاں اپنے باپ کی تلاش میں چلا آیا۔ عیسیٰ نوشری نے یہ خیال کیا کہ اگر یہ لوگ خطرناک عزائم رکھتے تو عبید اللہ کا بیٹا خود کو موت کے منہ میں کبھی نہ دھکیلتا چنانچہ عبید اللہ کو رہا کر دیا۔

عبید اللہ کو عیسیٰ نوشری نے رہا تو کر دیا مگر یہ کہا کہ فوراً مصر سے چلا جائے۔ مصر سے عبید اللہ اپنی جماعت کے ساتھ جب چلا تو اس کی جماعت کو راستہ میں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ عبید اللہ کسی نہ کسی طرح طرابلس پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہاں سے اس نے ابو العباس کو کتامہ کی طرف روانہ کیا اور اس دوران خود قیروان جا پہنچا۔ طرابلس میں عبید اللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔

افریقہ کے گورنر زیادۃ اللہ پہلے پہل تو خاموش رہا پھر اسے ابو عبید اللہ کی بڑی جمعیت کی طرف سے تشویش لاحق ہوئی۔ اس نے اپنے با اعتماد سپہ سالار ابراہیم کے زیر سرکردگی ایک لشکر جرار ابو عبید اللہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ مگر اس لشکر کی وجہ سے ابو عبید اللہ پہاڑوں پر چڑھ گیا۔ پورے چھ ماہ ابراہیم نے اس کا انتظار کیا مگر مقابلہ کی صورت نہ بنی چنانچہ ابراہیم نے واپسی کا رادہ کیا۔ اس کی اطلاع ابو عبید اللہ کو مل چکی تھی اس نے واپس جاتے ہوئے لشکر پر رات کو حملہ کر کے پورے لشکر کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ خبر عبید اللہ کو قید خانے میں جب ملی تو اسے بے حد تقویت حاصل ہوئی۔

اس کے بعد ابو عبید اللہ نے لشکر کو مضبوط کیا اور شہر طبیہ کی طرف رخ کیا اور یہ شہر اس نے ایک طویل محاصرہ کے بعد فتح کر لیا اور پھر شہر بلزمہ کی طرف کوچ کیا یہاں ایک خونریز جنگ کے بعد ابو عبید اللہ نے فتح حاصل کی۔ ان فتوحات کی خبریں افریقہ کے والی زیادۃ اللہ کو بھی مل چکی تھیں چنانچہ اس نے ایک بڑا لشکر ہارون طبنی کو دے کر ابو عبید اللہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔

ایک مقابلہ میں ہارون طبنی کو شکست ہوئی اور وہ اس جنگ میں جاں بحق ہوگیا۔ اس فتح کے بعد ابو عبد اللہ نے شہر عیسیٰ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد زیادۃ اللہ نے ایک لشکر جرار ترتیب دیا اور خود ابو عبد اللہ کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ اس نے یہ ارادہ 295ھ بمطابق 908ء میں کیا۔ اس کے بہی خواہوں نے اس کو یہ مشورہ دیا کہ خود لشکر لے کر جانے سے بہت بہتر ہے کہ آپ کسی اور کو امیر بنا دیں چنانچہ اس نے اپنے

Marfat.com

ایک قریبی اور با اعتماد سپہ سالار ابراہیم بن ابو اغلب کے ذمہ یہ کام سونپا۔

جیسے ہی ابو عبد اللہ کو یہ معلوم ہوا کہ اس پر ایک لشکر چڑھا چلا آرہا ہے تو اس نے فوری طور پر باغایہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد اس نے مرماجنہ شہر کی طرف رخ کیا اس شہر پر بھی اس نے ایک خونریز جنگ کے بعد قبضہ کرلیا۔ مرماجنہ کے بعد اس نے نیقاش کی طرف کوچ کیا اس شہر کو بھی اس نے فتح کرلیا۔ جس کے بعد اس کی دہشت ہر طرف پھیل گئی۔

296ھ بمطابق 909ء میں ابو عبد اللہ نے ایک لاکھ کی فوج کے ساتھ ابراہیم پر پشت کی جانب سے اچانک حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں ابراہیم کو بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بعد اس نے شہر اربس پر قبضہ کیا اور نے وہاں پر اہل سنت و جماعت پر ظالمانہ کاروائیوں کی عام اجازت دے دی۔ اس کے حکم کے مطابق دو دن اور دو راتیں اہل سنت و جماعت کو بیدریغ قتل کیا جاتا رہا۔

ابو عبد اللہ نے اب پے در پے شہروں کو فتح کرنا شروع کر دیا اور کچھ ہی عرصہ میں نبی اغلب کی حکومت ختم ہوگئی اور ان کے محلات پر ابو عبد اللہ کے ساتھی قابض ہوگئے۔ تمام شہروں میں اس نے اپنے اعمال مقرر کئے اور نئے سکے بھی ڈھلوائے جن کے ایک طرف اس نے "بلغت حجۃ اللہ" جبکہ دوسری جانب "تفرق اعداء اللہ" کندہ کروایا۔

اب پورے افریقہ میں ابو عبد اللہ اور اس کے ساتھیوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اب اس کے پاس اس کا بھائی ابو العباس محمد بھی پہنچ گیا۔ اس نے اپنے بھائی ابو العباس کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود مغرب کی ریاستوں کو فتح کرنے چل پڑا۔ اس نے بڑے بڑے سرکش قبائل کو مفتوح کرلیا اور اس علاقہ تک بھی پہنچ گیا جہاں عبید اللہ گرفتار کر کے رکھا گیا تھا۔ یہ شہر بھی اس نے بزور شمشیر فتح کرلیا اور عبید اللہ کو مع اس کے بیٹے ابو القاسم کے رہا کروالیا۔

ابو عبد اللہ ایک جلوس کی صورت میں عبید اللہ کو لشکر میں لے کر آیا۔ یہ واقعہ 297ھ بمطابق 910ء کا ہے۔ اسی برس ابو عبد اللہ نے عبید اللہ کی بیعت کی۔ اسی برس تمام مفتوحہ علاقوں کا حکمران عبید اللہ بن گیا اور اس نے اپنا لقب مہدی امیر المومنین منتخب کیا۔

Marfat.com

ابو عبید اللہ کے ہاتھ پر جب تمام لوگ بیعت کر چکے تو اس نے عبد اللہ کو تمام تر حکومتی اختیارات سے معزول کر دیا۔ ابو عبد اللہ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے اتنی بڑی سلطنت پر قبضہ کیا تھا مگر یہ سلطنت ایک دم ہی اس شخص کے دائرہ اختیار میں چلی گئی۔ جس نے اس سلسلہ میں کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ اب عنان اقتدار عبید اللہ کے ہاتھوں میں جا چکی تھی اور ابو عبد اللہ اور اس کا بھائی ابو العباس بالکل تہی داماں ہو چکے تھے۔

ابو عبد اللہ اور ابو العباس نے اس کے خلاف علم و بغاوت بلند کر دیا جس کو اپنے ہی ہاتھوں سے مہدی بنایا تھا۔ ابو عبد اللہ نے کتامہ کے منتخب لوگوں کو ایک مکان پر دعوت میں بلوایا اور انہیں عبد اللہ کے خلاف آمادۂ پیکار کیا۔ مگر اس اجلاس کی مکمل تفصیل عبید اللہ کو بھی ہوگئی چنانچہ اس نے سب سے پہلے ابو عبد اللہ اور اس کے بھائی ابو العباس کو ہلاک کروا دیا۔

عبید اللہ نے اب پورے افریقہ میں اسماعیل مذہب کو پھیلانا شروع کیا مگر اسے زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ انکار کی پاداش میں اہل سنت و جماعت کے لا تعداد عمائدین شہید کر دیئے گئے۔ ان کی جائیدادیں اسماعیلی لٹیروں کے حوالہ کردی گئیں۔ عبید اللہ نے 302ھ بمطابق 915ء میں اپنے ایک تجربہ کار سپہ سالار خفاشہ کتامی کی سرکردگی میں ایک بڑا لشکر اسکندریہ پر قبضہ کے لیے روانہ کیا۔ خفاشہ نے بآسانی اسکندریہ پر قبضہ کر لیا اور پھر مصر کی جانب چلا۔

مصر پر قبضہ کے لیے جب خفاشہ کا لشکر چلا تو اس کی اطلاع دربار خلافت میں بھی پہنچی۔ چنانچہ خلیفہ مقتدر باللہ نے ایک سپہ سالار مونس کی سرکردگی میں ایک لشکر اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ چند بڑی بڑی جھڑپوں کے بعد خفاشہ کو بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا۔ ان جھڑپوں میں ہزاروں کی تعداد میں عبیدی واصل جہنم ہوئے۔

اس عبرت ناک شکست کے بعد عبید اللہ نے ایک بہت بڑا لشکر 307ھ بمطابق 920ء میں مصر کو فتح کر ے لیے روانہ کیا۔ چونکہ خلیفہ کی افواج نے اسکندریہ پر قبضہ کر لیا تھا چنانچہ عبید اللہ کے بیٹے ابو القاسم نے 307ھ بمطابق 920ء میں اسکندریہ پر قبضہ کر لیا اور پھر مصر کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے پہلے حیرہ پر قبضہ کیا اور پھر سعید پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد اس نے حجاز مقدس میں لوگوں کو اسماعیل مذہب قبول

Marfat.com

کرنے کی دعوت دی۔ مگر ان لوگوں نے اس کی دعوت کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔

ان حالات کی اطلاع جب بغداد میں پہنچی تو خلیفہ نے اپنے تجربہ کار سپہ سالار مونس کو ابو القاسم کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ متعدد چھوٹی چھوٹی جنگوں کے بعد مونس کو کامیابی حاصل ہوئی جس کے بعد مونس کو دربار خلافت سے المظفر کا عظیم الشان خطاب حاصل ہوا۔ اسی دوران ابو القاسم کو بحری جہازوں کی امداد آن پہنچی جو کہ بہت سے بحری جہازوں پر مشتمل تھی۔

اسی کے جواب میں 25 بحری جہازوں پر مشتمل کمک خلیفہ نے بھی بھیج دی۔ اگرچہ مسلمانوں کی جنگی قوت ابو القاسم کے مقابلہ میں بہت کم تھی مگر انہیں عبیدیوں کے خلاف صاف فتح حاصل ہوئی۔ بچا کھچا لشکر واپس افریقہ پہنچا مگر عبیدی لوگوں نے 50 برس کی تیاری کے بعد مصر پر پھر نئے سرے سے حملہ کیا اور قابض ہو گئے اور قاہرہ شہر کی بنیاد ڈالی۔ فتح مصر کے کچھ ہی عرصہ کے بعد ملک شام بھی عبیدیوں کے تصرف میں چلا گیا۔

عبید اللہ 322ھ بمطابق 934ء میں مر گیا اور ایک حکومت بنی بنائی اپنی اولاد کے لئے چھوڑ گیا۔ اس کی نسل میں تیرہ حکمرانوں نے 567ھ بمطابق 978ء تک حکومت کی۔

☆۞......۞☆

Marfat.com

Marfat.com

عبد اللہ میمون اھوازی

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ عبداللہ اھوازی ہی فرقہ باطنیہ کا بانی تھا۔ یہ خیال بعض محققین کے نزدیک غلط ہے ان کا کہنا ہے کہ فرقہ باطنیہ کا بانی عبد اللہ کا باپ میمون بن ویصان اھوازی تھا۔ اس کو عام طور پر قداغ اھوازی کہا جاتا تھا۔ یہ شخص دراصل مجوسی تھا اور حضرت امام جعفر صادق کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اگرچہ یہ شخص دلی طور پر اسلام کا شدید دشمن تھا۔ مگر اس نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔

ایک مرتبہ اس کو عراق کے امیر کے حکم سے قید کر دیا گیا۔ وہاں اس کے خطرناک دماغ نے اس فرقہ کے اصول وضع کئے۔ اس نے سوچا کہ جس طرح پولس نے عیسائیت میں عجیب و غریب اصولوں کو شامل کر کے اس کا حلیہ بگاڑا ہے اسی طرح وہ بھی اسلام میں فتنہ پردازی کا آغاز کرے۔ یہ اصول وغیرہ اس نے قید کی زندگی میں وضع کئے اور یہ بھی اس نے سوچا کہ اس پر کس طرح عمل پیرا ہوگا۔

دراصل یہ ایک شاطر اور تعلیم یافتہ شخص تھا۔ اس نے حضرت امام جعفر صادق کے پاس کچھ عرصہ گزارا تھا بھلا وہ کس طرح ناخواندہ رہ سکتا تھا۔ مگر اس نے اپنی اس قابلیت کو اپنی زندگی اور آخرت کو خراب کرنے کے لیے استعمال کیا۔ جب میمون رہا ہو کر آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کا بیٹا مسلمان ہو کر اسماعیل مذہب میں داخل ہو چکا ہے۔ یہی بیٹا تو اس کے تمام تر پروگرام کا مرکز تھا۔ میمون نے عبد اللہ کو تمام پروگرام سے آگاہ کیا اور اس کو بتلایا کہ کس طرح وہ مسلمان پیشوا بن سکتا ہے۔

Marfat.com

عبد اللہ نے اپنے باپ کے اس مذموم پروگرام کو ذہنی طور پر قبول کر لیا۔ اور آن واحد میں اسماعیل مذہب کو ترک کر کے اپنے باپ کے کہنے کے مطابق عمل کرنا شروع کیا۔ میمون نے اب عبد اللہ کو شعبدہ بازی سکھائی تا کہ وہ ان کو کرامات کا نام دیکر سادہ مزاج افراد کو اپنے دام میں پھنسا سکے۔ اسی کے ساتھ ساتھ میمون نے عبد اللہ کو اسلام کے خلاف بھی بعض امور کی تعلیم دی۔ کچھ تو عبد اللہ کا دماغ اسماعیلیوں نے خراب کر رکھا تھا اور باقی رہی سہی کسر میمون نے پوری کردی۔

جب میمون نے دیکھا کہ کچھ عرصہ کی ہی تعلیم حاصل کر کے عبد اللہ نے اس کی تمام تر باتوں کو دل و جان سے قبول کر لیا ہے تو اس نے اسے اب یہ حکم دیا کہ وہ اسماعیلیوں سے اعلانیہ ترک تعلق کرے اور اپنے نئے مذہب یا مسلک کی تبلیغ کرے۔ پہلے پہل تو اس فرقہ میں داخل ہونے والوں کو عبد اللہ نے اپنے باپ کی وجہ سے فرقۂ میمونیہ شروع کیا مگر رفتہ رفتہ اس کے فرقہ میں داخل ہونے والوں کو فرقہ باطنیہ میں داخل سمجھا جانے لگا اور اس نسبت سے انہیں باطنی کہا جانے لگا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ عبد اللہ کی اولین تعلیمات یہی تھیں کہ نصوص کے ظاہری الفاظ وغیرہ پر عمل حرام ہے اور ان کے باطن پر عمل پیرا ہونا ہی فرض ہے۔ اس کی زیادہ تر تعلیم باطنی امور پر ہی قائم تھی۔ اسی لئے اس کے اس نئے فرقہ کو فرقہ باطنیہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ چونکہ عبد اللہ کا باپ حضرت امام جعفر صادق کا غلام رہ چکا تھا اسی لئے اس نے اپنی تعلیمات اور پیغام میں اہل بیت سادات کا نام لے کر لوگوں کو اپنی جانب راغب کرنا شروع کیا۔

عبداللہ اور اس کے داعیوں کا یہ عام طور پر نعرہ تھا کہ اہل بیت اطہار کا دراصل یہی مسلک تھا۔ مگر موجود لوگوں نے اپنی آسانی اور فائدوں کے لیے نئے نئے مذہب ایجاد کر لیے ہیں۔ وہ لوگوں کو تکلیف اور تشریحات میں بری طرح پھنسا رہے ہیں۔ ان لوگوں نے یقینی طور پر عام لوگوں کو لذائذ و نفائسی سے محروم کر رکھا ہے۔ یہ تو لوگوں کے دلوں پر ایک طرح سے خوف طاری کر رہے ہیں۔ عام لوگ جو کہ ویسے ہی مذہب سے دور دوڑتے تھے جلد ہی اس کے دام فریب میں پھنستے چلے گئے۔ انہیں میں سے عراق میں قرامطہ نمو دار ہوئے اور ان میں سے عراق میں مزدکیہ، خراسان میں ان کو مزدکیہ اور

Marfat.com

مزدکیہ اور ملحدہ بھی کہا جاتا ہے۔ مگر باطنی زیادہ نام مشہور ہوا۔

بہت ہی جلد اس کو بھی مرزا قادیان کی طرح خوشامدیوں کی اچھی خاصی تعداد مل گئی۔ انہی میں اس کو ایک ذہین اور شاطر شخص خلف نامی بھی ملا۔ یہ شخص بڑا کائیاں اور بات چیت کا ماہر شخص تھا۔ یعنی بڑا ہی چرب زبان تھا۔ وہ پہلے پہل تو عبداللہ کو ایک عالم فاضل اور بزرگ شخصیت کی حیثیت میں تعارف کرواتا اور پھر انہیں بتلاتا کہ عبداللہ کا باپ ایک عرصہ امام جعفر صادق کے پاس رہ چکا ہے۔ چنانچہ لوگ جلد ہی اس کے بھرے میں آجائے۔

دلسان کو عبداللہ نے ہر طرح کی تعلیم دے کر اور اپنے مذہب کے اصولوں کو وضع کر کے اب ایک داعی کی حیثیت میں قم، خراسان، طبرستان اور کاشان کی طرف روانہ کر دیا۔ یہ ایک عمر رسیدہ شخص تھا جس کی پارسائی بھی ظاہری طور پر لوگوں کو متاثر کیا کرتی تھی۔ وہ لوگ یہ خیال کرتے کہ ایک عمر رسیدہ شخص بھلا کیوں جھوٹ بولے گا۔ چنانچہ کئی ایک سادہ لوح اور بہت سے دین سے بے بہرہ افراد اس کے چکر میں پھنس جاتے۔

علمائے حق نے جب اس کی اس فتنہ انگیز باتوں کو سنا تو انہوں نے حکام سے اس کی شکایت کی۔ جس کی بنا پر اس سے پہلے کہ وہ گرفتار کر لیا جاتا اس کو فرار ہونے کا ایک موقع مل گیا۔ چنانچہ وہ بہ عجلت تمام شہر ''رے'' کی طرف کوچ کر گیا۔ وہاں اس نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں مگر ابھی وہ کسی بڑی کامیابی کو حاصل نہیں کر پایا تھا کہ اس کو موت نے آلیا۔

اس نے اپنی موت سے پہلے اپنا جانشین تیار کر لیا تھا۔ یہ اس کا اپنا بیٹا احمد تھا۔ خلف کا ادھورا کام اس کے بیٹے احمد نے پورا کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ احمد بن خلف نے 202ھ بمطابق 818ء میں ایک زبان کے ماہر اور بڑے ہی فصیح و بلیغ شخص کو جو کہ علوم پر بھی بڑی دسترس رکھتا تھا۔ اپنے ساتھ ملایا۔ یہ شخص اپنے نظریات اور وفاداریاں تبدیل کرنے میں بھی بڑا ماہر تھا۔ اسے احمد بن خلف نے اپنا نمائندہ بنا کر ملک عراق کی طرف روانہ کیا۔ اس شخص کا نام غیاث تھا۔

غیاث نے عراق پہنچ کر پہلے تو کچھ عرصہ لوگوں میں اپنی پارسائی کو مشہور کیا۔

Marfat.com

اس دوران اس نے باطنی مذہب کے اصولوں پر مبنی ایک کتاب ''البیان'' کے نام سے تحریر کیا۔ اس میں غیاث نے فرقۂ باطنیہ کے اصولوں کے مطابق نماز، روزہ، وضو، حج اور زکوٰۃ جیسے ارکان کے معانی اپنے انداز سے تحریر کیے۔ یہ بڑے ہی الٹ پلٹ قسم کے معانی تھے کہ جن کا اسلام اور ارکان اسلام کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہ تھا۔

ذیل میں ان الفاظ و معانی کو تحریر کیا جاتا جو باطنی فرقہ نے اپنے اندار رائج کر رکھے تھے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

ملائکہ (فرشتے)	باطنی فرقہ کے داعیوں کو کہا جاتا تھا۔
جبرئیل	محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فہم وفراست
شیاطین	ظاہری طور پر عمل پیرا ہونے والا۔
جنات	جاہل وگنوار لوگوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔
نبی	اساس حق گوئی
قیامت	کسی بھی چیز کا اپنی اصل حالت میں واپس لوٹ جانا۔ بعض جاہل لوگ آج کے زمانہ میں بھی اس نظریہ پر یقین رکھتے ہیں کہ اس شخص کے لیے قیامت ہے جو کہ مر جاتا ہے۔
جنت	ان کی نظر میں جنت کا مطلب یہ تھا کہ جسمانی آرام وسکون وراحت
دوزخ	ان کی نظر میں دوزخ کا مطلب یہ تھا کہ جسمانی آرام وسکون کا نہ ہونا۔
کعبہ	محمد ﷺ
باب	علی (کرم اللہ وجہہ)
طواف	طواف وہ آئمہ طاہرین کے گھروں کا کیا کرتے تھے۔
تلبیہ	اجابت مدعو کو کہتے ہیں۔
روزہ	امام کے راز کو افشا نہ کرنے کو روزہ کہتے تھے۔
میقات	وقت اجابت کو وہ لوگ اس نام سے یاد کرتے تھے۔
صفاء	محمد (ﷺ)
مروہ	وصی
نار ابراہیم	شہنشاہ نمرود کے غصہ کی آگ

Marfat.com

ذبح اسماعیل	اسماعیل سے عہد جدید یا تجدید عہد
طوفان نوح	اور اس کو وہ لوگ ایسے جزیرہ سے تشبیہہ دیتے تھے جس میں امت نوح
کشتی نوح	محصور ہو۔
یاجوج ماجوج	علمائے ظاہر یعنی علمائے حق کو وہ لوگ یاجوج ماجوج کہتے تھے۔
عصائے موسیٰ	اس کو وہ لوگ دلیل و حجت حضرت موسیٰ علیہ السلام قرار دیتے تھے۔
اذان	اس کو وہ لوگ امام کی اطاعت پر آمادہ کرنا کہتے تھے۔
نماز باجماعت	اس کو وہ لوگ متابعت امام معصوم سے تعبیر کرتے تھے۔
نماز	نماز ان کے مطابق امام سے سوال کرنا تھا۔
حج	حج کے مطابق امام کی زیارت کے لئے جانا تھا۔
تیمم	امام کی غیبت میں نقیب سے آئین مذہب کامل کرنے کو کہتے تھے۔
زنا	بلا عہد میثاق افشائے سر امام باطنیہ
زکوٰۃ	ان کے نزدیک صرف دل کی صفائی اور طہارت کا نام تھا۔
غسل	ان کے نزدیک غسل یہ تھا کہ توبہ کر کے امام سے تجدید عہد کیا جائے۔
وضو	امام سے آئین مذہب حاصل کرنے کو کہتے تھے۔
احتلام	غیروں کے سامنے نادانستگی میں راز ظاہر کرنے کو کہتے تھے۔
جنابت	اپنے بھیدوں کو کسی پر ظاہر کرنا۔
مسیح کا مردوں کو زندہ کرنا۔	لوگوں کے قلوب کا علم و ہدایت سے زندہ کرنا۔

ان معانی و مطالب کو دراصل ایک طرح سے خفیہ الفاظ کا تبادلہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ ان میں سے کچھ تو الفاظ دین کا مذاق قرار دیئے جا سکتے ہیں جبکہ کچھ الفاظ ان کی خفیہ گفتگو کے غماز ہیں کہ جب یہ لوگ دوسروں کے سامنے گفتگو کرتے ہوں گے تو پھر ان الفاظ کو ہی استعمال کرتے ہوں گے تاکہ ان کی اصل گفتگو کا کسی کو علم نہ ہونے پائے۔

فرقۂ باطنیہ کے اصولوں کے مطابق شرائع اسلامی کے جتنے بھی احکامات وارد ہوئے ہیں ان کے کوئی بھی ظاہری مطالب بالکل بھی مراد نہیں۔ ان کے اصولوں کے

Marfat.com

مطابق انہوں نے معاذ اللہ آیات قرآنی کی اپنی اعراض کی خاطر نہایت ہی لچر قسم کی تاویلات پیش کی تھیں جن سے بہت زیادہ توہین قرآن کریم کی ہوتی تھی۔

باطنیہ کے نزدیک شریعت کا ایک ظاہر ہوتا ہے جسے تنزیل کہا جاتا ہے اور ایک اس کا باطن ہوتا ہے جسے وہ لوگ تاویل کہتے تھے۔ ان کے نزدیک ظاہر باطن کا مظہر اور باطن ظاہر کا مصدر ہے اور کوئی بھی ایسا نہیں کہ جس کا کوئی باطن نہ ہو اور اگر کوئی کہے تو وہ محض خام خیالی ہے۔

ان کے مطابق قرآن کریم کا ظاہر بھی ہوتا ہے اور باطن بھی۔ مگر لغت سے جو اس کے لغوی معنی اور مفہوم ہوتے ہیں۔ وہ تو قطعاً قابل اعتقاد نہیں بلکہ قابل عمل بھی نہیں۔ ان کے نزدیک حقیقی مقصود اور قابل عمل تو دراصل وہی ہوتا ہے جو اس کا باطن ہو۔ انہوں نے اس کی مثالیں اس طرح بیان کر رکھی تھیں کہ جیسے نماز کا باطن امام وقت کی کامل اطاعت روزہ کا باطن یہ کہ اپنے نظریات کو دوسروں سے ہر حال میں پوشیدہ رکھا جائے اور حج کا باطن امام کے حضور حاضری اس طرح وہ ان کی روشنی میں ان لوگوں کو اپنے گرد جمع کرنے میں کامیاب ہوگیا جو دین اسلام سے بے بہرہ تھے اور صرف کہنے کو ہی مسلمان کہلاتے تھے۔ ان آوارہ مزاج لوگوں کو تو جیسے غیاث جیسے داعی ہی کی ضرورت تھی۔

غیاث نے کچھ اس انداز میں باطنیہ کی ترویج کی کہ اس کے ارد گرد ہزاروں لوگ جمع ہو گئے۔ اب روزانہ ہی اس کے حلقۂ ارادت میں لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ اس کا مقابلہ دراصل علمائے اہل سنت کے ساتھ تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے ساتھ ہزاروں لوگ ہیں تو اس نے اب اعلانیہ تبلیغ شروع کی مگر علمائے اہل سنت نے اس کو روکنا چاہا جس کی وجہ سے اس کو علمائے کرام کے ساتھ مناظرے بھی کرنا پڑے۔

غیاث کو ان تمام مناظروں میں منہ کی کھانی پڑی اور وہ ہر جگہ سے مناظرہ میں ناکام ہوا۔ اس کے خاص لوگ حکام کے درباروں میں بھی موجود ہوتے تھے۔ اس کو اچانک یہ اطلاع ملی کہ حکام نے علمائے اہل سنت کی شکایت کی وجہ سے اسے گرفتار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے چنانچہ یہ شخص اپنے مخصوص اوباشوں کے ہمراہ ''مرو'' شہر کی

Marfat.com

طرف چلا گیا۔ یہاں اس کی پذیرائی کچھ زیادہ نہ ہوئی جس کی وجہ سے اس نے اپنے فرقہ کی تبلیغ وغیرہ پوشیدہ طریقہ سے جاری رکھی۔

غیاث کو جب یہ معلوم ہوا کہ رے میں حالات اب کافی بہتر ہیں اور اس کے لیے حد درجہ ساز گار ہیں تو اس نے دوبارہ وہاں جانے کا پروگرام بنایا۔ اس نے اب اپنے مخصوص اوباشوں سے کہا کہ وہ رے چلنے کی تیاری کریں۔ اس کا ارادہ وہاں پر اب بہت زیادہ جوش وخروش کے ساتھ تبلیغ کرنے کا تھا۔ ابھی یہ قافلہ راستہ میں ہی تھا کہ غیاث وفات پا گیا۔ اس کی موت کی خبر عبد اللہ بن میمون کے لیے کسی بہت بڑے سانحہ سے کم نہ تھی۔ وہ یہ خبر سن کر جو بیمار ہوا تو پھر یہ جنازہ پر ہی اٹھا۔ اس کی موت نے عبد اللہ کے تمام خوابوں کو چکنا چور کر دیا تھا۔ اسی غم میں عبد اللہ بھی مر گیا۔

عبد اللہ بن میمون ہوازی خود تو مر گیا مگر اسلام میں ایک بہت بڑا فتنہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔ جس نے اسلام کو اور اسلام کے ماننے والوں کو بے حد نقصان پہنچایا۔ ازاں بعد اس فرقہ کے لوگوں نے بہت سے مسلمان اکابرین کو بڑی ہی بے دردی سے قتل کر دیا۔

☆❁......❁☆

Marfat.com

Marfat.com

سید محمد جونپوری

مہدی ہونے کے اس دعویٰ دار کا نام تو سید محمد تھا مگر اس کے عقیدت مند اس کو ''میراں سید محمد مہدی موعود'' کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ سید محمد کی ولادت 847ء میں جونپور کے مقام پر ہوئی۔ اس کے باپ کا نام سید خاں اور ماں کا نام بی بی اخاملک تھا۔ یہ بات اگرچہ سبھی جانتے تھے مگر جب سید محمد مشہور ہوگیا تو اس کے ارادت مندوں نے اس کے باپ کا نام سید عبداللہ لکھنا اور بتانا شروع کر دیا۔

یہ سب اس لیے تھا کہ سید محمد کو اس پیشینگوئی کے مصداق قرار دیا جائے جو کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مہدی آخر الزماں کے بارہ میں ارشاد فرمائی تھی آپ نے فرمایا تھا کہ امام آخر الزماں کا نام میرے نام پر اور اس کے والد کا نام میرے والد کے نام پر ہوگا۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ مہدی آخر الزمان کی والدہ کا نام بھی سرکار دو عالم ﷺ کے نام پر آمنہ ہوگا۔

ایک عرصہ تک سید محمد جونپوری نے اس قسم کا کوئی بھی وعدہ نہیں کیا تھا اس کے باپ کا نام عبداللہ ہے اور اس کی ماں کا نام آمنہ ہے مگر اس کے گرد جو خوشامدیوں کی اچھی خاصی تعداد جمع ہو چکی تھی۔ یہ کام انہوں نے ہی سر انجام دیا تھا۔ جب یہ بات اچھی طرح پھیل گئی تو ایک مرتبہ کسی نے سید محمد سے یہ بات دریافت کی کہ ''جناب عالی! رسول اکرم ﷺ نے تو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ مہدی کا نام میرے نام سے اور اس کے باپ کا نام میرے باپ سے ملتا ہوگا مگر آپ کے والد کا نام تو سید خان ہے۔

Marfat.com

یہ سن کر خود ساختہ مہدی نے ایک عجیب و غریب جواب دیا کہ ''نادانو! کیا خدائے قادر و توانا اس بات کی بھی بھلا قدرت نہیں رکھتا کہ وہ سید خان کے بیٹے کو مہدی کے منصب سے سرفراز فرما دے۔'' مگر ایک مرتبہ یوں بھی ہوا کہ جب اس کا ایک سخت قسم کے سوال کرنے والے سے پالا پڑ گیا۔ اس نے جب بار بار یہ کہا تو سید محمد نے زچ ہو کر بڑے ہی غصہ کے عالم میں جواب دیا کہ ''اگر تم ایسا ہی خیال کرتے ہو تو پھر تم کو تو چاہیے کہ تم اور تمہارے جیسے دوسرے لوگ خدا سے جنگ کریں کہ اس نے سید خان کے بیٹے کو بھلا کیوں مہدی بنا دیا۔''

یہ جواب کیسا شاندار تھا۔ اس جواب کے بعد بھلا کون اس سے سوال کرے گا کہ جو اپنے غلط کام کو بھی خدا پر ڈال دے اور کہے کہ جاؤ اور خدائے واحد سے جا کر دریافت کر لو۔ اب ایسا کون ہے کہ جو اس کی غلط سلط باتوں کے لیے اپنا سر کھپائے۔ اگر دیکھا جائے تو سید محمد کی اس بات کو کسی بھی طرح دلیل نہیں کہا جا سکتا۔ ویسے تو یہ تاویل بھی نہ تھی۔ یہ تو ایک طرح سے ہٹ دھرمی تھی جو اکثر کاذبین کا شیوہ ہوا کرتا ہے۔

سید محمد جونپوری خوبرو اور خوش شکل شخص تھا اور موزوں قدو قامت اور مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ اس کے چہرہ پر بچپن سے ہی ذہانت اور فطانت دکھائی دیتی تھی۔ بچپن سے ہی وہ ایک قابل اور ذہین بچہ سمجھا جاتا تھا۔ اس نے صرف سات برس کی عمر میں میں ہی قرآن کریم حفظ کر لیا تھا اور دستار فضیلت کا مستحق ٹھہرا تھا۔ جب ذرا وہ کچھ تھوڑا سا بڑا ہوا تو وہ ایک اعلیٰ درجہ کا خطیب تھا اور برجستہ گوئی میں تو اس کا کوئی اس وقت ثانی ہی نہیں تھا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ دانیال چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور نامور علمائے کرام نے اس کی انہی خوبیوں کے پیش نظر اس کو اس کی عین جوانی میں ہی ''اسد العلماء'' کا خطاب دے دیا تھا۔ اس نوعمری کے دور میں سید محمد کو تصوف کا شوق دامنگیر ہوا۔ اس دور میں صوفیائے عظام کا ملک ہندوستان میں بڑا شہرہ تھا۔ چنانچہ اس نے سلسلہ چشتیہ میں حضرت شیخ دانیال چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔

سید محمد نے بیعت شیخ کے بعد شیخ دانیال کی صحبت میں کئی برس گزارے اور

Marfat.com

خوب خوب محنت شاقہ سے جناب شیخ کے ہر حکم کی تعمیل کی۔ ان ریاضتوں کا اسے یہ تو بہر حال صلہ ضرور ملا کہ محض قال میں کمال کرنے والے سید محمد نے اب بہ فیضان شیخ علوم حال میں بھی درجۂ کمال حاصل کر لیا تھا۔

حضوریٔ شیخ میں اب سید محمد ہمہ وقت عبادات و ریاضات میں ہمہ تن مصروف رہنے لگا۔ اس کی تمام تر دلچسپی اب صرف اور صرف ذکر و فکر ہی تھی۔ اس کی ہر وقت کی عبادت گزاری اور خاموش رہنے کی ادا نے رفتہ رفتہ اس کو ہر طرف مشہور کر دیا اور لوگ دیوانہ وار اس کی زیارت کے لیے جمع ہونے لگے۔ مگر وہ کسی کی طرف بھی دھیان نہ دیتا اور اپنی عبادت میں کسی کو بھی مخل نہ ہونے دیتا۔

دھیرے دھیرے اس کی ذات ہی مرجعٔ خلائق بن گئی۔ لوگ بطور عقیدت اس کی خدمت میں نذر و نیاز پیش کرتے مگر وہ کسی کے بھی نذرانے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ اس نے اپنے بزرگوں کی طرح اپنی گزر بسر نہایت ہی فقیرانہ رکھی تھی۔ دیکھنے والے دیکھتے تھے کہ اس کی ہر ہر حرکت میں سے انکسار اور درویشی جھلکتی تھی۔ اگرچہ شاہی نمائندے بھی اس کی صحبت کے خواہش مند رہتے تھے مگر اس نے کبھی ان کی دعوت اور نذر وغیرہ قبول نہیں کی تھی۔ وجہ صرف یہی تھی کہ جس سلسلہ میں اس نے بیعت کی تھی اس کے بزرگوں کی یہی رسم تھی کہ وہ کسی بھی حال میں سلطانوں اور شاہی حکام سے کوئی بھی اور کسی بھی قسم کا کوئی رابطہ یا واسطہ نہیں رکھا کرتے تھے۔

یہ وہ دور تھا کہ جب ملک ہندوستان میں متعدد ریاستیں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم تھیں۔ دہلی میں جو کہ مرکزی حکومت کہی جاسکتی تھی۔ وہاں تغلق خاندان برسر حکمران تھا۔ اسی طرح دکن میں بھمنیہ خاندان نے اقتدار حاصل کر رکھا تھا۔ جبکہ احمد آباد گجرات میں سلطان محمود بیکرہ کی حکومت تھی۔ سلطان غیاث الدین مالوہ میں اور احمد نظام الملک بحری نے احمد نگر میں اقتدار سنبھال رکھا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ایسی بھی تھیں جن پر ہندوؤں کی حکمرانی قائم تھی۔ جون پور کا خطہ دراصل دانا پور نامی ریاست کا حصہ تھا۔ جونپور کا حاکم اگرچہ ایک مسلمان امیر حسین نامی تھا۔ مگر وہ عملاً دانا پور کے حاکم راجہ دلیپ رائے کا باجگزار تھا۔

فطری طور پر والئ جونپور امیر حسین کی یہ دلی خواہش تھی کہ وہ آزادانہ طور پر

Marfat.com

اپنی ریاست کے معاملات سنبھالے مگر اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ کس طرح ایک طاقت ور اور مضبوط ہندوٗ راجہ سے آزادی حاصل کرے۔ اسی اثناء میں امیر حسین نے سید محمد جونپوری کی حد درجہ شہرت سنی تو وہ بھی بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے ایک مرتبہ پھر سید محمد کے پاس حاضری دی اور عرض گزار ہوا۔ ''خاکسار کی تو دلی تمنا یہی ہے کہ حضور کے قدموں میں ہی پڑا رہوں۔ مگر سلطنت کے معاملات سے فرصت نہیں ملتی۔

میرے لیے تو ایک لمحہ بھی جدائی گوارا نہیں ہے۔ اگر آپ کا حکم ہو تو میں ریاستی امور کو اپنے کسی جانشین کے سپرد کر کے خود آپ کے قدموں میں آ جاؤں اور آپ کی خدمت کروں۔ اگر یہ آپ کو گوارا نہ ہو تو پھر اس بندۂ ناچیز کو یہ شرف عطا کریں کہ میرے غریب خانہ پر کچھ عرصہ کے لیے ہی سہی قیام ضرور فرمائیں۔'' سید محمد جونپوری نے اس کی جذباتی باتوں کی قدر کی اور اس سے کہا کہ اچھا ہم آئیں گے۔

ریاست دانا پور میں سید محمد جونپوری نے بہت سے دور رس نتائج حاصل کیے اور اردگرد کی ریاستوں میں لا تعداد کافروں کو دولت ایمان سے سرفراز کیا۔ اگرچہ ریاست دانا پور کے ہندو راجہ دلیپ رائے نے بہت زیادہ اقدامات اس سلسلہ میں کیے کہ اس کی ریاست میں کوئی ایک شخص بھی مسلمان نہ ہو۔ مگر اس کی تمام تر تدبیریں ناکام ہوگئیں اور لوگ دھڑا دھڑ مسلمان ہو رہے تھے۔ اب رہی سہی کسر سید محمد جونپوری نے بھی پوری کردی اور اس کے حلقۂ ارادت میں لوگوں کی ایک کثیر تعداد دیکھی جا سکتی تھی جن میں ہندو بھی اور مسلمان بھی ہوا کرتے تھے۔ یہ صورت حاصل یقیناً ہندو راجہ کے لیے تو کوئی خوشگوار بات نہ تھی کیونکہ وہ تو ایک راسخ العقیدہ ہندو تھا۔

اس صورت حال سے یقیناً سید محمد جونپوری بھی بے خبر نہ تھا۔ ایک روز یوں ہوا کہ سید محمد جونپوری اپنے ارادت مندوں میں گھرا بیٹھا ہوا تھا ان ارادت مندوں میں امیر حسین بھی سر جھکائے عقیدت سے لبریز بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک سید محمد جونپوری نے ایک زور دار جھرجھری لی اور امیر حسین کو مخاطب کر کے کہنے لگا ''اے امیر! یاد رکھو کہ ارباب حکومت کو اللہ کریم نے دشمنوں کے لیے تلوار تھمائی ہے۔

مگر آج میں دیکھتا ہوں کہ اس روئے زمین پر تم سے زیادہ کوئی بدقسمت نہیں

Marfat.com

ہے کیونکہ تیری ذات کی وجہ سے اسلام کو رسوائی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ مگر تو ہے کہ طاغوت پرستی کی زنجیروں میں بندھا ہوا کفر کے غلبہ کا باعث بنا ہوا ہے۔'' سید محمد جونپوری کا انداز بڑا ہی جلالی تھا جس سے تمام حاضرین ہی دم بخود رہ گئے۔

یہ لہجہ تو انہوں نے کبھی سید محمد جونپوری کا دیکھا ہی نہ تھا۔ اس کے بعد سید محمد نے ان لوگوں کو بتایا کہ یہ دنیا فانی ہے اور اصلی دنیا تو آخرت کی ہے۔ اگر تم لوگ مسلمان ہو تو عزت کے ساتھ زندہ رہو مگر اس زندگی کا تو کوئی بھی فائدہ نہیں ہے۔ اس نے وہاں پر موجود لوگوں سے کہا کہ کمر ہمت باندھ لو اور ملک ہندوستان سے کفر کا خاتمہ کرو اور اسلام پھیلاؤ۔

سید محمد جونپوری کی یہ اور اسی قسم کی چھوٹی بڑی تقریروں نے حقیقی معنوں میں پورے ملک میں ایک ہلچل سی مچا دی۔ چند ہی دنوں میں اس بات کے چرچے پورے ہندوستان میں ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کوئی تیس ہزار کے لگ بھگ مسلم جوانوں کی ایک اعلیٰ ترین فوج بھی جمع ہوگئی۔

امیر حسین نے لشکر کو عمدگی کے ساتھ ترتیب دیا اور دانا پور کی ریاست کے صدر مقام گوڑ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ سید محمد جونپوری بھی اپنے پندرہ سو فقراء کے ساتھ شامل تھا۔ مگر یہ ساری کی ساری کارروائی نہایت ہی عجلت میں کی گئی تھی اور یہ نہ سوچا گیا تھا کہ مقابلہ میں کس قدر بڑی قوت موجود ہے۔ سید محمد جونپوری اپنے فقراء یا درویشوں کے ہمراہ لشکر کے پیچھے پیچھے چلا۔ اس کی جماعت مفلسی اور بے سروسامان کی منہ بولتی تصویر دکھائی دے رہی تھی۔ یقیناً اس جماعت کا مسلمانوں کے لشکر کو کسی قسم کا کوئی آسرہ نہ تھا۔ بجز ان کی دعاؤں کے اور نہ ہی دشمنوں کو ان سے کوئی خطرہ دکھائی دے رہا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر سید محمد جونپوری کچھ ذرہ سا توقف کر لیتا تو اردگرد کی ریاستوں سے اس کے ارادت مندوں کی ایک معقول تعداد اس کے پاس پہنچ سکتی تھی مگر جوش جہاد میں وہ یہ سب کچھ کر گزرا تھا۔ امیر حسین اگرچہ ایک جہاندیدہ اور زیرک حاکم اور سپہ سالار تھا اور وہ یہ سمجھ سکتا تھا کہ مقابلہ میں ایک زبردست فوج موجود ہے جو اس کے لشکر کو یقیناً نسیت و نابود کرنے کی صلاحیت رکھی ہے مگر سید محمد کے حکم

Marfat.com

سے اس نے قطعاً سرتابی نہیں کی۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ اس کو سید محمد کے ساتھ حقیقی اور دلی عقیدت مندی تھی۔

راجہ دلیپ رائے ایک بیدار مغز حکمران تھا۔ اس نے جب یہ سنا کہ امیر حسین نے تیس ہزار کی فوج کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا ہے تو وہ انگشت بدنداں ہی رہ گیا۔ اس کو یہ حیرانگی تھی کہ امیر حسین یہ جانتے ہوئے بھی کہ راجہ کی فوج بہت بڑی ہے اور اس کے پاس اسلحہ کی بھی فراوانی ہے پھر بھلا اس نے کس طرح یہ انتہائی قدم اٹھایا۔ اس نے اپنے قریبی امراء کو جمع کیا اور انہیں جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ اس کے پاس باقاعدہ اورتربیت یافتہ فوج موجود تھی۔ وہ بہت ہی جلد جنگ کے لیے تیار ہوگئی۔ اس کی فوج کی ایک خاص بات اس میں لاتعداد ہاتھی تھے جن کو خصوصی طور پر جنگ کی تربیت دی گئی تھی۔ راجہ کی فوج کی تعداد کم از کم ستر ہزار تھی جس میں سوار اور پیادہ شامل تھے۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے آئے تو یقینی طور پر راجہ کا لشکر ہر طرف چھایا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ جنگ کی ابتداء میں مسلمانوں نے بڑی بہادری دکھائی مگر ظاہری طور پر راجہ کی فوج کا پلڑا بھاری دکھائی دے رہا تھا۔ امیر حسین ایسی صورت میں کچھ بھی تو نہیں کرسکتا تھا وہ تو صرف اب اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ کئے ہوئے تھا اور اسی لیے وہ بار بار سید محمد کی طرف پریشانی کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔

امیر حسین سید محمد کی طرف بے انتہا پریشانی کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔ مگر اس کو اس وقت بڑی حیرانگی ہوئی جب وہ سید محمد کو بالکل پرسکون اور مطمئن دیکھا گویا یہ سب کچھ تو اسے معلوم ہی تھا۔ کیونکہ اس پر دشمنوں کی قوت اور شجاعت کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ امیر حسین بھی محض اسے دیکھ ہی رہا تھا منہ سے کچھ بولتا نہ تھا۔

اب ایسا وقت بھی آیا کہ جب مسلمانوں کی فوج پر سراسیمگی کے آثار نمودار ہونا شروع ہوگئے۔ قریب تھا کہ وہ پسپائی پر مجبور ہو جائے کہ سید محمد نے اس موقع پر حالات کا رخ ہی موڑ کر رکھ دیا۔ ہوا یوں کہ جب مسلمانوں نے پسپائی کا رادہ کر لیا تو امیر حسین بھاگتا ہوا سید محمد کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ وہ بھی بھاگ کر جان بچائے گا مگر سید محمد اس پر غضبناک ہوا۔

Marfat.com

سید محمد جونپوری نے حالات کو دیکھتے ہوئے اپنے درویشوں کو اشارہ کیا اور نعرہ تکبیر بلند کیا۔ تمام درویشوں نے بھرپور جوش و جذبہ کے ساتھ اس نعرہ کا جواب دیا اور دشمنوں پر بری طرح ٹوٹ پڑے۔ یہ راجہ کے لیے بھی ایک نئی بات تھی کیونکہ وہ بھی اور اس کی فوج بھی ان مفلوک الحال فقیروں کو اہمیت نہیں دے رہے تھے۔

درویشوں نے اس قدر خوفناک حملہ کیا کہ اب راجہ کی فوج ہی کو پسپائی پر مجبور ہونا پڑا۔ اس اثنا میں پسپا ہوتے ہوئے مسلمان بھی پلٹ آئے اور جنگ میں مصروف عمل ہوگئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سید محمد جونپوری، راجہ کے مقابل پہنچ گیا۔ راجہ نے ایک زبردست وار کیا مگر سید بچ گیا اور جو اس نے پلٹ کر وار کیا تو راجہ آن واحد میں اپنے سر سے محروم ہوگیا۔ اس کی فوج نے جب یہ دیکھا کہ ان کا سردار میدان جنگ میں کام آچکا ہے تو انہوں نے میدان سے فرار ہونا چاہا مگر مسلمانوں کی فوج نے ان کو بری طرح کاٹنا شروع کر دیا۔

اس جنگ کی فتح نے اس پورے علاقہ میں امیر حسین کو ایک غیر متنازعہ حکمران بنا دیا اور سید محمد کی ارادت مندی میں زبردست اضافہ ہوا۔ اس علاقہ میں اب سید محمد کے عقیدت مند ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں میں تھے۔ راجہ کے اکثر عزیز رشتہ داروں نے خوش دلی کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ لوگوں کی اکثریت اس جنگ کی فتح کو بھی سید محمد کی ہی کرامت خیال کرتی تھی۔ اس اثناء میں سید محمد کی بیوی کچھ عرصہ بیمار رہ کر وفات پا گئی۔ اب تو سید محمد اور بھی آزاد ہوگیا۔ جو تھوڑی بہت ذمہ داری اس پر تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔

سید محمد جونپوری وہاں سے جو چلا تو احمد نگر پہنچا۔ یہاں بھی چونکہ اس کی شہرت پہنچ چکی تھی چنانچہ وہاں اس کا بہت ہی زبردست استقبال کیا گیا۔ عوام الناس کا تو کیا ہی کہنا تھا حاکم سلطان احمد نظام شاہ گجراتی کا مرید ہوگیا تھا۔ یقیناً یہ بات بڑی ہی اہمیت کی حامل تھی کہ ایک حکمران ایک فقیر کے قدموں میں جگہ حاصل کرنے میں بہت زیادہ خوشی محسوس کر رہا تھا۔

یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہو پاتا ہے کہ سید محمد جونپوری نے کب مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ مگر یہ بات طے شدہ ہے کہ اس نے یہ

Marfat.com

دعویٰ کیا ضرور تھا اور اس کے عقیدت مندوں کی جماعت کو مہدویہ کہا جاتا تھا اور اس کے عقیدت مند خود کو مہدوی کہلانا ناپسند کرتے تھے۔

سید محمد جونپوری نے ایک مرتبہ یوں کہا تھا کہ مجھے اٹھارہ برس تک مسلسل خدا کا بلاواسطہ یہ حکم دیا جاتا ہے کہ میں مہدیت کا دعویٰ کروں مگر میں ٹالتا رہا۔ اب مجھے بڑا سخت حکم ہوا کہ اے سید محمد مہدیت کا دعویٰ کرنا ہے تو کرو وگرنہ تمہارا شمار بھی ظالموں میں کیا جائے گا۔ چنانچہ میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں مہدی ہوں اور جو انکار کرے گا وہ ضرور دوزخ کا ایندھن بنے گا۔

حیرت انگیز بات یہ بھی ہے کہ باوجودیکہ اس قدر زبردست پذیرائی کے سید محمد کسی ایک شہر یا گاؤں یا قصبہ میں مستقل قیام پسند نہیں کرتا تھا۔ مگر یہ بات بھی درست ہے کہ کئی جگہوں سے اس کو ذلیل و خوار کر کے باہر نکالا گیا اور کئی جگہوں سے اس نے خود ہی مراجعت کی تھی۔ اس لیے اس نے احمد نگر کو بھی خیر باد کہہ کر احمد آباد چلا آیا۔ یہاں بھی اس کی خوب آؤ بھگت کی گئی۔ یہاں ایک بہت بڑے عالم ملا ضیاء اور نامور قاضی علاؤ الدین نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

یہاں سے اس کو شاہی حکم کے بعد نکال دیا گیا۔ یہاں سے وہ نکل کر بند دوا بھول آیا اور یہیں سے وہ سفر حج پر روانہ ہوا تھا۔ واپسی پر اس کا کوئی بھی قصور ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے جو دیکھا کہ اس کی زبردست مخالفت بھی اس کے ارادت مندوں کو اس سے متفرق نہیں کر پائے تھے۔ تو اس نے اب مہدی ہونے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ برہان الدین اور ملک گوہر نے تو فوری طور پر اس کی بیعت کر لی۔ اب اس کا قیام احمد آباد میں تھا جہاں ہزاروں لوگوں نے اس کی بیعت کر لی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ جہاں بھی جاتا اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا۔

احمد آباد میں بھی علماء و مشائخ نے اس کی شدید مخالفت کی جس کی وجہ سے سلطان محمود گجراتی نے اسے وہاں سے نکل جان کا حکم دیا۔ یہاں سے نکل کر اس نے ایک گاؤں سولہ سا نیج میں قیام کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے یہاں سے بھی کوچ کیا اور اب اس نے نہر والہ شہر میں قیام کیا جو پیران پٹن، گجرات میں واقع ہے۔ اس گاؤں میں اس نے تقریباً ڈیڑھ برس تک قیام کیا۔ یہاں اگر اس کے عقیدت منداس کے گرد جمع

Marfat.com

ہوتے تھے تو دوسری طرف علمائے حق اس کے ساتھ مناظروں کے لئے بھی حاضر ہوتے تھے۔ یہاں بھی اس کو مناظرہ میں پے در پے شکستیں ہوئیں مگر ایک دنیا نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ انہی میں ایک مشہور مولوی میاں خوندیر نے اس کے ہاتھ بیعت کر لی اور ملک برادران نے بھی بیعت کر لی انہوں نے ناصرف یہ کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی بلکہ وہ اسی کے ساتھ روانہ بھی ہوگئے۔

سید محمد جونپوری کی یہ عادت تھی کہ جب بھی اسے کسی ریاست سے نکل جانے کا حکم دیا جاتا تو وہ اپنے ارادت مندوں سے کہتا کہ مجھے حکم خداوندی ہوا ہے کہ یہ علاقہ چھوڑ دوں۔ پیران پٹن سے جو وہ رخصت ہوا تو پھر اس نے قصبہ بدلی میں قیام پسند کیا۔ یہاں بھی اس کے عقیدت مندوں کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی۔ علمائے کرام بھی اس کی اطلاع ملتے ہی وہاں بھی پہنچ گئے اور اس کے ساتھ مناظرے شروع کئے۔ یہاں علمائے کرام نے اس کو اس دعویٰ سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی مگر وہ بھلا کیونکر باز آسکتا تھا۔

یہاں سے بھی اس کو نکل جانے کا حکم دیا گیا اور وہ وہاں سے نہایت ہی دل شکستہ ہو کر نکلا یہاں سے نکلتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا کہ حد افسوس کہ اگر میں حق پر تھا تو میری اتباع کیوں نہ کی گئی اور اگر حق پر نہ تھا تو پھر مجھے قتل کیوں نہ کر دیا گیا کہ جہاں جاؤں وہاں کے مسلمانوں کو گمراہ کرتا پھروں اس کا وبال تو ان کی گردن پر رہے گا۔

سید محمد جونپوری اب جالور آگیا اور یہاں بھی اس کے عقیدت مند اس کے گرد جمع ہوتے گئے۔ مگر یہاں بھی اس کا قیام محض چند ماہ رہا پھر وہ ناگور اور پھر سندھ کے ایک شہر نصر پور میں چلا گیا۔ نصر پور سے پہلے اس نے کچھ روز سندھ کے دارالحکومت یا مرکز شہر ٹھٹھ میں قیام کیا۔ اب ہوا یہ کہ اس کی آمد سے پہلے ہی اس کی مخالفت بیاں شروع ہوگئی۔ چنانچہ وہاں کے سربرآوردہ لوگوں نے اس کو یہ پیغام روانہ کیا کہ یہاں کے لوگوں کو بے دین کرنے سے باز رہنا وگرنہ یہاں تم اور تمہارے ساتھی بھوک و پیاس سے مر جاؤ گے۔ سید محمد بھلا ایسے احکامات کو کب خاطر میں لانے والا تھا۔ اس نے حسب سابق یہ کام جاری رکھا۔

اس صورت حال کے پیش نظر ان کا کھانا پینا مشکل ہوگیا۔ اسی حالت میں

Marfat.com

اس کے 84 عقیدت مند بھوک و پیاس کی وجہ سے مر گئے۔ اس کے باقی مرید بھی اس حالت میں بڑی مشکل سے گزر کر رہے تھے ان پر بھی بہت مایوسی طاری ہوئی مگر سید نے ان کو یہ کہا کہ تمام شہید ہونے والوں کو جنت مل چکی ہے تم لوگ کیوں فکر کرتے ہو۔ علمائے کرام نے سندھ کے حکمران سے سید اور اس کے ساتھیوں کے قتل کے احکام جاری کروا دیئے۔ مگر دریا خاں مصاحب نے قتل کے حکم کو ختم کروا کر خروج کا حکم نامہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ سید اور اس کے ساتھی یہاں سے بھی نہایت ہی کسمپرسی کے عالم میں نکلے۔

سید محمد جونپوری اب اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس پر تو تمام ہندوستان ہی کی سرزمین ہی تنگ ہوگئی ہے۔ چنانچہ اب اس نے خراسان کا رخ کیا۔ فقیر کا خیال یہ ہے کہ اس نے جب یہ دیکھا کہ ہندوستان میں ہر جگہ وہ فتنہ پردازی کر چکا ہے اسی لئے اب اس نے اپنا رخ خراسان کی طرف موڑا ہوگا۔ مہدیوں کا یہ کہنا تھا کہ اس وقت اس کے قریبی ساتھی 900 کے قریب اس کے پاس موجود تھے مگر اس نے ان میں 360 خصوصی لوگوں کو منتخب کیا جنہوں نے اس کے ساتھ سفر کرنا تھا۔ سب سے پہلے یہ قافلہ مشہور شہر قندھار پہنچا۔ سید محمد کی جسمانی حالت اس وقت بہت ہی خراب تھی اوپر سے مایوسی کی حالت۔

قندھار کے حاکم مرزا شاہ بیگ نے جب اس کی اطلاع پائی تو یہ حکم دیا کہ بروز جمعۃ المبارک کو سید محمد جونپوری کو جامعہ مسجد میں لایا جائے اور علمائے کرام کے ساتھ بحث کروائی جائے۔ سید کو اچانک پکڑا گیا۔ اور اس کو اس حالت میں چلنے پر مجبور کیا گیا کہ اس کے پاؤں میں جوتے بھی نہ تھے۔ اس کے کسی ساتھی کو اس کے ساتھ چلنے کی اجازت نہ دی گئی۔

جامع مسجد میں اس کے ساتھ علمائے کرام نے بڑی درشتگی سے سوالات کئے مگر سید محمد نے عجز و انکسار کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اور ان سے بڑے ہی اخلاق سے پیش آیا۔ قندھار کا حاکم اس کے اس طرز عمل سے بڑا ہی خوش ہوا۔ اس نے سید محمد جونپوری کی بے حد تکریم کی۔ اگرچہ اس کو یہاں سے نکل جانے کا حکم نہیں دیا گیا تھا مگر اس نے قندھار سے چلے جانے میں ہی عافیت جانی۔

اسی طرح ادھر سے ادھر بھاگتے بھاگتے سید محمد جونپوری کے اعصاب کمزور

Marfat.com

سے کمزور ہوتے چلے گئے اور اس نے 910ھ بمطابق 1602ء میں ایک بہت بڑا فتنہ قائم کرنے کے بعد آخر کار یہ دنیا چھوڑ دی۔ اس وقت اس کی عمر 63 برس کے قریب تھی۔

اگرچہ سید محمد جونپوری نے ایک باطل دعویٰ کیا تھا اور بمطابق احادیث مبارکہ وہ مہدی موعود نہ تھا مگر اس غلط دعویٰ کے علاوہ اس کی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ دکھائی نہیں دیتا ہے کہ جو اس کی اسلام دشمنی کی غمازی کرتا ہو۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہو پاتا کہ کیا اس نے کوئی نیا مذہب بنایا تھا یا یہ کہ اس نے اسلامی شعائر میں کسی قسم کی تبدیلی کی تھی ان میں کسی قسم کی تحریف یا تبدل کیا تھا۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود اس کا دعویٰ مہدیت بالکل ہی جھوٹ اور باطل دعویٰ تھا۔

☆❁......❁☆

Marfat.com

Marfat.com

مہدی سوڈانی

مہدی سوڈانی، تاریخ سوڈان کا ایک تابناک باب کہا جا سکتا ہے۔ اس کا اصلی نام محمد احمد تھا اور اس کے باپ کا نام عبد اللہ تھا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس کی والدہ کا نام آمنہ تھا۔ یہ شخص 1264ء بمطابق 1848ء میں ایک چھوٹے سے جزیرے میں جو کہ ڈنکولہ کے قدیم و حال کے درمیان واقع ہے پیدا ہوا۔ اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دریائے نیل کے تیسرے آبشار کے قریب موضع جنگ میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ عبد اللہ کشتی سازی کا کام کرتا تھا۔

مہدی کے سن بلوغ کو پہنچنے سے پہلے ہی اس کے والدین جزیرہ ابا میں جو خرطوم سے شمال کی جانب نیل ابیض پر واقع ہے نقل مکانی کر گئے تھے۔ مہدی نے جزیرہ ابا میں ہی ہوش سنبھالا تھا۔ نو عمری ہی میں اس نے ایک غار میں یاد الٰہی میں زندگی بسر کرنا شروع کر دی تھی۔ اس کے وعظ اور نصائح کو سننے کے لیے ہزاروں کی تعداد میں لوگ جوق در جوق آیا کرتے تھے۔ اس کی خدا پرستی کا چرچا دھیرے دھیرے سوڈان میں ہر طرف پھیل گیا۔

مہدی کی جوانی کا دور غالباً وہی دور تھا کہ جب تقریباً پورا عالم اسلام انگریزوں کے زیر نگیں ہوتا جا رہا تھا۔ انہی ایام میں مہدی جوان ہوا۔ جمادی الثانی 1288ھ بمطابق مئی 1881ء میں ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی جزیرہ ابا میں مہدی کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئی تھی۔ مہدی نے اب وحدانیت اور رسالت کا وعظ کرنا شروع کر

Marfat.com

دیا تھا۔ مہدی خود کو ہادی اور رہبر بتاتا تھا۔

تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی جماعت نے جو کہ پہلے پہل ایک بالکل خالص مذہبی جماعت تھی۔ اب سیاسی جماعت کے طور پر سامنے آنے لگی۔ اب مہدی نے لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوششیں تیز کر دیں۔ مہدی کا مشہور قول یہ تھا۔ ''ہم موت کو ایسا ہی چاہتے ہیں جیسا تم زندگی کو موت ہمیں زندگی سے بھی زیادہ پیاری ہے اور سب سے زیادہ عزیز چیز ہمیں موت ہے۔''

ان کلمات میں مہدی دراصل کافروں کو خطاب کر رہا تھا۔ ان الفاظ میں گویا کہ برق اثر پنہاں تھا کہ چند ہی دنوں میں ہزاروں آدمی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ مصر کی افواج جو کہ انگریزوں کے تابع تھیں اور سوڈان میں العبید، سنار، فشوڈ اور کساں کے مقامات پر تعینات تھیں یکے بعد دیگرے مہدی کے تربیت یافتہ درویشوں کا نشانہ بن گئیں۔

خرطوم میں مقیم گورنر جنرل ہزاروں افراد کی ہلاکت اور لاکھوں روپے خرچ کرنے کے بعد بھی اس بہادر جماعت کو زیر کرنے میں ناکام ہو گئے۔ سوڈانیوں نے مہدی کے جھنڈے تلے اپنی ایسی بہادری اور دلیری کا سکہ جمایا کہ مصر کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں ان کی شہرت پھیل گئی۔ یاد رہے کہ انگریزوں کی جس قدر بھی مہمات ان کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئیں ان کا خاتمہ ہو گیا۔

سوڈانیوں کی یہ دلیری ان اقوام کے لیے لمحۂ فکریہ بن گئی جو کہ بڑی آسانی کے ساتھ انگریزوں کی غلامی قبول کر چکی تھیں ان میں سرفہرست ہندوستان کی مغل حکومت تھی۔ انہی برسوں میں ہندوستان میں بھی ایک ملعون نے مہدیت کا دعویٰ کیا تھا۔ مگر اس نے مہدی سوڈانی کے برعکس اپنی قوم کو دلیری کی بجائے بزدلی کا سبق پڑھا کر غلامی کے طوق بخوشی اپنی گردنوں میں ڈالنے کا مشورہ دیا تھا۔ جب مہدی سوڈانی اپنی قوم کو زندگی سے بیزاری اور موت سے پیار کا سبق دے رہا تھا تو ہندوستان کا مہدی اپنی قوم کو یہ سبق دے رہا تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے انگریزوں کی غلامی اختیار کر لو۔

ذی القعدہ 1299ھ بمطابق اکتوبر 1882ء میں خرطوم کے گورنر جنرل عبدالقادر نے رپورٹ کی کہ جس قدر ملک میرے قبضہ میں ہے وہ نکلا چلا جا رہا ہے۔ اگر

Marfat.com

ہے۔ اگر کوئی معقول انتظام نہ ہوا تو تمام علاقہ پر مہدی کا قبضہ ہو جائے گا۔ اس رپورٹ نے مصر میں موجود انگریزوں میں گویا ایک ہلچل سی مچا دی۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ انگلینڈ و مصر کیا تدابیر اختیار کریں کہ اس بہادر جماعت کو زیر کر لیں۔

جس وقت انگریز فوج عربی پاشا کو شکست دے کر قاہرہ میں داخل ہوئی تھی مہدی نے صوبہ کردمان کے صدر مقام العبید کا سختی سے محاصرہ کر رکھا تھا۔ جب عبد القادر گورنر جنرل خرطوم کی رپورٹ قاہرہ پہنچی تو یہ طے پایا کہ عربی پاشا کی فوج کے آدمی جن سے ہتھیار واپس لے لیے گئے تھے انہیں مہدی کے مقابلہ پر روانہ کیا جائے۔ اس فوج کو جنرل ہکس کی ماتحتی میں روانہ کیا گیا۔ انگریز سپاہی جو اس فوج کے ساتھ گئے ان کی حالت خوف کے مارے ناگفتہ بہ تھی۔ انہیں تو یہ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ انہیں موت کے منہ میں روانہ کیا جا رہا ہے۔

ربیع الثانی 1300ھ بمطابق مارچ 1883ء میں جنرل ہکس دس ہزار فوج کے ساتھ جس میں نو یورپی افسران بھی شامل تھے، خرطوم پہنچا۔ وہاں سے اس نے العبید کو روانہ ہونا تھا جو کہ مہدی کے محاصرہ میں تھا۔ اس مہم کے ساتھ لندن کے اخباروں کے رپورٹرز بھی تھے۔

5 نومبر کو العبید سے 30 میل کے فاصلہ پر مہدی نے جنرل ہکس کی فوج پر اچانک حملہ کر دیا۔ ہوا یوں کہ جیسے ہی مصری فوج سامنے آئی مہدی کے درویشوں نے ان پر ایسے حملہ کر دیا جیسے کوئی شکاری جانور اپنے مطلوبہ شکار پر کرتا ہے۔ مصری فوج کی تمام تر پریڈ اور قواعد وغیرہ خاک میں مل گئے۔ انگریزی فوج اس قدر بدحواس ہوئی کہ اپنے سپاہیوں پر ہی گولیاں چلانے لگے۔

جدید ترین اسلحہ سے لیس انگریز فوج کو مہدی کے درویشوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور تلواروں سے آن واحد میں کاٹ کر رکھ دیا۔ انگریز فوج میں اگرچہ زیادہ تر مصری فوجی تھے مگر ان کو بندوقیں چلانے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ اس معرکہ میں نو کے نو انگریز افسر اور پوری دس ہزار فوج پیوند خاک ہوگئی۔ کوئی ایک سپاہی بھی اس داستان عبرت کو سنانے قاہرہ نہ جا سکا۔

مہدی کی یہ پہلی اور مکمل فتح تھی جس سے پورے افریقہ میں ڈنکولہ سے خط

Marfat.com

استوا تک اور بحر قلزم سے میدان صحارا تک یہ خیال راسخ کر دیا کہ یہی مہدی دراصل مہدی موعود ہے۔ اس خیال کی تائید دراصل اس وجہ سے بھی ہوئی تھی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے کچھ امام مہدی کی نسبت ارشاد فرمایا ہے اس میں سے چند باتیں مہدی سوڈانی کے حالات سے بالکل مطابقت رکھتی تھیں۔

سنن ابو داؤد میں حضرت عبد اللہؓ بن مسعود سے یہ روایت درج ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک شخص مجھ میں سے یا میرے اہل بیت میں سے پیدا ہوگا جس کا نام میرے نام پر اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کی مانند ہوگا اور وہ زمین کو عدل سے بھر دے گا۔

ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ رسول کرم ﷺ نے مہدی کی والدہ کا نام بھی اپنی والدہ کے نام کے مطابق ارشاد فرمایا تھا۔

اب ہوا یوں کہ مہدی کا نام محمد احمد، باپ کا نام عبد اللہ اور ماں کا نام آمنہ تھا۔ یہی وہ مطابقت رکھتی تھی کہ جس کی وجہ سے سوڈانیوں کو یہ یقین ہوگیا کہ مہدی سوڈانی ہی مہدی موعود ہے۔ مہدی کی اصل غرض تو انگریزوں کے خلاف اپنی قوم کو متحد کرنا تھا۔ تاریخ اسلام میں یہ پہلا جھوٹا مدعی مہدیت تھا کہ جس نے اپنی قوم کو کافروں کے خلاف ابھارا وگرنہ جتنے بھی مہدی نمودار ہوئے انہوں نے اپنے ارادت مندوں کو مسلم حکومتوں کے ساتھ ہی برسرپیکار کیا اور لاکھوں مسلمانوں کو شہید کروایا۔

قاہرہ میں ابھی جنرل ہکس کی شکست ہی کے چرچے تھے کہ انہی دنوں یہ خبر بھی انگریزوں کے اوپر بجلی بن کر گری کہ سواکن پر بھی درویشوں نے حملہ کر کے انگریزوں کی پروردہ مصری فوج کو نیست و نابود کر دیا ہے۔ یہ علاقہ بحر قلزم پر واقع ہوا ہے اور اس مہم کو مہدی کے حکم سے نامور سپہ سالار عثمان دغنہ سرانجام دے رہا تھا۔ عثمان دغنہ نے سواکن پر حملہ کر کے مصری فوجوں کو چاروں طرف سے گھیر کر بالکل ہی تباہ و برباد کر دیا۔

4 نومبر 1883ء بمطابق ذوالحجہ 1300ھ کو محمد پاشا طاہر کی فوج لے کر سواکن سے لے کر اپنی فوج کی مدد کے لیے نکلا۔ اس کے ہمراہ انگریز سفیر مانگرف بھی تھا۔ سواکن سے جب یہ فوجی دستہ روانہ ہوا تو اس میں 550 آدمی شامل تھے۔ عثمان دغنہ کے

Marfat.com

150 درویشوں نے ان پر حملہ کیا اور عبرت ناک شکست سے دو چار کیا۔

انگریزوں کے اوسان تو کردفان اور سواکن کی عبرت ناک شکستوں نے خطا کر رکھے تھے چنانچہ جنرل ویلنٹائن بیکر کی ماتحتی میں سوڈان پر دوسری مہم روانہ کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ اس میں مصری فوج کے دو ہزار پیدل اور 520 سوار شامل تھے۔ جب کہ 9 یورپی افسران کے علاوہ 100 والنٹئرز بھی شامل تھے۔

جنرل بیکر 3700 فوجیوں کے ساتھ سواکن کے جنوب میں ٹرنکسٹیٹ میں بحری جہازوں سے اترا۔ یہ 4 فروری 1884ء کو آگے روانہ ہوا۔ جیسے ہی یہ فوج الطیب پہنچی تو درویشوں نے اس پر بڑی ہی بہادری کے ساتھ حملہ کر دیا۔ جنرل بیکر نے جب یہ دیکھا تو اپنی فوج کو پسپا ہونے کے لیئے کہا اور پیدل سپاہیوں سے کہا کہ وہ حملہ روکنے کی کوشش کریں مگر مصری سپاہی اور انگریز والنٹیئرز جن کے دلوں میں پہلے ہی درویشوں کی ہیبت چھا گئی تھی بالکل از خود رفتہ ہو گئے۔ جنرل بیکر نے اپنی فوج کو مربع کی شکل میں جما لیا تھا۔ مگر ان کے دلوں پر درویشوں کی دہشت چھا چکی تھی۔

اس معرکہ میں تمام انگریز افسر اور سپاہی مارے گئے جب کہ عثمان دغنہ کے ہاتھ 4 کرپ توپیں، تین ہزار بندوقیں اور پانچ لاکھ کارتوس آئے۔ 3700 سپاہیوں میں سے صرف 1400 پریشان حال مصری سپاہی ٹرنکٹیٹ پہنچ پائے تھے۔ وہاں سے وہ لوگ کشتیوں پر سوار ہو کر سواکن پہنچ گئے۔ عثمان دغنہ کی فوج جو کہ درویشوں پر مشتمل تھی کی تعداد 1200 تھی۔

جنرل بیکر کی شکست نے برطانیہ اور مصر میں سراسیمگی کی کیفیت پیدا کر دی۔ اب انہیں یقیناً بحیرۂ قلزم اور وادیٔ نیل میں مصیبت کا سامنا تھا۔ ان کے ہاتھوں سے کردفان اور درفر پہلے ہی نکل چکے تھے اور خرطوم و کسالہ پر مہدی کے درویشوں نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ اسی طرح سواکن بھی درویشوں کے محاصرہ میں تھا۔ اس سے پہلے جو دو جنگیں ہوئی تھیں ان میں انگریز افسران کمانڈر تھے اور درویشوں کو مکمل فتح حاصل ہو چکی تھی۔

اب مہدی کی سلطنت خرطوم سے چھ سو میل تک پھیل چکی تھی۔ مغرب کی جانب علاقہ کردفان، دافر اور درفرتیت اس میں شامل تھے۔ مشرق کی طرف سے حبش تک

Marfat.com

تمام سنار اس میں آ چکا تھا۔ جبکہ شمال و جنوب کی جانب سواکن تک سرحد جا پہنچی تھی۔ مہدی کے اقبال کا اس وقت ستارہ عروج پر تھا۔ رفتہ رفتہ اس کا اقتدار ان صوبہ جات تک جا پہنچا جو بالائی نیل پر واقع تھے۔ کچھ ہی عرصہ میں مہدی کا اثر الفشیر کے علاقہ تک پہنچ گیا اور سلاطین بے کو جو کہ اس علاقہ کے حاکم تھے ایک نئی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ سلاطین بے نے اس صورت حال کے پیش نظر اسلام قبول کر لیا اور مہدی کی اطاعت قبول کر لی۔

یکے بعد دیگرے دو شکستوں کے بعد اب حکومت برطانیہ نے ایک تجربہ کار جرنیل کو سوڈان تسخیر کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ جرنیل اس سے پہلے بھی دو مرتبہ اس علاقہ پر حکومت کر چکا تھا۔ یہ تھا سفاک اور ظالم ترین شخص جنرل گارڈن۔ یہ پہلی مرتبہ 1874ء میں سر سموئیل بیکر کی جگہ گورنر جنرل مقرر ہوا تھا اس کے بعد 1877ء میں وہاں گیا تھا۔ اس وقت تو صورت حال دوسری تھی اس وقت تو ان کے غلاموں میں بدنظمی پھیلی ہوئی تھی جسے دور کرنے کے لیے اس سفاک جرنیل کا تقرر ہوا تھا۔ مگر اب صورت حال یکسر مختلف تھی کیونکہ اب تو غلام مقابلہ پر اتر آئے تھے۔

1884ء میں جنرل گارڈن کو یہ حکم دیا گیا کہ اردگرد کے تمام مقامات سے افواج برطانیہ کو جمع کر کے اس مہم کو کامیاب کریں۔ "ہسٹری آف مہذرم" میں میجر ونگیٹ نے جنرل گارڈن کی روانگی کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "جنرل گارڈن کا لندن سے روانہ ہونا اور قاہرہ پہنچنا یکساں تھا۔ ڈیوک آف کیمبرج اور لارڈ ولزلی اسٹیشن پر بوقت روانگی موجود تھے۔ مگر اس طرح کہ گویا ایک تیسرا شخص کسی دعوت میں جاتا ہے اس کو رخصت کرتے ہوں۔"

جس وقت خصوصی ٹرین قاہرہ پہنچی تو ایک مسافر کالا کوٹ پہنے ہوئے ریل گاڑی سے اترا نہ اس کے ساتھ کوئی نوکر تھا نہ سامان سفر۔ جو انتظام و احکامات ضروری تھے ان سب کے واسطے جنرل گارڈن نے پہلے ہی جب وہ جہاز پر تھا لکھ دیئے تھے۔ قاہرہ کے بلک اسٹیشن پر موسم سرما میں شام کے وقت جنرل گارڈن ریلی پر سوار ہوا اور جس وقت گاڑی روانہ ہوئی تو جنرل گارڈن، کرنل اسٹورٹ اور جنرل گراہم کے بشاش چہرے گاڑی کی مدہم روشنی میں نظر آئے تھے۔ اس طرح جنرل گارڈن، کرنل اسٹورٹ

Marfat.com

کے ہمراہ اس سفر پر روانہ ہوا۔

جنرل گراہم، کورسکو کے مقام پر جنرل گارڈن اور کرنل اسٹورٹ سے جدا گیا تاکہ عثمان دغنہ سے مشرقی ساحل پر لڑ سکے۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب پورے انگلینڈ کی نظر بد بلاشبہ سواکن پر لگی ہوئی تھیں۔ انگریزوں کی یہ کوشش تھی کہ جنرل بیکر کی شکست کا بدلہ لے کر سواکن کو درویشوں سے بچایا جائے۔ فروری 1884ء میں کونسل وزارت انگلستان میں یہ معاملہ پیش ہوا تھا اور بڑے غور وفکر کے بعد یہ طے پایا تھا کہ سواکن کی ہر ممکن حفاظت کی جائے۔

ابھی یہ ہو ہی رہا تھا کہ انگلستان کو ایک اور صدمہ جھیلنا پڑا جب مصر کی فوج جو مقام سنکوٹ میں تھی۔ اس نے چھ ماہ تک متواتر عثمان دغنہ کے محاصرہ سے تنگ آ کر اس پر حملہ کر دیا۔ مگر اس فوج کا سپہ سالار محمد توفیق اپنی تمام تر فوج کے ساتھ مارا گیا۔ اس خبر نے انگریزوں کی راتوں کی نیندیں حرام کر دیں۔ اب انگریزوں نے یہ طے کیا کہ آئندہ مہدی کے درویشوں کے مقابلے کے لیے انگریز فوجوں کو ہی روانہ کیا جائے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جب انگریز افواج نے لڑنا تھا وگرنہ وہ صرف اپنے افسران ہی روانہ کرتے تھے باقی فوجی تو مقامی ہوا کرتے تھے۔ انگریزوں کی اس فوج کی سربراہی سر جیرالڈ گراہم کر رہا تھا۔ جو کہ بہت تجربہ کار مشہور تھا۔

جنرل گراہم کی مہم کو کامیاب بنانے کے لیے تمام ممکنہ تدابیر اختیار کی گئیں۔ اس کے ساتھ چار ہزار انگریز فوجی تھے۔ جنرل گراہم نے عثمان دغنہ کی فوج سے مقام الطیب پر مقابلہ کیا۔ اس مقابلہ میں گراہم کی فوج نے درویشوں کے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور جنرل بیکر سے چھینی ہوئی توپیں واپس حاصل کر لیں۔ اب جنرل گراہم نے عثمان دغنہ کے صدر مقام تمائی پر حملہ کیا اور ایک خونریز جنگ کے بعد اس پر قبضہ کر کے انتہائی درندگی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے وہاں جو بھی ملا اس کو قتل کر ڈالا اور عام مکانات کو جلا کر خاک کر دیا۔ اس معرکہ میں 33 انگریز افسر اور 357 سپاہی زخمی ہوئے۔

اسی اثنا میں جنرل گارڈن خرطوم پہنچ گیا۔ مگر جلد ہی یہ افواہ پورے خرطوم میں پھیل گئی کہ انگریزوں نے مصر لے کر سوڈان سے ہاتھ کھینچ لیئے ہیں۔ چنانچہ انگریزوں کی مقامی فوج میں بد دلی پھیل گئی۔ جنرل گارڈن بہت فکر مند ہوا۔ چند روز کے بعد مہدی

Marfat.com

نے اسے ایک خط بھیجا جس میں تحریر تھا کہ ''تم خود کو ہمارے حوالے کر دو اور سچے مذہب کے پیرو بن جاؤ۔ جس سے تمہیں دین اور دنیا کی عزت ملے گی اور تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی جان بھی بچ جائیگی۔ ورنہ تم سب کے ساتھ اپنی جان بھی دے بیٹھو گے۔ میں تمہارے لئے کپڑوں کا ایک جوڑا، ایک پیٹی اور ایک تسبیح روانہ کر رہا ہوں۔ یہ ان لوگوں کی پوشاک ہے جنہوں نے دنیا اور مافیہا کو ترک کر دیا ہے۔ اگر تم دل سے چاہتے ہو کہ اللہ کے پاس آؤ اور نیک زندگی بسر کرو تو فوراً ان کپڑوں کو پہن کر یہاں آجاؤ اور دائمی خوش نصیبی حاصل کرو۔'' اس پیغام کا جواب جنرل گارڈن نے صرف یہ دیا کہ ''میں اب تم سے مزید خط و کتابت نہیں کر سکتا۔''

مہدی کی فوج نے مئی 1884ء میں بربر کو فتح کر لیا اور قاہرہ کو جو تار کا سلسلہ جاتا تھا اس کو منقطع کر دیا۔ اسی سال موسم سرما میں جنرل گارڈن نے ایک بحری کشتی پر انگریز سفیر مسٹر پاور اور فرانسیسی سفیر ایم ہرلن کے ہاتھوں ایک پیغام قاہرہ روانہ کیا۔ مگر یہ جہاز 18 ستمبر 1884ء کو ایک چٹان سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا۔ کرنل اسٹورٹ معہ اپنے ساتھیوں کے کشتیوں پر سوار ہو کر ایک ساحلی بستی پر پہنچا مگر بستی والوں نے ان تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور یوں قاہرہ تک جنرل گارڈن کی کوئی بھی خبر نہ پہنچ پائی۔

26 جنوری 1885ء کو صبح طلوع ہو رہی تھی مگر جنرل گارڈن کی زندگی کا سورج غروب ہونے کو تھا لاکھوں مسلمانوں کو بیدردی سے شہید کرنے والے اس سفاک انگریز کی موت آج بڑی کسمپرسی کے عالم میں ہونے والی تھی۔ خرطوم کے ایک سوداگر بورونی نے جنرل گارڈن کے قتل کی روداد اس طرح بیان کی ہے کہ ''میں نے دیکھا کہ جنرل گارڈن محل کی چھت پر چڑھا ہوا خرطوم کی ان عورتوں کو دیکھ رہا تھا جو 2 جنوری کو مرنے والوں کا ماتم کر رہی تھیں۔ جنرل گارڈن کو امدادی فوج کے جلد پہنچنے کی قوی امید تھی چنانچہ اس نے اپنے سپاہیوں کو آخری مرتبہ پھر درخواست کی کہ استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ مگر ان میں تو بری طرح بد دلی پھیل چکی تھی۔''

اس صورت حال کے پیش نظر جنرل گارڈن کے پاس جانے کی مجھے اجازت حاصل ہو گئی۔ جونہی میں اندر داخل ہوا۔ جنرل گارڈن نے اپنی ترکی ٹوپی اتار کر ایک طرف رکھ دی اور مجھ سے کہنے لگا ''میں اور کیا کہہ سکتا ہوں نہیں بلکہ اب تو میں کچھ بھی

Marfat.com

نہیں کہہ سکتا۔ سپاہی میرا اعتبار ہی نہیں کریں گے۔ میں نے انہیں بار بار یقین دلایا کہ مدد آنے والی ہے مگر افسوس ہے کہ نہ آئی اور اب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ میں جھوٹ کہتا تھا۔ جاؤ اور جس قدر آدمی جمع ہوسکیں ان کو لے کر اچھی طرح مقابلہ کرو۔ اب مجھے یہ جرٹ پینے دو۔" جنرل کی گفتگو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت ہی مایوسی کی حالت میں تھا۔

میں نے یقین کر لیا کہ جنرل گارڈن کا دل اس قدر بھر آیا ہے کہ اس سے بات کرنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ تفکرات نے اس کے بالوں کو بھی سفید کر دیا تھا۔ یہ بس آخری موقع تھا کہ میں نے جنرل گارڈن کو دیکھا تھا۔

26 جنوری کی صبح کو جنرل گارڈن نے دیکھا کہ درویشوں کے جھنڈے جا بجا بلند ہیں اور ہزاروں آدمی محل کے ارد گرد جمع ہیں مگر محل میں داخل نہیں ہو رہے۔ یہ دیکھ کر جنرل نے اپنی سفید وردی پہنی، تلوار اپنی کمر سے باندھی اور دائیں ہاتھ میں پستول پکڑ کر باہر نکلا۔ اسی دوران بہت سے درویش محل میں داخل ہوگئے اور تمام خدام اور پہرے داروں کو قتل کر دیا۔ سب سے پہلے شاہین نامی ایک شخص جنرل کے سامنے پہنچا اور پکار کر کہنے لگا۔ "ملعون! الیوم یومک" "یعنی اے ملعون آج تیرا دن آگیا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے جنرل پر نیزہ کھینچ کر مارا۔

جنرل گارڈن نے نیزہ ہاتھ سے روکنا چاہا اور پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگا مگر شاہین نے یکا یک دوسرا وار کر دیا جس سے جنرل گر گیا۔ اسی اثنا میں تین دوسرے درویش بھی وہاں پہنچ گئے اور جنرل کا کام تمام کر ڈالا۔ جنرل گارڈن نے پستول سے کوئی بھی فائر نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ بری طرح گھبرا چکا تھا۔ میں نے دیکھا کہ جنرل گارڈن کا سر ایک درخت کی شاخوں میں رکھا ہوا تھا اور تمام آنے جانے والے اس کی طرف نفرت سے پتھر پھینک رہے تھے۔"

انگریزوں نے اس بستی کو بری طرح پائمال کیا جہاں کرنل اسٹورٹ اور اس کے ساتھیوں کے قتل ہوئے تھے۔ انگریزوں نے وہ بستی لوٹ لینے کے بعد جلا کر خاک کر ڈالی۔ 8 فروری 1885ء کو لارڈ ڈولزل نے لارڈ ہیرنگٹن کو ایک تار میں پیغام دیا کہ "جس قدر جلد ہو عثمان دغنہ کے ساتھ تصفیہ کرلیا جائے۔ بہتر ہے میرے نزدیک مناسب یہ ہے

Marfat.com

کہ حتی الامکان بہت جلد ایک بریگیڈ ہندوستانی فوج کا اور ایک رجمنٹ پنجاب کے سواروں کی ہندوستان سے سواکن روانہ کی جائے تاکہ موسم گرما میں سواکن پر قابض رہے اور بربر کی شاہراہ کی حفاظت کرنے میں میری مدد کرے۔''

انگریز حکومت نے یہ تجویز فوراً مان لی اور ایسا ہی کیا گیا۔ فوری طور پر انگریزوں نے سواکن سے بربر تک ریلوے لائن بچھانے کا کام برق رفتاری سے شروع کر دیا۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ انگریزوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں کے عوام کی سہولت کی خاطر ریلوے کا نظام اپنایا تھا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے فوجیوں اور اسلحہ بارود اور توپوں کو بآسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لیے یہ کام کیا تھا۔

انگریزوں کی تمام تر پھرتیوں کے باوجود عثمان دغنہ اور ان کے ساتھیوں نے اس ریلوے لائن کو نہ بننے دیا۔ انگریز جتنا کام پورے دن میں کرتے درویش رات میں اسے غارت کر دیتے چنانچہ بہت زیادہ نقصانات کے بعد انگریز حکومت نے یہ طے کیا کہ ریلوے لائن نہ بنائی جائے۔

ان حالات کے پیش نظر جولائی 1885ء میں انگریزوں نے یہ فیصلہ کیا کہ سوڈان کو مہدی کے حوالے کر کے اپنی فوج کو بچا لیا جائے۔ اب مہدی کی سلطنت بہت زیادہ پھیل چکی تھی۔

مہدی نے 26 جنوری 1885ء کو خرطوم کو فتح کر کے اپنا ڈنکہ بجا لیا تھا۔ اب ہر طرف اسی کی حکومت تھی۔ ایک پادری اہر ولڈر نے جو کئی سال تک مہدی کی قید میں رہا، مہدی کے حالات یوں بیان کیے۔ ''اس وقت رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ جو شخص بھی پابندی سے روزے نہ رکھتا اس کو سزائے موت دی جاتی تھی۔ (یعنی یہ صرف حکم تھا کہ اگر روزہ نہ رکھو گے تو موت کی سزا ملے گی۔ چنانچہ سبھی روزے رکھتے ہوں گے) دوپہر سے آدھی رات تک مخلوق اسی جامع مسجد میں جمع ہوئی رہتی تھی۔ یہ مسجد اس وقت بڑے احاطہ کی شکل میں تھی جس کے چاروں طرف باڑ لگی ہوئی تھی۔

ہزاروں درویش اس بڑے میدان میں جمع ہو سکتے تھے۔ ان کے نیزوں کی جھنکار بتا دیتی تھی جب مہدی آتا تھا وہ اس کو دیکھنے کے لیے بہت ہی بے صبرے ہو جاتے تھے۔ سینکڑوں مرتبہ ان لوگوں نے مہدی کو دیکھا ہوتا تھا مگر ان کا اعتقاد اور

Marfat.com

اشتیاق اس قدر بڑھا ہوتا تھا کہ وہ مہدی کی طرف دیکھنے سے کبھی سیر ہی نہیں ہوتے تھے۔ جس محراب میں مہدی نماز پڑھتا تھا اکثر اس جگہ پہنچنے کے واسطے آپس میں جھگڑ پڑتے تھے۔ جبکہ ہزاروں آدمیوں کا شور ظاہر کرتا تھا کہ مہدی کے مسجد میں آنے کا وقت قریب ہے۔''

اسی پادری نے حسب دستور اپنے خبث باطن کا اظہار اس طرح کیا کہ ''ہم ایک لحظہ کے لیے مہدی کی حرم سرا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو کچھ میرے دوستوں نے وہاں دیکھا ہے ذیل میں اس کی عکاسی کرتا ہوں کہ مہدی ایک عمدہ قالین پر لیٹا ہوا ہے اور سرزربفت کے تکیہ سے لگا رہا ہے۔ بہت اچھا بنا ہوا سنی کا کرتا، پاجامہ اور غلابیہ زیب تن ہے اور ریشمی کار جوبی تحت الحنک زیب سر ہے۔

تیس سے زیادہ عورتیں اس کے ارد گرد کھڑی ہیں۔ کچھ اس کو شتر مرغ کے پروں کے بنے ہوئے پنکھے جھل رہی ہیں اور کچھ آہستہ آہستہ اس کے ہاتھ اور پیر دبا رہی ہیں اور مہدی اپنی بی بی عائشہ کے ساتھ خواب استراحت میں ہے۔''

عیسائیوں کی روایتی اسلام دشمنی اس بیان میں بھی کارفرما دکھائی دیتی ہے۔ اس کے اس بیان میں انگریز مورخین مہدی پر عیاشی کے الزامات عائد کرتے ہیں اور یہاں تک کہہ گزرتے ہیں کہ مہدی کی قبل از موت کا سبب بھی اس کی عیاشی ہی تھا۔ یہ نہایت ہی فضول قسم کے الزامات تھے۔ جن کی کوئی اصل نہ تھی۔

یہ الزام اس شخص پر عائد کئے گئے تھے کہ جس نے ہوش سنبھالتے ہی فقیرانہ زندگی گزاری اور اپنی عمر کا زیادہ تر حصہ اللہ کی یاد میں بسر کیا۔ لوگوں کو دین کی باتیں بتائیں اور ان کو ایک مرکز پر اکٹھا کیا۔ پادری ایک بہت ہی متعصب عیسائی تھا۔ وہ یہ لکھتا ہے کہ اس دوران وہ قید خانہ میں تھا۔ پھر اس کے دوست بھی تو قید میں ہی ہوں گے۔ کیا قیدیوں کو مہدی کے خلوت کدہ میں جانے اور وہاں پر رپورٹنگ کرنے کی اجازت تھی۔

پادری نے خود ہی یہ بھی لکھا کہ مہدی نے حکم دے رکھا تھا کہ جو کوئی بھی روزہ نہ رکھے اسے قتل کر دیا جائے۔ پھر تیس عورتوں کے ساتھ وہ خود کیا کر رہا تھا۔ کیا وہاں اس کی عیاشی کا نظارہ کرنے کی کھلے عام اجازت تھی۔ یہ ایسی دریدہ دہنی ہے کہ جس سے

Marfat.com

عیسائیوں کی کتابیں اہل اسلام کے خلاف بھری پڑی ہیں۔

22 جون 1885ء کو جبکہ مہدی سوڈانی اپنے عروج پر تھا تو اس کو شدید بخار نے آلیا۔ اس وقت مہدی امد رمان میں مقیم تھا۔ جب عوام الناس کو معلوم ہوا کہ مہدی نے انتقال کیا تو پورے شہر میں گویا کہرام برپا ہوگیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے محل کے اردگرد ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع ہوگئے۔ مہدی کے ایک قریبی عزیز احمد نے اس کے پلنگ کے نیچے قبر کھدوا کر اسے دفن کیا۔ دفن کرنے سے پہلے تمام اسلامی رسوم کو ادا کیا اور میت کو خوشبو سے معطر کرنے کے بعد دفن کیا۔

مہدی کا مقبرہ بہت عالیشان عمارت تھی جس کو انگریزوں نے مارے تعصب کے تباہ و برباد کر ڈالا تھا۔ یہ مقبرہ جب تعمیر ہوا تو یہ نیچے سے مربع تھا جس کا طول و عرض 36 x 36 فٹ تھا۔ اس کی دیواروں کی بلندی 30 فٹ تھی۔ مہدی کی قبر ایک عمدہ سنگ مرمر سے بنائی گئی تھی۔ جس کے اوپر ایک نہایت عالیشان فانوس بھی لٹکایا گیا تھا۔

مقبرہ کی دیواروں پر نہایت خوبصورت نقش و نگار بنائے گئے تھے اور مقبرہ سے کچھ ہی فاصلہ پر ایک حوض وضو کے لیے بنوایا گیا تھا۔ تقریباً تیں ہزار مزدوروں اور کاریگروں نے اس کی تعمیر میں نہایت جوش و خروش سے حصہ لیا تھا۔

مہدی کی وفات کے بعد اس کی حسب وصیت عبد اللہ کو خلیفہ بنایا گیا جسے مہدی نے اپنی زندگی میں ہی اپنا جانشین بنا دیا تھا۔ 30 دسمبر 1885ء کو حسب حکم مہدی عبد اللہ نے مصر پر حملہ کیا مگر ناکام رہا۔ جس کے بعد اپریل 1886ء میں خلیفہ کے ایک بہادر افسر واد انجمی نے مصر پر حملہ کرنے کی تیاری کی مگر اچانک خلیفہ کے خلاف بغاوت ہوئی جس کی وجہ سے یہ حملہ ملتوی کرنا پڑا۔ مگر جنوری 1886ء میں عثمان دغنہ نے ایک مرتبہ پھر تمائی پر قبضہ کر لیا۔ مگر انگریزوں کی مدد سے اس پر عمرار قوم کا قبضہ ہوگیا اور سواکن پر بھی لارڈ کچز کی جگہ میجر واٹسن کو گورنر مقرر کیا گیا۔

جنوری 1888ء میں عثمان دغنہ نے ایک مرتبہ پھر سواکن کا رخ کیا اور قبضہ کر لیا کرنل کچز نے حملہ کرنے کی اجازت طلب کی جو اس کو مل گئی چنانچہ 17 جنوری کو اس نے 500 فوجیوں کے ساتھ رات کے وقت اچانک حملہ کر دیا۔ اس میں بھی اگرچہ سوڈانیوں کا بہت شدید نقصان ہوا مگر عثمان دغنہ وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔

Marfat.com

مارچ 1888ء میں سواکن کی بربادی کی تاریخ سفاک انگریزوں نے تحریر کی۔ انگریزوں نے اس شہر پر خوب گولہ باری کی۔ اس جنگ میں درویشوں کے مقابلہ میں پہلی مرتبہ انگریزوں کو کامیابی نصیب ہوئی تھی۔

1891ء تک سوڈان کا بہت سا علاقہ درویشوں کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ ہندوستانی فوجوں کی مدد سے انگریز دھیرے دھیرے قابض ہوتے چلے گئے۔

ستمبر 1898ء میں انگریزوں نے مصری اور ہندوستانی فوج کے ہمراہ آخر کار درویشوں کے مرکز یعنی امدرمان پر قبضہ کر لیا۔ اس جنگ میں کم از کم بیس 20 ہزار درویش شہید کر دیئے گئے۔ جنگ امدرمان کے بعد مفتوح اور مجروح درویشوں کے ساتھ انگریزوں اور مصریوں نے بڑا ہی شرمناک سلوک روا رکھا۔ یہ ایسا شرمناک برتاؤ تھا کہ مدتوں انگریز خود شرمندہ رہے مگر یہ تو ان کا ہر جگہ کا رویہ تھا۔

ان متعصب اور بد کردار انگریزوں نے مہدی سوڈانی کی نعش کو پہلے تو قبر میں سے نکالا پھر مقبرے کے گرد توپوں سے خوب گولا باری کی جس سے نہایت عالیشان مقبرہ ملبے کا ڈھیر بن گیا۔ مہدی کی نعش نکال کر پہلے تو اس کی خوب بے حرمتی کی گئی پھر اس کا سر کاٹ کر لندن بھجوا دیا گیا۔ یہ مذہبی بھیڑیوں کا نہایت ہی متعصبانہ طرز عمل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب مہدی کی نعش باہر نکالی گئی تو وہ اسی حالت میں تھی جیسی تدفین کی حالت میں تھی۔ امدرمان میں تین روز تک لوٹ مار جاری رہی اور لوگوں سے قرآن کریم اور دیگر کتابیں چھین کر انہیں نذر آتش کر دیا گیا۔ مہدی کا خزانہ بھی نکال لیا گیا جو کہ لاکھوں کی مالیت کا تھا۔ کم از کم 80 ہزار درویشوں کو محض چند دنوں میں مہذب انگریزوں نے جنگلیوں کی طرح موت کے گھاٹ اتار دیا اور پورے سوڈان پر قابض ہو گئے۔

سب سے زیادہ افسوناک تو یہ امر تھا کہ انگریزوں نے حکم دے رکھا تھا کہ تمام زخمیوں کو ہلاک کر دیا جائے۔ اس جنگ میں بہت سے یورپی اخباری رپورٹرز بھی تھے جنہوں نے یہ تمام خبریں دنیا کو پہنچائیں۔ 26 جنوری 1899ء کو اور یکم فروری 1899ء کو مسٹر بنیٹ نامی صحافی کا ایک مضمون جو اسٹیٹ مین اور پائنیر نامی اخبارات میں شائع ہوا یہ تحریر تھا کہ ''مجھ سے زیادہ صاف اور تحقیق کے ساتھ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اگر مجروح درویش خطرناک ہوتا ہے تو اس کو قتل کرنا بالکل مناسب تھا۔

Marfat.com

یہ حال صرف اسی بیان پر صادق نہیں آتا جو میں نے امدرمان کی نسبت تحریر کیا ہے۔ بلکہ مجروح دریشوں کے اس قتل عام کی نسبت بھی درست ثابت ہوتا ہے۔ جو یقیناً سوڈان کی ابتدائی جنگوں میں ہوا اور جس کی نسبت مسٹر برلے جو چاہیں کہیں۔ اگر ان ابتدائی لڑائیوں میں مجروح درویشوں کے قتل کرنے کا دراصل یہی سبب تھا کہ وہ سیدھی راہ ہوتے تھے تو اس بارہ میں، میں یہی کہوں گا کہ ان لوگوں کو قتل کیا گیا جن کے پاس ہتھیار نام کی کوئی چیز نہ تھی۔

بلا شبہ مہدی سوڈانی نے ایک غلط دعویٰ کیا مگر اس نے اپنی قوم کو حتی المقدور انگریز کی غلامی سے بچانے کی تدبیر کی۔ ہاں اگر وہ اور اس کے ساتھی جدید اسلحہ کو بھی اختیار کرتے تو پھر یقیناً انگریز دوبارہ ان کے وطن پر قابض نہ ہو پاتے۔

اگر ہم مہدی سوڈانی کی شخصیت کا طائرانہ جائزہ لیں تو ہمیں یہ بات صاف دکھائی دے گی کہ اس قدر وسیع و عریض سلطنت کا مالک بن جانے کے باوجود بھی مہدی کے رویہ میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آتا تھا۔ وہ شعائر اللہ کا احترام اسی طرح کیا کرتا تھا جیسا کہ اوائل عمری میں اس کا معمول تھا۔ مہدی بذات خود احکامات الٰہی کی بجا آوری اور پابندی میں شدید سختی کا قائل تھا۔ مہدی اپنے دور حکومت میں شراب خور کو کوڑے مارنے کی سزا دیتا اور چوروں کے بلا امتیاز ہاتھ کٹوا دیتا تھا۔ اسی طرح اس نے زانی مرد اور زانیہ عورت پر حد لگا دی تھی۔

رمضان المبارک کا احترام وہ مبالغہ کی حد تک کیا کرتا تھا۔ اس نے لوگوں کو یہاں تک کہہ رکھا تھا کہ اگر کوئی رمضان المبارک کے مہینہ میں روزہ کے بغیر پایا گیا تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اگرچہ اس کی نوبت کبھی نہیں آئی تھی۔

مہدی کے ان اقدامات کی وجہ سے اس کی سلطنت کی حدود میں ہر طرف امن و امان اور سکون ہی سکون تھا۔ پورا معاشرہ فسق و فجور، لاقانونیت اور بد دیانتی سے مکمل طور پر پاک ہو چکا تھا۔ مہدی نے انصاف ایسا قائم کر رکھا تھا کہ کوئی بھی شخص بد دیانتی اور بے ایمانی کی کوشش ہی نہیں کرتا تھا۔ اس کے دور میں تمام تر مساجد نمازیوں سے بھری بھری دکھائی دیتی تھیں اور ہر طرف اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہی سنا اور سنایا جاتا تھا۔

Marfat.com

اس کے برعکس جب دوسرے مدعیان مہدیت کی طرف دیکھتے ہیں تو انہوں نے اپنے پیروکاروں کو دین سے برگشتہ کر رکھا تھا اور ان کو ایسی ایسی آسانیاں فراہم کی تھیں کہ دین کی اصل روح ہی غائب ہو چکی تھی۔ کسی نے اگر شراب کو حلال کیا تو کسی نے عورتوں کے ساتھ ناجائز تعلقات کی اجازت دے دی۔ غرضیکہ انہوں نے معاذ اللہ دین کا حلیہ بگاڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

مہدی سوڈانی نے امور سلطنت کو تین محکموں میں بانٹ رکھا تھا۔ پہلا محکمہ تھا افواج کا اس کی تمام تر ذمہ داری اس نے عبداللہ تعایشی کے سپرد کر رکھی تھی۔ دوسرا محکمہ تھا عدالت کا یہ اس نے احمد بن علی کے سپرد کر دیا تھا اور تیسرا محکمہ تھا بیت المال کا، اس کی ذمہ داری اس نے احمد بن سلطان کو سونپ رکھی تھی۔ عدالتی امور کا سربراہ اس نے ایک قابل ترین قاضی کو بنایا تھا جو کہ اس سے پہلے دارفور میں بطور قاضی کے فرائض سرانجام دے چکا تھا۔ اسی طرح اس نے مالی معاملات کے انتظام و انصرام کے لیے ایک بیت المال کا محکمہ قائم کیا تھا جس کا سربراہ اس نے اپنے ایک قریبی ساتھی کو بنایا تھا۔

بیت المال میں تمام تر آمدنی، عشور، مال غنیمت، زکوٰۃ، فطرہ اور مختلف نوعیت کے جرمانوں کی رقوم اکٹھی ہوتی تھیں۔ یہ جرمانے ان لوگوں سے وصول کئے جاتے تھے جو لوگ قوانین شرعی کی خلاف ورزی کے مرتکب پائے جاتے تھے۔ ان اقدامات کی بدولت تمام رعایا بہت ہی خوش ہوئی۔ اس طرح انہیں حقیقی آرام وسکون حاصل ہوا تھا۔

مہدی کے ان اقدامات کی بدولت کسی میں بھی یہ جرأت نہ تھی کہ وہ کسی دوسرے پر کسی بھی قسم کا ظلم کرنے کا سوچ بھی سکتا۔ اس طرح سرکاری افسروں کو بھی اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ رعایا سے رتی برابر بھی زائد حاصل کر سکتے۔ ایک بات اور بھی رعایا کے لیے باعث تقویت تھی کہ وہ یہ دیکھتے تھے کہ ان کا رہبر بالکل سادہ لباس پہنتا ہے اور سادہ ہی غذا کھاتا ہے۔

مہدی ہر وقت امور شرعی کے اجراء کی بابت ہی سوچتا رہتا تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کی حدود میں شرعی حدود کو جاری کر دیا تھا۔ وہ جب عوام سے خطاب کرتا تو اس کا لب لباب ترک دنیا اور انقطاع الی اللہ ہوتا تھا۔

Marfat.com

1301ھ بمطابق 1884ء میں اس نے ایک فرمان جاری کیا تھا اس کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔ فرمان میں مہدی نے تحریر کیا کہ ''حمد وصلوٰۃ کے بعد، اے اللہ کے بندو! اپنے رب بزرگ و برتر کی حمد کرو، اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو مخصوص نعمت سے سرفراز فرمایا۔ وہ نعمت کیا ہے؟ میرا ظاہر ہونا اور یہ تمہارے لیے دوسری قوموں پر شرف خصوصی ہے۔

میرے دوستو! میرا مطمعٔ نظریہ ہے کہ تم کو راہ ہدایت دکھاؤں۔ اللہ کے راستہ میں ہجرت اختیار کرو اور جہاد فی سبیل اللہ کو اپنا نصب العین بناؤ۔ دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے منقطع ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ راحت و آسائش کا خیال ہی دل سے نکال دو۔

اگر دنیا کوئی اچھی چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے لیے آراستہ کر دیتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ان لوگوں کو دیکھو جن کو ہر قسم کی دنیوی آسائشیں حاصل تھیں مگر ایک وقت آیا کہ ان کی تمام راحتیں مصائب سے بدل گئیں اور آسائش زندگی کی شراب تکلیفوں کا زہر بن گئی۔

اگر دنیا کی راحت میں کوئی بھلائی ہوتی تو پھر ایسا کیوں ہوتا؟ اور اسی پر بس نہیں بلکہ آخرت کا دردناک عذاب ان کے لیے باقی ہے۔ تعجب ہے کہ تم یہ سب کچھ دیکھتے ہو اور پھر دنیوی راحت و آسائش کی تمنا اور دنیوی زندگی کی آرزو کرتے ہو۔ دنیا کی آسائشوں کو ٹھکرا دو۔ اللہ سے ڈرو اور اس کے سچے بندوں کی رفاقت اختیار کرو۔

اس کی راہ میں جہاد کرو کہ سچی زندگی یہی ہے۔ اللہ کی راہ میں ایک مسلمان کا تلوار کو حرکت میں لانا ثواب میں ستر برس کی عبادت سے افضل ہے جہاد میں صرف اتنی دیر کھڑے رہنے کا ثواب بھی ستر سال کی عبادت سے افضل ہے جتنی دیر میں اونٹنی کا دودھ دوہتے ہیں۔

لوگو! غور سے سنو کہ عورتوں پر بھی جہاد فرض ہے۔ پس جو عورتیں کہ میدان جہاد میں خدمات سرانجام دے سکتی ہیں اور ان پر گھروں سے نکلنے کی بھی پابندی نہیں تو وہ اپنے ہاتھوں سے جہاد کریں۔ جوان اور پردہ نشین عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ گھروں میں پاک زندگی بسر کریں اور اپنے نفس سے جہاد میں مصروف رہیں۔ گھر سے بلا ضرورت شرعی باہر نہ نکلیں۔ بلند آواز سے باتیں نہ کریں۔ نماز کو پابندی کے ساتھ وقت پر ادا

Marfat.com

کریں۔ اپنے شوہروں کی اطاعت فرض سمجھیں۔

اپنے جسموں کو کپڑے سے چھپائے رکھیں۔ جو عورت کہ جسم کو نہ ڈھکے اس کو سزا دی جائے۔ اگر ایک لحظہ بھی کوئی عورت اپنا سر کھول کر بیٹھے تو اس کو ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو فحش کلامی کرے تو اس کو اسی کوڑے لگائے جائیں۔

جو مرد اپنے مسلمان بھائی کو کتا یا سور یا یہودی یا اس قسم کے اور الفاظ سے یاد کرے تو اس کو بھی اسی کوڑے لگائے جائیں اور سات روز کی قید بھی کی جائے۔ جو شخص کسی مسلمان کو فاجر یا چور یا زانی یا خائن یا پھر ملعون کہے تو اس کو اسی کوڑے لگائے جائیں۔ جو شخص کسی مسلمان کو کافر یا نصرانی یا لوطی کہے تو اس کو اسی کوڑوں کی سزا دی جائے اور سات روز تک قید میں رکھا جائے۔

جو شخص کسی ایسی اجنبی عورت کے ساتھ باتیں کرتا ہوا پایا جائے جس کے ساتھ اس کا کوئی شرعی تعلق نہ ہو اور نہ ہی اس کے پاس شرعاً اس کے ساتھ گفتگو کا جواز ہو تو اس کو ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے۔ تمباکو کے غلط استعمال کی سزا بھی اسی کوڑے ہیں۔

شراب پینے والے کو خواہ وہ ایک قطرہ ہی کیوں نہ استعمال کرتا ہو اسی کوڑوں کی سزا مقرر ہے۔ اگر شراب خور کا ہمسایہ اس کو خود سزا دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو شہر کے امیر کو اطلاع کرے ورنہ اس کو اخفائے راز کے جرم میں اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔

یاد رکھو! کہ انسان کا اپنے نفس سے اللہ کی خوشنودی اور اطاعت کے لیے جہاد کرنا جہاد بالسیف سے بھی افضل ہے۔ اس لیے کہ نفس کافر سے زیادہ سخت ہے۔ کافر تو صرف مقابلہ کرتا ہے اور جنگ کے بعد اس سے راحت مل جاتی ہے۔ مگر نفس ایسا دشمن ہے کہ جس کو مغلوب کرنا نہایت ہی دشوار کام ہے۔

جو شخص قصداً نماز کو چھوڑ دے گا تو وہ اللہ اور اس کے رسول دونوں کا گنہگار ہوگا۔ بعض آئمہ مجتہدین نے فرمایا کہ تارک نماز کافر ہے اور بعض نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ تارک نماز کا پڑوسی اگر خود اس کو سزا نہ دے سکتا ہو تو امیر شہر کو اطلاع کرے اور اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اس کو اسی کوڑوں اور سات دن کی قید کی سزا دی جائے گی۔

Marfat.com

اگر کوئی لڑکی پانچ برس کی عمر کی ہوگئی اور اس کی ستر پوشی نہ کی گئی تو اس کے وارثان کو کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ میرے دوستو! تم لوگوں پر شفقت کرو۔ ان کو زہد و تقویٰ اور ترک دنیا کی ترغیب دلاؤ اور آخرت کی محبت اس کے دل میں مستحکم کر کے اسے عقبیٰ کا طالب اور شائقین بناؤ۔ تمہارا یہ بھی فرض ہے کہ تم اللہ کے بندوں کو عداوت نفس سرکش کی اہمیت جتلا کر اس سے محفوظ رہنے کے طریقے بتلاؤ۔

اگر تم سے انصاف طلب کیا جائے تو پوری طرح انصاف کرو۔ مشکلات پر صبرو استقامت کی تعلیم دو۔ وہ معاملات جو 12 رجب 1300ھ سے پہلے کے ہیں سوائے معاملات، قرض اور مال یتیم کے سب اٹھا لئے گئے اور ان کے متعلق کسی سے بھی باز پرس نہ ہوگی۔ البتہ 12 رجب کے بعد اور فتح سے قبل کے معاملات میں دعاوٰں کی سماعت ہوگی۔

قتل انسانی کے مقدمات میں مقتول کے وارث کو قصاص اور اور دیت کا اختیار دیا جائے گا اور فتح کے بعد کے معاملات میں صرف قصاص کے قضا یا ہی طے کئے جائیں گے۔ پس میرے احکام کے مطابق ان کا فیصلہ کرو۔

عورتوں کے مہر بہت بڑھا کر نہ رکھو۔ دولت مند عورت کا مہر دس ریال مجیدی بلکہ اس سے بھی کم رکھو۔ متوسط یا غرباء پانچ ریال مجیدی سے زیادہ مہر نہ رکھیں بلکہ اس سے بھی کم رکھیں۔ جو شخص بھی اس کے خلاف کرے اسے کوڑوں اور قید کی سزا دی جائے۔

میرے دوستو! سمجھ لو کہ اتحاد و استقامت ضروری چیز ہے۔ اللہ کے احکام کی مخالفت ہرگز نہ کرنا اور اوامر کی پابندی لابہ ہے۔ میرے احکام کو غور سے سنو اور اطاعت کرو۔ تبدیلی اور تحریف کا خیال بھی دل میں نہ آنے دو۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت تمہیں دی ہے اس پر اس کا شکر ادا کرو اور کفران نعمت سے باز رہو۔

اس فرمان کو آپ مہدی کا منشور بھی کہہ سکتے ہیں اور نصائح بھی۔ کیونکہ اگرچہ اس میں حکم نامہ بھی شامل ہے مگر زیادہ تر مہدی نے اپنی عوام کو نصیحتیں ہی کی ہیں۔

(و اللہ عالم الغیب)

☆......☆......☆

Marfat.com

مرزا غلام احمد قادیانی

خانہ ساز نبیوں میں اس شخص نے بھی خود کو مہدی اور نبی ہی نہیں کہلوایا بلکہ اس نے تو خود کو سبھی کچھ کہلوانے سے بھی قطعاً گریز نہیں کیا۔ اس عاجز کا خیال یہ ہے کہ جس زمانہ میں سوڈان میں انگریزوں کو پے در پے ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا تو انہوں نے یہ تحقیق کی کہ اچانک اس قوم میں بیداری کی لہر کس طرح پیدا ہوگئی، جنہیں وہ بڑی آسانی کے ساتھ اپنا غلام بنا چکے تھے۔ انہوں نے بعد از تحقیق یہ جان لیا کہ وہاں ایک مذہبی راہنما ہے جسؒ نے خود کو مہدی بنا کر پیش کیا ہے اور پورا سوڈان اسی کے پرچم تلے جمع ہوگیا ہے۔

اب اسی قسم کے کسی شخص کی تلاش انگریزوں نے بھی شروع کر دی۔ انگریزوں کو اس سلسلہ میں بہت زیادہ تگ ودو نہیں کرنا پڑی۔ انگریزوں نے بہت ہی جلد مرزا غلام احمد کو ڈھونڈ نکالا۔ اس میں انگریزوں کو وہ تمام خوبیاں دکھائی دیں جو کہ انگریز چاہتے تھے۔ اس نے بھی انگریزوں کا خوب خوب حق نمک ادا کیا۔ افسوس کہ قیام پاکستان کے بعد اس کے گروہ کی خاطر خواہ سرکوبی نہ کی جا سکی۔

کہنے کو تو اس شخص کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ یہ غلام ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا مگر اس کا یہ دعویٰ محض اس کے نام تک ہی محدود رہا۔ اس نے اپنے آقا پر ہی ضرب لگانے کی معاذ اللہ کوشش کی۔ اپنے آقا ہی کی نبوت کو ختم کرنے کے درپے ہوا۔ اپنے آقا کی ختم نبوت کو ایک ناخلف غلام نے متنازعہ بنانا چاہا۔ مگر اپنی زندگی میں ہی اس کو کذاب کا لازوال خطاب مل گیا۔

Marfat.com

مرزا غلام احمد قادیانی حکیم غلام مرتضیٰ کے ہاں 1839ء یا 1840ء میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ اس وقت موضع قادیان تحصیل بٹالہ اور ضلع گورداسپور میں رہائش پذیر تھا۔ اس کا باپ اس وقت بٹالہ میں حکمت کی دوکان کیا کرتا تھا اس کے ساتھ غلام احمد بھی کبھی کبھار بیٹھ جاتا تھا۔

مرزا غلام احمد نے قرآن کریم کی تعلیم چھ سات سال کی عمر میں حاصل کرنا شروع کر دی تھی۔ یعنی جو کہ عام مسلمان گھروں کا دستور ہوتا ہے کہ ناظرہ قرآن کی تعلیم بچوں کو کم عمری سے ہی دی جاتی ہے۔ قرآن شریف ختم کرنے کے بعد مرزا نے فارسی کی چند کتابوں کو بھی پڑھا۔

ابھی اس کی عمر کا تیرھواں برس ہی تھا کہ اس کی شادی اس کے ماموں کی بیٹی کے ساتھ کر دی گئی۔ اس کا نام حرمت بی بی تھا اور اس کے بطن سے مرزا کا ایک بیٹا مرزا سلطان احمد پیدا ہوا تھا۔ مگر اس عورت کو مرزا نے کبھی بھی اس کے جائز حقوق بھی دینا گوارا نہیں کئے تھے۔ اس نے اس عورت کو نہ تو طلاق ہی دی اور نہ ہی اس کو نان نفقہ ہی دینا گوارا کیا۔

مرزا غلام احمد کی عمر ابھی سولہ سترہ برس ہی تھی کہ اس کے باپ نے اسے ایک شیعہ عالم کے سپرد کر دیا۔ گل علی شاہ بٹالوی نامی شخص سے مرزا نے فلسفہ اور منطق کی چند کتابیں پڑھیں۔ اس کا باپ چونکہ ایک حکیم تھا اس نے مرزا کو طب کی چند کتابیں پڑھائیں مگر مرزا کو اس میں بھی کوئی قابل ذکر دسترس حاصل نہ ہو سکی۔

مرزا غلام احمد 1864ء میں ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں بطور اہلمد تقریباً چار برس تک ملازم رہا۔ اس کے بعد اس نے سرکاری نوکری چھوڑ کر باپ کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ غالب خیال تو یہی ہے کہ چونکہ یہ دفتر انگریز آفیسر کا تھا اور اسی افسر نے مرزا کے جنونی اور اسلام دشمن خیالات کی وجہ سے اس کو یہ ذمہ داری سونپی ہوگی کہ وہ اپنے ان خیالات کے مطابق اسلام میں فتنہ پیدا کرے چنانچہ اپنے اسی مشن کی تکمیل کی خاطر اس نے سرکاری نوکری چھوڑی اور شہر کی بجائے گاؤں میں چلا آیا۔

مرزا نے اگرچہ سرکاری نوکری ترک کر دی تھی مگر اس کے اخراجات پہلے سے بھی بڑھ چکے تھے۔ انگریز کے مخبروں نے اب مرزا کو یہ اطلاع پہنچائی کہ اس کا ایک

Marfat.com

بچپن کے ساتھی اور دوست مولوی ابوسعید محمد صاحب بٹالوی دہلی سے حدیث کی تعلیم حاصل کر کے لاہور سے بٹالہ آ چکے ہیں۔ مرزا نے عجلت میں ان کے ساتھ ملاقات کی اور ان سے کہا کہ وہ قادیان کی بجائے کسی شہر میں جانا چاہتا ہے۔ اب بھلا کوئی اس سے پوچھتا کہ یہ تو بتاؤ کہ آخر سیالکوٹ بھی تو شہر ہی تھا وہ کیوں چھوڑا تھا۔

خیر مولانا صاحب نے مرزا کو یہ مشورہ دیا کہ اگر وہ کسی بھی شہر میں جانا چاہتا ہے تو پھر اس کو لاہور کا انتخاب کرنا چاہیے۔ مگر تم وہاں کرنا کیا چاہتے ہو؟۔ مرزا نے انہیں بتایا کہ میں اسلام کے مقابلہ میں دوسرے مذاہب کے رد میں ایک کتاب تحریر کروں گا۔ مولانا صاحب یہ سن کر بہت حیران بھی ہوئے اور خوش بھی ہوئے۔ حیران اس وجہ سے ہوئے کیونکہ وہ یہ بخوبی جانتے تھے کہ مرزا تو ایک نالائق آدمی ہے بھلا یہ کام وہ کس طرح کر سکتا ہے۔ مگر انہیں یہ خوشی ضرور ہوئی کہ چلو اس نے کسی نیک کام کا ارادہ تو کیا۔ مولانا صاحب نے اس کی بہت ڈھارس بندھائی اور اسے لے کر لاہور چلے آئے۔

انگریزوں کے ساتھ جو اس کی ساز باز تھی اس کے مطابق پہلے اس نے مسلمانوں کے ایک معروف مذہبی راہنما کے طور پر خود کو مشہور کرنا تھا۔ انگریزوں کی خوبی ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ وہ کبھی بھی پٹے ہوئے مہرہ کو ذرہ برابر اہمیت نہیں دیتا۔ بلکہ اس نے ہمیشہ مشہور لوگوں کو استعمال کیا۔ چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے مرزا نے اب خود کو بطور ایک مذہبی مناظر سامنے لانا شروع کر دیا۔

اس سلسلہ میں مرزا کی مدد کے لیے شہر کے بیروز گار اور آوارہ مزاج لوگ موجود تھے۔ مرزا نے ان کے لیے روٹی پانی کا بندوبست کیا اور پھر یہی لوگ جو کسی کام کے نہ تھے اب مرزا کی تشہیر کا باعث بننا شروع ہوگئے۔ حسب پروگرام اس نے لاہور میں اپنا قیام ایک مسجد میں کیا تاکہ اس کا میل جول زیادہ سے زیادہ مذہبی لوگوں میں رہے۔ یہ مسجد تھی ''مسجد چینیاں والی'' یہ مسجد اہل حدیث کے مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والوں کی تھی اور اس میں مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب خطیب تھے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب البریہ کے صفحہ نمبر 134 پر اپنی ابتدائی زندگی کے بارہ میں یہ تحریر کیا کہ ''اب میرے سوانح اس طور پر ہیں کہ میرا نام غلام احمد، والد صاحب کا نام غلام مرتضٰی اور دادا کا نام عطا محمد اور میرے پردادا کا نام گل محمد تھا......

Marfat.com

ہماری قوم مغل برلاس ہے..... میری پیدائش 1839ء یا 1840ء میں یعنی سکھوں کے آخری دور میں ہوئی۔''

مرزا کی اس بات کو ربوہ سے مئی 1984ء میں ایک ماہنامہ انصار نے اپنی ماہانہ اشاعت میں یہ تحریر کیا کہ مرزا کی پیدائش 13 فروری 1835ء کو ہوئی تھی۔ مرزا نے اپنے خاندان کی انگریزوں کے لیے وفاداری اور حاشیہ نشینی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا
''میرے والد مرزا غلام مرتضیٰ صاحب دُرباری گورنروں میں کرسی نشین بھی تھے اور سرکار انگریز کے ایسے خیر خواہ اور دل کے ایسے بہادر کہ مفسدہ 1857ء میں پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس جوان جنگجو بہم پہنچا کر اپنی حیثیت سے زیادہ گورنمنٹ عالیہ کی مدد کی تھی۔''

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب البریہ میں یہ تحریر کیا کہ اس کی تعلیم گھر پر ہی ہوئی تھی اور اس کے بعد وہ سیالکوٹ کورٹ میں بطور اہلمد یا منشی ملازم ہوا تو وہاں سے مستعفی ہونے کے بعد گھر کے دھندوں یعنی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہوا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی علمی اور ادبی زندگی جس سے اس نے ملک ہندوستان میں اپنا تعارف کروایا وہ 1880ء میں شروع ہوئی تھی۔ یہ شروعات اس وقت ہوئیں جب مرزا نے اپنی اولین تصنیف ''براہین احمدیہ'' کے نام سے شائع کروائی۔ یہ زمانہ ہندوستان میں مذہبی مناظروں اور مباحثوں سے بھرپور تھا۔ اس زمانہ میں ہندوؤں کے ایک انتہا پسند فرقہ آریہ سماج کا بانی پنڈت دیانند، اسلام پر مسلسل رکیک حملے کر رہا تھا۔ اسی طرح ایک عیسائی پادری منڈل کی سربراہی میں بہت سے پادری اسلام کے خلاف محاذ بنائے ہوئے تھے۔

مرزا نے براہین احمدیہ دراصل انہی لوگوں کے رد میں تحریر کی تھی۔ اسی کتاب نے مرزا کو پورے ملک میں راتوں رات مشہور کر دیا۔ اگر مسلمانوں کے بڑے بڑے اکابرین نے مرزا کی اسلامی خدمات کا اعتراف کیا اور سراہا تو دراصل یہ اسی زمانہ کی بات ہے مگر اس زمانہ کی بات ہے کہ جب مرزا نے کوئی بھی دعویٰ نہیں کیا تھا اور خود کو اہل اسلام کا سچا خادم مشہور کر رکھا تھا۔

یہ کتاب شائع کرنے سے پہلے اس کی حکومتی سرپرستی میں خوب خوب تشہیر کی گئی اور اس کے لیے مالی امداد کی بھی عوام سے اپیل کی گئی۔ چنانچہ مسلمانوں نے اسلام

Marfat.com

کے ایک عالم دین کی خوب دل کھول کر مدد کی۔ کتاب کی اشاعت سے پہلے یہ کہا گیا کہ یہ ایک جامع کتاب ہوگی جس کی کل پچاس جلدیں ہوں گی۔

مسلمانوں نے اس کی اشاعت کے لیے بہت زیادہ چندہ دیا اور جب خوب بہت سا مال اکٹھا ہوگیا تو اس نے اب ایک پینترہ بدلا اور پانچ جلدیں ہی چھپوائیں اور بہانہ یہ بنایا کہ ''پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا اور چونکہ پچاس اور پانچ میں صرف ایک نقطہ کا ہی فرق ہے۔ اس لئے پانچ حصوں سے میرا وہ وعدہ پورا ہوگیا ہے۔ (دیباچہ براہین احمدیہ، حصہ پنجم صفحہ نمبر 8)

مرزا نے براہین احمدیہ کے پہلے چار حصے تو یکے بعد دیگرے چار سالوں میں یعنی 1880ء تا 1884ء میں ہر برس شائع ہوتے رہے مگر اس نے اس کا پانچواں حصہ جان بوجھ کر ملتوی کردیا۔ براہین احمدیہ کی پانچوں جلد اس کے مرنے کے بعد یعنی 1908ء میں شائع ہوئی تھی۔ یاد رہے کہ پہلی چار جلدوں میں اس نے خود کو صرف ایک ولی ہی کی حیثیت سے متعارف کروایا تھا۔ یہ بات تو اگر دیکھا جائے کہ مسلمانوں میں معیوب نہ تھی۔ ان جلدوں کی مسلمانوں نے خوب تعریف کی اور اس کو خوب سراہا تھا۔

اس تعریف و توصیف نے تو یقیناً اس کا دماغ خراب کر دیا ہوگا اور پھر اس کے خیالات ہی تبدیل ہونے شروع ہوگئے۔ اپنی ایک کتاب ''اعجاز احمدی، ضمیمہ، نزول مسیح'' کے صفحہ نمبر 7 پر اس نے تحریر کیا کہ ''پھر میں 12 برس تک جو کہ ایک زمانہ دراز ہے، بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شدومد سے براہین میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور میں حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے رسمی عقیدہ پر جما رہا۔ جب بارہ برس گزر گئے تو پھر تواتر کے ساتھ اس بارے میں الہامات شروع ہوئے کہ تو ہی مسیح موعود ہے۔''

اس سلسلہ میں ''انصار اللہ'' نامی ماہنامہ نے مئی 1974ء کی ماہانہ اشاعت میں یہ انکشاف کیا کہ ''مرزا صاحب کو 1884ء میں ماموریت کی خلعت سے نوازا گیا اور 1890ء کے آخر میں آپ پر یہ انکشاف ہوا کہ مسیح ابن مریم، رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے۔''

اگرچہ مرزا پوری زندگی اس پر قرآن کریم کے حوالے دیتا رہا جس کو اس نے جھٹلایا تھا یہ کہہ کر کہ حضرت عیسیٰ تو فوت ہوگئے (معاذ اللہ) مرزا کو جب یہ معلوم ہوا کہ

Marfat.com

مسیح موعود تو وہی ہے تو اس کی کیفیت کو اس کے بیٹے اور خلیفہ محمود احمد نے القول الفیصل کے صفحہ نمبر 24 پر کچھ اس طرح بیان کیا ''تریاق القلوب کی اشاعت تک جو کہ اگست 1899ء سے شروع ہوا کر اکتوبر 1902ء میں مکمل ہوئی۔ آپ کا عقیدہ یہی تھا کہ آپ کو حضرت مسیح پر جزوی فضیلت حاصل ہے اور آپ کو جو نبی کہا جاتا ہے تو یہ ایک قسم کی جزوی نبوت ہے اور ناقص نبوت۔

لیکن بعد میں آپ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا کہ آپ ہر شان میں مسیح سے افضل ہیں اور کسی جزوی نبوت کے پانے والے نہیں بلکہ نبی ہیں۔ ہاں ایسے نبی جن کو آنحضرت کے فیض سے نبوت ملی۔ پس 1902ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجت پکڑنا بالکل ہی جائز نہیں ہوسکتا۔''

مرزا محمود احمد نے ''حقیقۃ النبوۃ'' کے صفحہ نمبر 121 پر تحریر کیا کہ ''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ 1901ء ہی میں آپ نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کی ہے اور 1900ء ایک درمیانی عرصہ ہے۔ پس یہ ثابت ہے کہ 1901ء کے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اب منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔''

مرزا محمود احمد نے واقعی درست بات کہی کہ مرزا نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کی تھی۔ یقیناً پہلے اس کا عقیدہ تو اسلام پر تھا۔ مگر اس نے اچانک سابقہ عقیدہ چھوڑ کر ایک نیا عقیدہ ہی بنا ڈالا۔ نہ صرف عقیدہ ہی بنایا بلکہ ایک باطل مذہب ہی بنا ڈالا۔ اپنے اس نئے مذہب کا نام اس نے احمدیت رکھا۔ اس نئے مذہب کو ایجاد کرنے کے لیے ہی تو انگریز سرکار نے اس کو ایک اہلمد سے ترقی دے کر نبوت کا دعویٰ دے دیا تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے سب سے پہلے تو خود کو مناظر اسلام کے طور پر متعارف کرایا 1880ء میں اس نے ایک طے شدہ پروگرام کے تحت ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ مناظرے کئے۔ جس میں اس نے سرکاری سرپرستی میں خوب خوب کامیابیاں حاصل کیں۔ اس کی سرپرستی تو 1880ء میں ہی شروع ہوئی تھی جو کہ آخر دم تک جاری رہی اور اگر یہ کہا جائے تو قطعاً بے جا نہ ہوگا کہ 1880ء سے شروع ہونے والی وہ سرپرستی

Marfat.com

تاحال جاری ہے۔

مرزا نے 1892ء میں ایک قدم اور بڑھایا یعنی اب اس نے خود کو مبلغ کی بجائے مسیح موعود کہنا شروع کر دیا۔ ایک حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس نے اپنی پوری زندگی میں ایک ہندو یا ایک عیسائی کو اپنے مذہب میں شامل کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کی۔ ہاں مگر اس نے کمزور عقیدہ اور حد درجہ غریب مسلمانوں کو ضرور بدعقیدہ کر دیا۔ جی ہاں یہی تو انگریز سرکار نے اس کو مشن سونپا تھا۔

مرزا نے 1901ء سے تادم آخر یعنی 1908ء تک کیا خوب پینترے بدلے کبھی نبوت کا دعویٰ کیا تو کبھی خدا ہی بن بیٹھا۔ اس نے جو الہامات کی بات چھیڑی تو اس کی توجیہہ اس نے خود ہی ''اربعین نمبر 2'' کے صفحہ نمبر 21 پر یہ بیان کی کہ ''اور یہ الہامات (یعنی نبوت کے دعوؤں والے) اگر میری طرف سے اس موقع پر ظاہر ہوئے جبکہ علماء مخالف ہوگئے تھے۔ یہی تو سبب ہے کہ باوجود اس قدر جوشوں کے ان الہامات پر انہوں نے اعتراض نہیں کیا کیونکہ وہ ایک مرتبہ تو ان کو قبول کر چکے تھے۔

اور سوچنے سے ظاہر ہوگا کہ میرے دعویٰ مسیح موعود کی بنیاد الہامات الٰہی سے پڑی ہے اور انہیں میں خدا نے میرا نام عیسٰی رکھا ہے اور جو مسیح موعود کے حق میں آیتیں تھیں وہ میرے حق میں بیان کر دیں۔ اگر علماء کو خبر ہوتی کہ ان الہامات سے تو اس شخص کا مسیح ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے تو وہ کبھی قبول نہ کرتے۔ یہ خدا کی قدرت ہے کہ انہوں نے قبول کیا اور اس پیچ میں پھنس گئے۔

مرزا کے اس بیان میں مرزا نے جن علماء کا ذکر کیا ہے وہ پہلے تو یقیناً مسلمان ہی تھے مگر جب انہوں نے دین تبدیل کر لیا تو پھر بھلا وہ کیونکر مسلمان رہے۔ چنانچہ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ علمائے حق نے اس کے باطل دعوؤں کو درست تسلیم کر لیا تھا۔ ہاں مگر بعض علماء نے روپے پیسے کی لالچ میں اس کا ساتھ دینے کا ضرور فیصلہ کیا تھا۔

مرزا کے عقائد اور دعوے:

مرزا غلام احمد قادیان نے اعلان مورخہ 2 اکتوبر 1891ء کو مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم کے صفحہ نمبر 20 پر یہ بیان چھپوایا کہ '' میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی

Marfat.com

عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن و حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوگئی۔

ہندوستان کے اکثر مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے مرزا نے پہلے پہل یہی چال چلی تھی کہ خود کو مسلمانوں کا خیر خواہ بنا کر ان کے سامنے پیش کیا اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب اس نے یہ مشہور کر دیا کہ اس کے ساتھ کوئی بھی ہندو یا عیسائی مناظرہ نہیں کر سکتا۔ یعنی اس کی قابلیت ہی کچھ ایسی ہے کہ اس کے مقابلہ پر کوئی بھی نہیں آتا۔

اسی طرح اس نے تبلیغ رسالت کی جلد ششم کے صفحہ نمبر 3,2 پر یہ چھپوایا کہ ''واضح رہے کہ ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اور آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کا کامل ایمان رکھتے ہیں۔ بعد وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت جو کہ زیر سایہ نبوت محمدیہ اور بہ اتباع آپ جناب ﷺ اولیاء کرام کو ملتی ہے۔ اس کے ہم قائل ہیں ...... غرض نبوت کا دعویٰ اس طرح بھی نہیں صرف ولایت اور مجددیت کا دعویٰ ہے۔''

اسی طرح اس نے حقیقۃ الوحی کے صفحہ نمبر 68 پر تحریر کیا کہ ''یہ کہنا کہ نبوت کا دعویٰ کیا ہے کس قدر جہالت ہے اور کس قدر حد سے تجاوز ہے۔ اے نادانو! میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ! آنحضرت ﷺ کے مقابل کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الٰہی ہے جو آنحضرت ﷺ کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ اور مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔

عزیز قارئین کرام! ذرا غور فرمایئے کہ مرزا نے ایک حنفی العقیدہ مسلم گھرانہ میں جنم لیا اور پرورش پائی۔ سن بلوغت تک پہنچنے سے پہلے اس نے ایک شیعہ عالم گل علی شاہ سے منطق اور فلسفہ کی کچھ تعلیم حاصل کی اور پھر اہل حدیث مسلک میں بھی در آیا۔

Marfat.com

یہاں اس نے بڑی محنت سے اہل حدیث علمائے کرام کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس دوران دوسرے مذاہب کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا جہاں اس کو پریشانی لاحق ہوتی وہ مولانا صاحب سے مشورہ حاصل کرتا۔

اب اس نے یہ طے کر لیا کہ ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ اس نے کس طرح مناظرہ یا مقابلہ کرنا ہے۔ اور یہ بات تو وہ بخوبی جانتا تھا کہ علمیت نام کی تو اس میں کوئی چیز ہے نہیں چنانچہ اب اس نے اپنا سب سے مضبوط ہتھیار استعمال کرنے کا فیصلہ لیا اور وہ ہتھیار تھا اس کی بدزبان اور بدکلامی۔

لاہور میں مرزا نے چھوٹے موٹے مناظرے شروع کیے مگر زیادہ تر زور اس نے اشتہار بازی پر صرف کیا یہ انداز بھی انگریزوں کا ہی تھا کہ پبلسٹی حاصل کرنے کے لئے اشتہاروں کی مدد حاصل کی جائے۔ چونکہ ابھی تک اس نے خود کو اسلام کا ایک ادنیٰ خادم ہی بنا کر پیش کیا تھا اور کوئی بھی دعویٰ وغیرہ نہیں کیا تھا اس لئے مسلمانوں کے تمام فرقوں کی ہمدردیاں اس کے ساتھ تھیں۔

لاہور میں جب اس نے خوب اشتہار بازی کر لی تو واپس قادیان لوٹ گیا۔ لاہور میں اس نے خود کو انگریزوں کی نظروں میں مسلمانوں کا ایک معروف عالم بنا کر پیش کر دیا تھا۔ یعنی اس نے انہیں یہ تاثر دیا تھا کہ ان کی سرمایہ کاری کسی بھی طرح رائیگاں نہیں جا رہی۔ اب اس نے قادیان پہنچ کر سب سے پہلے آریاؤں کے خلاف چیلنج اشتہاروں میں چھپوا کر تقسیم کرنا شروع کر دیئے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ براہ راست کسی کو بھی چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔ یہ کہ کوئی بھی اس کے ساتھ مناظرہ کرنا چاہتا نہیں کیونکہ وہ ایک مشہور عالم نہ تھا۔

انگریزوں نے ہندوستان میں اسلام کو کمزور کرنے کے لیے بہت زیادہ سوچ بچار سے کام لیا۔ وہ یہ دیکھ چکے تھے کہ ان کی سفا کانہ اور انسانیت سوز کارروائیاں بھی مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ نہیں کر پائیں۔ ایک پادری کیمون کا بیان ہماری اس بات کی تصدیق کے لیے کافی ہے اس نے کہا کہ ”محمد ﷺ کی قبر مبارک ایک پاور اسٹیشن ہے۔ جہاں سے تمام مسلمانوں کے قلوب و اذہان میں توانائی کی وہ لہریں پیدا ہوتی ہیں جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتیں۔ میں پختہ یقین اور اعتقاد رکھتا ہوں کہ یورپ کے مادی

Marfat.com

و معنوی وجود کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم (معاذ اللہ) کعبہ کو گرا دیں اور محمدؐ کا وجود (مبارک) قبر سے نکال دیں۔" (الاتجاہات الوطنیہ صفحہ نمبر 321، الفکر الاسلامیہ الحدیث وصلتہ بالا ستعمار الحدیث صفحہ نمبر 51)

امور افواج کے ایک یہودی ہرٹز (Hartz) نے اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس انداز میں کیا کہ "مسلمانوں اور بالخصوص پاکستانیوں کے دل رسول عربی ﷺ کی محبت سے لبریز ہیں۔ یہی وہ جذبہ ہے کہ جو عالمی صیہونیت کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے اور جو اسرائیل کی توسیع کے راستہ میں ایک زبردست رکاوٹ ہے۔ لہٰذا یہودیوں کے لیے بہت ضروری ہے کہ وہ محمد ﷺ کے ساتھ اس جذبۂ محبت کے تمام تر وسیلوں کو کمزور تر کر دیں۔ تب ہی وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔"

(اگر آپ غور فرمائیں تو آپ کو یہ حقیقت بالکل صاف دکھائی دے گی کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے مرزائیوں کے ساتھ مل کر یہ کامیاب سازش کی کہ مسلمانوں کے ناموں کے اندراج کا صدیوں پرانا طریقہ ہی بدل ڈالا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ لوگوں کے نام محمد سے شروع ہوتے ہیں تو انہوں نے یہ کیا کہ دوسرے نام کو اصل نام لکھنا شروع کر دیا کیونکہ مرزائیوں کو یہ توفیق ہی حاصل نہیں کہ وہ اپنا نام محمد ﷺ کے نام سے شروع کریں چنانچہ انہوں نے اس کی حمایت زور شور سے کی۔

مرزا غلام احمد قادیانی ابھی اپنے لیے کوئی راستہ تلاش ہی کر رہا تھا کہ 1869ء میں انگریز دانشوروں، سیاست دانوں اور معروف پادریوں کا ایک منتخب وفد ہندوستان میں اس امر واقع کی تحقیق اور جستجو کے سلسلہ میں آیا کہ وہ یہ دیکھیں کہ مسلمانوں میں مذہبی جنون کی اصل وجہ کیا ہے؟ وہ ایسا کوئی حربہ اختیار کرنا چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں سے یہ جذبہ ہی ناپید ہو جائے۔

1870ء میں یہ وفد اپنی تحقیقات مکمل کر کے واپس لندن چلا گیا۔ وہاں انہوں نے ایک متفقہ اور مفصل رپورٹ پیش کی جس میں انہوں نے انگریز سرکار کو یہ مشورہ دیا کہ اسلام میں شدید افراتفری اور انتشار پھیلانے کے لیے ضروری ہے کہ ان میں ایک خود ساختہ نبی پیدا کیا جائے اور پھر اس کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے۔

Marfat.com

رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ ''ہندوستان کی مسلم آبادی کی اکثریت اندھا دھند اپنے پیروں یعنی روحانی راہنماؤں کی پیروی کرتی ہے۔ اگر اس مرحلہ پر ہم ایک ایسا آدمی تلاش کرنے میں کامیاب ہوجائیں جو اس بات کے لیے تیار ہو کہ اپنے لئے ظلی نبی ہونے کا اعلان کر دے تو لوگوں کی بڑی تعداد اس کے گرد جمع ہو جائے گی۔

ایسے شخص کی نبوت کو سرکاری سرپرستی میں پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔ ہم نے پہلے بھی غداروں کی مدد حاصل کر کے ہندوستان میں حکومتوں کو محکوم بنایا مگر وہ ایک مختلف مرحلہ تھا۔ اس وقت فوجی نقطۂ نظر سے غداروں کی ضرورت تھی۔ مگر اب جب کہ ہم نے ملک کے کونے کونے میں اپنا اقتدار جما لیا ہے اور ہر طرف امن و امان ہے۔ اب ہمیں ایسے اقدامات کرنے چاہیں جن سے ملک میں داخلی بے چینی پیدا ہو سکے۔)

(مطبوعہ Excellent رپورٹ سے اقتباس، انڈیا آفس لائبریری، لندن۔ بحوالہ قادیان سے اسرائیل صفحہ نمبر 24)

اسی رپورٹ کی روشنی میں انگریز سرکار نے کسی ایسے شخص کی تلاش شروع کروا دی جو کہ یہ مذموم فعل بڑی کامیابی سے سرانجام دے سکے۔ انہیں زیادہ تگ و دو نہیں کرنا پڑی اور یہ تلاش صرف چند ماہ میں ہی ختم ہوگئی جب انہیں مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے تعاون کا یقین دلا دیا۔

جب مرزا سیالکوٹ میں منشی کی حیثیت سے کام کر رہا تھا تو اس کو انگریز ڈپٹی کمشنر نے اس کام کے لیے آمادہ کرلیا۔ مرزا کی آمادگی کے بعد اس کی ملاقات برطانوی انٹیلی جنس ایجنسی کے ایک رکن جو کہ مشہور پادری کے روپ میں ہندوستان آیا تھا سے کروائی گئی۔ پادری ایم۔ اے بٹلر نے تنہائی میں مرزا سے پوچھ گچھ کی تا کہ اسے اندازہ ہو سکے کہ یہ شخص ان کا کام کر بھی سکتا ہے کہ نہیں۔

مرزا محمود یعنی مرزا غلام احمد کا بیٹا اس سلسلہ میں اپنی کتاب ''سیرت مسیح موعود'' کے صفحہ نمبر 10 پر اس طرح تحریر کرتا ہے کہ ''ایم۔ اے بٹلر جو سیالکوٹ مشن میں کام کرتے ہیں اور جن سے حضرت صاحب (مرزا) کے بہت سے مباحثات ہوتے رہتے ہیں۔ جب ولایت واپس جانے لگے تو خود کچہری میں آپ کے پاس ملنے کے لیے آئے آپ جہاں حضرت صاحب بیٹھے تھے وہیں سیدھے چلے گئے اور کچھ دیر بیٹھ کر واپس چلے گئے۔''

Marfat.com

پادری صاحب تو چارہ ڈال کر واپس چلے گئے مگر مرزا بھی سیالکوٹ میں نہ رہا بلکہ نوکری چھوڑ کر قادیان چلا گیا۔ اب اس کو اہلمد کا عہدہ نہیں چاہئے تھا کیونکہ اب تو اس کو اس کے آقاؤں نے درجۂ نبوت پر سرفراز کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پھر بھلا وہ کیوں اس چھوٹے سے عہدہ پر اپنی زندگی خوار کرتا۔ وہی شخص جو کہ صرف دس پندرہ روپے کی نوکری کرتا تھا اور بڑی عسرت میں زندگی بسر کر رہا تھا اچانک درجنوں لوگوں کی بڑی اچھی اچھی ضیافتیں کرنے لگا اور یقیناً وہاں تو غربا جمع ہو ہی جاتے ہیں جہاں کھانے پینے کا موقع ہو۔

مرزا سے یہ پوچھنے کی کسی نے بھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ یہ عالیشان ضیافتیں وہ کہاں سے کر رہا ہے۔ جب کہ اس کا باپ ایک معمولی حکیم اور حکومت کا پنشن خوار ہے۔ یقیناً اس کے گرد لا تعداد اور خوشامدی بھی جمع ہو گئے ہوں گے۔ جس کی وجہ سے مرزا خود کو پہلے کچھ اور پھر کچھ اور ہی سمجھنے لگا ہوگا۔

مرزا غلام احمد قادیان کا سب سے بڑا خوشامدی مہاراجہ کشمیر کا ریاستی حکیم تھا۔ اس کا نام نور الدین تھا۔ جب وہ شاہی طبیب تھا تو وہ کشمیر میں ایک مرزائی ریاست کے لئے بھی کوشاں تھا۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ حکیم نور الدین کی کاوشوں سے اس کے بقول کشمیر میں مرزائیت کو بہت زیادہ پذیرائی حاصل ہو رہی تھی مگر اس کی یہ بات بالکل غلط ثابت ہوئی کیونکہ مرزائیت کی زیادہ پذیرائی تو خطۂ پنجاب میں ہوئی تھی۔

اب ہوا یوں کہ جیسے ہی کشمیر کے ارباب اختیار کو یہ بھنک پڑی کہ حکیم نور الدین کشمیر میں ایک مرزائی ریاست کے خواب دیکھ رہا ہے تو اسے وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیا گیا۔ یہ خیال بھی ایک طرح سے غلط ہی لگتا ہے کہ اگر حکیم نور الدین کو کشمیر سے نکالا نہ جاتا تو وہ وہاں مرزائی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا کیونکہ مشرقی پنجاب میں بہت سی مساجد کو تو مرزا سرکاری سرپرستی کے باوجود بھی واگزار نہ کروا سکا تھا جن پر سکھوں نے قبضہ کر کے بند کر رکھا تھا۔

ہاں مگر یہ بات تو درست ہے کہ اگر کشمیر میں مرزائی سلطنت قائم ہو جاتی تو پھر بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ انگریزوں کے ساتھ تو مرزا نے از حد تعاون کیا تھا پھر بھلا وہ کیوں اس کی طرف داری نہ کرتے مگر انگریز نے بھی اس کو حسب وعدہ کوئی

Marfat.com

سلطنت وغیرہ نہ دی کیونکہ انگریزوں کی تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے کبھی کسی غدار وطن کو اپنے سر نہیں چڑھایا بلکہ وہ تو اپنے ہی ایجنٹوں کو کام ختم کرنے کے بعد جان سے مار دیا کرتے ہیں۔

ہم بات کر رہے تھے مرزا کی خوشامد پسند طبع کی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب اس کے ہر طرف خوشامدہی ہی خوشامدی دکھائی دینے لگے۔ انہیں خوشامدی عناصر نے مرزا کو کبھی یہ باور کروایا کہ وہ ایک ولی کامل ہے تو کبھی اسے یہ سمجھایا کہ اگرچہ اسے تو معلوم نہیں مگر وہ مہدی آخر الزمان ہے کسی نے اس کو یہ بتلایا کہ ہو نہ ہو وہی ظلی و بروزی نبی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اس کے خوشامدیوں نے اس کے دماغ میں یہ بات بھی بٹھا دی کہ نہیں پہلے تو سب لوگوں سے اسے شائد غلط باتیں بتائی ہیں مگر دراصل بات تو یہی ہے کہ دراصل مرزا ہی خدا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے مناظروں کی طرف ابتداء کی تو اس نے اپنے دلائل میں غلیظ ترین زبان کو استعمال کیا۔ بات یہ تھی کہ اس کو یقیناً اس قدر عبور حاصل نہ تھا مگر جو لوگ اس کو مناظروں کی تیاری کرواتے تھے۔ان لوگوں نے جو کچھ اسے پڑھایا ہوتا تھا وہ وہی باتیں دوران مناظرہ کہہ دیا کرتا تھا۔

اس نے انبیائے کرام اور اولیائے کرام پر اور اہل بیت مصطفیٰ ﷺ پر رکیک ترین الزامات لگائے۔ مگر وہ ایک غائب دماغ شخص تھا اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کو گیس ٹربل کا عارضہ لاحق تھا چنانچہ اس عارضہ کے تحت بعض اوقات وہ سمجھ نہیں پاتا کہ وہ کیا کہہ چکا ہے۔ ہاں مگر ازاں بعد وہ پچھتاتا ضرور ہے جب اس کو بتلایا جاتا ہے کہ وہ کیسی کیسی احمقانہ باتیں کر چکا ہے۔ لیکن یہاں تو صورت حال ہی دوسری تھی۔ اس کے گرد خوشامدیوں کی ایک فوج ظفر موج موجود تھی جو اس کی ہر غلط بات کی عمدہ سے عمدہ تشریح گھڑ لیا کرتی تھی۔ کیا آپ کو حیرانگی نہیں ہوتی کہ مرزا کی اس قدر مصروفیات کے باوجود اس نے بہت زیادہ کتابیں تصنیف کر ڈالیں۔ یقیناً یہ کام اس کے تنخواہ داروں کا تھا جو اس کے لیے ہمہ وقت تصنیف و تالیف میں سرگرم رہا کرتے تھے۔

عقیدۂ ختم نبوت کے بارہ میں مرزا غلام احمد قادیان نے خود اپنی تحریر پہ جو اقرار کیا وہ انجام آتھم میں بنام مشائخ ہند، عربی زبان میں شائع کیا۔ ترجمہ ملاحظہ

Marfat.com

فرمائیں تحریر کرتا ہے کہ ''میرا اعتقاد یہ ہے کہ میرا کوئی دین بجز اسلام کے نہیں اور میں کوئی کتاب بجز قرآن کے نہیں رکھتا اور میرا کوئی پیغمبر بجز محمد ﷺ کے نہیں جو خاتم النبیین ہیں اور جن پر اللہ نے بے شمار نعمتیں اور برکتیں نازل فرمائیں اور ان کے دشمنوں پر لعنت بھیجی ہے۔

گواہ رہو کہ مہر تمکنت قرآن کریم ہے اور رسول کریم ﷺ کی حدیث، جو چشمۂ ہدایت وحق ومعرفت ہے، کی پیروی کرتا ہوں اور تمام باتوں کو قبول کرتا ہوں جو کہ اس خیر القرون میں بہ اجماع صحابہ صحیح قرار پائی ہیں، ان پر کوئی زیادتی کرتا ہوں نہ کمی اور اسی اعتقاد پر میں زندہ رہوں گا اور اسی پر میرا خاتمہ ہوگا اور جو شخص ذرہ بھر بھی شریعت محمدی میں کمی بیشی کرے یا کسی اجماعی عقیدے کا انکار کرے تو اس پر اللہ اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔''

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب مرزا غلام احمد قادیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمان اور نزول کے عقیدہ پر بھی ایمان رکھتا تھا۔ براہین احمدیہ کی جلد چہارم میں اس نے خود اعتراف کیا کہ

> **هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الذین کله (الفتح: 28)**
>
> ترجمہ: اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت دے کر اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے۔

سیاست ملکی کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے حق میں پیشین گوئی ہے اور جس غلبۂ کاملہ دین اسلام کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ غلبۂ مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھوں سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔

مثیل مسیح کا دعویٰ:

بے تحاشا شہرت ملنے کے بعد مرزا کے چند قریبی ساتھیوں نے اسے یہ مشورہ

Marfat.com

دیا کہ کہ اسی گرما گرمی کے دور میں وہ اگر مہدی یا مثیل مسیح کا دعویٰ کر دے تو اس کو کسی طرف سے مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور یہ اس کے لیے بہت بہتر ثابت ہوگا۔ مرزا نے بارہا ان کی باتیں سنیں مگر جواب حکیم نور الدین کو تحریر کیا۔ اس نے حکیم نور الدین کو 24 جنوری 1891ء میں تحریر کئے جانے والے خط میں تحریر کیا کہ ''جو کچھ آں مخدوم نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر دمشقی حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر ایک مثیل مسیح کا دعویٰ کیا جائے تو کیا حرج ہے۔ درحقیقت اس عاجز کو مثیل مسیح بننے کی کچھ حاجت نہیں۔ یہ بندہ تو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے عاجز اور مطیع بندوں میں داخل کرے۔ ہم ابتداء سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے ترقیات کا ذریعہ تو صرف ابتلا کو ہی رکھا ہے۔

مگر ابھی حکیم نور الدین کے مشورہ کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اس نے یہ مشورہ قبول کرتے ہوئے سب سے پہلے مثیل مسیح ہونے کا ہی دعویٰ کیا۔ مرزا نے یہ دعویٰ ''تبلیغ رسالت جلد دوم'' مولفہ قاسم علی قادیان میں کہا۔ تحریر کرتا ہے کہ ''مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں ہے اور نہ ہی میں تناسخ کا قائل ہوں۔ بلکہ مجھے تو فقط مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے۔ جس طرح محدثیت نبوت سے متشابہ ہے۔ ایسی ہی میری روحانی حالت مسیح ابن مریم کی روحانی حالت سے مشابہت رکھتی ہے۔

جب اس کے اس خود ساختہ دعویٰ پر شور اٹھ کھڑا ہوا تو اس نے ازالہ اوہام میں تحریر کیا کہ ''اس عاجز نے جو مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو اس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں...... میں نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں...... میں تو مثیل مسیح ہوں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض روحانی خواص طبع اور عادات و اخلاق وغیرہ خدائے تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھے ہیں۔''

مسیح موعود کا دعویٰ:

ابھی مرزا غلام احمد قادیان کی درج بالا توجہات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اس نے ایک اور پلٹا کھایا اور اپنی تین عدد تصنیفات فتح الاسلام، توضیح مرام اور ازالہ اوہام میں حیات مسیح کے عقیدہ بتا کر اچانک ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا پہلے تو

Marfat.com

اعلان کیا اور پھر مسیح موعود اور اس کے بعد مہدی ہونے کا بھی اعلان کر دیا۔ توضیح مرام میں اس نے کہا کہ ''مسلمانوں اور عیسائیوں کا کسی قدر اختلاف کے ساتھ یہ خیال کا غلط ہونا اپنے اسی رسالہ میں لکھ چکا ہوں۔''

فتح الاسلام میں اس نے تحریر کیا کہ ''اگر تم ایماندار ہو تو شکر کرو اور شکر کے سجدے بجا لاؤ کہ وہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے آباؤ اجداد گزر گئے اور بے شمار روحیں اس کے شوق میں ہی سفر کر گئیں۔ وہ وقت تم نے پالیا ...... میں اس کو بار بار بیان کروں گا اوز اس کے اظہار سے رک نہیں سکتا کہ میں ہوں جو وقت ضرر اصلاح خلق کے لیے بھیجا گیا تا کہ دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے۔

میں اسی طرح بھیجا گیا ہوں جس طرح وہ شخص حکیم اللہ مرد خدا بھیجا گیا تھا۔ جس کی روح بیروڈیس کے عہد حکومت میں بہت تکلیف کے بعد آسمانوں پر اٹھائی گئی۔ سو جب دوسرا حکیم اللہ جو حقیقت میں سب سے پہلا اور سید الانبیاء ہے دوسرے فرقوں کی سرکوبی کے لیے آیا جس کے حق میں ہے۔ ''انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا'' (ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہی ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا) تو اس کو بھی جو اپنی کارروائیوں میں کلیم اول کا مثیل مگر رتبہ میں اس سے بزرگ تر تھا۔ ایک مثیل مسیح کا وعدہ دیا گیا اور وہ مثیل مسیح قوت اور طبع اور خاصیت ابن مریم کی پاکی اس زمانہ کی پاکی اس زمانہ کی مانند اور اسی مدت کے قریب قریب جو کلیم اول کے زمانہ سے مسیح ابن مریم کے زمانہ حق تھی۔

یعنی چودھویں صدی میں آسمان سے اترا اور وہ اترنا روحانی طور پر تھا۔ جیسا کہ مکمل لوگوں کا صعود کے بعد خلق اللہ کی اصلاح کے لیے نزول ہوتا ہے اور سب باتوں میں اسی زمانہ کی ہم شکل زمانہ میں اترا جو مسیح ابن مریم کے اترنے کا زمانہ تھا تا سمجھنے والوں کے لیے نشان ہو۔''

مرزا غلام احمد قادیان نے کشتئ نوح میں یہ تحریر کیا ''اور یہی عیسیٰ ہے جس کی انتظار تھی اور الہامی عبادتوں میں مریم اور عیسیٰ سے میں ہی مراد ہوں۔ میری نسبت ہی کہا گیا ہے کہ ہم اس کو نشان بنا دیں گے اور نیز کہا گیا کہ یہ وہی عیسیٰ ابن مریم ہے جو آنے والا تھا۔ جس میں لوگ شک کرتے ہیں اور یہی میرا حق ہے اور آنے والا یہی ہے اور

Marfat.com

شک محض نافہمی ہے۔''

اشتہار ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم میں تحریر کیا کہ ''مجھے اس خدا کی قسم ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر افتراء کرنا لعنتیوں کا کام ہے کہ اس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے۔''

تحفۂ گولڑویہ میں مرزا نے تحریر کیا کہ ''میرا دعویٰ ہے کہ میں ہی مسیح موعود ہوں جس کے بارہ میں خدا تعالیٰ کی تمام پاک کتابوں میں پیشین گوئیاں ہیں کہ وہ آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا۔''

مرزا غلام احمد قادیان مشابہت مسیح کے جو دلائل دیئے۔ ان کو بھی آپ ملاحظہ فرمایئے۔ تحفۂ گولڑویہ میں لکھتا ہے کہ ''یہ عاجز جو حضرت مسیح بن مریم کے رنگ میں بھیجا گیا ہے۔ بہت سے امور میں حضرت عیسیٰ سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جیسے حضرت عیسیٰ کی پیدائش ایک قدرت تھی۔ اس عاجز کی پیدائش میں بھی ایک قدرت ہے اور وہ یہ کہ میرے ساتھ ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی تھی اور یہ امر انسانی پیدائش میں نادرات سے ہے۔ کیونکہ اکثر ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے۔''

سیالکوٹ میں ایک لیکچر دیتے ہوئے کہا کہ ''اس امت کے مسیح موعود کے لیے ایک اور مشابہت حضرت عیسیٰ سے ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح پورے اسرائیلی نہ تھے بلکہ صرف ماں کی طرف سے اسرائیلی کہلاتے تھے۔ ایسا ہی اس عاجز کی بعض دادیاں سادات سے تھیں اور حضرت عیسیٰ کے لیے خدا نے جو پسند یہ کیا کہ کوئی بھی حضرت مسیح کا باپ نہ تھا تو اس میں یہ بھید پوشیدہ تھا کہ خدائے تعالیٰ بنی اسرائیل کی کثرت گناہوں کی وجہ سے ان پر سخت ناراض تھا۔''

ازالہ اوہام میں مرزا نے تحریر کیا کہ ''سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابن مریم ہے جس نے عیسیٰ بن مریم کی طرح اپنے زمانہ میں کسی ایسے شخص کو والد روحانی نہ پایا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہرتا۔ تب خدائے تعالیٰ خود اس کا متولی ہوا اور تربیت کی کنار میں لے گیا اور اپنے بندے کا نام ابن مریم رکھا۔ پس مثالی طور پر بھی عیسیٰ بن مریم ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا۔ کیا تم یہ ثابت کر سکتے ہو کہ اس کا کوئی والد روحانی ہے۔ کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تمہارے سلاسل اربع میں سے کسی سلسلہ میں یہ داخل

Marfat.com

ہے؟ پھر اگر یہ ابن مریم نہیں تو اور کون ہے؟''

اسی طرح اس نے تذکرہ الشہادتیں میں تحریر کیا کہ ''چودھویں خصوصیت یسوع مسیح علیہ السلام میں یہ تھی کہ وہ باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل میں سے نہ تھا مگر بایں ہمہ موسی علیہ السلام کا آخری پیغام تھا۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں پیدا ہوا۔ ایسا ہی میں بھی خاندان قریش میں سے نہیں ہوں اور چودھویں صدی میں مبعوث ہوا ہوں اور سب سے آخر ہوں۔''

مسلمانوں میں محدث کا بھی بہت بڑا مقام ہے۔ اسی لئے مرزا غلام احمد قادیانی نے محدث کا بھی دعویٰ کر ڈالا۔ اس نے محدث ہونے کا اقرار ''شہادت القرآن'' کے صفحہ نمبر 28 پر ان الفاظ میں کیا۔ ''ہمارے سید و رسول ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرل ﷺ کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اسی لیے شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے ہیں۔''

آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ نمبر 338 پر مرزا نے تحریر کیا کہ ''میں نبی نہیں ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محدث اور اللہ کا کلیم ہوں تا کہ دین مصطفیٰ کی تجدید کروں۔''

مرزا غلام احمد قادیانی نے اس کا اعتراض ان الفاظ میں کیا جب لوگوں نے یہ کہا کہ قرآن کریم میں تو محدث کا لفظ نہیں ہے۔ مرزا نے براہین احمدیہ شائع کردہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے صفحہ نمبر 348 پر تحریر کیا کہ ''آپ لوگ کیوں قرآن شریف میں غور نہیں کرتے اور کیوں سوچنے کی غلطی کھا جاتے ہیں۔ کیا آپ صاحبوں کو خبر نہیں کہ صحیحین سے ثابت ہے کہ آنخضرت ﷺ اس وقت امت کے لئے بشارت دے چکے ہیں کہ اس امت میں بھی پہلی امتوں کی طرح محدث پیدا ہوں گے اور محدث بفتح داں وہ لوگ ہیں جن سے مکالمات و مخاطبات الٰہی ہوتے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ ابن عباس کی قرأت میں آیا ہے ''و ما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث'' پس آیت کی رو سے بھی جس کو بخاری نے بھی لکھا ہے۔ محدث کا الہام یقینی اور قطعی ثابت ہوتا ہے۔ جس میں دخل شیطان کا قائم نہیں رہ سکتا۔

مرزا غلام احمد قادیان نے اپنے دعویٰ کی دلیل کے طور پر کون سی آیت کا حوالہ پیش کیا جو کلام پاک میں تو نہیں ہے بلکہ قرأت ابن عباس کی ایک نئی اصطلاح وضع کر

Marfat.com

ڈالی۔ جو کہ بالکل ہی بے بنیاد تھی۔ مگر اس لیے ضروری تھا کہ وہ کوئی نہ کوئی تاویل تو پیش کرتا۔

مہدی ہونے کا دعویٰ:

مرزا غلام احمد قادیانی کے بے تحاشا دعووں میں ایک بڑا مشہور و معروف دعویٰ مہدی ہونے کا بھی تھا۔ حالانکہ اس سلسلہ میں روایات میں یہ آتا ہے کہ جو مہدی آخر الزمان ہوں گے ان کا نام محمد احمد ہوگا اور ان کے والد کا نام عبد اللہ اور ان کی والدہ کا نام آمنہ ہوگا۔ مگر یہاں تو صورت حال ہی دوسری بن گئی کہ یہاں تو مرزا کا نام غلام احمد، اس کے باپ کا نام غلام مرتضیٰ تھا۔ جو کہ روایات کے بالکل ہی الٹ تھا۔

1892ء میں ایک مسلمان عالم نے مرزا غلام احمد قادیان سے جب یہ دریافت کیا کہ آپ تو مسیح کا دعویٰ کرتے تھے مگر آپ نے اب مہدی ہونے کا بھی دعویٰ کر ڈالا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ میں ہی مہدی بھی ہوں۔ اس نے اس سلسلہ میں بہت سی تاویلیں بھی پیش کیں مگر جب مکمل طور پر کامیابی حاصل نہ ہوئی تو اس نے 26 مئی 1892ء کو ایک کتاب ''نشان آسمانی'' نامی شائع کی۔ اس کتاب میں اس نے اپنے مہدی آخر الزمان ہونے کے ثبوت کے طور پر شاہ نعمت اللہ کرمانی کا ایک قصیدہ پیش کیا۔

اس نے اس قصیدہ کو اپنے لئے موافق بنانے لئے کچھ اس طرح قطع برید کی کہ اس کا حلیہ ہی بگڑ کر رہ گیا۔ مرزا نے اس قصیدہ کے اشعار کی ترتیب کچھ اس طرح تبدیل کی کہ اس کے مطالب ہی بدل کر رہ گئے۔ اس نے امام مہدی کے نام میں بھی اچھی خاصی تحریف کر دی۔ اس میں شاہ نعمت اللہ صاحب نے ایک شعر میں تحریر کیا کہ

میم حا میم دال می خوانیم
نام او نامدار می بینم

مرزا غلام احمد قادیانی نے نہایت عقل مندی کے ساتھ اس میں اس طرح تبدیل کی۔

ا ح م و دال می خوانم
نام او نامدار می بینم

Marfat.com

چنانچہ اس کی تحریف میں اس کی رہی سہی عزت بھی خاک میں ملا کر رکھ دی۔

نبوت کا دعویٰ:

20 شعبان 1314ھ بمطابق 22 جنوری 1897 کو ایک اشتہار، تبلیغ رسالت کی جلد ششم کے صفحہ نمبر 3,2 پر شائع کروایا جس میں اس نے کہا کہ ''ان پر واضح ہو کہ ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اور آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ بعد وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت جو زیر سایہ نبوت محمد یہ اور بہ اتباع آپ جناب ﷺ اولیائے اللہ کو ملتی ہے۔ اس کے ہم قائل ہیں ...... غرض نبوت کا دعویٰ اس طرف بھی نہیں۔ صرف ولایت اور مجددیت کا دعویٰ ہے۔''

مرزا غلام احمد قادیان نے حقیقۃ الوحی کے صفحہ نمبر 68 پر یہ تحریر کیا کہ ''یہ کہنا کہ نبوت کا دعویٰ کیا ہے، کس قدر کسی جہالت ہے۔ کس قدر حماقت ہے کس قدر حد سے خروج ہے۔ اے نادانو! میری مراد نبوت سے یہ نہیں کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کے مقابل کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الٰہی ہے جو آنحضرت ﷺ کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ اور مخاطبہ کے آپ لوگ بہت قائل ہیں۔''

1900ء تک مرزا نے اسی قسم کے خیالات کا اظہار ہر جگہ کیا مگر اس کے خیالات میں تبدیلی 1901ء میں کس طرح آئی اس کی بابت ہمیں الفضل، قادیان کی 4 جنوری 1923ء کی اور رسالہ فرق قادیان کی اکتوبر 1942ء کی اشاعتوں میں تحریر ملتی ہیں ان میں تحریر تھا کہ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ اگست 1901ء میں ایک روز مرزا کو اس کی مسجد کے خطیب مولوی عبد الکریم جہنمی نے جمعہ کے خطبہ میں نبی اور رسول کہا۔ نماز کے بعد سید محمد احسن امروہی قادیانی، خطیب مذکور سے لڑتے رہے۔

اگلے جمعہ کو اس بد کردار نے یہی الفاظ دوبارہ استعمال کئے اس کو گزشتہ جمعہ کی امروہی صاحب کی برہمی یاد تھی چنانچہ اس نے نماز کے بعد مرزا کا دامن پکڑ لیا اور کہنے لگا ''میں آپ کو نبی اور رسول مانتا ہوں، اگر میں غلطی پر ہوں تو حضور مجھے درست فرمائیں۔'' اس پر مرزا نے واپس مڑتے ہوئے اس سے کہا ''مولانا صاحب! ہمارا بھی

Marfat.com

یہی خیال اور دعویٰ ہے جو آپ نے بیان کیا ہے۔"

یہ مکالمات سن کر امروہی صاحب غصے میں بپھرے ہوئے مسجد کی طرف چھت پر ٹہلنے لگے۔ جب مولوی عبد الکریم جہنمی بھی وہاں پہنچا تو سید صاحب ان سے جھگڑنے لگے۔ اونچی اونچی آوازوں کو سن کر مرزا بھی اپنے گھر سے باہر نکل آیا اور قرآن پاک کی آیت بلند آواز کے ساتھ پڑھی۔

یآ ایھا الذین امنو الا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو۔

یعنی یہ پہلا موقع تھا کہ جب مرزا کو یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ ایک نبی ہے۔ یہ بات خلاف معمول اسے جبرئیل نے نہیں بلکہ اس کے تنخواہ دار مولوی عبد الکریم نے بتائی اور پھر وہ اسی بات پر اڑ گیا۔ اگرچہ اس کے ذہن میں جہاں لا تعداد دعوے تیار ہوئے تھے۔ یہ دعویٰ بھی موجود تھا مگر وہ اتنا بڑا جھوٹ بولتے ہوئے ہچکچا رہا تھا مگر ایک معمولی مولوی نے گویا اس کی ڈھارس بندھائی۔ مرزا نے تو غالباً 1891ء میں یہ تحریر کیا یعنی اس سے قبل خدا کا فرستادہ، مامور، امین، مثیل مہدی، مہدی معمور اور مسیح موعود جیسے القابات کو استعمال ہو رہے تھے مگر رسول اور نبی کہلانے میں فی الحال اسے تردد تھا۔

انجام آتھم میں اس نے تحریر کیا کہ "الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔"

ابھی تک مرزا نے اپنے لیے رسول یا نبی کا لفظ استعمال کیا تھا مگر اپنی مسجد کے خطیب کے حوصلہ دلانے پر اس نے نومبر 1901ء میں یہ بیان داغ دیا کہ "میں اپنی نسبت نبی یا رسول کے ناموں سے کیوں انکار کروں یا کر سکتا ہوں اور جب کہ خود اللہ تعالیٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو میں کیوں تردد کروں یا کیونکر اس کے سوا کسی سے ڈروں۔"

حقیقۃ الوحی مطبوعہ 1907ء میں مرزا نے تحریر کیا کہ "خدا نے میری ہزار نشانیوں سے میری وہ تائید کی ہے کہ بہت ہی کم نبی گزرے ہیں کہ جن کی یہ تائید کی گئی...... اور میں اس کی ہی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ

Marfat.com

اس نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام رکھا ہے اور اس نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اسی نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے جو تین لاکھ تک جا پہنچے ہیں۔"

کہیں تو مرزا رسول کریم ﷺ کو افضل الانبیاء اور اسلام کو سب سے افضل مذہب خیال کرتا تھا مگر اچانک ہی اس نے تیزی کے ساتھ پینترہ بدلا اور براہین احمدیہ کی پانچویں جلد مطبوعہ 1905ء میں اس نے تحریر کیا کہ "(معاذ اللہ معاذ اللہ معاذ اللہ) ایسا نبی کیا عزت اور کیا مرتبت اور کیا تاثیر اور کیا قوت قدسیہ اپنی ذات میں رکھتا ہے جس کی پیروی کرنے والے صرف اندھے اور نابینا ہوں اور خدائے تعالیٰ اپنے مکالمات اور مخاطبات سے ان کی آنکھیں نہ کھولے۔

یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت ﷺ کے وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا ہے اور آئندہ قیامت تک کوئی امید باقی نہیں۔ صرف قصوں کی پوجا کرو۔ پس ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے جس میں براہ راست اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔ جو کچھ ہیں قصے ہیں۔

اور اگر کوئی اس کی راہ میں اپنی جان بھی فدا کرے اس کی رضا جو حق میں فنا ہو جائے اور ہر ایک چیز پر اس کو اختیار کرے تب بھی وہ اس اپنی شناخت کا دروازہ نہیں کھولتا اور مکالمات و مخاطبات سے اس کو مشرف نہیں کرتا ...... میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہوگا میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ایسا مذہب جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔"

مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت کی ابتداء میں خود کو محض ظلی نبی ہی ظاہر کیا۔ وہ یہ بھی کہتا کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا تھا مگر نبوت صرف آنحضرت ﷺ کے فیضان سے ہی مل سکتی ہے کہ براہ راست جیسا کہ پہلے زمانہ میں ہوا کرتا تھا اور خاتم النبین کے معنی یہ تھے کہ آپ ﷺ کے بعد ایسے نبی پیدا ہوں گے جن کی تصدیق آپ خود کریں گے اور مہر تصدیق ثبت کریں گے۔ ایسے نبیوں کا معیار آپ کے نقش قدم پر چلنا اور آپ کی شریعت کو قائم رکھنا ہوگا۔

Marfat.com

مرزا بشیر احمد نے اپنی کتاب ''کلمۃ الفصل'' میں اس کی ظلی نبوت کا دفاع ان الفاظ میں کہا کہ ''یہ جو لوگوں کا خیال ہے کہ ظلی نبوت گھٹیا قسم کی نبوت ہے تو یہ محض نفس کا ایک دھوکہ ہے...... میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں بعض لوگ آپ (مرزا) کی نبوت کو ناقص نبوت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ آپ (مرزا) آنحضرت ﷺ کے بروز ہونے کی وجہ سے ظلی نبی تھے اور اسی ظلی نبوت کا پایہ بہت بلند ہے۔''

مرزا غلام احمد قادیانی نے کچھ عرصہ تو ظلی نبوت کا دعویٰ پر ہی اکتفا کیا مگر پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ جب اس نے مستقل نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ ان نے اپنی کتاب ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں تحریر کیا کہ ''میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں اس آیت و آخرین منھم لما یلحقوا بھم کے مطابق بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا ہی وجود قرار دیا ہے۔...... پس جبکہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک حضرت مسیح موعود کا وجود خاص آنحضرت ﷺ کا وجود ہے یعنی خدا کے دفتر میں حضرت مسیح موعود اور آنحضرت ﷺ کوئی دوئی یا صفائرت نہیں رکھتے ہیں۔

گویا لفظوں میں باوجود دو ہونے کے ایک ہی ہیں۔ تو یہ کس قدر حق سے خروج ہوگا کہ حضرت مسیح موعود کے عین محمد ہونے سے انکار کریں۔ اسی طرح اس نے کلام اللہ شریف میں ان آیات کو اپنی طرف منسوب کرنا شرع کر دیا جو کہ درحقیقت رسول کریم ﷺ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

مرزا قادیانی نے دراصل ان غیر مانوس اور غیر حقیقی تاویلات کو اس لیے پیش کیا تھا کیونکہ وہ لوگوں کو یہ بتلانا چاہتا تھا کہ مرزا قادیانی ہی معاذ اللہ، محمد اور احمد ہے اور یہ بھی کہ وہ کوئی دوسری شخصیت نہیں ہے۔ اس خیال کو تقویت دینے کے لیے اپنی کتاب ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں تحریر کیا کہ وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے سرچشمے سے لیتا ہے اور نہ اپنے لئے بلکہ اسی کے جلال کے لئے، اسی لئے اس کا نام آسمان پر محمد اور احمد ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ محمد کی نبوت آخر محمد ہی کو ملے گی اور اسی کو ملی مگر بروزی طور پر مگر نہ کسی اور کو۔

اسی طرح اس نے ''خطبۂ الہامیہ'' میں اس نے تحریر کیا کہ ''اور جان لو کہ

Marfat.com

ہمارے نبی کریم ﷺ جیسا کہ پانچویں ہزار میں معبوث ہوئے۔ ایسا ہی مسیح موعود کی بروزی صورت اختیار کر کے چھٹے ہزار کے آخر میں معبوث ہوئے۔ پس جس نے ان کا انکار کیا اس نے حق کا اور نص کا انکار کیا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روحانیت چھٹے ہزار کے آخیر میں یعنی ان دنوں میں بہ نسبت ان سالوں کے اقویٰ اور اکمل راشد ہے۔ بلکہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔''

مرزا نے تحفۂ گولڑویہ میں تحریر کیا کہ ''جیسے کہ مومن کے لئے دوسرے احکام الٰہی پر ایمان لانا فرض ہے۔ ایساہی اس بات پر بھی ایمان لانا فرض ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دو بعث ہیں۔

خطبۂ الہامیہ میں اس نے کہا کہ ''جس نے میرے اور مصطفیٰ کے درمیان فرق کیا اور دونوں کو الگ الگ سمجھا اس نے نہ مجھے شناخت کیا اور نہ پہچانا اور نہ ہی دیکھا نہ سمجھا۔

''ایک غلطی کا ازالہ'' میں اس نے تحریر کیا کہ ''پھر اسی کتاب (براہین احمدیہ) میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے۔ ''محمد رسول الله والذین معه اشدآء علی الکفار رحمآء بینهم '' اس وحی میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔

ایک دوسری جگہ تحریر کیا کہ ''ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت تو انہی تک محدود رہی۔ یعنی بہر حال محمد ﷺ ہی نبی رہا اور نہ کوئی۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہی ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمد اور نبوت محمد یہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا رنگ انسان ہوا۔ جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ بھلا اگر مجھے قبول نہیں کرتے تو یوں سمجھ لو کہ تمہاری حدیثوں میں لکھا ہے کہ مہدی موعود خلق اور خلق میں ہمرنگ آنحضرت ﷺ اور اس کا نام آپ جناب کے اسم کے مطابق ہوگا یعنی اس کا نام محمد اور احمد ہوگا اور اس کی اہل بیت میں ہوگا۔''

اپنے تعلق کو اہل بیت یعنی سادات سے قائم کرنے کے لیے مرزا نے یہ بھی بار ہا کہا کہ اس کے اجداد کی تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ اس کی ایک دادی خاندان سادات سے اور بنی فاطمہ میں سے تھی۔ واہ واہ کیا استدلال قائم کیا ہے۔

Marfat.com

مرزا کی پیشین گوئیاں:

مرزا غلام احمد قادیانی نے بہت سی پیشین گوئیاں بھی کیں جو اس کے بقول بذریعہ الہامات اس پر وارد ہوئی تھیں۔ اس کی ایک پیشین گوئی یہ تھی کہ ''بذریعہ الہام معلوم ہوا کہ میاں منظور محمد کے گھر میں محمدی بیگم کا ایک بیٹا ہوگا۔ جس کے یہ نام بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوئے، بشیر الدولہ، عالم کباب اور کلمۃ اللہ خان (البشریٰ جلد دوم)

البشریٰ کی جلد دوم اور مجموعۂ الہامات مرزا صاحب مولفہ بابو منظور الٰہی قادیان لاہوری میں تحریر ہے کہ منجانب مولف ''البشریٰ'' ...... اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ پیشین گوئی کب اور کس رنگ میں پوری ہوگی۔ گو حضرت اقدس نے اس کا وقوعہ محمدی بیگم کے ذریعہ سے فرمایا تھا۔ مگر چونکہ وہ فوت ہو چکی ہیں اس لئے اب تخصیص نام نہ رہی۔ ہر صورت یہ پیشین گوئی متشابہات میں سے ہے۔

حقیقۃ الوحی میں اس نے الہام میں دیئے گئے بچے کا ناموں کے بارہ میں اس طرح تحریر کیا کہ لڑکے کا نام بشیر الدولہ اس وجہ سے تھا کہ اس نے ہماری ترقی سلسلہ کے لئے بشارت ہونا تھا اور عالم کباب اس وجہ سے کہ اگر لوگ توبہ نہیں کریں گے تو بڑی بڑی آفتیں آئیں گی۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ یہ لڑکا قیادت خیز زلزلہ کا پیش خیمہ تھا۔ مگر میں نے دعا کی اور زلزلے میں تاخیر ڈال دی گئی۔ چنانچہ 17 جولائی 1906ء کو اس کے ہاں لڑکے کی بجائی لڑکی پیدا ہوئی۔

5 نومبر 1709ء میں ایک اشتہار مرزا کا تبلیغ رسالت کی جلد دوم میں شائع ہوا کہ جب مرزا کا لڑکا مبارک احمد فوت ہوگیا تو ساتھ ہی خدائے تعالیٰ نے یہ الہام کیا کہ ''انا نبشرک بغلام حلیم ینزل منزل'' یعنی ایک حلیم لڑکے کی تجھ کو ہم بشارت دیتے ہیں۔ جو بمنزلہ مبارک احمد کے ہوگا۔ یہ الہام تو اپنی جگہ مگر وائے افسوس کہ مبارک احمد کے مرنے کے بعد مرزا کے ہاں کوئی اولاد ہی پیدا نہ ہوئی۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی ایک بہت مشہور پیشین گوئی بھی ہمیں ملتی ہے جو اس نے اخبار بدر کی 25 اپریل 1907ء کی اشاعت میں کی تھی۔ یہ دراصل ایک دعا

Marfat.com

تھی اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور ایک دعا شائع کی تھی کہ اگر میں مفسد و کذاب ہوں تو مولوی ثناء اللہ امرتسری کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور اگر مولوی ثناء اللہ تہمتوں میں جو وہ مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ان کو نابود کر...... میں ان کے ہاتھوں بہت ستایا گیا ہوں اور صبر کرتا رہا ہوں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبان حد سے گزر گئی ہے اور وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لئے سخت خطرناک ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

آگے چل کر اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''ثنا اللہ کے متعلق جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔''

اس کی بے بنیاد پیشین گوئی یا دعا حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی کیونکہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی زندگی میں ہی مرزا عبرت ناک موت مرا کیونکہ یہی تو اس نے کہا کہ اگر وہ جھوٹا ہے اور مولوی صاحب سچے ہیں تو وہ مر جائے اور یہی ہوا۔ کیونکہ مولوی صاحب تو پاکستان میں آگئے اور آپ 18 مارچ 1948ء کو پاکستان تشریف لے آئے تھے اور یہیں آپ کا انتقال ہوا تھا۔ آپ نے اپنی پوری زندگی قادیانیت کے خلاف تقریری اور تحریری جہاد میں ہی گزاری تھی۔ آپ مرزا کے مرنے کے بعد بھی برسوں حیات رہے کیونکہ آپ سچے تھے۔

مرزا کی موت:

تاریخ اسلام کا ایک سیاہ باب بالآخر مسلمانوں میں ایک بڑے فتنہ کا بیج بونے کے بعد 25 مئی 1908ء کو ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔ جیسا کہ گذشتہ سطور میں آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک دعا شائع کروائی تھی اور اسی کے مطابق مرزا خود کو مولوی ثناء اللہ امرتسری کی زندگی میں ہی مر گیا اور اس کی دعا پوری طرح قبول ہوئی یعنی یہ کہ اس نے دعا کی تھی کہ جو بھی جھوٹا ہو وہ دوسرے کی زندگی میں ہی مر جائے۔

Marfat.com

ایک دوسری جگہ مرزا نے مولوی صاحب کو یہ کہا تھا کہ جو بھی جھوٹا ہو اس کو طاعون، ہیضہ وغیرہ جیسی بیماریوں سے موت آئے تاکہ لوگوں کے لئے اس میں نشانی رہے۔ ہوا بھی یہی کیونکہ مرزا خود ہیضہ کے مرض میں مبتلا ہو کر مرا تھا۔ جبکہ مولوی صاحب اس کی موت کے بعد بھی کافی بری زندہ و سلامت رہے۔ اس سلسلہ میں مرزا نے یہاں تک بھی کہہ دیا تھا کہ یہ امر ہماری طرف سے ہرگز نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

اس کی موت کے چشم دید گواہ یعنی ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ نے 28 مئی 1908ء کو اخبار قادیان میں ضمیمہ شائع کیا جس میں تحریر تھا کہ "برادران! جیسا کہ آپ سب صاحبان کو معلوم ہے کہ حضرت اما مناو مولانا حضرت مسیح موعود مہدی، معہود مرزا صاحب قادیان علیہ الصلوٰۃ و السلام (معاذ اللہ) کو اسہال کی بیماری بہت دیر سے تھی اور جب آپ کوئی دماغی کام زور سے کرتے تھے تو بڑھ جاتی تھی۔

حضور کو یہ بیماری بسبب کھانا ہضم نہ ہونے کی وجہ سے تھی اور چونکہ دل سخت کمزور تھا اور نبض ساقط ہو جایا کرتی تھی، اس دفعہ لاہور کے قیام میں بھی حضور کو دو تین دن پہلے یہ حالت ہوئی۔ مگر 25 مئی کی شام کو جب کہ آپ سارا دن (پیغام صبح) کا مضمون لکھنے کے بعد سیر کو تشریف لے گئے تو واپسی پر حضور کو پھر اسی بیماری کا دورہ شروع ہوگیا اور وہی دوائی جو وہ پہلے مقوی معدہ استعمال فرماتے تھے۔ مجھے حکم بھیجا تو بنوا کر بھیج دی گئی۔

مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور قریباً گیارہ بجے اور ایک دست آنے پر طبیعت از حد کمزور ہوگئی اور مجھے اور حضرت خلیفہ نور الدین صاحب کو طلب فرمایا۔ مقوی ادویہ دی گئیں اور اس خیال سے کہ دماغی کام کی وجہ سے یہ مرض شروع ہوئی۔ نیند سے آرام آ جائے گا۔ ہم واپس اپنی جگہ چلے گئے۔ مگر تقریباً دو اور تین بجے کے درمیان ایک بڑا دست آ گیا جس سے نبض بالکل بند ہوگئی

اب مجھے اور حضرت مولانا خلیفۃ المسیح مولانا نور الدین صاحب اور خواجہ کمال الدین کو بلوایا اور برادرم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کو بھی گھر سے طلب کیا اور جب وہ تشریف لائے تو مرزا یعقوب بیگ صاحب کو اپنے پاس بلوا کر کہا کہ مجھے سخت دورہ

Marfat.com

ہو گیا ہے آپ کوئی دوا تجویز کریں، علاج شروع کیا گیا مگر چونکہ حالت بہت نازک ہوگئی تھی۔ اس لیے ہم پاس ہی ٹھہرے رہے اور علاج باقاعدہ ہوتا رہا۔ مگر پھر نبض واپس نہ آئی۔ یہاں تک کہ سوا دس بجے 26 مئی کو حضرت اقدس کی روح اپنے محبوب حقیقی سے جا ملی۔''انا للہ و انا الیہ رجعون''

یہ ایک ایسا باطل مذہب تھا کہ اس میں ہر شخص دوسرے سے بڑھ چڑھ کر جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا تھا اور کرتا ہے کیونکہ اس باطل مذہب کی بنیاد ہی درحقیقت جھوٹ پر رکھی گئی تھی۔ درج بالا سطور میں آپ نے ایک ڈاکٹر کا آنکھوں دیکھا حال ملاحظہ فرمایا ہے۔ اب آپ اس بیان کو بھی ملاحظہ فرمائے پہلے بیان سے بالکل ہی الٹ ہے۔ رویو آف ریلیجز'' قادیان کے صفحہ نمبر 231 نمبر 6 پر درج کیا کہ ''اگر آپ (یعنی مرزا) کی ڈائری کو اخبار بدر کے پرچوں سے ملاحظہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کی موت ناگہانی ہوئی۔

آپ آخری دن تک اپنی معمولی صحت کی حالت میں رہے۔ اس شام سے پہلے جب آپ بیمار ہوئے، آپ سارا دن ایک رسالہ لکھنے میں مشغول رہے۔ جس کا نام پیغام صلح ہے اور تاریخ مقرر کی گئی کہ اس پیغام کو ٹاؤن ہال میں ایک بڑے مجمع کے سامنے پڑھا جائے گا اور اس دن کی شام کو حسب معمول سیر کے لیے باہر تشریف لے گئے اور کسی آدمی کو خبر نہ تھی کہ آپکی آخری سیر تھی۔ رات کو وہ ایک سخت بیماری (یعنی ہیضہ اور قے) میں مبتلا ہو گئے اور صبح دس بجے کے قریب آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کی وفات کی خبر احمدی جماعت کے لیے بالکل ناگہانی تھی۔ چنانچہ جس جگہ خبر پہنچی، لوگوں کو اس کی صداقت پر اعتبار نہ آیا۔'' ہاں یقین بھی کیسے آتا کہ ایک برائی دنیا سے اٹھ گئی ہے۔

قادیان سے شائع ہونے والے ایک ہفت روزہ اخبار ''الحکم'' کی خاص اشاعت 21 تا 28 مئی 1934 کو شائع ہونے والے شمارہ نمبر 37 میں یہ تحریر تھا کہ ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام (معاذ اللہ) 26 اپریل 1908ء کو لاہور میں تشریف لے گئے۔ اسی روز بوقت 4 بجے صبح آپ پر وحی نازل ہوئی جو کہ وفات پر دلالت کرتی تھی۔ ''مباش ایمن از بازی روزگار'' اسی وحی کے بعد قادیان میں کوئی موقعہ نہ ملا کہ آپ پر

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا مزید کوئی کلام نازل ہوا۔ اس لیے قادیان میں آخری وحی تھی۔

"ریویو آف ریلیجز" قادیان کے صفحہ نمبر 341، جلد نہم پر درج ہے کہ "بمقام لاہور آپ کا (یعنی مرزا کا) قیام تقریباً ایک ماہ تک رہا اور اس عرصہ میں آپ نے کئی تقریریں فرمائیں۔ ملنے والوں اور نئے نئے ملاقاتیوں سے گفتگوئیں کیں اور روز مرہ نمازوں میں شامل ہوتے رہے اور ہر روز سیر کے واسطے جاتے رہے۔ جس روز حضور کا واقعہ وصال ہوا، اس سے ایک روز پہلے حضور نے ایک رسالہ لکھا۔ جس کا نام پیغام صلح رکھا۔

یہ پیغام آپ نے اسی غرض سے لکھا تھا کہ لاہور ٹاؤن ہال میں مختلف مذاہب کے وکلا کو ایک عام جلسہ میں مدعو کے سنایا جائے۔ جب وہ پیغام لکھ چکے تو شام کے وقت سیر کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ مگر واپسی پر ان کی طبیعت ناساز ہوگئی یعنی بیمار ہوگئے۔ دوسرے روز تقریباً ساڑھے دس بجے وقت راہئ ملک بقا ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی کتاب کے صفحہ نمبر 141 پر تحریر تھا کہ" باوجود اس کے کہ زمانۂ وفات کے قریب ہونے کی خبر متواتر وحیوں سے ملتی رہی۔ اگر پھر بھی جب حضرت حجۃ اللہ علی الارض، خلیفۃ اللہ فی حلل الانبیاء حضرت احمد علیہ (الف، الف صلوٰۃ و السلام (معاذ اللہ) کے حسب وعدۂ الٰہی متوفی ہو کر حیات طیبہ سے رفیع المرتبت ہونے کا وقت آیا تو بالکل اچانک ہی آ گیا۔

جس مشن کے پورا کرنے اور جس عظیم الشان کام کے انصرام کے لئے آپ کی بعثت ہوئی تھی۔ اس کام میں وہ برابر آخیر تک نہایت شعوری سے مصروف رہے۔ یہاں تک کہ بیماری (یعنی ہیضہ) کے شدید حملے نے عاجز کر دیا اور تقریباً 12 گھنٹوں کی بیماری کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا۔"

"الفضل" اخبار کی پچیسویں جلد مطبوعہ 24 نومبر 1937ء کو مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک صحابی محمد صادق قادیان کا ایک مضمون شائع کیا گیا۔"ہانگ کانگ سے ایک مبلغ نے لکھا ہے کہ یہاں بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام (معاذ اللہ) کی وفات مرض ہیضہ سے ہوئی۔ نیز اور باتیں بھی اعتراض کے رنگ میں وفات کے بارے میں کرتے ہیں۔ (شائد یہ بھی کہ آخری وقت منہ سے غلاظت

Marfat.com

خارج ہوئی) اسی لئے کسی صحابی سے اس وقت کے حالات لکھ بھیجے جائیں۔

لہٰذا ناظم صاحب تحریک جدید کے حکم کی تکمیل میں عاجز مفصلہ ذیل مضمون لکھا ہے۔ جو فائدہ عام کے واسطے درج اخبار کیا جاتا ہے۔ (محمد صادق عفا اللہ عنہ 21 نومبر 1937ء) وصال سے دو گھنٹہ قبل حضور بات نہ کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب معالجین تھے۔ کاغذ، قلم اور دوات منگوا کر حضور سے لکھا۔ خشکی بہت ہے بات نہیں کی جاتی تھی۔ ایسے ہی کچھ اور بھی الفاظ تھے جو کہ پڑھے نہ گئے۔

یہ بات تو بالکل درست ہی ہے کہ مرزا کی ایک بات تو بالکل ہی درست ثابت ہوئی وہ بات یہ تھی کہ اس نے ایک مرتبہ اپنے اخبار الفضل کی جلد نمبر 28 مطبوعہ 2مارچ 1940ء میں یہ شائع کروایا کہ ''اور جو شخص کہے کہ میں خدا کی طرف سے ہوں اور اس کے الہام اور کلام سے مشرف ہوں۔ حالانکہ وہ نہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہ اس کے الہام و کلام سے مشرف ہے تو وہ بہت ہی بری موت مرتا ہے اور اس کا انجام نہایت ہی بد اور قابل عبرت ہوتا ہے۔

واقعی بات تو اس کی بالکل ہی درست تھی کیونکہ نبوت کا دعویٰ کا جھوٹ بولنے والے کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے اور ہوا بھی یہی۔ اس کی تمام تر بد دعائیں اسی پر وارد ہوئیں۔

مرزا غلام احمد قادیان نے جو نیا مذہب ایجاد کیا تھا وہ دراصل بہت سے مذاہب و مسالک اور جھوٹے ورمیان نبوت وغیرہ کے چیدہ چیدہ اصولوں کو جمع کر کے وضع کیا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں اسلام، یہودیت، عیسائیت، آریہ دھرم کے علاوہ باطنیت، مہدیت اور بہائیت سے بھی مطلب کی باتیں اخذ کی تھیں۔

لعنت اللہ علی الکاذبین

☆❁......❁☆

Marfat.com

یوسف کذاب

نبوت کے دعویداروں میں یوسف کذاب سب سے جدید مدعیٔ نبوت تھا۔ یہ شخص اس کے اپنے شناختی کارڈ پر اندراج کے مطابق 1949ء میں پیدا ہوا تھا۔ یوسف کذاب تاریخ اسلام میں دوسرا مدعیٔ نبوت ہے کہ جس کے نام کے ساتھ مستقل طور پر کذاب لکھا جاتا ہے۔ پہلا مدعیٔ نبوت تھا مسلیمہ کذاب۔

یوسف کذاب ضلع فیصل آباد کی معروف تحصیل جڑانوالہ میں وزیر علی کے ہاں پیدا ہوا۔ اس کی پیدائش پر کیا کسی کو معلوم تھا کہ یہ نومولود ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ جب یہ امت مسلمہ کے لیے فتنہ کھڑا کر دے گا۔ یوسف کذاب کے دو بھائی اور پانچ بہنیں بھی ہیں۔ ان تمام لواحقین کو یوسف کذاب نے ماسوائے شرمندگی اور ندامت کے اور بھلا کیا دیا ہوگا۔

یہ شرمندگی اور ندامت تو ان کو اس وقت محسوس ہونا شروع ہوئی ہوگی جب یوسف کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا مگر ایک بھائی تو اس کے بدکردار کی وجہ سے ہی حرام موت مر گیا۔ جناب میاں غفار صاحب نے اپنی تالیف ''کذاب'' کے صفحہ نمبر 66 پر تحریر کیا ہے کہ ''اس کے ایک بھائی ناصر نصر اللہ وحید نے آج سے دس بارہ سال قبل سعودی عرب میں زہریلی چیز کھا کر خودکشی کر لی تھی۔''

ناصر کا سب سے قابل اعتماد اور عزیز دوست محمود جو لاہور میں ملتان روڈ پر آج کل ایک کارخانہ چلا رہا ہے، مگر ان دنوں سعودی عرب میں ناصر نصر اللہ وحید کے ساتھ

Marfat.com

ایک ہی گھر میں رہتا تھا نے خودکشی کی وجہ بیان کرتے ہوئے روزنامہ خبریں کو بتایا کہ وہ چھٹی پر پاکستان آیا ہوا تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ ناصر نے غلطی سے کوئی زہریلی چیز کھالی ہے اور وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے

محمود نے بتایا۔کہ وہ اپنی چھٹی مختصر کر کے واپس سعودی عرب پہنچا اور ہسپتال میں ناصر سے ملاقات کی تو ناصر نے بتایا کہ ایک روز اس کی طبیعت خراب ہوگئی تو وہ چھٹی لے کر گھر چلا گیا۔ وہاں دروازہ کو مقفل کرنے کا رواج کم ہی ہوتا ہے۔ ناصر جب گھر میں داخل ہوا تو اس نے اپنے بڑے بھائی محمد یوسف علی جو ہمارے ساتھ ہی رہتا تھا کو اپنی بیوی کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھ لیا۔

اس نے ایک آہنی راڈ لے کر جب ان پر حملہ کرنا چاہا تھا تو اس کی بیوی نے کھل کر یوسف علی کا ساتھ دیا اور پھر دونوں نے مل کر اسے خوب زدوکوب کیا اور اس کی بیوی نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ ہاں میرا یوسف کے ساتھ تعلق ہے۔ جس پر ناصر نے زہر کھا لیا۔ ڈاکٹروں نے ازاں بعد اسے لا علاج قرار دے دیا اور وہ پاکستان آ کر دوران علاج مر گیا۔

یوسف علی کی شادی طیبہ نامی ایک خاتون کے ساتھ ہوئی۔ یوسف کذاب کے دعوئے نبوت کے وقت یہ خاتون گلبرگ گرلز کالج میں اسٹنٹ پروفیسر تھی۔ اس کی ایک بیٹی ڈاکٹر جبکہ ایک بیٹا حسن بی اے میں پڑھتا تھا اور ایک بیٹا حسنین انجینئر تھا۔ ہمیں جو معلومات دستیاب ہوتی ہیں ان کے مطابق سب سے پہلے اس نے فوج میں ملازمت اختیار کی اور جب کپتان کے عہدہ پر تعینات تھا تو اس کو فوج سے نکال دیا گیا۔

فوج سے نکالے جانے کے بعد یہ شخص سعودی عرب چلا گیا۔ سعودی عرب جانے سے پہلے اس نے پاکستان میں ایم اے اسلامیات کیا۔ اس کے علاوہ اس نے ایران جا کر وہاں سے بھی مذہبی تعلیم حاصل کی۔ سعودی عرب میں ایک ترکی فرم میں ملازم تھا۔ اسی دوران ایک دور ایسا بھی آیا کہ اس کا قیام ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ کے ہاں بھی کچھ عرصہ رہا۔

ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ کے ہاں اس نے ڈاکٹر صاحب کے ملاقاتیوں کو یہ کہہ کر اپنا تعارف کروانا شروع کیا کہ وہ ورلڈ اسمبلی کا ڈائریکٹر جنرل ہے۔ اس طرح اس

Marfat.com

نے کافی رقم بطور چندہ جمع کر لی۔ یہ کوئی پوشیدہ بات نہ تھی کہ اس کا علم ڈاکٹر غلام مرتضٰی ملک کو نہ ہوتا۔ ملک صاحب نے اچھی طرح تحقیق کرنے کے بعد یوسف کذاب سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد اسے گھر سے نکل جانے کو کہہ دیا۔

گھر سے نکلنے کا یہ دوسرا واقعہ تھا۔ پہلی مرتبہ تو وہ اپنے بڑے بھائی کے مرنے کے بعد اس گھر سے نکالا گیا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ سعودیہ میں کام دھندہ کیا کرتا تھا۔ اسی طرح یہ بھی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سعودیہ کب گیا اور یہ وہاں کتنا عرصہ مقیم رہا۔ مگر اس دوران اس نے ایک تنظیم ورلڈ اسمبلی نامی قائم کی اس کے علاوہ اور کچھ معلوم نہیں ہو پاتا ہے۔

1988ء میں یہ پاکستان چلا آیا۔ یہاں آنے کے بعد اس نے قرآن کریم کی تعلیم لوگوں کو دینے کے لیے جی او آر شادمان میں واقع ایک گھر جس کا نمبر 15 تھا میں مجالس کا انعقاد شروع کیا۔ اس کے علاوہ اس نے مختلف اخبارات میں مذہبی عنوانات پر مشتمل مضامین بھی ارسال کرنا شروع کر دیئے ابتداء میں تو اس نے اپنے اصلی نام کو ہی استعمال کیا مگر ازاں بعد اس نے ابوالحسنین کے نام سے لکھنا شروع کیا۔

کچھ عرصہ تو اس نے اس طرح مضامین اخبارات کو روانہ کیے مگر 1992ء میں اس نے روز نامہ پاکستان میں ایک کالم تعمیر ملت کے نام سے تحریر کرنا شروع کیا۔ ان کالموں میں اس نے نہایت ہی مبہم انداز تحریر اپنایا تھا۔ اس کی تحریر میں کچھ ایسے ابہامات ہوتے کہ جو کافی وضاحت طلب ہوتے تھے۔ جب ان کی وضاحت کے لیے قارئین اس کے ساتھ رابطہ کرتے تو وہ انہیں اپنی رہائش گاہ واقع جی او آر میں آنے کی دعوت دیتا تاکہ مفصل گفتگو ہو سکے۔

جن لوگوں نے ان دنوں اس کے ساتھ ملاقاتیں کیں ان کے تاثرات یہ تھے کہ یوسف کذاب وہاں پر علانیہ پاکستان کے معروف علمائے کرام پر شدید ترین الفاظ میں تنقید کرتا اور یہ کہتا کہ اس وقت کوئی بھی ایک عالم پاکستان میں موجود نہیں ہے کہ جو علوم قرآن پر اس سے زیادہ اتھارٹی ہو۔ انہی ایام میں اس نے شادمان کی مسجد میں خطابت شروع کی مگر جلد ہی اپنی دو معنی اور متنازعہ باتوں کی وجہ سے اس کو خطابت سے روک دیا گیا۔

Marfat.com

دعوئے نبوت کی ابتداء:

یوسف کذاب نے اب اپنے منصوبے پر تیزی سے عمل کرنا چاہا اور چوک یتیم خانہ میں واقع مسجد بیت الرضا کے سجادہ نشین سید محمد یوسف رضا کو شیشہ میں اتارا۔ ابتداء میں اس کو جمعہ کی خطابت کے 500 روپے ادا کئے جاتے۔ مگر اس کے لیے بھلا 500 روپے کی کیا اوقات تھی وہ ان روپوں کے لیے تو جمعہ کا خطبہ نہیں دیتا تھا اس نے تو ڈیفنس میں ایک قیمتی گھر خرید لیا تھا اور اس میں منتقل بھی ہو چکا تھا

کچھ عرصہ کے بعد اس نے بعد از نماز جمعہ اپنی محافل شروع کر دیں۔ ان محافل میں اس کے پاس بڑے بڑے فوجی و سول آفیسرز کے علاوہ ممتاز کاروباری حضرات بھی حاضر ہوتے تھے۔ ان محافل میں وہ لوگوں کو یہ یقین دلاتا کہ وہ لوگ اس وقت نہیں مریں گے جب تک کہ رسول کریم ﷺ کی زیارت نہیں کر لیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ رسول کریم ﷺ کی خوبصورت انداز میں مدح سرائی بھی کرتا۔

رسول کریم ﷺ کی زیارت کا سن کر لوگ اور بھی دیوانے ہو جاتے اور جب اس کو کہتے کہ وہ ملاقات کب کروا رہے ہیں تو وہ کہتا کہ پہلے درود شریف کثرت سے پڑھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد ان لوگوں سے یہ کہا جاتا کہ مقرر تاریخ کو تمہیں رسول کریم ﷺ کی زیارت ہوگی۔ تم اپنا ذہن پاک و صاف رکھنا۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے ارادت مندوں کو یہ بھی کہہ رکھا تھا کہ رسول کریم ﷺ کی زیارت وہی کر سکتے ہیں جو شیر خوار بچوں کی طرح پاک و صاف ہوں یا پھر وہ مجذوب ہوں جن کا تعلق دنیاوی اغراض سے مطلقاً نہ ہو اور یا پھر وہ لوگ جو حضور اکرم ﷺ پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔

اس کے پاس حاضر ہونے والوں کے لیے اس کی تیسری شرط قدرے قابل قبول تھی۔ کیونکہ پہلی دونوں شرائط پر پورا اترنا تو تقریباً ناممکن ہے۔ اب اس نے لوگوں کی عقیدت کا ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا اور یوں کیا کہ لوگوں سے ان کی عقیدت کا امتحان لینے کی غرض سے بڑی بڑی رقمیں مانگنا شروع کر دیں اور اس طرح بڑی بڑی گاڑیاں بھی ہتھیانا شروع کر دیں۔ لوگ اپنی عقیدت میں سچائی ثابت کرنے کے لیے

Marfat.com

بادل نخواستہ یہ سب کچھ کر گزرتے۔ بعض اوقات وہ اپنے کسی ارادت مند کو اچانک یہ حکم دیتا کہ حب رسول کریم ثابت کرنے کے لیے اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ لوگوں نے حب رسول کریم میں اپنا بہت کچھ اس کے ناجائز مطالبات پر قربان کر دیا۔ جب وہ دیکھتا کہ یہ شخص اس کی بات کو ہی حرف آخر خیال کرتا جا رہا ہے تو وہ ایک کمرۂ خاص میں لیجا کر کہتا کہ آنکھیں کھول کر دیکھو میں ہی محمد ہوں۔

وہ شخص ایک دم حیران ہی تو رہ جاتا۔ بعض نادانوں نے تو خاموشی سادھ لی مگر بعض لوگوں نے اس سلسلہ میں علمائے کرام سے بھی رجوع کر لیا۔ اس سلسلہ میں جناب میاں غفار صاحب رزیڈنٹ ایڈیٹر روز نامہ خبریں نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور خبریں اخبار کے باہمی اشتراک سے ٹمپل روڈ پر واقع لاہور پیلس میں مختلف دینی جماعتوں کے عمائدین کو مدعو کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے معروف دانشوروں اور نامور وکلاء کو بھی مدعو کیا۔

ان تمام معزز حاضرین کو یوسف کذاب کی وڈیو اور آڈیو کیسٹ کے ذریعہ اس کے کرتوتوں سے آگاہ کیا گیا۔ ان عمائدین میں جماعت اہل حدیث لاہور کے مرکزی صدر مولانا زبیر احمد ظہیر، وفاقی شرعی عدالت کے سابقہ مشیر اور سینئر ایڈووکیٹ جناب ریاض الحسن گیلانی، ممتاز عالم دین مولانا محمد شفیع جوش، سابقہ ممبر قومی اسمبلی جنرل ریٹائرڈ محمد حسین انصاری، جامعہ منصورہ سے مولانا عبد المالک، رحمانیہ مسجد اہل حدیث گڑھی شاہو کے خطیب مولانا حبیب الرحمٰن فاروقی، جامعہ نعیمیہ لاہور کے مفتی سرفراز احمد نعیمی، کنگ سعود یونیورسٹی، سعودی عرب سے مولانا رفیق ربانی، جمعیت اہل حدیث کے سیکرٹری جنرل میاں محمد جمیل، جمعیت اتحاد علماء پاکستان سے مولانا ضیاء اللہ قصوری، عالمی مجلس ختم نبوت سے مولانا ظفر اللہ شفیق، جماعت اسلامی کے حافظ محمد ادریس اور لیاقت بلوچ نے شرکت کی اور ایک متفقہ قرار داد منظور کی۔

تمام علماء و عمائدین نے وڈیو اور آڈیو فلم دیکھنے کے بعد متفقہ طور پر یہ قرار داد منظور کی کہ یوسف علی کذاب توہین رسالت کا مرتکب ہوا ہے اور نہ صرف توہین رسالت کا مرتکب ہوا ہے بلکہ اس نے اللہ رب العزت اور کلام اللہ شریف کی بھی اہانت کی ہے اور یہ بھی کہ اس نے یہ کہا کہ (نعوذ باللہ) نبی کریم ﷺ کا ظہور اس کے ناپاک وجود میں

Marfat.com

پوری آب و تاب کے ساتھ ہوا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس نے صحابہ کرامؓ کی بھی شدید انداز میں توہین کی اور اپنے دو چیلوں کو حضرات شیخین سے تشبیہ دی ہے۔ چنانچہ اس ملعون کو قرار واقعی سزا ضرور ملنی چاہیے۔

یوسف کذاب کی خرافات کا مکمل طور پر جائزہ لینے کے بعد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے SSP لاہور کو تحریری درخواست پیش کی گئی کہ یوسف علی توہین رسالت کا مرتکب ہوا ہے۔ چنانچہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے مطابق اس کے خلاف مقدمہ درج کر کے اس کو سخت سے سخت سزا دی جائے۔ SSP لاہور طارق سلیم ڈوگر نے اس درخواست پر لیگل برانچ سے رائے طلب کی۔ جس کے بعد اس کے خلاف 29 مارچ 1997ء کو مولانا اسماعیل شجاع آبادی کی درخواست پر نبوت کے جھوٹے مدعی اور گستاخ رسول یوسف کے خلاف 505, 508, 420, 406, 295C, 295B, 298, 298A, اور 295A تعزیرات پاکستان اور 16MPO کے تحت کیس رجسٹر کر لیا گیا۔

اس سے پہلے خبریں اخبار نے اپنی 23 مارچ 1997ء کی اشاعت میں اس کو سب سے پہلے بے نقاب کیا تھا۔ چنانچہ 25 مارچ کو پولیس نے اپنے طور پر کذاب یوسف علی کو گرفتار کیا اور اس کا وضاحتی بیان قلم بند کر کے چھوڑ دیا۔ مگر لوگوں سے بچانے کے لیے اس کے حمایتی افسروں نے اس کو ملتان روڈ پر چوہنگ کے انسداد دہشت گردی کے سیل میں تین ماہ کے لیے نظر بند کر دیا۔ تاکہ اس کو عوام سے بچایا جا سکے۔

جب اس کے خلاف مقدمہ درج ہو گیا تو اس کی بیوی طیبہ یوسف نے ہائی کورٹ میں اس کی نظر بندی کے خلاف رٹ دائر کی جس کی بنا پر اس کو رہا کر دیا گیا مگر مقدمہ درج ہونے کی وجہ سے ملت پارک تھانہ کی پولیس نے اس کو بروقت گرفتار کر کے 14 روزہ ریمانڈ حاصل کر لیا۔

1998ء میں سیشن کوٹ میں اس کا مقدمہ پیش ہوا۔ اس وقت میاں محمد جہانگیر سیشن جج نے سماعت کی اور اس پر فرد جرم عائد کی۔ جس کے بعد مقدمہ چلا اور آخر کار 5 اگست 2000ء کو فیصلہ سنایا گیا کہ

Marfat.com

(1) زیر دفعہ CPPC 295

ملزم کو مجرم قرار دے کر سزائے موت اور پانچ ہزار روپے جرمانہ کی سزا دی جاتی ہے۔ عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں چھ ماہ مزید قید ہوگی۔ اسے گردن میں پھندا ڈال کر اس وقت تک لٹکایا جائے جب تک وہ مر نہ جائے۔ یہ سزا لاہور ہائی کورٹ کی توثیق کے تابع ہے اور اس بارے میں ریفرنس فوری طور پر بھیجا جائے گا۔

(2) زیر دفعہ APPC 295

مجرم قرار دے کر دس سال قید با مشقت اور پچاس ہزار روپے جرمانہ کی سزا دی جاتی ہے۔ عدم ادائیگی کی صورت میں مزید چھ ماہ قید بھگتنا ہوگی۔

(3) زیر دفعہ PPC 508

مجرم قرار دے کر ایک سال قید بامشقت اور دس ہزار روپے جرمانہ کی سزا دی جاتی ہے۔ عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں مزید چھ ماہ قید بھگتنا ہوگی۔

(4) زیر دفعہ APPC 298

مجرم قرار دے کر تین سال قید بامشقت اور بیس ہزار روپے جرمانہ کی سزادی جاتی ہے۔ عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں دو ماہ قید مزید بھگتنا ہوگی۔

(5) زیر دفعہ PPC-2- 505

مجرم قرار دے کر سات سال قید بامشقت اور اسی ہزار روپے جرمانہ کی سزا دی جاتی ہے۔ عدم ادائیگی کی صورت میں مزید تین ماہ قید بھگتنا ہوگی۔

(6) زیر دفعہ PPC 420

مجرم قرار دے کر سات سال قید بامشقت اور بیس ہزار روپے جرمانہ کی سزا دی جاتی ہے۔ عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں مزید دو ماہ قید بھگتنا ہوگی۔

Marfat.com

(7) زیر دفعہ PPC 406

مجرم قرار دے کر سات سال قید بامشقت اور بیس ہزار روپے جرمانہ کی سزا دی جاتی ہے۔ عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں مزید دو ماہ قید بھگتنا ہوگی۔

فیصلہ میں یہ خصوصی طور پر تحریر تھا کہ مذکورہ بالا تمام سزائیں یکے بعد دیگرے شروع ہوں گی کیونکہ مرتد ہونے کی بنا پر عدالت کسی قسم کی نرمی اور رعائیت کی روا دار نہیں اور نہ ہی اسلام میں اس کی اجازت ہے۔ مجرم باضابطہ فوجداری کی دفعہ 382B سے بھی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔

(7,1)

مال مقدمہ جو آڈیو اور ویڈیو کیسٹیں، ڈائری اور ملزم کی پیش کردہ ویڈیو کیسٹ مارک 2 پر مشتمل ہیں اپیل اور نظر ثانی (جو بھی صورت ہو) کے فیصلہ کے بعد ضابطہ کے مطابق ڈسپوز آف کیا جائے گا۔

(7,2)

ملزم کو اس ضمن میں درخواست کے فیصلہ کی نقل بلا معاوضہ دی جائے گی۔ اسے بتا دیا گیا ہے کہ وہ سات دن کے اندر اندر اپیل کر سکتا ہے۔

فائل تکمیل کے بعد فوراً ریکارڈ روم کے حوالے ہوگی۔

5/8/2000 فیصلہ سنایا گیا۔

دستخط

سیشن جج لاہور میاں محمد جہانگیر

عبرت ناک انجام:

کذاب یوسف علی اپنی کذب بیانیوں کی بنا پر شہرت حاصل کرنے کے بعد آخر کار اپنے منطقی انجام تک پہنچ گیا۔ روز نامہ خبریں کی 12 جون 2002ء کی اشاعت میں جلی سرخیوں سے اس ملعون زمانہ کے قتل کی خبر کو شائع کیا گیا۔ اخباری خبر یہ تھی کہ ”نبوت

Marfat.com

کے جھوٹے دعوے پر قید با مشقت اور سزائے موت کی سزا پانے والے یوسف کذاب کو گذشتہ روز سنٹرل جیل (کوٹ لکھپت) لاہور میں کالعدم مذہبی جماعت سپاہ صحابہ کے سزائے موت کے قیدی محمد طارق ولد محمد یاسین نے ریوالور سے فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا۔

تفصیل کے مطابق چند روز قبل انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات پنجاب کے حکم پر یوسف کذاب کو اس کے موجودہ سزائے موت کے سیل سے سزائے موت کے بلاک نمبر 2 کے سیل میں منتقل کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا اور حفاظتی اقدامات کے تحت اس کے لیے بلاک نمبر 2 پر خصوصی گیٹ لگوایا گیا اور اردگرد چار دیواری کرائی گئی تھی۔

گذشتہ دوپہر آئی جی پنجاب جیل خانہ جات کے حکم پر اسے بلاک نمبر 2 میں شفٹ کرنے کے لئے نکالا گیا مگر غفلت یا جان بوجھ کر سازش کے تحت انچارج سزائے موت و اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ بشیر بٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ شیخ ندیم نے اسے بلاک نمبر 1 میں شفٹ کر کے دو بج کر 45 منٹ پر سپرنٹنڈنٹ جیل فاروق نذیر کو رپورٹ دی کہ اسے بلاک نمبر 1 میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔

جس پر اس نے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ بشیر بٹ کو ڈانٹا اور کہا کہ آئی جی کے حکم پر اسے بلاک نمبر 1 سے بلاک نمبر 2 میں شفٹ کرنے کے لئے ہی نکالا گیا تھا۔ تم نے اسے بلاک نمبر 1 میں کیسے شفٹ کر دیا۔ جس پر بشیر بٹ فوری واپس گیا اور اسے بلاک نمبر 1 سے 2 میں شفٹ کرنے کے لئے نکالا ہی تھا کہ سزائے موت کے ہی ایک قیدی محمد طارق نے اسے ریوالور سے فائرنگ کر کے قتل کر ڈالا۔

اس واقعہ کی اطلاع ملتے ہی ڈپٹی آئی جی ہیڈ کوارٹر کیپٹن (ر) سرفراز مفتی مذکورہ جیل میں انکوائری کے لیے پہنچ گئے اور ان کے علاوہ علاقہ مجسٹریٹ جاوید اقبال اور ایس ایس پی سمیت پولیس کی بھاری نفری بھی پہنچ گئی۔ ملزم طارق سزائے موت کا قیدی ہے اور چھ ماہ سے کوٹ لکھپت جیل میں قید ہے۔

قتل کے فوراً بعد جیل میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی اور تمام قیدیوں کو وقت سے پہلے ان کی بیرکوں میں بند کر دیا گیا اور کوئی ملاقات نہ کروائی گئی۔ ملزم طارق کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کر لیا گیا قید تو وہ پہلے ہی تھا۔ ذرائع نے بتایا کہ طارق نے کذاب

Marfat.com

یوسف کو دیکھتے ہی نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت لگایا اور فائرنگ کر دی۔ یوسف کذاب کی موت کی تصدیق کی خبر ملتے ہی طارق سجدے میں گر گیا اور جیل حکام سے نوافل ادا کرنے کی اجازت مانگی۔

روز نامہ خبریں کی 13 جون 2002ء کی اشاعت میں بتایا گیا کہ کوٹ لکھپت جیل میں قید، سزائے موت کے منتظر شاتم رسول، یوسف کذاب کی لاش پھولنا شروع ہو گئی تھی اور بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ انتظامیہ اس صورت حال سے پریشان تھی۔ جیل انتظامیہ اور یوسف کذاب کے ورثاء نے اس کا چہرہ کپڑوں سے ڈھانپ رکھا تھا اور اسے کسی کو نہ دکھایا گیا۔

جیل ذرائع کے مطابق قتل کے بعد اس کا چہرہ سیاہ ہو چکا تھا۔ لاش اٹھانے والے سپاہیوں کے مطابق قتل کے بعد ہی سے لاش سے بدبو آنے لگی تھی۔ جس کی وجہ سے عملہ اور اس کے ورثاء کسی کو بھی لاش کے پاس نہیں آنے دے رہے تھے۔ اس کے چہرے کو مکمل طور پر کپڑے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ پوسٹ مارٹم کرتے وقت ڈاکٹروں کو بھی شدید دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ گستاخ کی لاش پوسٹ مارٹم کے بعد رات کو ہی ورثاء کے حوالہ کر دی گئی کہ فریزر میں موجود دوسری لاشیں اس کے اثرات سے محفوظ رہیں۔ ورثاء لاش لے کر گھر پہنچے تو کوئی بھی محلے دار یا عزیز و اقارب تعزیت کے لیے نہ پہنچا، ورثاء نے خود ہی اس کو غسل دیا اور نماز جنازہ اور دیگر رسومات کے لیے بھی مولوی تلاش کرتے رہے۔

روز نامہ انصاف لاہور کی 23 جون 2002ء کی اشاعت میں یہ تحریر تھا کہ یوسف کذاب کی لاش راتوں رات مسلم قبرستان ایچ (H) 8 سے نکال کر قادیانیوں اور عیسائیوں کے مشترکہ قبرستان میں دفن کر دی گئی ہے۔

اس طرح ایک اور توہین رسالت کا مرتکب اپنے انجام آخر تک پہنچ گیا۔

لعنت اللہ علی الکاذبین

Marfat.com

Marfat.com

ہماری چند اسلامی کتب

Rs. 350/-

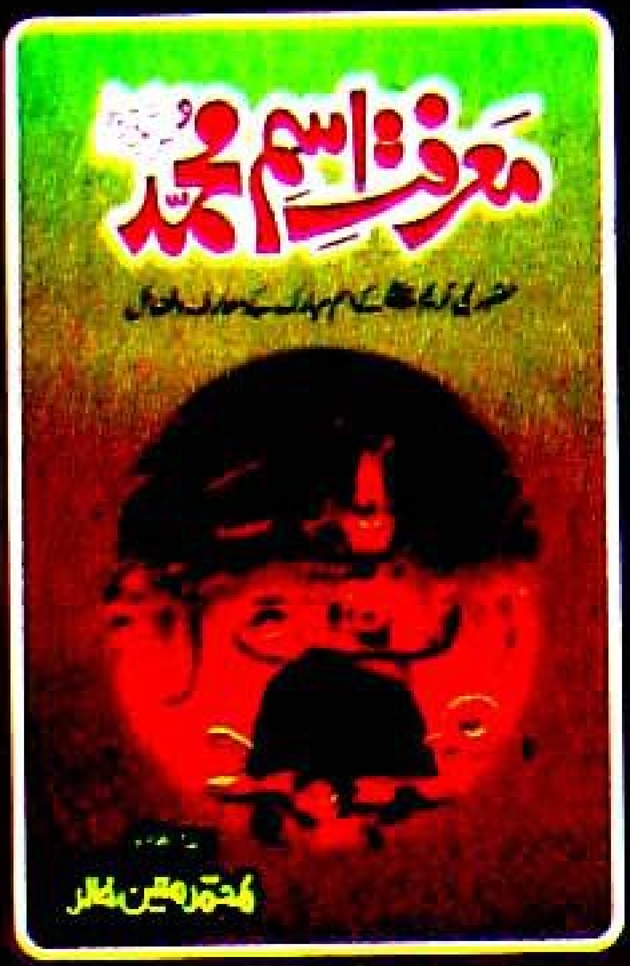

Rs. 150/-

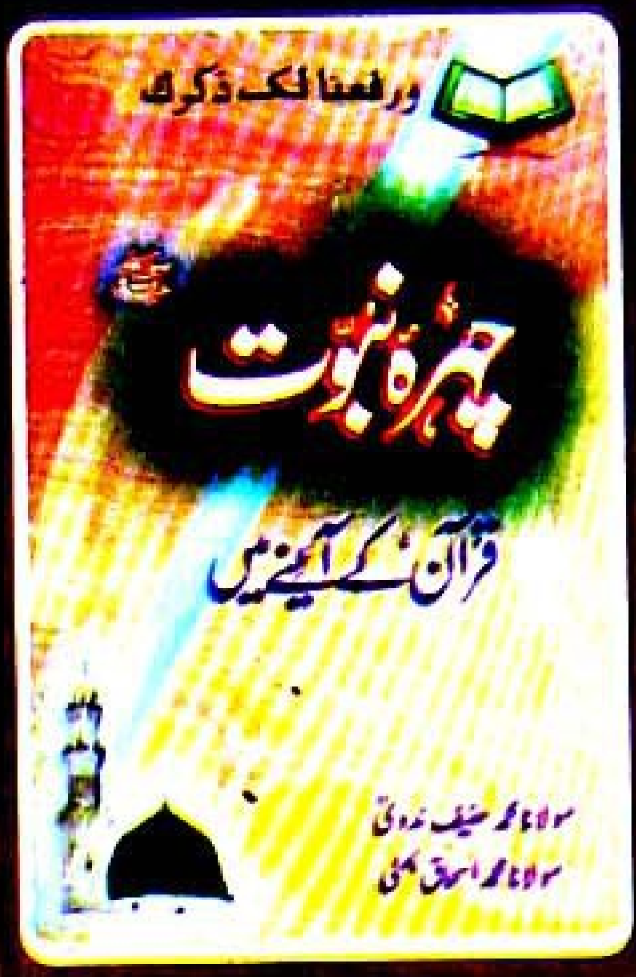

Rs. 150/-

Rs. 200/-

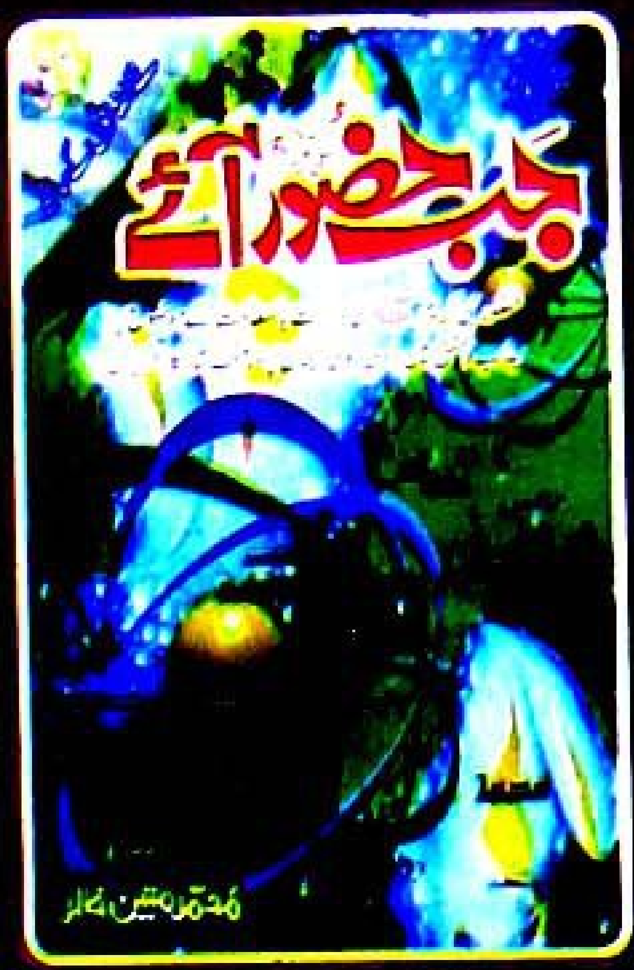

Rs. 150/-

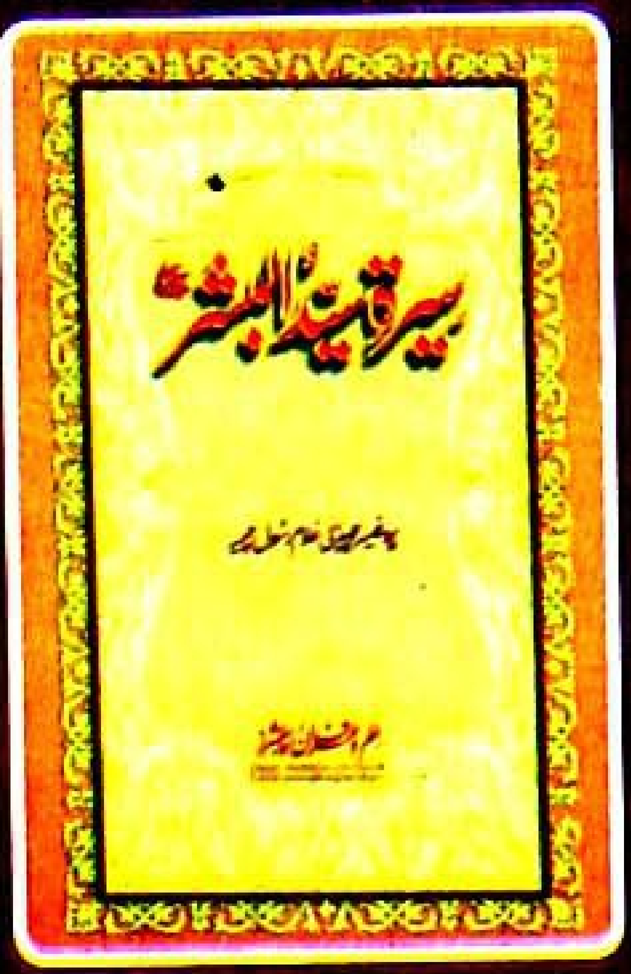

Rs. 200/-

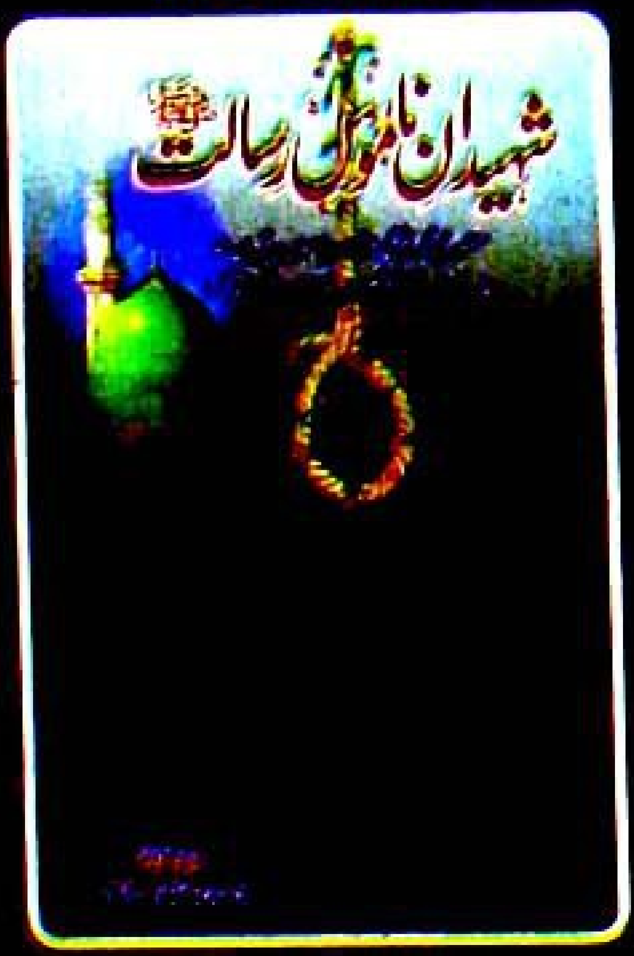

Rs. 200/-

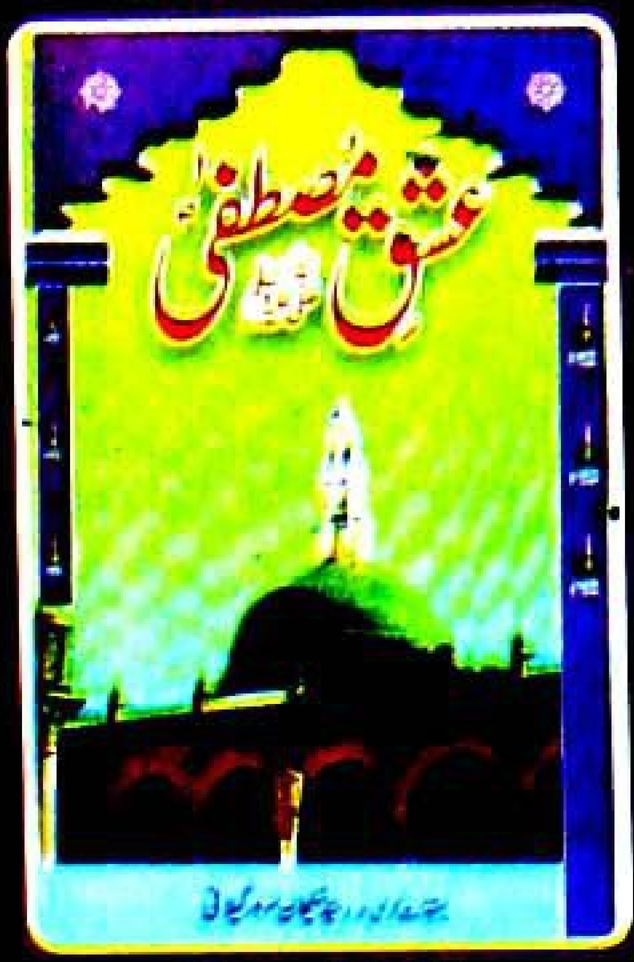

Rs. 100/-

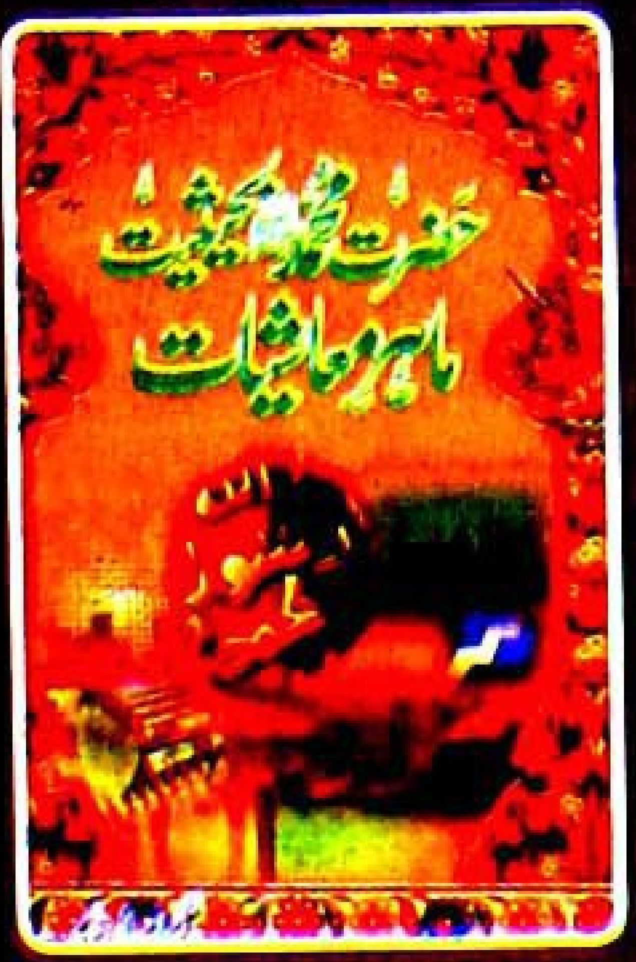

Rs. 200/-

علم و عرفان پبلشرز

34 اردو بازار، لاہور۔ فون: 7352332-7232336
E-Mail:ilmoirfanpublishers@hotmail.com

Marfat.com